محمود الفتاویٰ (مبوب)

جلد ہفتم

بقیۃ کتاب الوقف، ہبہ، غصب وضمان، ایمان ونذور،
لقطہ، اضحیہ وصید وذبائح، قضاء وقصاص، حظر واباحت

حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم
(سابق صدر مفتی، حال شیخ الحدیث: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل)

مرتب: مفتی عبدالقیوم صاحب راجکوٹی

ناشر
مکتبہ محمودیہ، محمود نگر، ڈابھیل، گجرات

تفصیلات

نام کتاب: .... محمود الفتاویٰ (جلد ہفتم)

مرتب: .... مفتی عبدالقیوم صاحب راجکوٹی

کمپیوٹر سیٹنگ: .... محمد ساجد بن مصطفیٰ پٹنی ، عبداللہ بن اشرف مانگرولی

ناشر: .... مکتبہ محمودیہ، محمود نگر، ڈابھیل

ملنے کے پتے

مکتبۂ انور، محمود نگر، ڈابھیل، 9924693470

ادارۃ الصدیق ڈابھیل، نزد جامعہ، 9904886188 / 9913319190

ادارۃ الصدیق دیوبند، نزد مدنی مسجد، مدنی روڈ، دیوبند، 9997953255

فہرست

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
۞	**بقیۃ باب المساجد**	۞
۱	میوزک والی گھڑی کا مسجد میں استعمال	۲۷
۲	سودی ادارہ کو مسجد کی ملکیت کرایہ پر دینا	۲۷
۳	سودی رقم کا استعمال مسجد میں	۲۸
۴	سودی رقم مسجد کے بیت الخلاء میں لگانا	۲۸
۵	بینک میں مکان گروی رکھ کر حاصل کردہ رقم سے مسجد کی تعمیر	۲۸
۶	درخت کے نادرست اجارہ کی آمدنی مسجد میں استعمال کرنا	۳۰
۷	حلال وحرام مخلوط رقم مسجد میں لگانے کا حیلہ	۳۱
۸	مسجد میں حرام مال لگانا	۳۱
۹	مسجد کی چیزیں مسجد کے باہر لے جانا	۳۲
۱۰	مسجد کو رہائش گاہ بنانا اور اس کی اشیاء استعمال کرنا	۳۳
۱۱	وضوخانہ میں کپڑے دھونا اور غسل کرنا	۳۴
۱۲	مسجد کے کمرہ میں ٹی، وی رکھنا	۳۵
۱۳	مسجد کی دوکان میں ٹی وی رکھنا	۳۶
۱۴	مسجد کی دیوار پر بیٹھ کر سیاسی گفتگو کرنا	۳۶

۱۵	مسجد کے تابع برآمدے میں کھانا پکانا اور کھانا	۳۷
۱۶	مسجد میں غیر مسلم کا قیام کرنا	۳۸
۱۷	مسجد کے مکان میں ہم بستری کرنا	۳۸
۱۸	مسجد کے بیت الخلاء کو مخصوص لوگوں کا ہی استعمال کرنا	۳۹
۱۹	مسجد کے بیت الخلاء کے استعمال پر رقم مقرر کرنا	۴۰
۲۰	استنجاء خانہ کو تالا لگانا	۴۱
۲۱	مسجد میں لالٹین کا استعمال	۴۲
۲۲	مسجد کو رنگین بلب سے سجانا	۴۲
۲۳	مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے چند اعلانات	۴۳
۲۴	مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے دینی و دنیوی امور کا اعلان کرنا	۴۳
۲۵	مسجد میں دنیوی امور کا اعلان	۴۵
۲۶	غیر موقوفہ مسجد میں نماز درست ہے	۴۵
۲۷	مسجد کی بجلی مدرسہ میں اور مدرسہ کی بجلی مسجد میں استعمال کرنا	۴۶
۲۸	مدرسہ کے لیے مسجد کی دیوار میں تصرف کرنا	۴۶
۲۹	امورِ مسجد میں کسی کا روپیہ نہ لینا	۴۷
۳۰	ایک مسجد میں دو محراب بنانا	۴۸
۳۱	چھڑی اور وہیل چیئر لے کر مسجد میں آنا	۴۹
۳۲	کمیٹی کا دوسرے کے پلاٹ پر گندا پانی بہانا	۵۳

۳۳	مسجد کا متولی معاوضہ لے سکتا ہے؟	۵۵
۳۴	مسجد کے ممبران کا امام صاحب کو علیحدہ کرنا	۵۶
۳۵	مسجد کی ضرورت کے لیے دیئے ہوئے قرض کا مطالبہ مسجد کی کمیٹی سے کرے یا اس سے جس کو قرض دیا تھا؟	۵۷
۳۶	دینی امور کے لیے مسجد میں چندہ کرنا اور چندہ کنندگان کے ساتھ سلوک	۶۰
۳۷	انتظامیہ کی جانب سے مسجد میں وعظ اور چندہ کرنے سے روکنا	۶۴
۳۸	مسجد میں چندہ کرنا	۶۸
۳۹	امام کی تنخواہ کے لیے مسجد میں چندہ کرنا	۶۹
۴۰	مسجد جدید کی تعمیر قدیم بنیاد پر	۶۹
۴۱	مسجد کی توسیع میں قبرستان کی جگہ شامل کرنا	۷۱
۴۲	مساجد میں آیاتِ قرآنیہ کے کتبات لکھنا	۷۱
۴۳	شیعہ کے عقائد کی ترویج والا طغرا مسجد میں لگانا	۷۳
۴۴	قرآنی آیات مسجد میں لگانے میں آپسی نزاع	۷۵
۴۵	مسجد کا سامان ذاتی کام میں استعمال کرنا	۷۸
۴۶	مسجد کا پانی امام اپنی ضروریات میں استعمال کر سکتا ہے؟	۷۹
۴۷	ذاتی ضرورت کے لیے مسجد کی بجلی کا استعمال	۷۹
۴۸	سوسائٹی کی زمین پر مسجد کا بور بنانا اور اس کا پانی مسجد اور سوسائٹی میں استعمال کرنا	۸۰

۴۹	مدرسہ کا پانی مسجد میں استعمال کرنا	۸۲
۵۰	مسجد کے پانی کا بے جا استعمال	۸۳
۵۱	مسجد کے پانی کی بیع	۸۴
۵۲	مسجد کے کنویں سے محلہ والوں کا پانی لینا	۸۴
۵۳	غیر مسلم کی رقم مسجد میں لینا	۸۵
۵۴	مسجد و مدرسہ میں غیر مسلم کی مشکوک رقم استعمال کرنا	۸۵
۵۵	افطاری اور مسجد کی تعمیر میں کافر کی رقم قبول کرنا	۸۶
۵۶	میونسپلٹی اور غیر مسلم کی زمین پر مسجد	۸۷
۵۷	ارض مغصوبہ پر مسجد مدرسہ بنانے کا حکم	۸۸
۵۸	مسجد کی مرمت کے نام رقم منظور کروا کر عیدگاہ میں لگانا	۸۹
۵۹	کھانا کھلانے اور مسجد کی توسیع میں تقابل کے وقت ترجیح	۹۰
۶۰	مسجد اور مدرسے کے چندے سے تنخواہ دینا	۹۱
۶۱	قیامِ مدرسہ کی نیت سے خریدی ہوئی زمین بیچ کر مسجد بنانا	۹۲
۶۲	قدیم عیدگاہ میں ملکیت کا دعویٰ	۹۴
۶۳	عیدگاہ کی زمین میں اسپتال وغیرہ بنانا	۹۵
۶۴	مسجد کی رقم مدرسہ کے کاروبار یا دیگر امور میں استعمال کرنا	۹۶
۶۵	مسجد کی کتابیں دینی ادارے میں دینا	۹۷
۶۶	ایک مد کی رقم دوسرے مد میں استعمال کرنا	۹۷

۶۷	تنخواہ دار مدرس کا مسجد میں درس دینا	۹۸
۶۸	ضرورت پوری ہونے کے بعد بھی جبراً چندہ وصول کرنا	۹۹
۶۹	مسجد کی دکانیں کرایہ پر مع ڈپازٹ دینا	۱۰۱
۷۰	غیر مسلم کا مسجد میں سیاسی امور کے خاطر آنا	۱۰۲
۷۱	تبلیغ کے لیے کافر کو مسجد میں بلانا	۱۰۴
۷۲	مظالم کے خلاف احتجاج میں مسجد کو مقفل کرنا	۱۰۵
۷۳	آدابِ مسجد	۱۰۸
۷۴	نمازیوں کے ہوتے ہوئے مسجد میں تقریر وتفسیر کرنا	۱۰۸
۷۵	مسجد کے سنگ مرمر کے ٹکڑے گھر میں استعمال کرنا	۱۱۰
۷۶	قدیم مسجد کی تعمیر نو کے دوران نماز واذان جاری نہ رکھنا	۱۱۰
۷۷	مسجد کے خراب نلوں کو درست نہ کرنے کا ذمہ دار کون؟	۱۱۱
۷۸	مسجد میں مجلس ذکر اور اس میں عورتوں کی شرکت	۱۱۲
۷۹	مسجد میں بلند آواز سے تلاوت وغیرہ	۱۱۴
۸۰	دو مسجدوں کا چندہ مخلوط ہو جائے تو کیا کریں؟	۱۱۴
۞	**باب أحكام المدارس**	۞
۸۱	صحتِ قرآن کے لیے نورانی قاعدہ اور نورانی استاذ	۱۱۵
۸۲	مہتمم کے اوصافِ مطلوبہ	۱۲۰
۸۳	تارک صلوٰۃ مہتمم ومتولی کو برطرف کرنا	۱۲۵

۸۴	متولی کیسا ہو؟	۱۲۵
۸۵	دینی اداروں میں ہونے والی کوتاہیوں کا ذمہ دار کون؟	۱۲۷
۸۶	دستور کے خلاف ممبر مدرسہ کا انتخاب کرنا	۱۳۸
۸۷	بانیٔ مدرسہ کا ممبران کو رکنیت سے معزول کرنا	۱۳۸
۸۸	مدرسہ کی جائداد بیچ کر سودی کاروبار میں لگا کر سود سے اسکول چلانا	۱۴۰
۸۹	مدرسہ کے کمپاؤنڈ میں کمپیوٹر کلاس اور شفاخانہ بنانا	۱۴۳
۹۰	مدرسے کے لیے خریدی ہوئی زمین بیچ کر دوسری زمین خریدنا	۱۴۵
۹۱	مدرسہ کو قیمتاً زمین بیچ کر بعد میں تبادلہ میں زمین پر دعوی کرنا	۱۴۶
۹۲	ذاتی زمین میں مدرسہ تعمیر کیا، مالک کون؟	۱۵۰
۹۳	مدرسہ کی زمین بیچنا	۱۵۵
۹۴	مدرسہ کی جگہ فروخت کرنا	۱۵۶
۹۵	مکتب اور مدرسے کی زمین کا تبادلہ کرنا یا اجارہ پر دینا	۱۵۷
۹۶	اسکول کی بلڈنگ دار العلوم کو فروخت کر کے دوبارہ قبضہ کر لینا	۱۵۸
۹۷	ایک مدرسہ کے صدر کی طالبات کے ساتھ ناجائز حرکتیں	۱۶۱
۹۸	صدقہ کا جانور ہلاک ہو تو ذمہ دار کون؟ اور ارباب مدارس کی حیثیت	۱۸۱
۹۹	ذیلی اداروں اور مساجد کے عطیات میں بڑے ادارے والوں کا حد تجاوزی کرنا	۱۸۲
۱۰۰	مال مدرسہ میں خرد برد کرنے والے پر ضمان اور اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کا حق	۱۸۹

۱۰۱	مدرسہ کی زمین میں دفن کرنا	۱۹۵
۱۰۲	بداطوار لڑکوں کے باپ کی جائداد مدرسہ کے لیے قبول کرنا	۱۹۷
۱۰۳	مدارس میں نعتیہ مسابقہ کا انعقاد اور اس میں امرد لڑکوں کا نعت وغیرہ پڑھنا	۱۹۹
۱۰۴	مدرسہ بورڈ کے پہلو سے ابھرتے ہوئے چند سوالات کے جوابات نبض شناس علماء کی تحریر کی روشنی میں	۲۰۴
۱۰۵	قوانینِ مدرسہ کی خلاف ورزی پر ترکِ کلام کرنا	۲۲۷
۱۰۶	حاضری کے لیے کارڈ سسٹم پر بعض اساتذہ کی ناراضگی	۲۲۹
۱۰۷	خدّامِ دین کے لیے مشعلِ راہ	۲۳۲
۱۰۸	مدرسین کو مدرسہ سے کھانا دینے کی صورت	۲۳۴
۱۰۹	مدرس کی عدمِ موجودگی میں مکان پر کھانا لے جانا	۲۳۶
۱۱۰	مدارس کی تشہیر کا حکم	۲۳۶
۱۱۱	مدارس کے سفراء کا لوگوں سے ہدایا وصول کرنا	۲۳۸
۱۱۲	طلبہ کے والدین کی طرف سے استاد صاحب کو ہدیہ	۲۴۱
۱۱۳	طلباء کی تعزیر کی حد	۲۴۲
۱۱۴	طلباء سے مالی جرمانہ لینا	۲۴۳
۱۱۵	جرمانہ کی رقم کا مدرسہ میں استعمال	۲۴۴
۱۱۶	طلبہ کے ناجائز لباس کو پھاڑنا ناجائز اور موجبِ ضمان ہے	۲۴۴

	تنخواہ سے متعلق مسائل	

۱۱۷	امام ومدرس کی ماہانہ تنخواہ کی مقدار	۲۴۹
۱۱۸	آغاز سال میں مستعفی مدرس تعطیل کی تنخواہ کا حق دار ہے؟	۲۵۰
۱۱۹	علیحدگی اختیار کرنے والے مدرس کے لیے تعطیل کی تنخواہ لینا	۲۵۰
۱۲۰	معزول مدرس تعطیلات کی تنخواہ کا مستحق ہے یا نہیں؟	۲۵۱
۱۲۱	مستعفی مدرس تعطیلِ کلاں کی تنخواہ کا استحقاق نہیں رکھتا	۲۵۲
۱۲۲	علیحدگی کے وقت ایک ماہ کی مزید تنخواہ اور عارضی تقرر کا دورانیہ	۲۵۳
۱۲۳	ریلیف کے کاموں میں حصہ لینے والے مہتمم کا تنخواہ لینا اور فون استعمال کرنا کیسا ہے؟	۲۵۵
۱۲۴	صاحب فراش استاذ کے لیے تنخواہ لینا	۲۵۷
۱۲۵	صدقہ کی رقم سے تنخواہ دینا	۲۵۸
۱۲۶	جن دنوں میں ملازمت نہ کی اس کی اجرت لینا کیسا ہے؟	۲۵۸
۱۲۷	ایامِ تعطیل کی تنخواہ لینا	۲۵۹
۱۲۸	ایامِ تعطیل کی تنخواہ وضع کرنا	۲۶۰
۱۲۹	کیا تعطیلات کی تنخواہ ضروری ہے؟	۲۶۲
۱۳۰	تعطیلات کی تنخواہ چندہ کی رقم سے بغیر اجازت منتظمین کے حاصل کرنا	۲۶۲

	متفرقات وقف	

۱۳۱	نابالغ کے چندہ کا حکم	۲۶۴

۱۳۲	صاحب مال سے چندہ میں اضافے کی ترغیب	۲۶۴
۱۳۳	زبردستی چندہ لینا	۲۶۵
۱۳۴	غریبوں کی امداد کی غرض سے چندہ کر کے کسی ادارہ میں لگانا	۲۶۵
۱۳۵	اسکول اور مدرسہ کے نام سے چندہ ہوا اس پر کس کا حق ہے؟	۲۶۷
۱۳۶	کمیشن پر چندہ کرنا	۲۶۹
۱۳۷	ظہرانہ عشائیہ وغیرہ طریقوں سے اسلامی اداروں کا چندہ	۲۷۰
۱۳۸	سنیچر کی تعطیل میں یہود سے تشبہ ہے	۲۸۷
۱۳۹	عاریتاً دی ہوئی کتابوں کی فیس وصول کرنا	۲۸۸
۱۴۰	چھوٹی بات پر عہدے سے نکال دینا	۲۸۹
۱۴۱	مدرسہ کے وقت میں استاذ کا تلاوت یا مطالعہ کرنا	۲۹۰
۱۴۲	مدرسہ کے استاذ کو خنزیر کہنا	۲۹۰
۱۴۳	مدارس میں قرآن خوانی	۲۹۱
۱۴۴	مدرسہ کی چرائی ہوئی چیز کی تلافی	۲۹۲
۱۴۵	مدرسے کا وقف بورڈ سے امداد لینا	۲۹۳
۱۴۶	مدرسے میں غیر مسلم کی رقم لینا	۲۹۳
۱۴۷	مدرسہ میں غیر مسلم کے چندہ کا مصرف	۲۹۴
۱۴۸	طالب علم کو حافظ بنانے کے لیے دی گئی رقم کے استعمال کا طریقہ	۲۹۴
۱۴۹	مکاتب کے اساتذہ کا جماعت میں جانا	۲۹۵

باب مایتعلق بالمقابر

۱۵۰	قدیم قبرستان میں سائیکل کی دکان کھولنا	۲۹۹
۱۵۱	قبرستان کو اسکوٹر رکھنے کی جگہ بنانا	۳۰۰
۱۵۲	قبرستان میں مسجد بنانا	۳۰۰
۱۵۳	قبرستان خریدنے میں مرزائی کو شریک کرنا	۳۰۳
۱۵۴	موقوفہ قبرستان میں تدفین کے لیے ڈونیشن لینا جائز نہیں	۳۰۴
۱۵۵	پرانی قبروں کی بوسیدہ ہڈیوں کے لیے علیحدہ گڑھا نہ کھودا جائے	۳۰۶
۱۵۶	قبرستان کی زمین کا تبادلہ	۳۰۸
۱۵۷	قبرستان کی موقوفہ زمین کو فروخت کرنا	۳۰۹
۱۵۸	موقوفہ قبرستان کے پھلوں کا مفت میں استعمال	۳۱۰
۱۵۹	قبرستان کی گھاس کاٹنا	۳۱۱
۱۶۰	قبرستان کی گھاس کاٹنا	۳۱۲
۱۶۱	قبرستان کے درخت اور گھاس وغیرہ کاٹنا	۳۱۴
۱۶۲	قبرستان کی زمین میں تعمیر، کھیتی وغیرہ جائز نہیں	۳۱۴
۱۶۳	فسادات کی خبر نہ دینے اور مندر کی تعمیر میں مدد کرنے والے کی قبرستان میں تدفین	۳۱۶
۱۶۴	مسلمانوں کے قبرستان میں شیعہ کی تدفین	۳۱۷
۱۶۵	مسلم قبرستان میں داودی بوہروں کی تدفین، قبرستان ہال میں نماز پڑھنا۔ غیر مسلم کی نعش کی تغسیل و تکفین	۳۱۸

۱۶۶	قبر کی حد بندی کرنا	۳۲۱
۱۶۷	قبرستان میں نماز جنازہ کے لیے ایک جگہ متعین کر لینا	۳۲۱
۱۶۸	قدیم قبر پر راستہ بنانا اور دفن کردہ قبر میں دوسری میت کو دفن کرنا	۳۲۲
	کتاب الھبۃ	
۱۶۹	مرض الموت کی تعریف اور ہبہ	۳۲۷
۱۷۰	اپنی حیات میں لڑکوں کو مکان ہبہ کرنا	۳۳۰
۱۷۱	زندگی میں جائیداد اپنی اولاد میں کمی بیشی کے ساتھ تقسیم کرنا	۳۳۰
۱۷۲	اگر زندگی میں ہی مال تقسیم کرنا ہو تو تمام کو یکساں دے	۳۳۱
۱۷۳	اولاد کے ہبہ میں برابری ضروری ہے	۳۳۲
۱۷۴	اولاد کو مال ہبہ کرنے میں کمی بیشی کرنا	۳۳۳
۱۷۵	اپنی ساری جائداد اولاد میں تقسیم کرنا	۳۳۴
۱۷۶	لڑکوں کو جائیداد دینے کے بعد واپس لینا	۳۳۵
۱۷۷	مشترک چیز کا ہبہ کیا یا قانونی مجبوری سے بخشش پتر لکھا یا رقم کو سونے میں تبدیل کر دیا تو کیا حکم ہے؟	۳۳۸
۱۷۸	ہبہ میں قبضہ کا حکم اور حدیث ”لا تصح الھبۃ الا مقبوضۃ“ کی تحقیق	۳۴۱
۱۷۹	سودی آمدنی والے کا ہدیہ لینا	۳۵۳
۱۸۰	مشترک دکان کے منافع کا ہبہ درست نہیں	۳۵۳

۱۸۱	ہبہ میں بیوی کو محروم کرنا	۳۵۶
۱۸۲	بیوی کو مکان ہبہ کرنا	۳۵۷
۱۸۳	مدرس کو حسن سلوک کا ہدیہ اور مسجد میں تعلیم کی اجرت	۳۵۸
۱۸۴	ہبۂ مشاع میں موہوب لہم کو تقسیم کا وکیل بنادینا	۳۵۹
۱۸۵	ثبوتِ ہبہ کے لیے غیر مسلم کی شہادت	۳۶۰
۱۸۶	قبضہ سے پہلے بچھڑیوں کا ہبہ	۳۶۱
۱۸۷	ادائے قرض میں ہدیۃً زائد رقم دینا	۳۶۲
۱۸۸	تعلیم قرآن پر ہدیہ لینا	۳۶۲
۱۸۹	ناظرہ قرآن ختم پر ہدیہ کا لین دین	۳۶۳
۱۹۰	کیا ممتحن اور سفیرِ مدرسہ ہدیہ لے سکتا ہے؟	۳۶۴
۱۹۱	اولاد میں بخشش کی صورت میں شادی کا خرچ وضع کرنا	۳۶۵
۱۹۲	ایک زمین کی بخشش کا مسئلہ	۳۶۶
۱۹۳	امام، مؤذن اور مدرسین کو ہدیہ دینے کے لیے چندہ کرنا	۳۶۹
۱۹۴	شادی کے موقع پر ہدیہ دینا	۳۶۹
	کتاب الغصب الضمان	
۱۹۵	کسی کی زمین غصب کرلینا	۳۷۳
۱۹۶	مستعمل چپل کا ضمان	۳۷۴
۱۹۷	کرایہ کے برتن ٹوٹنے پر ضمان	۳۷۴

۱۹۸	مودَع کے ترکہ سے ودیعت کا ضمان	۳۷۵
۱۹۹	نشہ کرنے والے کا مال رضامندی کے بغیر اس کی اولاد کو دینا	۳۷۹
۲۰۰	پارسل اگر ضائع ہوگیا تو نقصان کا ذمہ دار کون؟	۳۸۱
۲۰۱	قاصد سے رقم ضائع ہوئی تو ذمہ دار کون؟	۳۸۲
۲۰۲	دوسرے کے لیے دی گئی رقم اپنی ضروریات میں خرچ کرنا	۳۸۴
۲۰۳	گراج کے باہر گاڑی چوری ہوگئی تو ضامن کون؟	۳۸۵
۲۰۴	زکوۃ وصدقات کی رقم چوری ہوگئی تو ذمہ داروں پر ضمان کا حکم	۳۸۶
۲۰۵	کیشیر کی رکھی ہوئی رقم نہ پائی تو کیا اس پر ضمان ہے؟	۳۹۱
۲۰۶	چرائی ہوئی رقم کا حق واپس کرنے کی صورت	۳۹۲
۲۰۷	بلڈنگ گرنے سے پڑوس کے مکان کو نقصان پہنچنے کا مطالبہ	۳۹۲
۲۰۸	دوٹورس والے کی مشترکہ رقم ضائع ہوگئی تو ضمان کس پر ہے؟	۳۹۴
۲۰۹	ایکسیڈنٹ کی رقم کا مصرف	۳۹۶
۲۱۰	بیرون سے بھیجی گئی رقم میں بھائیوں کا تصرف	۳۹۷

كتاب الأيمان والنذور

۲۱۱	حلال چیز کو حرام کرنے سے یمین منعقد ہوجاتی ہے	۴۰۱
۲۱۲	منت کی نماز میں دو کی بجائے چار رکعت پڑھنا	۴۰۱
۲۱۳	لڑکے کی منت میں لڑکی پیدا ہوئی تو کیا حکم ہے؟	۴۰۲
۲۱۴	نذر کا مصرف مسلمان فقیر ہے	۴۰۲

۲۱۵	نذر کی چیز میں تبدیلی کی چند صورتیں	۴۰۳
۲۱۶	قسم سے نکلنے کی صورت اور اس کا کفارہ	۴۰۴
۲۱۷	قسم کا کفارہ	۴۰۵
۲۱۸	بچہ کی پیدائش پر بھیک مانگ کر کپڑا پہنانے کی منت	۴۰۶
۲۱۹	روزے کی منت کو حالت سفر کے ساتھ مقید کرنا	۴۰۶
۲۲۰	قرآن ہاتھ میں لے کر کوئی بات کہنے سے قسم منعقد نہیں ہوتی	۴۰۷
۲۲۱	کاروبار سے نفع کی رقم میں نذر ماننا	۴۰۸

کتاب اللقطة

۲۲۲	لقطہ کی تشہیر کا طریقہ	۴۱۱
۲۲۳	مدفون خزانہ کا استعمال	۴۱۳
۲۲۴	ٹرانسپورٹ کا لاپتہ مال بحکم لقطہ ہے	۴۱۴
۲۲۵	رقم وزیور کا لقطہ	۴۱۴
۲۲۶	دودھ کی خالی بوتل مالک کو نہ دے سکے تو کیا کرے؟	۴۱۵
۲۲۷	سونے کا لقطہ ملا کیا کرے؟	۴۱۶
۲۲۸	قرض خواہ کے نہ ملنے کی صورت میں قرض کی ادائیگی	۴۱۷
۲۲۹	سفر میں غلطی سے دوسرے کا سامان ساتھ آجائے تو کیا حکم؟	۴۱۸
۲۳۰	لقطہ کا حکم اور سرکاری نیلامی میں اس کو خریدنے کا حکم	۴۱۸

کتاب الاضحیۃ والصید والذبائح

۲۳۱	قربانی اور زکوٰۃ کا نصاب	۴۲۳
۲۳۲	قربانی کس پر واجب ہے؟	۴۲۳
۲۳۳	قربانی کس پر واجب ہے؟	۴۲۴
۲۳۴	قربانی کس پر واجب ہے؟	۴۲۴
۲۳۵	مقروض پر قربانی	۴۲۵
۲۳۶	مرحوم کے لیے قربانی کی چند صورتیں	۴۲۶
۲۳۷	نفقہ کے بقدر زمین کے مالک پر قربانی نہیں	۴۲۷
۲۳۸	سونا چاندی اور زمین کے مالک پر قربانی	۴۲۸
۲۳۹	مشترکہ کاروبار میں قربانی کس پر واجب ہے؟	۴۲۹
۲۴۰	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے قربانی اور گوشت کا حکم	۴۲۹
۲۴۱	متعدد احباب کا متعدد اصحاب کے لیے قربانی کرنا	۴۳۰
۲۴۲	مرحوم کی طرف سے قربانی انفراداً	۴۳۱
۲۴۳	بڑے جانور کی قربانی پورے گھر کی طرف سے	۴۳۲
۲۴۴	پورے خاندان کی طرف سے ایک بکرے کی قربانی	۴۳۲
۲۴۵	بکرے کی قربانی میں شرکت پر مشتمل ایک مباحثہ کا جواب	۴۳۵
۲۴۶	قربانی کے لیے سینگ دار دنبہ بہتر ہے یا بے سینگ کا دنبہ؟	۴۳۹
۲۴۷	سینگ ٹوٹے جانور کی قربانی	۴۴۰

۲۴۸	خنثیٰ جانور کی قربانی اوراس کا کھانا	۴۴۱
۲۴۹	خنزیر کے دودھ سے پلے ہوئے جانور کی قربانی	۴۴۱
۲۵۰	فاسد بیع کے ذریعہ خریدی گئی گائے کی قربانی	۴۴۲
۲۵۱	بیع فاسدوالے جانور کی قربانی کا حکم	۴۴۳
۲۵۲	بٹائی پر دیے گئے جانور کی قربانی	۴۴۳
۲۵۳	چوری کیا ہوا جانور خرید کر قربانی کرنا	۴۴۴
۲۵۴	ایک سال سے کم بالغ بکرے کی قربانی	۴۴۴
۲۵۵	جانور کی عمر میں قمری تاریخ معتبر ہوگی یا شمسی؟	۴۴۵
۲۵۶	جانور کی عمر کے سلسلے میں کس کی بات معتبر ہوگی؟	۴۴۵
۲۵۷	کتے نے کاٹ لیا ہوایسی گائے کی قربانی	۴۴۵
۲۵۸	مینڈھا، بھیڑ اور دنبہ کی جنس ایک ہے یا الگ الگ؟	۴۴۶
۲۵۹	دنبہ اور بھیڑ میں فرق	۴۵۱
۲۶۰	غیر مملوک گھومنے پھرنے والے جانور کی قربانی	۴۵۲
۲۶۱	قربانی کا جانور بدلنا	۴۵۳
۲۶۲	قربانی کے بکرے کو بڑے جانور سے بدلنا	۴۵۳
۲۶۳	قربانی کے جانور کے بال کاٹنا	۴۵۴
۲۶۴	قربانی کے شرکاء گوشت کس طرح تقسیم کریں؟	۴۵۵
۲۶۵	مشترک قربانی کا گوشت کس طرح تقسیم کرے؟	۴۵۶

۲۶۶	خود کی قربانی میں گوشت تولنے کی ضرورت نہیں	۴۵۶
۲۶۷	کافروں کو قربانی کا گوشت دینا	۴۵۷
۲۶۸	قربانی کے جانور کے کسی عضو کو فروخت کرنا	۴۵۷
۲۶۹	ذبح سے پہلے قربانی کی کھال فروخت کرنا	۴۵۸
۲۷۰	چرمِ قربانی کو مکاتب یا مدارس کی تعمیر میں خرچ کرنا	۴۵۹
۲۷۱	چرم قربانی کی قیمت مسجد میں استعمال کرنا	۴۶۱
۲۷۲	چرم قربانی کا مصرف	۴۶۱
۲۷۳	چرم قربانی کا مصرف	۴۶۲
۲۷۴	چرم قربانی کا مصرف	۴۶۳
۲۷۵	چرم قربانی کا مصرف	۴۶۴
۲۷۶	چرم قربانی وغیرہ کی قیمت تعمیر مسجد وغیرہ میں صرف کرنا	۴۶۵
۲۷۷	چرم قربانی سے تعمیر مسجد و مدرسہ	۴۶۵
۲۷۸	طلبہ پر چرم قربانی کی رقم صرف کرنا	۴۶۷
۲۷۹	چرمِ قربانی کی نقد وادھار قیمت میں کمی بیشی	۴۶۸
۲۸۰	چرمِ قربانی میں شرط لگانا	۴۶۹
۲۸۱	چرمِ قربانی کی رقم خود وکیل نے استعمال کرلی	۴۶۹
۲۸۲	چرم قربانی فروخت کر کے قیمت تنخواہ وغیرہ میں صرف کرنا	۴۷۰
۲۸۳	عالمِ دین کا قربانی کی کھالیں مانگنا	۴۷۰

۲۸۴	قربانی کی کھال پڑی پڑی بگڑ گئی	۴۷۱
۲۸۵	قربانی میں بیوی کے نام کے ساتھ باپ کا نام لگے گا یا شوہر کا؟	۴۷۲
۲۸۶	اپنی قربانی نہ کی ہو ایسے شافعی کا مرحوم والدین کی جانب سے قربانی کرنا	۴۷۲
۲۸۷	سابق سالوں کی قربانی کس طرح کریں؟	۴۷۵
۲۸۸	گائے کی قیمت میں وقتِ ادا کا اعتبار ہے	۴۷۶
۲۸۹	قربانی سے باقی رقم کا مصرف	۴۷۶
۲۹۰	غائب شخص کی طرف سے بدون اجازت قربانی کرنا	۴۷۷
۲۹۱	کیا حاجی کے ذمہ عید الاضحیٰ کی بھی قربانی واجب ہے؟	۴۷۸
۲۹۲	حاجی پر قربانی ہے یا نہیں؟	۴۷۸
۲۹۳	عورت کا شوہر سے چھپ کر زکوٰۃ، قربانی کرنا	۴۷۹
❁	**باب الصید والذبائح**	❁
۲۹۴	جنگل کے جانوروں کا شکار کرنا	۴۸۰
۲۹۵	شرعی ذبیحہ کسے کہتے ہیں؟	۴۸۱
۲۹۶	شیعہ، بوہری اور عیسائی کے ذبیحہ کا حکم	۴۸۲
۲۹۷	نومسلم کا ختنہ اور اس کا ذبیحہ	۴۸۳
۲۹۸	اہل کتاب کے ذبیحہ کا حکم	۴۸۴
۲۹۹	شوافع کے نزدیک ذبح کے شرائط	۴۸۵

۳۰۰	مشینی ذبیحہ کا حکم	۴۸۶
۳۰۱	مرغی کو مشین سے ذبح کرنے پر ایک سوال	۴۸۸
۳۰۲	مشین پر مرغیوں کو ذبح کرنے کا طریقہ	۴۹۲
۳۰۳	حلال جانور کی سات چیزیں کھانا منع ہے	۴۹۳
۳۰۴	حلال جانوروں کی کونسی سات چیزیں حرام ہیں؟	۴۹۴
۳۰۵	ذبح کے بعد مرغی کے پَر جھلنے سے مرغی ناپاک نہیں ہوگی	۵۰۰
۳۰۶	ذبح کے بعد گرم پانی میں ڈالے ہوئے مرغ کا کیا حکم ہے؟	۵۰۱
۳۰۷	کتے کی کاٹی ہوئی مرغی حلال ہے؟	۵۰۲
	باب العقیقة	
۳۰۸	عقیقہ میں ولیمہ کا حصہ	۵۰۲
۳۰۹	بڑے جانور میں دو کا عقیقہ	۵۰۳
۳۱۰	قربانی میں عقیقہ کا حصہ	۵۰۳
۳۱۱	ایک ہی جانور میں قربانی اور عقیقہ کرنا	۵۰۴
۳۱۲	انتقال کئے ہوئے بچہ کا عقیقہ	۵۰۵
۳۱۳	ایضاً	۵۰۶
۳۱۴	بذریعۂ گوشت عقیقہ کرنا	۵۰۶
۳۱۵	عقیقہ میں نام لینا ضروری نہیں	۵۰۸
۳۱۶	عقیقہ کے گوشت کے مستحقین	۵۰۹

۳۱۷	عقیقہ اور اس کے گوشت کا حکم	۵۱۰
۳۱۸	مرحوم اولاد اور بالغ اولاد کا عقیقہ کرنا	۵۱۱
۳۱۹	تبلیغی اجتماعات میں عقیقہ کا گوشت دے کر ٹکٹ کم قیمت میں دینا	۵۱۱
۳۲۰	کیا عقیقہ کی نیت سے عقیقہ واجب ہو جاتا ہے؟	۵۱۲
۳۲۱	قربانی کی نیت سے پالے ہوئے جانور کا عقیقہ کرنا	۵۱۳
۳۲۲	ولیمہ میں قربانی یا عقیقہ کا گوشت کھلانا	۵۱۳
کتاب القضاء والقصاص		
۳۲۳	ایک فریق کی عدمِ موجودگی میں دوسرے فریق کی بات سننا	۵۱۷
۳۲۴	ایک فریق کی بات سن کر فیصلہ کرنا	۵۱۹
۳۲۵	ایک پلاٹ کے تنازع میں کس کی بات معتبر ہے؟	۵۲۰
۳۲۶	گاہک سے مقدمہ کا خرچہ وصول کرنا ۴۰۸	۵۲۱
۳۲۷	ایک ملک کا دوسرے پر حملہ اور مختلف قسم کے نقصانات کے معاوضے	۵۲۳
۳۲۸	قتل کا موجب	۵۳۲
۳۲۹	خلاف قانون تیز رفتاری سے کسی کی موت اور دیت کا حکم	۵۳۲
۳۳۰	کسی پر چوری کا الزام لگانا	۵۲۴
۳۳۱	مرحوم والد کے قرض کی معافی کا دعوی	۵۳۵
۳۳۲	چوری کا ایک مسئلہ	۵۳۷
۳۳۳	زنا کا ثبوت اور تعزیری کارروائی۔ فوٹو حجت شرعیہ نہیں	۵۳۸

۳۳۴	اجیر کی گواہی مستأجر کے حق میں درست نہیں	۵۴۱

کتاب الحظر والاباحة

لباس اور زینت کے مسائل

۳۳۵	علما کی ٹوپی کی انگریز کی ٹوپی سے مشابہت اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمامہ؟	۵۴۵
۳۳۶	عورت کا شرعی لباس	۵۴۷
۳۳۷	عورتوں کے لیے کلی والا کرتہ پہننا کیسا ہے؟	۵۴۷
۳۳۸	عورتوں کے لیے ساڑی پہننا کیسا ہے؟	۵۴۹
۳۳۹	ساڑی پہننا	۵۴۹
۳۴۰	لبس السواد جائز	۵۵۰
۳۴۱	راجستھان میں رائج چند زیورات کا حکم	۵۵۲
۳۴۲	عورت کے لیے مانگ نکالنا کیسا ہے؟	۵۵۸
۳۴۳	مہندی لگانا	۵۵۹
۳۴۴	باہر جانے کے لیے کالا خضاب کرنا	۵۵۹
۳۴۵	سیاہ خضاب لگانا مکروہ ہے	۵۶۰
۳۴۶	کالی مہندی لگانا	۵۷۰
۳۴۷	مردوں عورتوں کے لیے مہندی کا استعمال	۵۷۱
۳۴۸	جانگیہ پہننا	۵۷۲
۳۴۹	چڈی پہننا کیسا ہے؟	۵۷۳

۳۵۰	سونے کا دانت لگانا	۵۷۴
۳۵۱	مرد کے لیے چاندی اور لوہے وغیرہ کی انگوٹھی کا استعمال	۵۷۴
۳۵۲	انگوٹھی کا استعمال	۵۷۵
۳۵۳	سونے کی ملمّع شدہ گھڑی استعمال کرنا اور سونے کا دانت لگوانا	۵۷۶
۳۵۴	چاندی یا دوسرے دھات کی انگوٹھی پہننا	۵۷۷
۳۵۵	گھڑی اور چشمہ پر گولڈ پلیٹنگ کا استعمال	۵۷۸
۳۵۶	میوزک والی گھڑی پہننا	۵۷۸
۳۵۷	خالص سونا یا سونے کی ملمع کردہ گھڑی اور چشمہ کی فریم استعمال کرنا	۵۷۹
۳۵۸	کرتے میں سونے کے بٹن لگانا	۵۸۰
۳۵۹	عورتوں کا پیروں پر مہندی لگانا	۵۸۰
۳۶۰	لالی لگانا	۵۸۱
۳۶۱	عورت کا کلائی پنڈلی کے بال صاف کرنا	۵۸۱
۳۶۲	نیل پالش لگانا	۵۸۲
۳۶۳	آئی برو بنوانا اور چہرے کے بارک بال صاف کرنا	۵۸۲
۳۶۴	مختلف دھاتوں کے زیور اور انگوٹھی پہننا	۵۸۵
۳۶۵	بھنویں بنوانا	۵۸۶
۳۶۶	مرد عورت کے لباس اور ادارے کے یونیفارم کے بارے میں چند سوالات	۵۸۷

مسائلِ حجاب

۳۶۷	پردہ کا طریقہ	۵۸۹
۳۶۹	کیا موجودہ برقعہ شرعی پردہ نہیں ہے؟	۵۹۰
۳۷۰	عورت کا چہرہ پردہ کا حکم رکھتا ہے	۵۹۱
۳۷۱	دینی مجالس وغیرہ میں عورتوں کی شرکت کا حکم	۵۹۲
۳۷۲	نماز پنج گانہ اور مجلسِ وعظ وغیرہ میں عورتوں کی شرکت کا حکم	۶۰۹
۳۷۳	عورتوں کا اصلاحی وانعامی اجلاس منعقد کرنا	۶۱۴
۳۷۴	نوکر سے پردہ	۶۱۷
۳۷۵	ایک گھر میں رہنے والے نامحرم رشتے داروں سے پردہ	۶۱۷
۳۷۶	گھر کے ملازم سے بھی پردہ ہے!	۶۱۸
۳۷۷	عورتوں کی آواز ٹیپ میں سننا	۶۲۱
۳۷۸	منسوبہ لڑکی سے خط وکتابت	۶۲۲

بقية باب المساجد

میوزک والی گھڑی کا مسجد میں استعمال

سوال: میوزک (موسیقی) بجنے والی گھڑی مسجد میں لگا سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اس گھڑی میں یہ نظم ہوتا ہے کہ آپ میوزک کی آواز بند کرنا چاہیں تو بند کر سکتے ہیں، اس لیے اس آواز کو بند کر کے مسجد میں اس کا استعمال درست ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ جمادی الاولی ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

سودی ادارہ کو مسجد کی ملکیت کرایہ پر دینا

سوال: جامع مسجد مہاڈ کی ایک وسیع ملکیت ہے، جس میں مختلف دکانیں ہیں، جس کی معقول آمدنی سے مسجد کا خرچ پورا کیا جاتا ہے، عمارت کی ایک جگہ خالی ہو رہی ہے جو کوآپریٹو کریڈٹ سوسائٹی کے لیے کرایہ پر مانگ رہے ہیں، کیا یہ جگہ ہم ایسی سوسائٹی کو کرایہ پر دے سکتے ہیں جس کا نظام سودی بنیاد پر منحصر ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

سودی لین دین کرنے والے ادارہ کو مکان کرایہ پر دینا تعاون علی الاثم کے مترادف ہے، اور قرآن کریم میں تعاون علی الاثم (گناہ میں مدد کرنے) کی ممانعت آئی ہے،

ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الاثمِ وَالعُدْوَانِ﴾ گناہ اور زیادتی کے کاموں میں معاونت مت کرو؛ لہذا اس کی اجازت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سودی رقم کا استعمال مسجد میں

سوال: کیا سودی کاروبار سے آنے والا کرایہ ہم مسجد کے لیے استعمال کر سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو ہم اور دوسرے کسی کام میں استعمال کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سود کی رقم کا استعمال مسجد اور اس کے متعلقات میں جائز نہیں ہے، اس کے اصلی مالکان کو لوٹا دیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سودی رقم مسجد کے بیت الخلاء میں لگانا

سوال: مسجد کے بیت الخلاء اور طہارت خانہ میں سود کی رقم لگا سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایسا ہرگز نہ کرے، یہ جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بینک میں مکان گروی رکھ کر حاصل کردہ رقم سے مسجد کی تعمیر

سوال: (۱) یہاں پر برطانیہ میں یہ ایک عام رواج ہوتا جا رہا ہے کہ جب نئی

مسجد تعمیر کرتے ہیں، تو عوام اپنا مکان بینک میں گروی رکھتے ہیں، اور اس پیسوں سے مسجد تعمیر کرواتے ہیں، اور بعد میں جو مسجد کے پیسے آتے ہیں اس سے مکان کا اور اس کے اوپر جو بینک کا سود لگتا ہے، سود اور مکان کا پیسہ دونوں مسجد کے پیسوں سے دیا جاتا ہے، مکان والا نہیں دیتا، تو اس طرح پر مسجد بنوانا جائز ہے یا نہیں؟

② بعض جگہ پر اس طرح مسجد تعمیر کروا چکے ہیں تو ان کا کیا حکم ہے؟

③ پانچ وقت کی نماز کے لیے مکان موجود ہے جس میں نماز برابر ہو رہی ہے، تو ایسی حالت میں ایسے پیسوں سے مسجد بنوانا چاہیے یا نہیں؟

④ اگر ضرورت ہے؛ لیکن اتنی شدید ضرورت نہیں ہے، تو ایسی حالت میں ایسے پیسوں سے مسجد بنوانا چاہیے یا نہیں؟

⑤ اور اگر شدید ضرورت ہے تو ایسی حالت میں ایسے پیسوں سے مسجد بنوانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① سود لینے والے، سود دینے والے، سود کا رقعہ لکھنے والے اور سود کی گواہی دینے والے سب پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے، اور سب کو نفس گناہ میں برابر قرار دیا گیا ہے: لعن رسول الله ﷺ آكل الربوا، وموكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء رواه مسلم (مشكوة: ٢٤٤) ظاہر ہے کہ بینک میں مکان گروی رکھ کر جو قرض حاصل کیا جاتا ہے اس پر بھی سود دینا پڑتا ہے، اس طرح وہ لوگ ایک حرام قطعی کے مرتکب ہوتے ہیں، بعد میں جب وہ قرض مسجد کے پیسوں سے ادا کیا جاتا ہے تو قرض سے زائد جو رقم سود کے نام سے ادا کی گئی اس کا ضمان ان ذمہ داروں

پر ہے، جنہوں نے مسجد کی رقم میں سے وہ زائد مقدار ادا کی ہے، ان کو چاہیے کہ وہ لوگ اتنی رقم مسجد کو بطور ضمان ادا کریں، اس طریقہ سے مسجد بنوانا جائز نہیں ہے۔

② چوں کہ اصل رقم جو صاحبِ مکان نے بینک سے حاصل کی وہ قرض تھی اور پھر اس نے اپنی طرف سے یہ رقم مسجد کو قرض دی ہے، اس لیے طریق کار غلط اور ممنوع ہونے کے باوجود اس کا مسجد کو یہ قرض دینا درست تھا، اور اس رقم سے بنی ہوئی یہ مسجد مسجد شرعی ہے؛ لیکن صاحب مکان اور دیگر ذمہ داران گنہ گار ہیں، ان کو چاہیے کہ توبہ کریں۔ (ماخوذ از امداد الفتاوی ۳/ ۱۷۰، واز فتاوی محمودیہ ۶/ ۲۰۷)

③ ④ ⑤ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵/ ربیع الآخر ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

درخت کے نادرست اجارہ کی آمدنی مسجد میں استعمال کرنا

سوال: سنت جماعت کی زمین کے اندر کھجور کے درخت ہیں اور کھجور کے درخت ایک غیر مسلم کو کرایہ پر دئے ہیں، اور وہ قیمت مسجد کے اندر جمع ہے تو اب وہ پیسے کو استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر اس کو استعمال کر سکتے ہیں تو کونسے کام میں؟ اب رہی بات کہ کرائے پر دینے سے مراد یہ ہے کہ اس سے تاڑی نکالتے ہیں، تو وہ تاڑی کی قیمت لے کر اس کو استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درخت کا اس نوع کا اجارہ درست نہیں ہے، اس آمدنی کو مسجد میں استعمال کرنا

جائز نہیں ہے، وہ رقم اس کے مالکین کو واپس کردی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حلال وحرام مخلوط رقم مسجد میں لگانے کا حیلہ

سوال: ایک گاؤں میں مسجد تعمیر ہورہی ہے، اور تعمیری کام آدھا ہوگیا اور آدھا باقی ہے، اور ایک شخص جن کی حلال کمائی میں ایک ربع یا اس سے کم یا زیادہ سود ملا ہوا ہے، (بیاج ملا ہوا ہے) اور سب جانتے ہیں اس کے اس کام کو، اور وہ آدمی باقی کام مسجد کا پورا کرنا چاہتا ہے اپنے پیسے سے، اور لوگ اس کو اس کام سے روکتے ہیں تو کیا اس کا پیسہ مسجد کے لیے استعمال کرنا درست ہے یا لوگوں کا منع کرنا درست ہے؟ شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اگر اس کی حلال کمائی میں حرام مخلوط ہے اور حلال غالب ہے حرام مغلوب ہے، تو اگر وہ شخص اس رقم کو مسجد میں استعمال کرنا چاہے تو گنجائش ہے؛ لیکن مناسب یہ ہے کہ وہ آدمی اپنی یہ رقم کسی کو ہبہ کردے، اس کے بعد وہ شخص موہوب لہ اس رقم کو مسجد میں لگائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مسجد میں حرام مال لگانا

سوال: سود اور جوے شراب یا مٹکا یا اس قسم کی اور چیزیں جو شریعت مطہرہ

نے حرام قرار دی ہیں اس روپئے سے مسجد میں بیت الخلاء یا طہارت خانہ یا غسل خانہ یا وضو خانہ بنا سکتے ہیں؟ تفصیل سے نوازیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

ناجائز آمدنی خواہ سود کے ذریعہ سے حاصل کی ہو، خواہ اور کسی ذریعہ سے، مسجد میں لگانا درست نہیں۔ (فتاوی محمودیہ ۱/۴۶۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶ صفر ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد کی چیزیں مسجد کے باہر لے جانا

سوال: ① مسجد کی ہر چیز وقف ہوتی ہے جو مسجد ہی کے اندر استعمال کی جاسکتی ہے، جیسے قرآن مجید اور دیگر دینی و معلوماتی کتابیں، مسجد کے جملہ سامانوں کو مسجد ہی میں استعمال و استفادہ کر سکتے ہیں یا ذمہ دارانِ مسجد سے اجازت لینی ضروری ہے؟ مسجد کے باہر کوئی سامان مثلاً قرآن مجید بغرضِ تلاوت، دکان یا مکان یا اسپتال میں لے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ اسی طرح دینی کتابوں یا دیگر سامان؟

② علاوہ ازیں مسجد کے پانی کو اندرونِ مسجد ہی پینے یا وضو و استنجاء میں استعمال کر سکتے ہیں؛ لیکن اگر کوئی شخص مسافر ہے اور قریب میں مسجد ہے، وہ مسافر راستہ میں پانی پینے کے لیے مسجد سے لے جانا چاہتا ہے؛ لیکن خادمانِ مسجد سختی سے منع کرتے ہیں کہ پانی باہر نہ لے جائیں؛ مگر بہت سے لوگ ضد پر اتر جاتے ہیں کہ پینے کے لیے پانی لے جاسکتے ہیں۔ حاصلِ کلام یہ کہ کیا ذمہ دارانِ مسجد کو یہ اختیار ہے کہ مسجد کے

سامان اور دیگر چیزوں کو کھلے عام یا ڈھکے چھپے باہر لے جانے کی اجازت دیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① جو قرآن مجید اور دینی کتابیں وغیرہ کسی خاص مسجد کے لیے وقف کیے گئے ہوں ان کو اس مسجد سے نکال دوسری جگہ (دوکان، مکان، اسپتال وغیرہ) لے جانے کی اجازت نہیں، اسی مسجد میں بیٹھ کر ان سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

(ماخوذ از: فتاویٰ محمودیہ ۱۲/ ۲۹۶)

② پینے کے لیے یا وضو، استنجاء کے لیے پانی کا جو انتظام مساجد میں کیا جاتا ہے اس پانی کو مسجد کے باہر لے جانا جائز نہیں، مسجد میں رہتے ہوئے اس کو ان مقاصد کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ذمہ دارانِ مسجد (خواہ وہ متولیان مسجد ہوں یا خادمانِ مساجد) ان کو شرعی طور پر اختیار نہیں ہے کہ وہ اس پانی کو باہر لے جانے کی اجازت دیں، اگر وہ اجازت دیں گے تب بھی اس کا لے جانا درست نہ ہوگا، اور اجازت دینے والا غیر شرعی تصرف کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳ر جمادی الاخری ۲۴ھ۱۴ھ

مسجد کو رہائش گاہ بنانا اور اس کی اشیاء استعمال کرنا

سوال: ہمارے گاؤں کڑودرا میں باہر کے لوگ بستے ہیں جن میں کارخانے والے بھی ہیں، مزدور بھی ہیں، ان میں سے بعض رات کو یا دن میں مسجد یا صحن میں روزانہ سوتے ہیں، اور نہانے وغیرہ کے لیے مسجد کا غسل خانہ مسجد کا پانی، مسجد کی ڈول استعمال کرتے ہیں، کپڑے وغیرہ دھو کر مسجد کے صحن میں پھیلاتے ہیں، اس کے متعلق

کیا حکم ہے؟ مسجد کے صحن میں ایسے لوگوں کا سونا کیسا ہے؟ جو جماعت ملنے کی نیت سے یا نماز قضا ہونے کے ڈر سے سوتے ہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

مستقلاً مسجد کو مکان بنانا اور وہاں رہائش اختیار کرنا نہیں چاہیے، یہ مکروہ اور احترام مسجد کے خلاف ہے؛ لیکن اگر کسی پر نیند کا غلبہ ہو یا اس کی جماعت ترک ہوتی یا نماز قضاء ہو جاتی ہے اور مسجد میں سونے سے نماز با جماعت کی پابندی نصیب ہوتی ہے، یا تہجد کی توفیق ہوتی ہے یا مسجد کی حفاظت مقصود ہے یا کوئی اور دینی ضرورت ہے جو بغیر مسجد میں سوئے حاصل نہیں ہوتی، تو اس کے لیے بھی اجازت ہے۔

(فتاوی محمودیہ ۱/ ۴۸۰)

مسجد میں غسل خانہ عموماً مسافرین کی ضرورت یا امام و مؤذن کے لیے بنایا جاتا ہے، ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لیے اس کا استعمال درست نہیں ہے، اسی طرح مسجد کے صحن میں کپڑے دھو کر پھیلانا احترام مسجد کے خلاف ہے، مسجد کے ڈول، رسی کا استعمال نماز کے علاوہ محلہ کے باشندوں کی ضرورتوں میں درست نہیں ہے؛ ہاں اگر ڈول رسی دینے والے نے عام اجازت دی ہو تو درست ہے۔ (ایضاً ۶/ ۱۶۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

وضو خانہ میں کپڑے دھونا اور غسل کرنا

سوال: وضو خانہ جو صحن میں ہے وہاں کپڑے دھونا اور غسل کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

وضوخانہ وضو کرنے کے لیے بنایا جاتا ہے، کپڑے دھونے اور غسل کرنے کے لیے نہیں، اس لیے اس نوع کے استعمال کی اجازت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مسجد کے کمرہ میں ٹی، وی رکھنا

سوال: جو شخص مسجد کے روم میں کرایہ پر رہتا ہو اور وہ صاحب اراکین کمیٹی بھی ہو، اور وہ صاحب اس مسجد والے روم میں رہتا ہے؛ لیکن بدنصیبی یہ ہے کہ ٹیلی ویژن رکھتا ہے اور حد تو یہ ہوگئی کہ بوقت اذان وصلوۃ بھی اس کو بند نہیں کرتا ہے، اور اس کو برطرف ہونے کو کہا جاتا ہے تو انکار کرتا ہے تو حضرت اقدس ایسے شخص کے متعلق کیا کیا جائے؟ اور ایسے مسجد والے روم میں اس طرح کے آلاتِ لہو ولعب رکھنا کیسا ہے؟ کیا اس گناہ میں جملہ اہلِ مسجد مرتکبِ معصیت ہوں گے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسجد کے کمرہ میں ٹی-وی رکھنا اور چلانا، بوقتِ اذان ونماز بھی اس حرکتِ شنیعہ کو جاری رکھنا بہت بڑا گناہ ہے۔ ایسا آدمی اس لائق نہیں کہ اس کی رکنیت باقی رکھی جائے، تمام ذمہ داران اور مسلمانوں کو چاہیے کہ اس کو باز رکھیں اور باز نہ رہتا ہو تو مسجد کے اس روم سے اس کو ہٹانے کی ہر ممکن سعی کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/شعبان ۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد کی دوکان میں ٹی وی رکھنا

سوال: اور اسی طرح مسجد کی دوکان کے کرایہ داروں میں سے ایک آدمی اپنی دوکان میں ٹی وی رکھتا ہے، تو اس طرح رکھنا درست ہے؟ کیا اس میں مسجد کی بے حرمتی نہیں ہوگی؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

دکانیں اگر احاطۂ مسجد میں ہیں تو اس میں ٹی وی رکھنے والے سے باز پرس ہونی چاہیے، اور نہ ماننے پر اس کے ساتھ عقد اجارہ جاری نہ رکھا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۲/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۹ھ

مسجد کی دیوار پر بیٹھ کر سیاسی گفتگو کرنا

سوال: ہمارے یہاں ایک مسجد ہے اس کی وہ دیوار جس سے مسجد کی حد بندی ہوتی ہے، یعنی اس کے بعد مسجد کا حصہ نہیں رہتا، اسی دیوار کے اندر الماری نما خانے چپل جوتا وغیرہ رکھنے کے لیے بنائے گئے ہیں، دریافت طلب مسئلہ یہ کہ: آیا اس دیوار پر بیٹھ کر سیاسی یا کسی قسم کی بات چیت کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

وہ دیوار بھی مسجد کا جزء ہے؛ اس لیے اس پر بیٹھ کر سیاسی وغیرہ گفتگو کرنا احترام اور تعظیم مسجد کے خلاف ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مسجد کے تابع برآمدے میں کھانا پکانا اور کھانا

سوال: ہمارے یہاں شہر کولہاپور میں مسلمانوں کا جو عام قبرستان ہے، اس سے متصل ایک جانب میں مسجد ہے، جس کا نام ہی قبرستان مسجد ہے، پہلے یہ مسجد قدرے چھوٹی تھی، اب بعد توسیع شہر کی تقریباً سب سے بڑی مسجد کہلاتی ہے، اس توسیع میں چند ایک پرانی قبریں بھی مسجد کی حد میں آگئی ہیں؛ نیز مسجد سے بالکل ہی متصل قبرستان کا جو حصہ تھا جہاں قبریں موجود تھیں ان کو زمین دوز کر کے اس پر پختہ فرش ڈال دیا گیا ہے، اس پختہ فرش والے حصہ کو چھوڑ کر بقیہ پورے قبرستان میں تدفین ہوتی ہے، جس جگہ پختہ فرش ڈال دیا گیا ہے، اس کا کچھ حصہ صلوۃ جنازہ پڑھنے کے لیے باقاعدہ متعین کیا گیا ہے، کچھ حصہ آمدورفت میں مستعمل ہوتا ہے اور کچھ حصہ ویسے ہی خالی ہے، شہر کی سب سے بڑی مسجد ہونے کی بناء پر وقتاً فوقتاً اس میں مختلف تبلیغی جوڑ اور اجتماعات ہوتے رہتے ہیں؛ نیز دیگر اصلاحی پروگرام بھی ہوتے ہیں؛ لیکن اجتماعات کے موقعہ پر پختہ فرش والے اس خالی حصہ کو کھانا پکانے اور کھانا کھانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس طرح قبرستان کی جگہ میں کھانا پکانا اور کھانا کھانا درست ہے، جب کہ اندر قبریں بھی ہیں؛ نیز جگہ کی تنگی اور شہر میں کسی دوسری ایسی بڑی مسجد کا نہ ہونا جہاں سہولت سے اجتماع ہو سکے یہ عذر کس حد تک قابل قبول ہوگا؟ برائے کرم مفصل تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سوال میں پیش کی گئی تفصیل کے مطابق اس حصہ کو پختہ فرش ڈال کر قبرستان سے علیحدہ کر دیا گیا ہے، اور مسجد کی عمارت کے تابع قرار دے دیا گیا ہے، تو اب وہاں پر بوقت ضرورت کھانا پکانے اور کھانے میں شرعاً کوئی اشکال نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

مسجد میں غیر مسلم کا قیام کرنا

سوال: مسجد میں کسی غیر قوم کے آدمی کا تجارت کی لائن سے مسجد میں پانچ دن یا اس سے زیادہ قیام رہتا ہو، مسجد میں کسی بھی حصہ میں رہتا ہو یا مسجد میں آتا جاتا رہتا ہو، وہ طہارت کر کے پاک نہیں رہتے اس کے لیے مسجد میں قیام کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسجد کے اندر غیر مسلم کو قیام کی اجازت نہیں ہے؛ البتہ اگر مسجد سے الگ مسجد کی آمدنی کے لیے کمرے بنائے گئے ہوں، ان میں کوئی غیر مسلم قیام کرتا ہے تو یہ احترام مسجد کے خلاف نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۵/ جمادی الاخری ۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد کے مکان میں ہم بستری کرنا

سوال: مسجد کے کسی بھی کونہ میں مکان ہو، یعنی مسجد کے حصہ میں ہو یا مسجد کی

دیوار سے الگ ہو، اس مکان میں بیوی سے ہم بستری کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب): حامداً ومصلیاً ومسلماً

مکان اگر مسجد شرعی سے الگ ہے جیسے امام ومؤذن کی رہائش کے لیے بعض مساجد کے احاطہ میں ہوتا ہے، تو اس میں بیوی سے ہم بستری درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵ / جمادی الاخری ۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد کے بیت الخلاء کو مخصوص لوگوں کا ہی استعمال کرنا

(سوال): مارکیٹ میں ایک مسجد ہے، لوگ دور دور سے یہاں آتے ہیں، دوکان داروں کا گھر مسجد سے بہت دور ہے، لوگوں کی تکلیف کو دیکھتے ہوئے ایک شخص نے مسجد میں ایک بیت الخلاء بنوایا، پر مسجد کے ایک ٹرسٹی نے اس کو تالا لگا کر رکھا ہے، اور خود کو یا اس کے جان پہچان والے کو جب ضرورت ہوتی ہے تو چابی دی جاتی ہے، پر عام آدمی کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

جب ٹرسٹی سے کہا جاتا ہے کہ آپ نماز کے اوقات میں بیت الخلاء کا تالا کھلا رکھیں، تو کہتے ہیں: "یہ بیت الخلاء سب کے لیے نہیں" اگر نماز کے اوقات میں کھلی رکھتے ہیں تو بیت الخلاء میں گندگی ہونے کا اندیشہ ہے۔

جس شخص کے پاس اس بیت الخلاء کی چابی ہے، وہ کبھی کبھی نماز پڑھتے ہیں، اکثر فلم دیکھنے چلے جاتے ہیں اور کئی لوگ طہارت خانے میں پاخانہ کر دیتے ہیں۔

الجواب : حامداً و مصلیاً و مسلماً

بنانے والے نے جب وہ بیت الخلاء مسجد میں نماز کے لیے آنے والے مصلیوں کی سہولت اور ان کی ضرورت پوری کرنے کے لیے بنایا ہے، تو اب کسی ٹرسٹی کا اس پر تالا لگا کر اس بیت الخلاء کو اپنے اور اپنے جان پہچان والوں کے استعمال کے لیے مخصوص کر لینا شرعاً جائز نہیں؛ بلکہ یہ ایک قسم کی خیانت ہے، ان کو چاہیے کہ نماز کے اوقات میں تالا کھول دیا کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ العبد احمد خانپوری، ۱۳ ر جمادی الاخری ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مسجد کے بیت الخلاء کے استعمال پر رقم مقرر کرنا

سوال : ایک مسجد میں دو بیت الخلاء ہیں، اور وہ کسی مسافر کے لیے یا جماعت وغیرہ کے لیے ہے تو ان بیت الخلاء کو عوام الناس استعمال کرتے رہتے ہیں، اور ایک گھنٹہ بھی خالی نہیں رہتا اور ہمہ وقت نمبر رہتے ہیں، اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میونسپلٹی کی سنڈاس ہے، اور کثیر تعداد میں بے نمازی نمبر لگائے کھڑے رہتے ہیں، اور کئی دفعہ اس میں قفل لگایا گیا؛ لیکن ان کو توڑ کر پھینک دیتے ہیں، تو ہم یعنی اہل کمیٹی ایسا کرنا چاہتے ہیں کہ کسی ایک آدمی کو بیت الخلاء کے پاس رقم جمع کرنے کو کھڑا کریں اور اس آدمی کو مزدوری دے کر یا پھر اسی رقم میں ثلث یا ربع دے کر باقی مسجد کے امام اور مؤذن اور صفائی کرنے والے کو دی جائے، تو ہمارا ایسا کرنا درست ہے یا پھر کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسجد سے ملحق جگہ میں بیت الخلاء عموماً نمازیوں کی سہولت کے لیے اور انہی کے استعمال کے لیے بنائے جاتے ہیں، اس لیے غیر نمازیوں کے لیے ان کا استعمال کرنا درست اور جائز نہیں ہے؛ لیکن اگر صورت حال وہ ہے جو سوال میں بتلائی گئی، تو اگر آپ حضرات مسجد کے بیت الخلاء کے استعمال پر کچھ رقم بطور اجرت لینا چاہیں تو اس کی گنجائش ہے؛ البتہ اس صورت میں جو حقیقی نمازی ہیں ان کو بھی اجرت دینا پڑے گی، حالاں کہ بیت الخلاء ان کے مفت استعمال کے لیے ہی بنائے گئے ہیں، اس لیے رقم مقرر کرنا بھی زحمت سے خالی نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

استنجاء خانہ کو تالا لگانا

سوال: پیشاب خانہ سود کی رقم سے بنا ہے، غیر اوقات نماز میں تالا لگانا کیسا ہے؟ اور استنجاء کے لیے پانی وضو خانہ کی ٹنکی سے لینا پڑتا ہے، غیر مصلی اس کا استعمال کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسجد کے احترام اور نظم ونسق کے لیے غیر اوقات نماز میں استنجاء خانہ کو تالا لگا سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد میں لالٹین کا استعمال

سوال: مسجد میں لالٹین کی شکل میں کیروسن (مٹی کا تیل) استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مٹی کے تیل میں بدبو ہوتی ہے اور بدبودار چیز کا مسجد میں لے جانا منع ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مسجد کو رنگین بلب سے سجانا

سوال: ایک صاحب اپنی طرف سے مسجد کو سجانے کے لیے چھوٹی چھوٹی رنگین بلب وغیرہ لگانے کا ارادہ کرتے ہیں، مگر ان کا ارادہ مسجد کے بجلی کا استعمال کرنا نہیں ہے؛ بلکہ اس سجانے میں جو بجلی وغیرہ صرف ہوتا ہے، وہ ایک دوسرے صاحب کی جانب سے ہے (یعنی مسجد کے رقم میں سے کچھ بھی خرچ کرنا نہیں چاہتے) تو کیا اس طرح مسجد کو سجانا جائز ہے یا ناجائز؟ (صرف تہوار وغیرہ خوشی کے موقع پر)۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عید وشبِ برأت وغیرہ موقع پر بجلی کے قمقموں سے مسجد کی سجاوٹ کی ممانعت کئی وجوہ سے ہے: مسجد کی بجلی کا استعمال کرنا، ان وجوہات میں سے ایک وجہ ہے، اب اگر کوئی بلب بھی اپنی طرف سے دیتا ہے اور بجلی کا خرچہ بھی دیتا ہے، تو اس سے صرف ممانعت کی ایک وجہ دور ہوئی، لیکن ممانعت کی دیگر وجوہات تو اپنی جگہ پر قائم ہیں،

جن میں سے ایک بڑی اور اہم وجہ ہنود وغیرہ غیر مسلم کے تہواروں کے ساتھ مشابہت ہے کہ وہ دیوالی یا کرسمس کے موقعہ پر اپنی عبادت گاہوں کو اسی طرح سجاتے ہیں، ساتھ ہی اسراف بھی ہے، اس لیے آپ نے جو تدبیر لکھی ہے، اس کے بعد بھی جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے چند اعلانات

سوال: مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے اہم چیزوں کا اعلان کیا جا سکتا ہے؟ مثلاً فلاں جگہ شکر اور مٹی کا تیل مل رہا ہے یا بکری وغیرہ کھوگئی ہے یا فلاں کی موت واقع ہوگئی، فلاں کے گھر میں قرآن خوانی ہے وغیرہ وغیرہ؛ ہمارے گاؤں کی مسجدوں میں ایسا اعلان کیا جاتا ہے، بعض مسجد میں ایک اعلان پر دو روپیہ لیتے ہیں اور بعض جگہ للہ ہوتا ہے، کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے اس نوع کے اعلانات مناسب نہیں ہیں، اس سے مسجد کی حرمت پر بھی زد پڑتی ہے، نماز جنازہ کا اعلان یا افطار وسحر کا اعلان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ

مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے دینی ودنیوی امور کا اعلان کرنا

سوال: مسجدوں کے نام لاؤڈ اسپیکر فقط اذان کے لیے وقف شدہ ہوتا ہے لیکن

عموماً اسی لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ میت اور دیگر مواقع میں دنیوی اغراض کے لیے اعلان پورے گاؤں میں، شہروں میں کیا جاتا ہے تو مذکورہ عمل وقف کردہ لاؤڈ اسپیکر سے کیا جاتا ہے، جواز و عدم جواز کا حکم ارشاد فرمائیں، اور اگر اجرت لے کر مذکورہ عمل کریں تو کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مساجد میں جو آلۂ مکبر الصوت لگایا جاتا ہے اس کا اصل مقصود تو اذان ہے؛ مگر ضمناً وہ دینی کام جو مفاد عامہ سے متعلق ہیں ان کے اعلان کی بھی گنجائش ہے، مثلاً کسی میت کا اعلان کرنا؛ تاکہ لوگ نماز جنازہ میں شرکت کرسکیں یا رویت ہلال کا اعلان کرنا یا عید کی نماز کے وقت کا اعلان کرنا یا کسی اہم دینی پروگرام کی اطلاع دینا وغیرہ؛ رہے وہ کام جو دینی نہیں ہے؛ بلکہ دنیوی معاملات ہیں اور ان کا اعلان بلا معاوضہ کیا جاتا ہے یا مسجد کے مفاد کے لیے کوئی معاوضہ لے کر اعلان کیا جاتا ہے یا مسجد کے لیے موصول ہونے والے چندہ کا اعلان کیا جاتا ہے تو اس کے بارے میں ضابطہ یہ ہے کہ اگر اعلان کی جگہ مسجد کے اندر ہے یا لاؤڈ اسپیکر کے ہارن (HORN) مسجد پر یا مسجد کے مناروں میں فٹ ہیں تو یہ اعلان جائز نہیں ہے............ البتہ اگر اعلان کرنے کا مائک مسجد سے باہر کسی حجرہ میں ہو اور اس کے ہارن بھی مسجد سے علیحدہ فٹ شدہ ہوں تو پھر اس قسم کے اعلان کی گنجائش ہے؛ بشرطیکہ لوگوں کے لیے تشویش کا باعث نہ ہو اور خیرات کرنے والوں میں ریاء ونمود کا اندیشہ نہ ہو۔ (آداب اذان واقامت ۱۵۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مسجد میں دنیوی امور کا اعلان

سوال: مساجد وعیدگاہ میں نماز سے قبل یا نماز کے بعد اردو اسکول میں داخلہ کا اور امتحان کا اعلان ہوتا ہے، ساتھ ہی آنکھ کے ڈاکٹر کی طرف سے پورے پتہ کے ساتھ یہ اعلان ہوتا ہے کہ فلاں آنکھ کا ڈاکٹر فلاں جگہ مفت آنکھ کا آپریشن کریں گے وغیرہ وغیرہ؛ اس سے ڈاکٹر کا اشتہار مقصود ہوتا ہے، مسجدوں میں ایسا اعلان کیسا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اس قسم کے اعلانات مسجد میں درست نہیں ہے۔ ''لأن المساجد لم تبن لها''.

البتہ مسجد سے باہر یعنی احاطۂ مسجد کے دروازے پر کئے جا سکتے ہیں، عیدگاہ میں بھی احتیاط یہی ہے کہ اعلان نہ کئے جائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

غیر موقوفہ مسجد میں نماز درست ہے

سوال: کسی نے اپنی ملکیت سے مسجد بنوائی اور اس مسجد کو وقف نہیں کیا، ایسی صورت میں اس مسجد میں جماعت سے نماز درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اگر مسجد کی نیت سے تعمیر کرائی اور لوگوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دیدی تو یہی وقف ہے، باقی رہا جماعت سے نماز کا درست ہونا تو اس کے لیے مسجد ہونا شرط نہیں ہے، مملوکہ زمین میں مالک کی اجازت سے جماعت سے نماز پڑھی جائے تو وہ

نماز بھی درست ہو جاتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مسجد کی بجلی مدرسہ میں اور مدرسہ کی بجلی مسجد میں استعمال کرنا

سوال : مسجد کی لائٹ مدرسہ میں، اور مدرسہ کی لائٹ مسجد میں استعمال کر سکتے ہیں؟ اسی طرح مسجد کی رقم سے مدرسہ کا لائٹ بل اور اس کا برعکس کیا بھر سکتے ہیں؟

الجواب : حامداً و مصلیاً و مسلماً

جب دونوں اوقاف الگ الگ ہوں تو ایک کا استعمال دوسرے میں درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مدرسہ کے لیے مسجد کی دیوار میں تصرف کرنا

سوال : ایک مسجد ہے اور اس کے متصل بغل میں وقف زمین ہے، اب بوجہ ضرورت اس وقف زمین میں مدرسہ کے لیے حجرہ بنانے کی ضرورت ہے، تو اس حجرہ بنانے کے لیے لوہے کی ہینگل یا بیم یا لکڑی وغیرہ کا جو مکان پر مضبوطی کے لیے رکھا جاتا ہے، اس کو مسجد کی دیوار میں سوراخ بنا کر لگانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب : حامداً و مصلیاً و مسلماً

یہ تصرف شرعاً جائز نہیں۔ ولا یوضع الجذع علی جدار المسجد وإن کان من أوقافه (شامی) (فتاوی محمودیہ ۱/۵۰۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

امورِ مسجد میں کسی کا روپیہ نہ لینا

سوال: ① ہمارے یہاں پر ایک مالدار قوم ہے، جب وہ کوئی مسجد بناتے ہیں تو سب محلہ والوں کا روپیہ نہیں لیتے ہیں، صرف اپنے لوگوں کا ہی لیتے ہیں، اور مسجد بنانے کے بعد بھی اگر محلہ کا کوئی شخص ثواب کی نیت سے مسجد میں کوئی پنکھا وغیرہ لگانا چاہے تو بھی فوراً انکار کرتے ہیں، اور اپنی قوم والوں سے ہی لیتے ہیں، ان کا یہ فعل شرعاً درست ہے یا نہیں؟ جب کہ لوگوں میں اس کام کی وجہ سے تعصب پیدا ہوتا جارہا ہے، اور یہ لوگ اگر دین کی دعوت بھی محلہ والوں کو دیتے ہیں تو کبھی وہ قبول نہیں کرتے کہ تم مسجد میں ہمارا روپیہ کیوں نہیں لیتے ہیں؟ قرآن وحدیث سے اس برادری کا اس طرح سے مسجد بنانا اور دوسروں کا روپیہ نہ لینا کیسا ہے؟

② اس طرح کی مسجد میں نماز ادا کرنے سے مسجد کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

③ مذکورہ برادری کے لوگ جس مسجد کو اپنے روپیہ سے بناتے ہیں اس کے احاطہ میں جنازہ کی نماز بھی ادا نہیں کرتے، اور نہ ہی دوسرے لوگوں کو ادا کرنے دیتے ہیں، اور اپنی میت کو لے کر دوسرے لوگوں کی مسجد میں جاتے ہیں وہاں پر ادا کرتے ہیں؛ جب کہ ہر مسجد کے احاطہ میں پڑھنا درست ہے، ان کا یہ طریقہ شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کوئی ایک شخص یا ایک جماعت اپنی ہی رقم سے مسجد تعمیر کرے اور کسی مصلحتِ دینی یا مصلحتِ انتظامی کے پیشِ نظر دوسروں کا روپیہ قبول نہ کرے اس کا ان کو اختیار ہے، اسی طرح دوسرے آدمی کی کوئی چیز یا اس کا چندہ کسی ایسی ہی مصلحت کے پیشِ نظر قبول

نہ کرے اس کا اختیار ہے؛ البتہ دینی یا انتظامی مصلحت کے بغیر محض اپنی شان اور آن قائم رکھنے کے لیے ایسا کرنا درست نہیں۔ الأمور بمقاصدها، لكل امرأ مانوى.

(۲) ضرور ملے گا۔

(۳) ان کا یہ طریقہ شرعاً درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ایک مسجد میں دو محراب بنانا

سوال: جگتیال کے نئے بس اسٹینڈ کے قریب ایک مختصر مسجد ۳۰×۲۱ کی بنائی گئی تھی، جس کی آدھی اراضی پر مغربی حصہ میں چوں کہ راستہ مع ملگیات تعمیر کی گئی ہیں جو مسجد کی انتظامی امور کے لیے ہیں، موجودہ مسجدِ پنجگانہ آدھی اراضی پر مبنی ہے جو نمازِ جمعہ کے لیے ناکافی ہے، اس لیے اوپر کی چھت کو مسجد کی شکل دے کر اوپر منزل میں امام جمعہ کے لیے مزید ایک محراب بنایا جارہا ہے؛ لیکن لوگوں کو اعتراض اس بات کا ہے کہ ایک مسجد میں دو محراب کیسے تعمیر ہوں گے، اگر موجودہ محراب پر اکتفاء کرلیا گیا تو اوپر کی چھت جو ۴۴ فٹ کی ہے صرف ۲۰ فٹ استعمال میں آئے گی، اگر امام اوپری منزل کی چھت پر جو ملگیات پر ہے زیرِ تعمیر محراب میں رہے گا تو اوپر کی تمام کی تمام چھت اور نیچے والی پنج گانہ نماز والی مسجد بھی جمعہ کے دن استعمال میں آسکتی ہے، کیا ایسا کرسکتے ہیں؟ اوپر کی منزل میں محراب دوم بنایا جانا جائز ہے؟ کیا اوپر جمعہ کی نماز امام کے پیچھے محرابِ دوم اور محرابِ اول (جو پنجگانہ کے استعمال میں ہے) کے

سامنے نماز پڑھ سکتے ہیں؟ اوپر امام ایک ہی رہے گا، نیچے والی مسجد میں صرف مصلی رہیں گے۔ مسئلے کی شرعی حیثیت معلوم فرمایئے گا کہ عام اعتراض ختم ہو۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

ایک مسجد میں دو محراب بنانا شرعاً ممنوع نہیں ہے، مسجد نبوی (علی صاحبہ الصلاۃ والسلام) میں آج بھی تین محراب موجود ہیں، جو حضرات وہاں کی زیارت کا شرف حاصل کر چکے ہیں وہ اس کی شہادت دے سکتے ہیں؛ البتہ نیچے کے حصہ میں ملکیات (مسجد کی آمدنی کے لیے کمرے) ہوں اور اوپر مسجد ہو یہ اس وقت درست ہے جب کہ یہ صورت مسجد کی ابتدائی تعمیر و وقف کے وقت سے اختیار کی گئی ہو ورنہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ

چھڑی اور وہیل چیئر لے کر مسجد میں آنا

سوال: میں بیمار انسان ہوں، بڑی مشکل سے چل پھر سکتا ہوں، اب مجھے مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں کچھ دشواری ہو رہی ہے؛ کیوں کہ میں چھڑی (جو دونوں ہاتھ میں پکڑی جاتی ہے وہ میں) استعمال کرتا ہوں اور کبھی کبھی وہیل چیئر کے بغیر نہیں جا سکتا، اور دوسری بات یہ کہ میں چھڑی اور وہیل چیئر لے کر کبھی روڈ پر یا کوئی اور جگہ نہیں جاتا تھا، APOIMMENT وغیرہ ہاسپٹل کی ہوتی ہیں، تو میں اپنی گاڑی میں رکھ کر لے جاتا ہوں، صرف اور صرف میں راستہ پار کرتا ہوں، اور مسجد جاتا ہوں اتنا ہی میں پیدل چلتا ہوں، اب میں آپ سے ہر مسئلے کا الگ الگ جواب

طلب کرتا ہوں:

① انڈیا پاکستان یا بنگلہ دیش اور لندن کے بیچ اتنا فرق ہے کہ وہاں یعنی انڈیا وغیرہ میں سوّر کتا وغیرہ ناپاک جانوروں کی آمد ورفت ہوتی ہے، پھر بھی اس کے باوجود مفتی اور عالم لوگ جو اپنے انڈیا پاکستان اور بنگلہ دیش وغیرہ سے یہاں لندن میں آتے ہیں اور وہ اسی چھڑی سے یہاں STREET میں اور روڈ پر چلتے ہیں، اور اسی چھڑی کے ساتھ مسجد میں نماز کے لیے جاتے ہیں اور کلیکشن یا تقریر کے لیے بھی چھڑی کے ساتھ مسجد میں آتے ہیں، مثال کے طور پر مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے یا بیٹے وہ ابھی دنیا سے چل بسے ہیں، ان کو میں نے خود اپنی آنکھوں سے اور یہاں مسجد کی کمیٹی والوں نے جہاں جہاں ان کی تقریر رکھی تھیں وہ اسی چھڑی جس سے وہ باہر چلتے تھے، مسجد کے اندر کھڑے ہو کر منبر کے پاس چھڑی ہاتھ میں لے کر تقریر کرتے رہتے تھے، اور بھی عالم اور مفتی میں نے دیکھے ہیں کہ جس چھڑی کو وہ باہر لے کر چلتے ہیں اسی چھڑی کو وہ مسجد میں بھی لے کر جاتے ہیں تو کیا وہ لوگ غلط ہے یا کسی مسئلہ کے تحت وہ چھڑی مسجد کے اندر لاتے ہیں۔

② میں ایک معذور آدمی ہوں میری کمر کی (back) ڈیسکین ختم ہو چکی ہے، اور مجھے جوڑوں کا درد بھی ہے، اور شوگر وغیرہ بھی ہے، دوسرا میرا گھٹنوں کے دو دو تین تین آپریشن ہو چکے ہیں اور میں بغیر چھڑی (جو ہاتھوں میں پکڑی جاتی ہے) کے نہیں چل سکتا۔

میں نے گورنمنٹ سے جھگڑا کر کے مسجد کے سامنے مکان لیا؛ کیوں کہ میں مسجد سے دور نہیں ہو سکتا، میں نے مسجد کے سامنے گھر لیا اب مجھے صرف راستہ پار کرنا پڑتا

ہے، ایک بات میں پہلے تحریر کر دیتا ہوں کہ آپ مسئلہ بتانے سے پہلے اس کو یاد رکھنا کہ مسجد کے دروازے سے لے کر جہاں نماز پڑھنے کی حدود شروع ہوتی ہے اس سے پہلے تیس یا چالیس فٹ لمبا فاصلہ ہے، جہاں سے کارپیٹ بچھا ہوا ہے، اور تیس یا چالیس فٹ کارپیٹ پر چلنے سے چھڑی وہیل چیئر کے نیچے کچھ غبار باقی رہتا ہے؟ یاد رہے کہ اس کنٹری میں سب روڈ پکے ہیں، کوئی جگہ کچی نہیں ہے، جہاں گرد وغبار کا مسئلہ باقی رہے، میں اس رمضان میں عمرہ کے لیے گیا، پورا رمضان شریف حرمین شریفین میں گذرا، وہاں میں چھڑی اور وہیل چیئر استعمال کرتا رہا، اور کتنی بار وہاں کی پولیس مجھے میری وہیل چیئر کے ساتھ نماز کی جگہ یعنی حرم شریف میں کارپیٹ کے اوپر جا کر کھڑا کر دیتی اور کہتی کہ یہاں نماز پڑھو، صرف میں نہیں؛ کئی لوگ وہیل چیئر پر نماز پڑھتے تھے، وہاں کسی نے بھی نہیں روکا کہ تو وہیل چیئر پر نماز نہیں پڑھ سکتا، میں تقریباً ہر سال حرمین شریفین جاتا ہوں میں اس سال واپس آیا تو مجھے تکلیف زیادہ ہوگئی جس کی بنا پر چھڑی کے سہارے چلنا بھی مشکل ہو گیا، پھر مجھے میری اہلیہ نے کہا کہ میں تمہیں وہیل چیئر پر مسجد میں چھوڑ آیا کروں گی، میری اہلیہ مجھے مسجد کے باہر وہیل چیئر پر چھوڑ آتی، اس کے آگے مسجد کے اندر میں خود چلا کر لے جاتا یا مسجد کے نمازی مجھے مدد کرتے اور اندر لے جاتے، اس کے اوپر انہوں نے مجھے روکا کہ آپ وہیل چیئر مت لاؤ؛ کیوں کہ مسجد کا کارپیٹ گندا ہوتا ہے اور اس سے پہلے مجھے چھڑی سے بھی روکا گیا تھا کہ چھڑی اندر مت لاؤ کارپیٹ گندا ہوتا ہے، یہ یاد رہے کہ پہلے تحریر کر چکا ہوں کہ نماز کی جگہ پر پہنچنے سے پہلے تیس چالیس فٹ کارپیٹ پر چل کر آنا پڑتا ہے۔

میں نے ان سے کہا کہ آپ مجھے روکتے ہو کہ چھڑی کیوں لاتا ہے اور وہیل چیئر؟

آپ بتائیں کہ آپ کے سامنے کتنے مفتی اور عالم آتے ہیں اور ساتھ ہی یہ مثال دی کہ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے اور بیٹے بھی چھڑی کے ساتھ مسجد کے اندر جاتے ہیں، اور تقریریں کرتے ہیں، کچھ مفتی اور عالم کلیکشن کرتے ہیں تو کیا وہ غلط ہے؟ تو ان کو کیوں نہیں روکتے؟ اور ان سے کیوں نہیں پوچھتے کہ یہ گندی چیز آپ کیوں لاتے ہیں؟ تو اس کے اوپر کمیٹی کے ایک منیجر نے جواب دیا کہ ہم ان کو نہیں مانتے، پھر میں نے ان سے کہا کہ تیس یا چالیس فٹ کارپیٹ پر چلنے کے بعد نماز کی جگہ پر پہنچتے ہیں تو اس وقت تک چھڑی یا وہیل چیئر پر کیا باقی رہ سکتا ہے، پھر بھی مجھے روکتے ہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

① ہاتھ کا عصا یا چھڑی جس کے ذریعہ چلتے وقت زمین پر ٹیک لگایا جاتا ہے اگر زمین خشک ہے تو وہ چھڑی پاک ہے، اس کو مسجد میں لایا جاسکتا ہے، اور اس طرح کوئی معذور آدمی چھڑی کے سہارے چل کر مسجد میں آیا ہو تو اس کو منع کرنا درست نہیں؛ البتہ اگر چھڑی کے نچلے سرے پر غبار لگا ہوا ہو اور اس کی وجہ سے مسجد کے فرش کے خراب اور میلا ہونے کا اندیشہ ہو تو مناسب ہے کہ اس کو صاف کرلیا جائے، منتظمینِ مسجد کا اس طرح کی پابندی عائد کرنا ایک طرح کا غلو ہے جو شرعاً پسندیدہ نہیں۔

② اور یہی حکم وہیل چیئر کا بھی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ ذی القعدہ ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

کمیٹی کا دوسرے کے پلاٹ پر گندا پانی بہانا

(سوال): شہر برہان پور میں ایک وقف نوری مسجد ہے، جس کی جائداد زمین ہے، اس زمین پر پچاس ساٹھ مکان ہیں، اور ان مکانوں میں سے ایک مکان نگر پالیکا کی پکی نالی پر بنایا گیا ہے، اور نالی بند کردی گئی ہے، اور نالی کا گندہ پانی میرے پلاٹ پر آرہا ہے جس کی وجہ سے مجھے مکان بنانے میں تکلیف ہورہی ہے، میں نے مسجد کے سکریٹری سید سلطان میر کو بتایا تو انہوں نے کئی بار نگر پالیکا کی نالی جو بند تھی چالو کردی، پھر کرایہ دار مکان کو تالا لگا کر شہر بھیونڈی چلا گیا، پھر سید سلطان میر نے استعفیٰ رکھ دیا، پھر نئی کمیٹی بنی تو میں نے مسجد کے صدر محمد قصائی سے کہا آپ نالی پر سے مکان ہٹا لو تو انہوں نے انکار کردیا اور مجھ سے کہا کہ مسجد کا نقصان ہوجائے گا، میں مسجد کا نقصان نہیں کروں گا، آپ اپنے پلاٹ کے دو ٹکڑے کر ڈالو اور نالی اپنے پلاٹ پر سے بہنے دو، اور وقف بورڈ کا فیصلہ میرے حق میں ہے کہ اقبال انصاری کی تکلیف دور کردو؛ مگر وہ ماننے کو تیار نہیں ہے، میں نے پریشان ہوکر عدالت میں کیس کردیا اور میں کیس میں جیت گیا، عدالت کے آدمی دو تین مرتبہ آئے اور مکان توڑ کر نالی چالو کر کے چلے گئے؛ مگر مسجد کے صدر محمد قصائی اور محلہ کے کچھ مسلمانوں نے مل کر نالی بند کردی ہے، اور پھر وہ نالی کا گندہ پانی میرے پلاٹ پر سے بہہ رہا ہے۔

اس واقعہ کے بعد نئی کمیٹی بنی تو میں پھر مسجد کے صدر ارشاد پہلوان کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ جو نالی کا گندہ پانی میرے پلاٹ پر سے بہہ رہا ہے اس کو روکو تو انہوں نے اور محمد قصائی نے انکار کردیا، اوپر کے واقعہ سے چند سوالات میرے ذہن

کو پریشان کرر ہے ہیں:

① اوپر واقعہ میں جو مسجد کے ذمہ دار کرر ہے ہیں، کیا اس میں مسجد کی ترقی ہے؟

② مسجد کی ترقی کے لیے کسی کا مکان نہ بننے دینے میں یا اس کی جائداد کو نقصان پہنچانے میں شریعتِ اسلام کا کیا حکم ہے؟

③ مسجد کے ذمہ دار یا جو مسلمان بھی اس طرح کسی کا حق مار کر مسجد کی ترقی کریں کیا وہ لوگ گنہگار ہیں؟

④ مسجد کے پچاس ساٹھ مکان کی نالی پندرہ بیس فٹ والے مسجد کے مکان پر بند کر کے میرے ایک سو تیس ایک سو چالیس کے پلاٹ پر سے نالی نکالنا کیسا ہے؟

⑤ جب غصب کی ہوئی زمین پر نماز نہیں پڑھ سکتے تو کیا یہ مسجد مکانوں کی نالی (جگہ ہونے کے باوجود) میرے پلاٹ پر سے بہا سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① سوال میں مذکور واقعہ میں ذمہ داران مسجد نے نگر پالیکا کی پکی نالی پر مکان بنا کر نالی کو بند کر دیا جس کے نتیجہ میں نالی کا گندہ پانی آپ کے پلاٹ پر آرہا ہے اور اس کی وجہ سے آپ اپنا مکان نہیں بنا سکتے، ذمہ داران مسجد کا یہ اقدام شرعاً ناجائز اور حرام ہے، خصوصاً جب کہ یہ معاملہ عدالت میں بھی پیش کیا گیا اور عدالت نے نالی کو دوبارہ چالو کرنے کا حکم دے کر دو تین مرتبہ آدمی بھیج کر نالی توڑ کر چالو بھی کروائی، اس کے باوجود ذمہ داران مسجد نے اس کو بند کروا کر گندے پانی کو آپ کے پلاٹ میں بہانے کا سلسلہ پھر شروع کر دیا، یہ سب شرعاً ہرگز جائز نہیں اور اس اقدام کو مسجد کا فائدہ سمجھنا اور اس سے باز آنے کو مسجد کا نقصان تصور کرنا قرآن وحدیث کی تعلیمات

کے سراسر خلاف ہے۔

② یہ ہرگز جائز نہیں۔　　③ یقیناً وہ سب گنہگار ہیں۔

④ یہ جائز نہیں۔　　⑤ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاۂ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ صفر ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

مسجد کا متولی معاوضہ لے سکتا ہے؟

سوال: ایک شخص مسجد کا متولی ہے وہ پرائیوٹ میں سروس بھی کرتا ہے، اور مسجد کا متولی بھی ہے، اس کو مسجد کی آمدنی میں سے معاوضہ لینا کیسا ہے؟ از روئے شرع جواب عنایت فرمائیں مدلل حوالہ کے ساتھ۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وقف کرنے والے نے وقف کی آمدنی میں سے کچھ مقرر کیا ہے تو متولی اتنی مقدار لے سکتا ہے، اور اگر وقف کرنے والے نے کچھ مقرر نہیں کیا؛ لیکن قاضی شرعی نے اس کے عمل پر اجرت مثل مقرر فرمائی ہے، تو وہ لے سکتا ہے، زائد مقرر فرمائی ہے تو زیادتی لینا درست نہیں، اور اگر اس کو قاضی شرعی نے متولی بنایا ہے، اور عرف میں ایسا کام معاوضہ لے کر کیا جاتا ہے تو اجرت مثل لے سکتا ہے؛ بشرطیکہ کام انجام دیتا ہو، ورنہ اس کے لیے معاوضہ لینا جائز نہیں۔ (تنقیح الفتاوي الحامدية ۱/ ۲۰۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ ذوالحجہ ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد کے ممبران کا امام صاحب کو علیحدہ کرنا

سوال: مثلاً زید نام کر کے ایک صاحب ہیں، جو ہمارے یہاں مرکزی مسجد میں امامت کرتے ہیں، جس کا تقرر ابتداء میں محض بغرض امامت ہوا تھا، تقریباً دو سال تک اچھے طریقہ سے رہے؛ لیکن اس مدت کے بعد مطالبہ کیا کہ اتنی تنخواہ میں گزارا مشکل ہے، اس لیے مجھے اجازت دیں کہ قرآن شریف و قاعدے و پارے وغیرہ فروخت کروں؛ لیکن اس نے آہستہ آہستہ دوگنا نفع لینا شروع کر دیا، اور اس طرح دہلی سے نقلی چپل لا کر بیچنی شروع کر دی، اور کہا کہ یہ اصلی پاکستانی ہے؛ لیکن حقیقت میں وہ پاکستان کا مال نہیں ہے، اس طرح لوگوں کے ساتھ غداری کا معاملہ کرنا، اور اسی طرح یونانی دواخانہ کی تمام دوائیاں رکھی ہیں جو گھروں میں جا کر فروخت کرتا ہے، اور اسی طرح بازار سے چادریں ولنگیاں و کپڑے لا کر فروخت کرنا، اور اسی طرح گھروں میں جا کر چائے، پتی و سگریٹ فروخت کرنا، اور اسی طرح سینٹ وغیرہ، اور اسی طرح تعویذ گنڈے وغیرہ عورتوں کو دینا مردوں کی عدم موجودگی میں، اور گھر میں جا کر ٹیوشن پڑھانا، اور اسی طرح علاقہ کے مدرسہ کے رسید بکیں رکھی ہیں، جس کا ماہ رمضان میں چندہ کرتا ہے، اسی طرح دوسروں کو سپرد کر دیتا ہے کہ ۴۰ یا ۶۰ پرسنٹ آپ کو دے دوں گا، اور اسی طرح دو ماہ قبل مسجد کے ممبران نے ایک میٹنگ بلائی تھی، جس میں یہ طے کیا تھا اور تحریر بھی دی تھی کہ آئندہ آپ کو یہ دھندے کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے، اس وقت اس نے تمام شرائط منظور کر لیے تھے؛ لیکن فی الحال وہ اپنی سابقہ رفتار پر جاری وساری ہے، ان تمام حرکتوں کے باوجود بعض مقتدی حضرات تو کہتے ہیں کہ

اپنے کو نماز سے مقصد ہے، اور بعض تو ان کے پیچھے بالکل نماز پڑھتے ہی نہیں ہیں، لہٰذا ان وجوہات کے پیش نظر جواب تحریر کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

شرائط اجارہ کی پابندی نہ کرنے پر مسجد کے ممبران امام صاحب کو علاحدہ کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مسجد کی ضرورت کے لیے دیے ہوئے قرض کا مطالبہ مسجد کی کمیٹی سے کرے یا اس سے جس کو قرض دیا تھا؟

سوال: بندہ نے ایک مسجد کی تعمیر میں کچھ خاصی رقم لگائی تھی، جس کی صورت مختصراً یہ ہوئی کہ ایک ڈاکٹر صاحب نے کولہاپور سے تقریباً ساٹھ کلو میٹر دور واقع ایک شہر کراڈ میں ایک مسجد بنانے کا ذمہ لیا تھا، یہ ڈاکٹر شخص کہتا تھا کہ میں سعودی کا باشندہ ہوں، مکہ مکرمہ میں رہتا ہوں، اور وہاں میرا بزنس ہے، یہاں ہندوستان میں کیرلا صوبہ میں فی الحال رہتا ہوں، وغیرہ؛ غرض کراڈ شہر میں ایک چھوٹی سی مسجد تہہ خانہ میں تھی، اسی نے اس کو عالیشان بنانے کا ذمہ لیا، اور یہ شرط لگائی کہ جب تک میں مسجد مکمل کر کے حوالے نہ کروں کوئی مقامی آدمی دخل اندازی نہیں کرے گا، مقامی حضرات نے منظور کر لیا، اور باقاعدہ تحریری طور پر لکھ کر بھی دیا، مسجد کا کام شروع ہوا، وہ کیرلا سے پیسے وغیرہ بھی روانہ کرتا رہا، امام کی تنخواہ، لائٹ بل اور دیگر تمام اخراجات کا بندوبست کرتا

رہا، ایک اچھی خاصی رقم صرف کی، اسی دوران اس کی جان پہچان مقامی باشندوں سے ہوئی، اور میں کولہا پور میں رہتا تھا مجھ سے بھی ہوئی، وہ شخص بڑا متدین، چرب زبان اور ہوشیار تھا، ہر ایک اس کی بات پر بھروسہ کرتا، سب کو بڑی امیدیں دلاتا کہ تمہارا مکان بھی عمدہ تعمیر کردوں گا وغیرہ وغیرہ؛ ایک مرتبہ وہ بندہ کے مکان بھی آیا، یہاں رہا اور کہنے لگا کہ پچیس ہزار روپیہ ہو تو ذرا دے دو، امام کی تنخواہ اور مزدوروں کی اجرت دینی ہے، وہاں کیرلا جاتے ہی آپ کے اکاؤنٹ میں جمع کردوں گا، چوں کہ جان پہچان بھی اچھی خاصی ہو گئی تھی، اور وہ خود بھی مسجد کے لیے پیسے روانہ کر رہا تھا، مسجد کا کام شروع تھا، اس لیے شک وشبہ کا کوئی موقع نہیں تھا، ایک ماہ گذر گیا؛ لیکن اس نے قرضہ ادا نہیں کیا، فون پر بات چیت ہوتی رہی، وہ کہتا کہ آج کل میں روانہ کردوں گا، ذرا سعودی سے پیسے آنے میں کچھ رکاوٹ پیش آرہی ہے، پھر ایک مرتبہ آیا اور کہا کہ ابھی پیسوں کا انتظام نہیں ہوا، انشاء اللہ عنقریب آجائیں گے، لندن سے پیسے آرہے ہیں وغیرہ وغیرہ، یہ آدمی بہت سے بیرون ممالک فون بھی کرتا اور ادھر سے بھی فون آتے، غرض شک کی کوئی گنجائش نہیں تھی، لوگوں کا اتنا معتمد تھا کہ اس کے خلاف کوئی سوچ بھی نہ سکتا تھا، پھر کہنے لگا کہ مسجد کے لیے کچھ سامان وغیرہ کی ضرورت ہے، امام کی تنخواہ رکی ہوئی ہے؛ نیز مزدوری وغیرہ بھی دینی ہے، اگر کہیں سے پانچ لاکھ روپئے کا انتظام ہوجاوے تو بہت اچھا ہوگا، میں جاتے ہی پیسے روانہ کردوں گا، اعتماد کی وجہ سے اس کو مارکیٹ سے اسٹیل وغیرہ دلایا گیا، اور نقد رقم بھی دی گئی، یہ سامان بندہ کی ہی ذمہ داری پر دلایا گیا، جانے کے بعد پھر ایک مدت اس نے پیسے نہیں بھیجے؛ گذشتہ رمضان میں پھر آیا، اس سے بندہ نے پوچھا کہ پیسے لے آئے ہو؟ تو اس نے کہا نہیں، اب لندن

جارہا ہوں، وہاں سے روانہ کردوں گا، بندے نے کہا کہ آپ جارہے ہو، میرے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے کہ تم کو میں نے اتنے روپئے دیے، اور تمہارے کہنے پر میں نے اپنی ذمہ داری پر سامان بھی فراہم کیا، تو اس نے پانچ لاکھ کا چیک لکھ دیا، اور کہا میں لندن جاکر پیسے روانہ کردوں گا، تم اس چیک کے ذریعہ میرے اکاؤنٹ سے لے لینا، غرض اب وہ جو گیا تو اس کا کوئی پتہ نہیں، نہ فون پر رابطہ ہوتا ہے، نہ پیسے ہی ملے، چیک بھی بینک میں پاس نہیں ہوا، چوں کہ دستخط جعلی اور بناوٹی تھی، اب مسئلہ دریافت طلب یہ ہے کہ اس نے واپسی کے وعدہ پر مجھ سے اتنی رقم لی جو کل ساڑھے چار لاکھ روپئے اور آٹھ تولہ سونا ہے، اور مسجد ہی میں میری رقم استعمال ہوئی ہے جو وہاں کے مقامی باشندوں کو بھی معلوم ہے، اب اس کے بعد وہاں کی مقامی جماعت متولیان اور ٹرسٹ حضرات سے میں ان سے پیسوں کا مطالب ہوں؛ لہٰذا میرے لیے اپنے روپیوں کی بازیابی کی کیا شکل ہوگی؟ اس وقت میں خود پریشان اور ناگفتہ بہ حالات کا شکار ہوں، لہٰذا برائے کرم جواب عنایت فرمائیں کہ ایک شخص کا قرضہ جو اس آدمی نے مسجد کے نام پر لیا اور مسجد ہی میں استعمال بھی کیا، اب اس کے لاپتہ ہونے کے بعد موجودہ ٹرسٹ اور متولیان مسجد کی ذمہ داری ہے یا نہیں کہ وہ مسجد کا قرضہ کسی بھی طرح ادا کریں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے ڈاکٹر صاحب کو جو رقم قرض مسجد کی مختلف ضرورتوں (امام کی تنخواہ، مزدوری کی اجرت، تعمیری سامان وغیرہ) کے لیے دی اور اس نے یہ ساری رقم مسجد کی ضرورتوں میں ہی خرچ کی، اس کے باوجود آپ اپنی اس رقم کا مطالبہ موجودہ ٹرسٹ اور متولیان سے نہیں کرسکتے، اور نہ ہی ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس قرضہ کی ادائیگی

کسی طرح کرائیں، آپ تو اپنی رقوم کا مطالبہ جس کو آپ نے بطور قرض دی تھی اسی یعنی ڈاکٹر عبداللطیف صاحب ہی سے کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ　　الجواب صحیح: عبدالقیوم راجکوٹی

دینی امور کے لیے مسجد میں چندہ کرنا اور چندہ کنندگان کے ساتھ سلوک

سوال: ایک قریہ ہے اس میں مسجد مدرسہ کچھ نہیں تھا، صرف جماعت کبھی آجاتی تھی؛ لیکن صرف دو گھنٹہ ظہر میں سب کو جمع کر کے بیان کر کے چلے جاتے کیوں کہ ٹھہرنے کا کوئی انتظام نہیں تھا، اس گاؤں میں محنت کر کے مسجد اور مدرسہ بنایا ۱۹/ سال محنت کر کے تیار ہوا اور بچے دینی تعلیم سے فیضیاب ہو رہے ہیں، عرض یہ ہے کہ:

① بہت سی جگہ باہر لندن افریقہ کی امداد پر سنگ مرمر کی مسجد اور مدرسہ بنالیا ہے؛ لیکن اور سفیروں کے لیے اعلان کی ممانعت کر رکھی ہے تو ان کے لیے لندن افریقہ کی طرف سے انتظام ہو چکا ہے، دوسری غریب بستیاں جو ہیں ان کے لیے اعلان کی پابندی ہے کیا یہ صحیح ہے؟ اور اگر اسی طرح ہر جگہ پابندی ہو جائے تو یہ غریب بستیاں کیا کریں گی اور ان کے بچے ویران ہو جائیں گے۔

② ایک سفیر کو مسجد کے ذمہ دار نے اعلان کی اجازت تو دی؛ لیکن صرف اتنا ہی کہ فلاں مدرسہ کے لیے چندے کے لیے آیا ہوں امداد فرماویں تو اس سفیر نے عرض کیا کہ صرف دو منٹ کا موقع دیں تو منع کر دیا تو خیر اتنا ہی کہہ کر باہر بیٹھ گئے تو صرف پانچ

روپے ہوئے، دودن کے بعد دوسرے سفیر نے تعلقات کی نسبت پر اجازت لی تو دو تین منٹ کا وقت دیا تو یہ دو تین منٹ میں ان سفیر صاحب گاؤں کے حالات بتا کر بیٹھ گئے تو ان کے چندے میں ۱۲ /سو روپے ہوئے تو تھوڑی وضاحت سے مدرسہ کا فائدہ ہوتا ہو تو کیا دو تین منٹ کا وقت نہیں دینا چاہیے جب کہ اور کوئی سفیر بھی نہیں۔

③ حدیث شریف میں سنا ہے کہ مسلمان کے مسلمان پر چھ حقوق ہیں تو کیا ایسی غریب بستی کے مسلمان بچوں کی دینی تعلیم کے لیے کوئی حق ہوگا یا نہیں؟

④ ایک گاؤں میں بہت عالی شان مسجد بنی لندن کی امداد پر؛ لیکن ایک سفیر کو اعلان کی بھی اجازت نہ دی، اور نہ کوئی کھانے کا نظم، اور نہ گاؤں میں کوئی ہوٹل، اور گاؤں کے سب بنگلے والے ہیں، موذن کو کہہ دیا ہے کہ کسی کو چندے کا اعلان کرنے نہیں دینا تو وہ سفیر تین بجے گاؤں سے بھوکے ہی روانہ ہوئے، کیا یہ ایمان کی شان ہے یہ سب سفیر گجرات ہی کے ہیں اور گجرات ہی کی یہ کیفیت ہے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

① تا ③ ایک مسجد کو شہید کر کے وسیع کیا جا رہا تھا، خود اس مسجد کے لیے اسی مسجد میں چندہ کیے جانے سے متعلق کیے گئے سوال کا جواب دیتے ہوئے حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: بہتر اور مناسب صورت یہ ہے کہ مسجد سے باہر چندہ کیا جائے یا مسجد میں کسی بورڈ پر چندہ کی اپیل (درخواست) لکھ دی جائے؛ البتہ اگر اس طرح چندہ کرنے سے خاطر خواہ کامیابی نہ ہوتی ہو، اور مسجد میں جمعہ کے دن چندہ کرنے سے مسجد کا زیادہ فائدہ ہوتا ہو تو اس شرط کے ساتھ برائے مسجد مسجد میں چندہ کرنے کی گنجائش ہے کہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہو،

ان کی گردن نہ پھاندے، نمازی کے سامنے سے نہ گزرے، مسجد میں شور وشغب نہ ہو، مسجد کے احترام کے خلاف کام نہ ہو، اور لوگوں کے سامنے کسی کو شرم اور غیرت میں ڈال کر زبردستی چندہ وصول نہ کیا جائے، ان شرائط کی رعایت ضروری ہے اگر ان کی رعایت نہ ہوسکے تو مسجد میں چندہ نہ کیا جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۹/ ۲۳۹)

مسجد میں مدرسہ کے لیے کیے جانے والے چندہ سے متعلق کیے گئے سوال کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: عام حالات میں مسجد میں مدارس کے لیے چندہ نہ کرنا چاہیے، مسجد میں شور وغل ہوگا، نمازیوں کو خلل ہوگا، مسجد کی بے احترامی ہوگی، لہٰذا مسجد میں چندہ نہ کیا جائے؛ البتہ اگر کوئی خاص حالت ہو مسجد میں شور وغل نہ ہو، نمازیوں کو تکلیف اور خلل نہ ہو تو گنجائش ہے۔ (۹/ ۲۴۰)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے: دینی ضرورت کے لیے مسجد میں چندہ کرنا، مرحباً اور سبحان اللہ کہنا درست ہے مگر نمازیوں کی نماز میں خلل وتشویش نہ ہونے پائے۔
(فتاویٰ محمودیہ کراچی ۱۵/ ۲۷۳)

مسجد میں چندہ کرنے کے متعلق تمام مفتیان کرام کا یہی جواب ہے جو اوپر نقل کیا گیا۔ آپ نے سفیر کے ساتھ کیے گئے جس سلوک کا اپنے سوال میں تذکرہ کیا ہے، اگر ان کا مقصد احترام مسجد کو باقی رکھنا اور آدابِ مسجد کی رعایت کروانا ہے تو ان کا یہ رویہ درست ہے؛ البتہ جیسا کہ آپ نے لکھا کہ دوسرے سفیر کو زیادہ وقت دیا گیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ آداب مسجد کی رعایت مقصود نہیں بلکہ ترجیحی سلوک پیشِ نظر ہے، اس صورت میں ان کا یہ رویہ قابلِ مذمت ہے، ویسے مسلمانوں کے اجتماعی امور مساجد، مدارس وغیرہ کے لیے لوگوں کا اپنے مسلمان بھائیوں کے پاس تعاون حاصل

کرنے کے لیے جانا، اور ان سے امداد کی اپیل کرنا ہمارے سلسلہ کے اکابر کے یہاں معمول بہ رہا ہے، کسی علاقہ یا بستی والوں کا اس طریق کار پر پابندی لگانا گویا ان دینی سلسلوں کو بند کرنا ہے جو اپنے انجام کے اعتبار سے نہایت خطرناک ہے؛ اس لیے جو لوگ اس طرح کی فکر اور ذہنیت لیے ہوئے ہیں وہ اسلام اور مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں ہیں، اور اپنے اس طرز عمل سے ایسے لوگ ملت کو نا قابل تلافی نقصان پہنچا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت اور صحیح سمجھ عطا فرمائے۔

(۴) جو اجنبی مسافر کسی بستی میں اپنی ذاتی ضرورت یا مسلمانوں کی دینی اجتماعی ضرورت کے لیے پہنچتا ہے، اس کی میزبانی اور خاطر تواضع قدیم زمانہ سے مسلمانوں خصوصاً شرفاء کا معمول رہا ہے، یہ اسلامی تعلیم بھی ہے، اس کے برخلاف کسی دینی مدرسہ کی ضرورتوں کے لیے تعاون حاصل کرنے کے لیے گئے ہوئے شخص کو جس کو سفیر کے نام سے جانا جاتا ہے، بستی کی مسجد میں اعلان سے روکنا اور مسجد کے اس حصہ میں جہاں دین کی نسبت پر آنے والے حضرات قیام کرتے ہیں اس کو قیام کرنے سے روکنا اور بستی چھوٹی ہونے کی وجہ سے آنے والے کے لیے اپنا پیسہ خرچ کر کے کھانے پینے کا نظم کرنا دشوار ہونے کے باوجود اس کی میزبانی اور مسافر کے حق کی ادائیگی سے بستی والوں کا غفلت برتنا یقیناً قابل مذمت اور اسلام نے جن پاکیزہ اخلاق کی تعلیم دی ہے اس کے سراسر خلاف اور مروت کے بھی منافی ہے، ایسے لوگوں کو اپنے طرز عمل پر نظرِ ثانی کر کے اس کی جلد از جلد اصلاح کرنی چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　　　الجواب صحیح: عبدالقیوم راجکوٹی

انتظامیہ کی جانب سے مسجد میں وعظ اور چندہ کرنے سے روکنا

سوال: برطانیہ میں تقریباً ۲۵ / لاکھ مسلمان آباد ہیں اور ہر شہر میں جہاں مسلمان رہتے ہیں آبادی کے تناسب سے ایک یا کئی مساجد ہیں اور بفضل اللہ مسجدیں سال بھر نمازیوں سے آباد رہتی ہیں، رمضان المبارک میں اکثر مسجدوں میں تراویح میں قرآن کریم ختم کیا جاتا ہے، مسلمانوں کا بڑا طبقہ ماہ مبارک میں اپنی زکوٰۃ کا حساب کر کے اسے ادا کرتا ہے، ماہ مبارک میں ہندو پاک اور مختلف مدارس عربیہ اور جامعات کے سفراء فراہمیٔ مالیات کے لیے چندہ کی غرض سے برطانیہ آتے ہیں، پچھلے کئی سالوں سے برطانیہ کی مساجد میں چندہ کے فراہمی کا یہ طریقہ ہے کہ سفیر مسجد میں عموماً بعد نماز عصر یا تراویح اپنے مدرسہ کے تعارف کے ساتھ مختصر اعلان کرتا ہے اور مسجد سے باہر مقرر جگہ پر کپڑا اچھا رہتا ہے جس پر مختلف کارڈ زکوٰۃ، صدقہ، فطرہ، امداد، تعاون وغیرہ لکھ کر رکھ دیتا ہے، نماز سے فارغ ہو کر نمازی مسجد سے نکلتے ہوئے حسب توفیق اپنی طرف سے زکوٰۃ، صدقہ، خیرات وغیرہ جس مد میں جو دینا چاہتا ہے رکھ دیتا ہے، آخر میں مجموعی رقم جوڑ کر سفیر ایک رسید بنا کر مسجد کے ذمہ دار کو لکھ دیتا ہے، اور الحمد للہ اس طرح مدارس کی بہترین امداد ہو جاتی ہے، اور اس طرح سفراء سردی میں گھر گھر لوگوں کے دروازے کے چکر لگانے کی مشقت سے بچ جاتے ہیں اور مدارس عربیہ کا خاصا بجٹ پورا ہو جاتا ہے۔

فراہمیٔ چندہ کے اس طریقہ پر بعض مساجد کی انتظامیہ نے پابندی لگادی کہ مسجد میں اعلان کر کے چندہ نہیں ہوگا، گھر گھر پھر کر چندہ کرو، اور اس پابندی میں بعض جگہ

کے ائمۂ مساجد اور علماء نے بھی اس کی تائید کی اور وجہ یہ بتائی کہ بعض چندہ دینے والے غلط ہوتے ہیں، سوال طلب امور یہ ہیں:

① مدارس عربیہ اور جامعات کے چندہ کے لیے مذکورہ طریقہ پر مساجد میں اعلان کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

② بعض غلط چندوں کی وجہ سے صحیح معتبر اور معروف مدارس کو بھی چندہ سے روکنا یہ شرعاً جائز ہے؟ جب کہ غیر معروف چندہ کا تجزیہ کیا جا سکتا ہے۔

③ مدارس عربیہ اور مساجد اور دوسرے دینی اور خیر کے کاموں کے لیے مساجد میں چندہ کرنے کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟

④ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تبوک کے موقع پر اور صاحب مشکوٰۃ نے کتاب العلم میں صحیح مسلم کی یہ روایت نقل کی ہے: آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں قبیلۂ مضر آیا، ان کی فاقہ زدی کو دیکھ کر آپ نے چندہ کے لیے اعلان کیا اور یہ اعلان مسجد نبوی ہی میں ہوا، پھر اس سے روکنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

⑤ اس طرح مدارس و مساجد اور امور دین کے لیے مسجد میں چندہ کی فراہمی سے انتظامیہ یا کسی اور کو روکنے کا اسے شرعاً حق حاصل ہے؟

⑥ مسجد کی انتظامیہ یا کوئی دوسرا رمضان میں تو نہ روکے البتہ رمضان کے علاوہ اور مہینوں میں روکنے کا اسے شرعاً حق حاصل ہو سکتا ہے؟

⑦ بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس طرح چندہ مخلصانہ ہے؛ کیوں کہ نہ دینے والے کو شرم و حیا کی وجہ سے کم و بیش دینے کا سوال ہے نہ لینے والے کو، پتہ نہیں کس نے کیا ڈالا، نہ کسی کی جیب سے کوئی نکالتا ہے۔

⑧ اسلام میں مسجد کمیٹی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا اسے شرعاً حق پہونچتا ہے کہ وہ مسجد میں جسے چاہیں دینی بیان سے روک دیں؟ کیا اسے شرعاً یہ جائز ہے کہ وہ کسی کو کسی دینی کام یا عبادت، اعتکاف سے اس لیے روک دے کہ وہ برطانیہ میں سعودی عرب کے فیصلے پر رمضان وعید نہیں کرتا؟ نیز جو عالم مسجد کا سالانہ ممبر نہ ہو اسے مسجد میں دین کی بات کرنے سے روکنا کمیٹی کو شرعاً جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد میں چندہ مانگنے یا اس کی ترغیب دینے یا سائلوں کو صدقات خیرات دینے کے متعلق یہ تحریر فرمایا ہے: اگر شق صفوف نہ ہو، مرور بین یدی المصلی نہ ہو، تشویش علی المصلین نہ ہو، حاجت ضروریہ ہو تو درست ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۲ / ۷۵۳ مطبوعہ دیوبند)

حضرت مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: امور دینیہ مثل مدارس وانجمن کے لیے چندہ کرنا مساجد میں ممنوع نہیں ہے، جب کہ نماز اور خطبہ کے وقت نہ ہو اور کسی نمازی کو اس میں تشویش وایذاء نہ ہو۔ (فتاویٰ دار العلوم [عزیز الفتاوی] ۱/ ۲۱۱)

آپ نے برطانیہ میں چندہ کی جو صورت اپنے سوال میں لکھی ہے، اس میں مذکورہ بالا تمام شرائط کی رعایت کی گئی ہے؛ اس لیے چندہ کا اعلان جائز اور درست ہے۔

② غلط چندہ کرنے والوں کا تجزیہ وتفتیش ممکن ہونے کی صورت میں، صحیح اور معتبر ومشہور مدارس کو بھی چندہ سے روکنا مناسب نہیں ہے۔

③ جائز ہے جب کہ شرائط مذکورہ بالا کا لحاظ کیا جاتا ہو، ورنہ درست نہیں ہے۔

④ تا ⑥ مسجد کی انتظامیہ دیانتداری کے ساتھ یہ سمجھتی ہے کہ مسجد میں چندہ کا یہ

سلسلہ شرعی شرائط پر پورا نہیں اترتا اور اس کی وجہ سے مسجد کا وقار و عظمت مجروح ہو رہے ہیں تو اس کو ایسے چندہ پر بندش لگانے کا حق ہے، اس صورت میں یہ ممکن ہے کہ انتظامیہ کے اس فیصلہ سے کسی کو اختلاف ہو؛ اس لیے کہ ہر ایک کا انداز فکر یکساں نہیں ہوتا؛ لیکن اس کو یہ حق نہیں ہے کہ اس کی نیت پر شبہ کرے ''لأن النية امر باطني'' اور نہ یہ حق ہے کہ اس کے کام میں رکاوٹ ڈالے؛ لیکن اگر مسجد کی انتظامیہ کا یہ اقدام اور فیصلہ غیر شرعی عوامل کی بنیاد پر ہے تو عند اللہ وہ مسئول و ماخوذ ہوگی۔

⑦ اس کا جواب نمبر ایک میں آچکا ہے۔

⑧ آج کل دینی بیان کے نام سے جو باتیں مسجد میں کہی جاتی ہیں، ان میں بھی بعض مرتبہ بیان وتقریر کے لیے شریعت کی طرف سے مقرر کردہ حدود وشروط کی رعایت نہیں کی جاتی؛ اس لیے اس سلسلہ میں مسجد کی انتظامیہ حدود شرع میں رہ کر کوئی ضابطہ بنائے، تو اس کی اجازت ہے اور اس ضابطہ کی خلاف ورزی کرنے والے کو بیان سے روک دے تو اس کی بھی اجازت ہے؛ البتہ یہ ضروری ہے کہ ایسا ضابطہ ماہر مفتیان کرام سے رجوع و مشورہ کے بعد ہی بنایا جائے، انتظامیہ کے وہ اراکین جو حدود شرع سے کما حقہ واقف نہ ہوں وہ اپنے من مانے طریقہ سے کوئی ضابطہ مقرر نہ کریں؛ ورنہ ﴿ومن اظلم ممن منع مساجد الله ان يذكر فيها اسمه وسعىٰ فى خرابها﴾ کے مصداق بن جائیں گے۔

کسی مسجد میں نفس اعتکاف سے اس لیے روکنا کہ وہ برطانیہ میں سعودی عرب کے فیصلہ پر رمضان وعید نہیں کرتا، شرعاً جائز نہیں ہے؛ بلکہ آیت مذکورہ بالا کا مصداق ہے؛ البتہ اگر کوئی دوسری وجہ روکنے کی ہے، تو اس کی تفصیل بیان کر کے حکم معلوم کیا

جائے، جو عالم مسجد کا سالانہ ممبر نہیں ہے اس کو مسجد میں دینی بات کرنے سے (جب کہ اس کی وہ بات حدود شرع کے مطابق ہو) محض اس لیے روکنا کہ وہ ممبر نہیں ہے حدود شرع سے تجاوز ہے جو درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مسجد میں چندہ کرنا

سوال: جمعہ کے روز جماعت خانے میں ہی چندہ کیا جاتا ہے، تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بہتر اور مناسب صورت یہ ہے کہ: مسجد سے باہر چندہ کیا جائے، یا مسجد میں کسی بورڈ پر چندہ کی اپیل (درخواست) لکھ دی جائے؛ البتہ اس طرح چندہ کرنے سے خاطر خواہ کامیابی نہ ہوتی ہو اور مسجد میں جمعہ کے دن چندہ کرنے سے مسجد کا زیادہ فائدہ ہوتا ہو، تو اس شرط کے ساتھ برائے مسجد مسجد میں چندہ کرنے کی گنجائش ہے کہ: نمازیوں کو تکلیف نہ ہو، ان کی گردن نہ پھاندے، نمازی کے سامنے سے نہ گزرے، مسجد میں شور وشغب نہ ہو، مسجد کے احترام کے خلاف کام نہ ہو، اور لوگوں کے سامنے کسی کو شرم اور غیرت میں ڈال کر زبردستی چندہ وصول نہ کیا جائے۔ ان شرائط کی رعایت ضروری ہے، اگر ان کی رعایت نہ ہو سکے تو مسجد میں چندہ نہ کیا جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۹/۲۳۸، ۲۳۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ربیع الآخر ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

امام کی تنخواہ کے لیے مسجد میں چندہ کرنا

سوال: مسجد کے امام صاحب کے لیے مسجد میں اعلان کر کے تنخواہ وصول کرنا کیسا ہے؟ صحیح ہے یا نہیں، اور امام کو حکم کرنے والا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

یہ طریقہ منصبِ امامت کے احترام کے خلاف ہے، اسی طرح امام صاحب کو اس طرح حکم کرنا جس طرح اپنے کسی ملازم کو یا نوکر کو کیا جاتا ہے درست نہیں، ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵ر جمادی الاخری ۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد جدید کی تعمیر قدیم بنیاد پر

سوال: صوبہ مہاراشٹر ضلع امراوتی مقام مورسی محلہ پیپل پورہ کی مسجد جس کی تعمیر تقریباً سات آٹھ سال قبل پرانے دیواروں کے نشانات پر رکھی ہے؛ لیکن فی الحال ٹائل بیٹھانے کی غرض سے مسجد کو ناپا گیا جس کے نتیجہ میں قبلہ کا رخ بھی دیکھا گیا جو صحیح نہیں ہے، بلکہ قبلہ کا رخ جاننے کا جو آلہ ہے اس کے مطابق جنوب کے جانب نو فٹ کا فرق ہے، جس کی پوری کیفیت حسبِ ذیل نقشہ سے آپ کو معلوم ہو جائے گی۔

اس مسجد کی عمارت تقریباً دو لاکھ کے خرچ سے تعمیر کی ہوئی ہے، جس کو یہاں کے مصلیوں کے حالات کے مطابق قبلہ کا رخ درست کرنے کے لیے توڑ بھی نہیں سکتے

اور اگر مسجد کو توڑے بغیر مسجد ہی کے اندر صفیں ترچھی کر کے قبلہ کا رخ درست کیا جائے، تو اس صورت میں دو خرابی ہے، ایک یہ ہے کہ اس صورت میں صرف کامل دو ہی صفیں ہوتی ہیں، باوجود کہ اس میں فی الحال چار صفیں کامل ہو رہی ہیں۔

دوسری خرابی دونوں صورتوں میں (صفیں ترچھی کرنے اور مسجد کو توڑنے کی صورت میں) اور یہ ہی سب سے بڑی خرابی ہے، وہ یہ کہ مسلمانوں کے درمیان فتنہ اور جھگڑے کا اور دو گروہ ہو جانے کا بہت زیادہ بلکہ فتنہ کا تو یقین ہی ہے، دوسری بات یہ کہ یہ مسجد پورے تعلقہ کا مرکز کہلاتی ہے؛ لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ جماعت کے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے، تفصیلی جواب عنایت فرمائیں عین کرم ہوگا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سمت قبلہ کی تعیین اور بنائے مسجد میں سنت سلف صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے آج تک یہ ہے کہ جس بلدہ میں مساجدِ قدیمہ مسلمانوں کی تعمیر کردہ موجود ہوں، ان کا اتباع کیا جائے، ایسے مقامات میں آلات رصدیہ اور قواعدِ ریاضیہ کی تدقیق میں پڑنا سنت کے خلاف اور نامناسب اور باعثِ تشویش ہے۔

(جواہر الفقہ ۱/ ۲۵۲، رسالہ تنقیح القال فی تصحیح الاستقبال)

اس لیے آپ کی موجودہ مسجد کی جدید تعمیر جس کی بنیاد قدیم مسجد کی دیواروں پر رکھی گئی ہے وہی طریق سلف کے مطابق ہے، اس میں کسی قسم کی تبدیلی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مسجد کی توسیع میں قبرستان کی جگہ شامل کرنا

سوال: گذشتہ سال زلزلہ کی بناء پر جامع مسجد بگیالال شہید ہوگئی، اب دوبارہ اس کی توسیع کے ساتھ پلان بنایا ہے، مسئلہ یہ درپیش ہے کہ مین سڑک کی طرف بجانبِ جنوب تھوڑی سی جگہ قبرستان کی آرہی ہے، مسجد کی خوبصورتی کو باقی رکھنے کے لیے اس جگہ کا احاطہ مسجد میں لینا ضروری ہے، جس پر تقریباً سات فٹ کی بلندی پر چھت اصل مسجد کی ہوگی، لہٰذا گزارش یہ ہے کہ شریعت کی روشنی میں فتویٰ صادر فرمائیں کہ پرانی قبرستان کی جگہ میں دو پلر نکال کر اس کے اوپر والی جگہ کو مسجد میں شامل کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وہ قبرستان پرانا اور وقف ہے اور اب وہاں مردے دفن نہیں ہوتے اور وہاں مسجد بنانا مناسب ہے تو مسلمانوں کے باہم مشورے سے مسجد بنانا درست ہے۔

كذا فى العينى شرح البخارى. (ماخوذ از فتاوی محمودیہ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/صفر ۱۴۲۸ھ

مساجد میں آیاتِ قرآنیہ کے کتبات لکھنا

سوال: شاہان مغل اور مسلم حکمرانوں کے عہدِ حکومت میں تعمیر شدہ اکثر مساجد میں آیاتِ قرآنیہ کے کتبات مختلف خطوط میں فنِ خطاطی کے عمدہ شاہکار کے طور پر لکھے گئے ہیں؛ نیز حرمِ مکی وحرمِ نبوی میں بھی یہ کتبات ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں، کسی مسجد میں آیاتِ قرآنیہ کے کتبات نقش کرنے میں شرعی اعتبار سے کوئی قباحت یا حرج

تو نہیں ہے؟ شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں جواب مطلوب ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسجد کی دیوار پر آیاتِ قرآنیہ تحریر کرنے میں مآل کے اعتبار سے بے ادبی کا احتمال ہے، اس لیے اس کی اجازت نہیں۔

فتاوی رحیمیہ میں ہے: بے ادبی کے احتمال کی وجہ سے فقہاء اجازت نہیں دیتے۔ (۱۰/ ۲۴۳)

قال فی البحر: وكذا يكره كتابة الرقاع وإلصاقها بالأبواب لما فيه من الإهانة وفيه عن النهاية: ليس بمستحسن كتابة القرآن على المحاريب والجدران لما يُخاف من سقوط الكتابة وأن توطأ الخ.

(طحطاوی علی الدر ۱/ ٤٤٠، شامی ۱/ ٦٦٣، عالمگيرية ٥/ ٣٢٣)

رہا شاہانِ مغل اور مسلم حکمرانوں کا عمل اور حرمِ مکی ونبوی میں لکھے ہوئے کتبات کا معاملہ، تو اولاً یہ کہ بادشاہوں اور حکمرانوں کا عمل حجتِ شرعیہ نہیں۔

ثانیاً وہ کتبات قرآن وحدیث کی روشنی میں نہیں لکھے گئے، جیسے ۶۷۸ھ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبرِ مبارک پر گنبد بنایا گیا، علماء نے منع بھی کیا؛ مگر ان کی شنوائی نہیں ہوئی، علاوہ ازیں حرمین شریفین میں اور امور بھی خلافِ شرع ہوئے اور ہوتے ہیں، انہیں سند کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا، آج کل سعودیہ میں وقف بورڈ کے ماتحت جو نئی مساجد تعمیر ہوتی ہیں ان میں آیاتِ قرآنیہ نہیں لکھی جاتیں، وہاں کے علمائے حق کا فتوی بھی عدمِ جواز کا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: عبدالقیوم راجکوٹی

الجواب صحیح۔ العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۶/ ۵/ ۱۴۱۹ھ

شیعہ کے عقائد کی ترویج والا طغرا مسجد میں لگانا

سوال: گلبرگہ شہر میں ایک جامع مسجد بیچ شہر میں واقع ہے، جہاں دور دور سے مسلمان جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لیے آتے ہیں، مسجد کے عین پیشانی، یعنی ممبر کے اوپر ایک طغرا چند سال پہلے بڑے ہی تکرار و جھگڑے کے بعد کچھ لوگوں نے جو نمازوں کے پابند نہیں ہیں، علم دین سے واقف نہیں ہیں، لگوایا تھا، مسجد کمیٹی جن کا مسلک سنت وحدیث ہے،، جھگڑے کو طول نہ دینے کے لیے طغرا لگانے کی اجازت دی تھی، اب کچھ دنوں سے اس جگہ کی جہاں طغرا لگایا گیا تھا صفائی ہو رہی ہے، صفائی کے دوران اس طغرا کو نکال دیا گیا ہے، اب اکثر مصلیان مسجد اور دوسرے اہل سنت والجماعت اس طغرا کو دوبارہ لگوانے سے منع کر رہے ہیں؛ جب کہ جو لوگ پہلے طغرا لگوا گئے تھے، وہ بہ ضد ہیں کہ طغرا لگایا جائے؛ ورنہ وہ جھگڑا کرنے والے ہیں۔

طغرا کی تفصیل یہ ہے: طغرا کے بیچ میں کلمہ طیبہ لکھا گیا ہے، اور اس کے بیچ میں کعبۃ اللہ و مسجد نبوی کی فوٹو ہے، دائیں جانب اوپر کے کونہ میں اللہ، بائیں جانب اوپر کے کونہ میں محمد، دائیں جانب نیچے کے کونہ میں علی و حسن، اور بائیں جانب نیچے کے کونہ میں فاطمہ و حسین لکھا ہوا ہے۔

وہ مصلیان جو طغرا کو دوبارہ نہیں لگوانا چاہتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ:

① طغرا میں کلمہ طیبہ کے علاوہ شیعی پنج تن کے نام ہیں، شیعہ صرف انہیں پانچ کو پاک مانتے ہیں، دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم شیعوں کے نزدیک پاک نہیں۔

② پنج تن پاک کا تصور غیر اسلامی ہے، اس لیے کہ شیعہ ان پانچ کو معصوم مانتے

ہیں، جب کہ اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے ہمارے رسول محمد ﷺ خاتم النبیین کے علاوہ خاتم المعصومین بھی ہیں، حضور ﷺ کے بعد کسی اور امتی کو معصوم ماننا رسالت میں شرک ہے۔

③ اہل سنت و جماعت حضرات حضرت محمد ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، و حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حسب ترتیب افضل مانتے ہیں؛ جب کہ شیعہ حضرات حضرت محمد ﷺ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کو افضل مانتے ہیں جو اس طغرا میں ظاہر ہے۔

④ اہل سنت و جماعت قرآن کی روشنی میں امہات المومنین رضی اللہ عنہن ہی کو اہل بیت مانتے ہیں، اس کے بعد حضرت محمد ﷺ کے سب ہی بیٹیوں، نواسوں اور قرابت داروں و نیز جن کو حضور ﷺ نے اہل بیت کہا ہے، انہیں بھی اہل بیت مانتے ہیں؛ جب کہ شیعہ حضرات صرف اور صرف بی بی فاطمہ، حضرت علی، حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہم ہی کو اہل بیت مانتے ہیں جو اس طغرا سے ظاہر ہے۔

ایسی صورت میں کیا اہل سنت و جماعت کے مسلک کی مسجد جامع میں ایسا طغرا لگایا جاسکتا ہے؟ اگر نہیں لگایا جاسکتا تو کیوں؟ و نیز مصلیان مسجد جن چار مذکورہ عقائد کی بناء پر طغرا لگانے سے روک رہے ہیں کیا یہ عمل درست ہے؟ ہوسکتا ہے کہ آپ کا فتوی مل جانے تک طغرا لگ جائے، اور لگ جائے تو کیا کرنا چاہیے؟ اور اگر یہ طے ہو کہ اس طغرا سے بی بی فاطمہ حضرت علی، حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ عنہما کا نام نکال دیا جائے، صرف کلمہ طیبہ و کعبہ و مسجد نبوی کا فوٹو رکھا جائے تو کیا ایسی صورت میں طغرا لگایا جاسکتا ہے؟ قرآن و حدیث و مسلک اہل سنت و جماعت کی روشنی میں فتوی صادر فرمائیں۔

الجواب : حامداً ومصلیاً ومسلماً

سوال میں مذکور طغرا سے فرقۂ شیعہ کے عقائد کی تائید وترویج ہونا صاف اور بدیہی امر ہے، اس قسم کا طغرا اہل سنت کی مسجد میں ہرگز نہ لگنا چاہیے، اور اس کے نہ لگانے کے سلسلے میں جو چار وجوہات سوال میں مذکور ہیں وہ تمام درست اور صحیح ہیں، اگر یہ لگ گیا تو اس کے جن اجزاء سے عقائد شیعہ کی تائید ہوتی ہے، ان کو نکال دیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸/ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قرآنی آیات مسجد میں لگانے میں آپسی نزاع

سوال : ① اگر کسی مسجد میں ایسی تختی دیوار میں فٹ کی جائے جس میں قرآنی آیت اس طرح لکھی گئی ہو:

واذ یرفع ابراھیم القواعد: و: ومن بعدی اسمہ احمد

تو اس مسئلہ میں مفتیان کرام کیا فرماتے ہیں جس میں آیتیں کاٹی گئی ہیں۔

② اگر کوئی شخص مسجد میں ایسی تختی لگاتا ہے اور اس تختی کو دیوار پر فٹ کر دیا جاتا ہے جس میں آیت قرآنی کو کاٹ کر لکھا گیا ہے، اور وہ آیت یہ ہے:

"واذ یرفع ابراھیم القواعد: و: ومن بعدی اسمہ احمد"

اور اس طرح آیتوں کو لگانے کی وجہ یہ ہے کہ ایک گاؤں میں ایک پرانی مسجد تھی، جس کی تعمیر کرنے والے کا اسم گرامی ابراہیم تھا، اور اس گاؤں کی مسجد کی بنیاد ابراہیم

نامی شخص نے رکھی تھی اور اس کے بعد تنگی کی وجہ سے اس مسجد کو شہید کیا گیا اور نئی مسجد بنائی گئی، اور نئی مسجد کی تعمیر چندہ کی رقم سے ہوئی اور پرانی مسجد کی بھی، اور نئی مسجد تعمیر ہوئی تھی اس وقت ایک شخص جس کا اسم گرامی احمد ہے وہ تمام کام کی دیکھ بھال کرتے تھے اور پوری تعمیر چندہ کی رقم سے ہوئی، اس مسجد کی تعمیر ختم ہونے پر ایک تختی لائی گئی جس میں اوپر والی آیتیں لکھی ہوئی تھیں اور وہ تختی اختلاف کے دوران میں ہی فٹ کر دی گئی، تو بعض لوگوں نے کہا کہ تختی لگانے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا یعنی احمد اور آپ کے باپ کا یعنی ابراہیم کا نام ظاہر کرنا مقصود ہے، اس کے بعد پھر اختلاف ہوئے اور بعض لوگوں نے تحریک چلائی کہ تختی نکال دی جائے، اس میں قرآن کی آیتوں کو کاٹا گیا ہے اور ایسا کام شرعاً ناجائز ہے؛ بلکہ بعض لوگوں نے تختی لگانے والے کو برا بھلا کہا، اور بعض نے کہا کہ نگرانی کی ہے انہوں نے اور مسجد بنائی؛ ورنہ یہ کام دوسرا کون انجام دیتا ہے؛ اس وجہ سے ان کو یہ تختی لگانے کا حق ہے۔ اس دوران میں ایک دوسرا اختلاف ہوا کہ وہ صاحب یعنی احمد ایک دوسری تختی لائے اور وہ تختی صدر گیٹ پر لگائی اس پر لکھا ہوا تھا: مسجد کا نام یعنی مسجد ابراہیم، اور یہ تختی بھی اس آدمی نے بلا مشورہ لگائی جس میں گاؤں والوں کا اختلاف ہے، اور جب اس آدمی کو کہا جاتا ہے کہ آپ کے ابا کے نام سے مسجد کا نام رکھا گیا ہے اور مسجد کا نام رکھنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں؛ اس وجہ سے کہ اس گاؤں میں ایک ہی مسجد ہے تو وہ شخص طرح طرح کی دلیل پیش کرتا ہے، مثلاً وہ کہتا ہے کہ مسجد کا نام ابراہیم اس وجہ سے رکھا گیا ہے کہ یہ دین وایمان دین حنیف ہے جیسا کہ قرآن میں آیا ہے، اور یہ دونوں تختی ابھی لگائی ہوئی ہے، صرف ایک جماعت افتاء کے فتوی کا انتظار کرتی ہے اور یہ بات فی الحال فتوی پر رکھی گئی ہے، انشاء اللہ

فتوی آتے ہی جو بھی آئے گا فتوی میں کتاب اللہ اور سنت رسول، اجماع اور قیاس کی روشنی میں، عمل کیا جائے گا، اور اگر کوئی جماعت اس فتوی کو نہ مانے اور ٹھکرا دے تو کیا رائے اختیار کی جائے؛ اس لیے کہ اس سے پہلے بعض مفتیان کرام کے فتوی کو ٹھکرایا گیا ہے، اسی وجہ سے اس فتوی میں ہر بات کو اہمیت دی جائے اور تفصیلاً آخری فتوی بیان کریں؛ تاکہ پھر دوسرے دار الافتاء میں فتوی بھیجنے کی نوبت نہ آئے اور مخالفین ٹھنڈے پڑ جائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① اگر آیت کا ایک حصہ لے کر تختی پر اس طرح لکھا گیا ہے جیسا کہ آپ نے سوال میں نقل فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آیت پوری نہیں لکھی گئی ہے؛ بلکہ اس کا صرف بقدر ضرورت حصہ لیا گیا ہے تو ایسا کرنا جائز ہے، احادیث وآثار اور کتب سلف میں اس کے بے شمار نظائر موجود ہیں۔ کما لا یخفی علی من له ممارسة بکتب الحدیث وغیرها.

② قرآنی آیات وغیرہ کو مسجد کی دیوار پر لکھنا یا تختی میں کندہ کرا کر دیوار میں جڑنا مناسب نہیں ہے۔

لاینبغی الکتابة علی جدرانه (درمختار) و فی الشامیة: أي خوفاً من أن یسقط و توطا بحر عن النهایة (شامی ۱/ ۴۹۰)

تعارف کے لیے مسجد کا کوئی مناسب نام رکھنے کی اجازت ہے، آپ نے سوال میں جو تفصیل تحریر فرمائی ہے اس سے مترشح ہوتا ہے کہ لوگوں نے ان دونوں امور کو آپسی عداوت اور کینہ کے اظہار کا بہانہ بنالیا ہے، مسلمانوں کے آپس کے اختلاف اور نزاع

پر حدیث میں بڑی وعید آئی ہے، اس لیے فریقین کو چاہیے کہ اس چیز کو بنیاد بنا کر جھگڑا اور نزاع پیدا کر کے اپنے دین وایمان کو خراب نہ کریں، کوئی بھی ایک فریق اپنے اصرار سے باز آ جائے تو یہ نزاع بآسانی ختم ہو سکتا ہے یا تو تعمیر کی نگرانی کرنے والے صاحب اس تختی کو نکال دیں یا لوگ اس کے نکالنے پر اصرار نہ کریں، یا اپنے علاقہ کے معتمد علیہ علماء کو دونوں فریق فیصل تسلیم کر کے ان کی ہدایت پر عمل کریں، اس نوع کے جھگڑے کے ماحول میں فتویٰ حاصل کرنا بھی قطع نزاع نہیں کرتا، ہر فریق اپنے اپنے انداز میں مفتی کے سامنے حقائق پیش کر کے جواب حاصل کر کے فریق مقابل کو خاموش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مسجد کا سامان ذاتی کام میں استعمال کرنا

سوال: اگر میں نے مسجد میں سے کچھ سامان یا روپیہ وغیرہ اپنے خرچ کرنے کے لیے لایا، یعنی سامان استعمال کرنے کے لیے لایا اور پھر کام ہونے کے بعد واپس رکھ دیا تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسجد کا سامان یا روپیہ ذاتی کام میں استعمال کرنا ناجائز ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ جدید ۱۲۵/۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مسجد کا پانی امام اپنی ضروریات میں استعمال کرسکتا ہے؟

سوال : مسجد کا پانی امام اپنی ضروریات، مثلاً کپڑے وغیرہ دھونے، غسل کرنے کے لیے استعمال کرسکتا ہے؟ یادرہے کہ یہ پانی گاؤں کی واٹرورکس سے آتا ہے، اوراس کا پیسہ بھی مسجد کے مال میں سے دیا جاتا ہے۔

الجواب : حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگرامام کی رہائش احاطۂ مسجد کے اس کمرہ میں ہے جواس کے لیے بنایا گیا ہے، تووہ پانی کا استعمال غسل وغیرہ کے لیے کرسکتا ہے۔ (کفایت المفتی ۶/۷ ۴۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳/ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ

ذاتی ضرورت کے لیے مسجد کی بجلی کا استعمال

سوال : مسجد کی بجلی کا استعمال خاص اپنی ضرورت میں کرسکتے ہیں کیا اس سلسلہ میں متولی مسجد کو اجازت دینے نہ دینے کا اختیار ہے؟ خاص اپنی ضرورت سے مراد مثلاً مسجد میں کسی عالم کا وعظ ریکارڈ کرنے کے لیے مسجد کی بجلی کا استعمال کرنا۔ نیز مسجد سے باہر اپنی کسی ضرورت کے لیے مسجد کی بجلی کا استعمال ہے۔ بجلی کی استعمال کی شکل میں لائٹ بل ادا کرنے کی کیا شکل ہونی چاہیے کیا اندازے سے ادا کرنا صحیح ہے؟

الجواب : حامداً ومصلیاً ومسلماً

اپنی خالص ذاتی ضرورت کے لیے (جس کا تعلق مسجد میں ادا کی جانے والی کسی

عبادت سے نہ ہو) مسجد کی بجلی کا استعمال درست نہیں ہے۔ اس میں متولی مسجد کی اجازت وعدم اجازت کا بھی اعتبار نہیں۔ البتہ اگر عرف عام ہو جائے کہ مسجد میں عالم کا وعظ ہوتے وقت ریکارڈنگ کرنے والے مسجد کی بجلی استعمال کرتے ہوں مسجد میں چندہ دینے والے اس چیز سے واقف ہوں اور منتظمین مسجد بھی اس کی اجازت دیتے ہوں تو جس قدر عرف ہو اتنی مقدار استعمال کی جاسکتی ہے لیکن اس صورت میں استعمال کرنے والے کو چاہیے کہ اندازہ کر کے اتنی رقم لائٹ بل کے مد میں داخل کرادے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ رجب المرجب ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سوسائٹی کی زمین پر مسجد کا بور بنانا اور اس کا پانی مسجد اور سوسائٹی میں استعمال کرنا

سوال: ہماری پاکیزہ سوسائٹی میں انسٹھ (۵۹) فلیٹ ہیں، سب اونر (onar) ہیں، اور سوسائٹی میں ۱۵، ۲۰ گھر شیعہ حضرات کے ہیں، اور کچھ گھر محبین حضرات کے ہیں، باقی گھر دیوبندی حضرات کے ہیں، سوسائٹی سے لگ کر کچھ جھونپڑے خرید کر دیوبند کے مسلک کی مسجد بنائی، جس کا نام پاکیزہ مسجد ہے، سوسائٹی کی کمیٹی الگ ہے اور مسجد کا ٹرسٹ الگ ہے، سوسائٹی اور مسجد دونوں کو ایک دوسرے سے کچھ لینا دینا نہیں ہے؛ کیوں کہ مسجد دیوبندی مسلک کی ہے، اور سوسائٹی کا چیئر مین شیعہ ہے، اور سکریٹری سنی جماعت سے تعلق رکھتا ہے، کئی سال تک مسجد میں پانی ہماری سوسائٹی

سے دیا گیا ہے؛ لیکن اس کی اجازت سوسائٹی کے ممبروں سے نہیں لی ہے، تین سال پہلے ایک ممبر نے سکریٹری سے مل کر کہا کہ میرے والد کے نام سے پانی کا ایک بور کرنا ہے اور وہ بور سوسائٹی کی زمین پر ہے، تو کیا اس جگہ پر بور ہو سکتا ہے؟ اور کوئی اجازت نہیں، کوئی خلاصہ نہیں سوسائٹی والوں سے، اور اس بور کا پانی مسجد میں استعمال ہوتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ مسجد کی پانی کی لائن پاس ہوئی ہے اور اس کا پانی مسجد میں پینے کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور کچھ پانی سوسائٹی میں دیا جاتا ہے، مسجد کا پانی سوسائٹی میں دینا جائز ہے؟ اور بور کے پانی کا لائٹ بل سوسائٹی بھر رہی ہے اور چیئر مین جو شیعہ ہے، سکریٹری سے کئی بار کہہ چکا ہے کہ اس کا لائٹ بل سوسائٹی کیوں بھرے؟ لیکن سکریٹری صاحب سنتے ہی نہیں ہیں، اور سوسائٹی میں رہنے والے مختلف حضرات ناراض ہیں، سکریٹری صاحب اور جس ممبر نے بور کروایا ہے وہ دونوں مسجد کے ٹرسٹی بھی ہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ ہم مسجد کی پانی کی لائن کا جو پانی سوسائٹی کو دے رہے ہیں اس کے عوض بورنگ کا پانی ہم مسجد میں استعمال کر رہے ہیں، کیا ان کا یہ حیلہ درست ہے یا نہیں؟

① پاکیزہ سوسائٹی میں اس کے ممبروں کی اجازت کے بغیر مسجد کے پانی کا بور کیا گیا ہے، کیا یہ جائز ہے؟

② اس بور کے لائٹ بل کی بھرپائی سوسائٹی کے سکریٹری - جو مسجد کے ٹرسٹی بھی ہے - سوسائٹی پر ڈالتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① زمین کے اندر پانی کے جو قدرتی ذخائر ہیں وہ کسی کی ملک نہیں، ان کو حاصل

کر کے فائدہ اٹھانے کی سب کو اجازت ہے، اب اگر وہ پانی بور کر کے حاصل کیا گیا تو اس کو حاصل کرنے کے لیے سوسائٹی کے ممبران کی اجازت لینا ضروری نہیں؛ البتہ سوسائٹی کی وہ مشترکہ زمین جس میں بور کیا گیا ہے وہ اس بور کی وجہ سے اتنی زیادہ مشغول ہوتی ہے کہ لوگوں کو اس سے آنے جانے یا عام انتفاع میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے، تب تو دیگر ممبران کو اعتراض کا حق ہے ورنہ نہیں۔ (درر الحکام شرح مجلۃ الحکام ۳/ ۲۷۰، ۲۷۱)

② بور کے لائٹ بل کی ادائیگی سوسائٹی کے مشترکہ سرمایہ سے نہ کی جائے؛ بلکہ اس کے لیے الگ انتظام کیا جائے؛ البتہ مسجد کے پانی کی جو لائن پاس ہوتی ہے اس میں سے کچھ حصہ سوسائٹی میں دیا جاتا ہے، اگر پانی کی اس لائن سے پانی حاصل کرنے پر مصارف آتے ہیں، اور وہ مصارف مسجد ادا کرتی ہے تو اس صورت میں جتنا پانی سوسائٹی کو دیا جاتا ہے، اس کے حصہ کے مصارف سوسائٹی سے وصول کئے جائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ محرم الحرام ۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ — الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

مدرسہ کا پانی مسجد میں استعمال کرنا

سوال: کیا مدرسہ کا پانی مسجد کے مقتدی حضرات استعمال کر سکتے ہیں؟ یعنی مسجد میں پانی کی قلت ہے، چوں کہ مدرسہ اور مسجد تھوڑی سی قریب قریب ہے، ایک صاحب سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ چوں کہ مدرسہ میں زکوۃ کا مال ہے استعمال نہیں کر سکتے؛ لیکن اگر کرایہ دے کر کہ مہینہ میں اتنی اتنی رقم پانی کے استعمال کے عوض

مدرسہ میں ادا کردی جائے تو کیا اس طرح پانی کا مسئلہ حل کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر مدرسہ کے کنویں میں زائد پانی موجود ہے تو مسجد والے اپنی مشین لگا کر وہ پانی مسجد میں لاسکتے ہیں، اس صورت میں مسجد والوں کے لیے کرایہ کی ادائیگی کا بھی کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا؛ البتہ اگر مدرسہ اپنی مشین کے ذریعہ پانی نکال کر مسجد کو دے رہا ہے تو وہ اس کی قیمت وصول کر سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مسجد کے پانی کا بے جا استعمال

سوال: مسجد کا وضو خانہ جس کے نل صحن میں بھی ہیں اور خارج از صحن بھی ہیں، باہر جو نل لگے ہوئے ہیں ان میں سے غیر مسلم اور غیر مصلی پینے کے لیے لے جاتے ہیں، گاڑیاں دھونے لے جاتے ہیں، اور وہیں پر صبح وشام کارخانہ والے اپنا ہاتھ منہ دھوتے ہیں جب کہ بور مسجد کا ہے، اور بل بھی مسجد کے پیسوں سے دیا جاتا ہے، تو کیا اس طرح غیر قوم اور غیر مصلی پانی کا استعمال کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

وہ نل مسجد کی رقم سے لگائے گئے ہیں، تو ضروریات نماز کے علاوہ استعمال نہ کیا جائے۔ (فتاوی محمودیہ ۶/ ۱۶۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مسجد کے پانی کی بیع

سوال: مسجد میں پانی کی بورنگ ہے، جس کی بجلی اور مرمت کا خرچ مسجد اٹھاتی ہے، اس بورنگ کا پانی غیر مسلموں کو شادیوں میں ۳/روپئے فی ڈرم کے حساب سے فروخت کیا جاتا ہے، کیا یہ پیسہ مسجد یا مدرسہ کے کاموں میں لیا جا سکتا ہے؟ (اس بورنگ سے سبھی قوم کے لوگ بھی پانی خریدتے ہیں)۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب پانی نکال کر فروخت کیا جاتا ہے تو یہ بیع درست ہے، اور یہ رقم مسجد ہی کی ہے اور مسجد ہی کے کام میں استعمال کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مسجد کے کنویں سے محلہ والوں کا پانی لینا

سوال: جو کنواں یا جو بورویل مسجد کے لیے تیار کیا گیا ہو اس میں سے پانی کی تنگی کے وقت گاؤں والوں کو پانی دے سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بہ وقتِ ضرورت مسجد کے کنویں سے محلے والوں کو پانی لینے کی گنجائش ہے؛ لیکن اس کی عادت بنانے میں بدنظمی کا اندیشہ ہے؛ اس لیے احتیاط ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۲/ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۹ھ

غیر مسلم کی رقم مسجد میں لینا

سوال: مسجد میں غیر مسلم کی رقم یا اور کوئی چیز استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اگر ان کے نزدیک یہ رقم وغیرہ مسجد میں دینا ثواب کا کام ہے تو درست ہے، ورنہ نہیں، پہلی صورت میں اگر کوئی خارجی امر مانع ہو، مثلاً: کسی فتنہ کا اندیشہ ہو یا وہ لوگ بعد میں ملکیت کا دعویٰ کریں یا مسلمانوں پر احسان رکھیں یا دباؤ ڈالیں، مستقبل میں ان کی طرف سے مندر میں رقم دینے کا مطالبہ ہو تو قبول نہ کیا جائے تو پھر براہِ راست روپیہ وغیرہ ان سے نہ لیا جائے، اگر وہ دینا چاہیں تو کسی مسلمان کی ملک کر دیں اور پھر وہ مسلمان مسجد میں دے دے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱/ ۴۷۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مسجد و مدرسہ میں غیر مسلم کی مشکوک رقم استعمال کرنا

سوال: مسجد و مدرسہ کے کسی بھی کام میں غیر مسلم کا پیسہ لگانا جائز ہے؟ جو کہ مشکوک ہے بالتفصیل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

مشکوک اور مشتبہ مال مسلم کا ہو یا غیر مسلم کا مسجد و مدرسہ میں اس کو استعمال نہ کیا جائے۔ اگر اس کی جائز کمائی ہے اور وہ باعث اجر و ثواب اور کار خیر سمجھ کر مسجد یا مدرسہ وغیرہ میں رقم دے رہا ہے اور اس کی اس رقم کو لینے میں فی الحال یا مستقبل میں کوئی

اندیشہ (مثلاً یہ کہ کل کو وہ لوگ مندر کے لیے رقم کا مطالبہ کریں وغیرہ) نہیں ہے تو اس کو لے کر استعمال کر سکتے ہیں۔ بہتر صورت یہ ہے کہ اس کو کہہ دیا جائے کہ آپ اپنی رقم فلاں مسلمان کو دے کر اس کو مالک بنا دیجیے وہ اس رقم کو اپنی طرف سے مسجد یا مدرسہ میں لگائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/شوال المکرم ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

افطاری اور مسجد کی تعمیر میں کافر کی رقم قبول کرنا

سوال: ہمارے شہر کی مسجد کے امام صاحب نے ماہِ رمضان میں وعظ کے دوران یہ کہا کہ روزہ افطاری میں کافر کا پیسہ لگ سکتا ہے، اور ہم لوگوں نے افطار کیا بھی ہے، کیا یہ جائز ہے؟ دلیل انہوں نے یہ دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک یہودی عورت کی دعوت قبول کی تھی، اور مسجد کی تعمیر میں کافروں کا پیسہ لگ سکتا ہے؛ کیوں کہ خانۂ کعبہ میں کافروں کے پیسوں سے تعمیر ہوئی، کیا یہ دونوں باتیں جائز ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

امام صاحب کی دونوں باتیں درست ہیں؛ البتہ کافر کی کمائی حلال طریقہ سے ہونی چاہیے، سود وغیرہ حرام کی نہ ہو، حرام کی کمائی مسلمان کی بھی ہے تو وہ جائز نہیں ہے، مسجد کی تعمیر میں اگر کافر کی رقم حلال کی ہے اور اس کے قبول کرنے میں آئندہ کوئی اندیشہ نہیں ہے تو قبول کر سکتے ہیں، آئندہ اندیشہ کا مطلب یہ ہے کہ بعد میں چل کر وہ احسان جتلائے گا یا مندر کی تعمیر کے لیے مسلمانوں سے رقم مانگے گا، اگر ایسا ہے تو اس

کی رقم قبول نہ کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/شوال ۱۴۱۸ھ

میونسپلٹی اور غیر مسلم کی زمین پر مسجد

سوال: مسجد کے بازو میں میونسپلٹی کی زمین ہے، یا اور کوئی زمین جو میونسپلٹی کے قبضہ کی ہے اس کو مسجد کے لیے لینا چاہتے ہیں، تو کیا بغیر قیمت لیے ہوئے میونسپلٹی اس کو مسجد کے لیے وقف کر دے، تو کر سکتی ہے؟ اور اس زمین پر مسجد بنا سکتے ہیں؟ یا مسجد کی آمدنی کے لیے کچھ کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں؟

غیر مسلم اگر اپنی کوئی زمین مسجد بنانے کے لیے خوشی سے دینا چاہے، تو اس کو لے کر مسجد بنا سکتے ہیں؟ اس کی کیا شکل ہوگی؟ از روئے شرع جواب سے نواز ا جائے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

غیر مسلم کے وقف کے لیے شرط ہے کہ کسی ایسے کام کے لیے وقف ہو جو قواعد اسلامیہ کے اعتبار سے بھی ثواب کا کام ہو، اور اس کافر کے اعتقاد میں بھی ثواب ہو، جب یہ دونوں شرطیں پائی جائیں تو کافر کا وقف صحیح ہے؛ ورنہ نہیں، مثلاً فقراء و مساکین کی خدمت تمام مذہب میں ثواب سمجھی جاتی ہے، اس لیے کوئی کافر کسی مذہب کا ہو اگر اس کام کے لیے وقف کرے تو وقف صحیح ہو جائے گا، لہٰذا اگر کوئی غیر مسلم بہ نیت ثواب مسجد بنا دے، اور اس کا اعتقاد یہ ہو کہ مسجد بنانے سے ثواب ملے گا، تو یہ مسجد تمام احکام میں مسجد شرعی ہوگئی۔

میونسپلٹی کی طرف سے جگہ دی جاتی ہے اس میں چوں کہ اعتقاد ثواب نہ ہونے کا

شبہ ضرور ہے، اس لیے بہتر یہ ہے کہ مسلمان اس جگہ پر قبضہ کر کے اپنی طرف سے مسجد بنا دیں؛ تا کہ وقف کی صحت میں شبہ نہ رہے۔ (فتاویٰ دار العلوم امداد المفتیین ۲/ ۷۹۷ مع تغیر یسیر)

غیر مسلم کی زمین مسجد کے لیے لینے میں اگر کوئی خارجی امر مانع نہ ہو، مثلاً کسی فتنہ کا اندیشہ ہو یا وہ لوگ بعد میں ملکیت کا دعویٰ کریں، یا مسلمانوں پر احسان رکھیں یا دباؤ ڈالیں تو پھر براہِ راست ان سے زمین نہ لی جائے، اگر وہ دینا چاہیں تو کسی مسلمان کی ملک کر دیں، اور پھر وہ مسلمان مسجد میں دیدے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱/ ۴۷۰ مع تغیر یسیر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵/ ذو القعدہ ۱۴۱۱ھ

ارض مغصوبہ پر مسجد مدرسہ بنانے کا حکم

سوال: ایک بنجر زمین ہے، جس کا بظاہر کوئی دعوے دار نہیں ہے، اور نہ ہی کوئی مالک ہے، ایسی زمین کے اوپر چند نوجوان قبضہ کر کے اس پر مسجد یا مدرسہ بنانا چاہتے ہیں، تو کیا ایسی زمین پر مسجد یا مدرسہ بنانے کی اجازت ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسجد کا وقف ہونا ضروری ہے، اور وقف اس وقت درست ہے جب کہ ملکیت ہو، قابض نوجوان مالک نہیں ہیں، اس لیے وہ مسجد نہیں بن سکتی، مدرسہ کے لیے بھی غصب زمین کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر وہ زمین سرکاری ہو، اور سرکاری طور پر اس طرح کا قبضہ تسلیم کر کے اس کا کرایہ لگایا جاتا ہے، تو اس کا استعمال مدرسہ کے طور پر درست ہوگا، اور اس میں نماز بھی درست ہو جاوے گی؛ اگر چہ مسجد نہیں

کہلاسکتی ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد کی مرمت کے نام رقم منظور کروا کر عیدگاہ میں لگانا

سوال: میری بستی کے ایک غیر مسلم سرپنچ صاحب اپنے سیاسی مفاد کے خاطر مسجد کی مرمت کے نام سے حکومت کو درخواست دے کر ۲۵/ہزار روپیے منظور کرواتے ہیں، جب کہ ہماری مسجد نئی تعمیر شدہ ہے، اور ہماری طرف سے کسی نے ان کو رقم منظور کرانے کے لیے نہیں کہا، اب وہ اس رقم سے عیدگاہ کی زمین میں بور کروانا چاہتے ہیں اور کچھ عیدگاہ کی حد بندی کروانا چاہتے ہیں، اور یہ کہہ رہے ہیں کہ میں یہ کام کرواؤں گا تو میری ایک یادگار رہے گی، کہ میرے سرپنچ رہنے کے زمانے میں عیدگاہ میں یہ کام ہوا ہے، کیا اس رقم سے عیدگاہ کی حد بندی اور عیدگاہ میں بورڈلوانے کی ان کو اجازت دینا درست ہے یا نہیں؟ شرعی اعتبار سے ایسی رقم کا استعمال کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

پچیس ہزار کی وہ رقم جب عیدگاہ کے لیے منظور ہی نہیں ہوئی ہے تو اس رقم سے عیدگاہ کی حد بندی اور اس میں بورڈلوانا شرعاً درست نہیں ہے، اس کو ایسا کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۵/ذی القعدہ ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

کھانا کھلانے اور مسجد کی توسیع میں تقابل کے وقت ترجیح

سوال: ایک صاحب بڑی رقم خرچ کر کے اللہ کے نام پر کھانا پکا کر مہمانوں، رشتے داروں، دوست واحباب، غریبوں، یتیموں، بیواوں، مسکینوں، ناداروں کو کھانا کھلا کر اس کا ثواب والدین کی روح کو پہنچانا چاہتے ہیں؛ لیکن اس وقت اس شہر میں ایک مسجد کی توسیع وتعمیر کا کام تیزی سے جاری ہے؛ تا کہ کام جلد از جلد پورا ہو، کام بڑا ہے اور اس کے لیے بڑی رقم کی ضرورت ہے، اسلام دشمن فرقہ پرست اس کام کو بند کرانے میں کوشاں ہیں، اس تعمیری کام کے مسلمان ذمہ داروں نے اللہ کے بھروسے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر کام پورا کرنے کا پکا ارادہ کیا ہے، دعا ہے: اللہ ان کی نصرت فرمائے، آمین۔ فرقہ پرست آج تک کامیاب ہوئے نہیں، اور آئندہ بھی ناکام ہی رہیں گے ان شاء اللہ۔ کھانا کھلا کر والدین کی روح کو ثواب پہنچایا جائے یا وہی رقم اس مسجد کی توسیع وتعمیر میں صرف کی جائے؟ کس کام کو کرنے سے مقصد پورا ہوگا؟ کھانا کھلانے سے یا تعمیر میں خرچ کرنے سے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کھانا پکوا کر غریبوں، محتاجوں، یتیموں، بیواوں وغیرہ کو کھلانا موجبِ اجر اور باعثِ ثواب ہے، احادیث میں اس کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے، اور اس کارِ خیر سے حاصل شدہ ثواب دوسرے کو بخشنا چاہے تو اس کی بھی اجازت وفضیلت ہے۔ مسجد کی تعمیر وتوسیع میں حصہ لینا بھی موجبِ اجر اور باعث ثواب ہے، اور اس حیثیت سے کہ مسجد ایک زمانے تک باقی رہنے والی ہے اور اس وقت تک جتنے بھی لوگ اس

میں نماز پڑھیں گے تعمیر و توسیع میں حصہ لینے والے کو ثواب برابر ملتا رہے گا، یہ ثواب صدقۂ جاریہ ہے، خصوصاً جب کہ بہ حالت موجودہ اس کی شدید ضرورت ہے، جہتِ ثواب اس میں بڑھ جاتی ہے، اس اعتبار سے اس کار خیر کو پہلی صورت پر فوقیت حاصل ہے، اور ایصال ثواب کرنے والے کا مقصد اس دوسری صورت میں پہلے کے مقابلے میں زیادہ کامل و مکمل طریقے پر حاصل ہوگا۔ یہ تفصیل ان صاحب کے سامنے رکھی جائے اور کوئی جبر، دباؤ، شرم میں ڈالے بغیر وہ بہ رضا و رغبت دوسری صورت اختیار کرتے ہوئے اس کے لیے رقم دیں تو قبول کر لی جائے، اور ان پر کوئی تنقید یا گرفت نہ کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۵؍ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۹ھ

مسجد اور مدرسے کے چندے سے تنخواہ دینا

سوال: مسجد یا مدرسے کے لیے جو چندہ کیا جاتا ہے اس میں سے اگر امام صاحب یا امامِ تراویح کو تنخواہ دی جائے تو درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسجد کے لیے کیا جانے والا چندہ اگر صرف تعمیر کے لیے ہے تو اس میں سے امام کی تنخواہ دینا درست نہیں، اور اگر مسجد کی تمام ضروریات کے لیے ہے تو اس میں سے امام کی تنخواہ دے سکتے ہیں۔ تراویح پڑھانے پر اجرت کا لینا اور دینا دونوں منع ہے۔ یہی حکم مدرسے کے چندے کا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۲؍ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۹ھ

قیامِ مدرسہ کی نیت سے خریدی ہوئی زمین بیچ کر مسجد بنانا

سوال: زید نے ایک زمین اپنی ذاتی رقم سے ایک مدرسہ قائم کرنے کی نیت سے خریدی، اور چند معتبر لوگوں کے نام پر اس زمین کی خریداری کی؛ مگر کچھ حالات ایسے پیش آئے کہ مدرسہ بنانے کی نوبت نہ آسکی، اس کے بعد زید نے متولیوں کے مشورہ سے یہ طے کیا کہ: اس زمین کو فروخت کر کے اس رقم سے مسجد بنوادی جائے، چناں چہ اس زمین کو بکر نے ۴۵ ہزار روپے میں خرید لیا اور دس ہزار روپیہ بھی ادا کر دیے۔ واضح رہے کہ بکر بھی متولیوں میں سے ایک متولی ہے، باقی رقم ادا کرنے کے لیے بکر نے زید سے کہا کہ: پہلے تمام متولیوں کی اجازت کے دستخط شدہ کاغذ لاؤ؛ تاکہ آگے کوئی قانونی دقت پیش نہ آئے، زید نے متولیوں کے دستخط شدہ کاغذ کو پیش نہیں کیا، جس کی وجہ سے بکر نے رقم بھی نہیں دی، کچھ عرصہ کے بعد زید نے بکر سے کہا کہ: زمین کی قیمتیں بڑھ رہی ہے؛ اس لیے میں ۴۵ ہزار میں نہیں دوں گا، تو زید اور بکر نے ایک ثالث کی موجودگی میں مزید دس ہزار روپیہ کا قیمت میں اضافہ کر دیا، اور ۵۵ ہزار روپیہ طے ہوئے، اس کے بعد بکر نے زید سے پھر کہا کہ: تمام متولیوں کے دستخط لیجیے مگر زید نے دستخط لا کر نہیں دیے، اس کے بعد زید نے بکر کو اطلاع دیے بغیر وہ زمین دوسری جگہ بیچ دی، اور اس رقم سے مسجد بنوادی، بعد میں زید نے اس واقعہ کی اطلاع بکر کو دی، بکر نے زید سے کہا کہ: میرے دس ہزار روپیہ واپس کر دو؛ لہٰذا زید نے دو سال کے بعد دس ہزار روپیہ بکر کو واپس کر دیے، ایک عرصہ گزر جانے کے بعد بکر کو معلوم ہوا کہ زید نے پوری زمین نہیں بیچی تھی؛ بلکہ ایک حصہ ویسے ہی بغیر فروخت کیا ہوا موجود ہے،

اور وہ بغیر فروخت کیا ہوا حصہ بکر کے اور خالد کے (جو کہ متولی بھی ہے) نام سے قانونی طور پر مندرج ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ زمین کا وہ غیر فروخت کیا ہوا حصہ کس کی ملکیت میں ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زید نے مدرسے کی نیت سے زمین خریدنے کے بعد اس کو مدرسہ کے لیے وقف بھی کر دیا تھا، تب تو وہ زمین مدرسہ کے لیے وقف ہو چکنے کی وجہ سے اس کا فروخت کرنا درست نہیں ہوا؛ اس لیے کہ وقف کی بیع باطل ہے، اور اگر خریدنے کے بعد ابھی تک وقف نہیں کیا تھا اور بکر کو فروخت کی، تو یہ بیع درست ہو کر اس زمین کا مالک بکر ہو چکا، اب زید کے لیے اس زمین کو دوسری جگہ بیچنا جائز نہیں تھا، پھر بھی جب اس نے وہ بیچ دی تو اس کا یہ بیچنا بکر کی اجازت پر موقوف تھا، اگر بکر نے اجازت دے دی تھی تو وہ بیع مکمل ہو گئی؛ لیکن اس کی قیمت جو اس فروخت سے حاصل ہوئی اس کا حق دار بکر ہے، زید نہیں؛ اس لیے زید کا اس رقم سے مسجد بنوانا درست نہیں تھا، اب جب کہ وہ اس رقم کو مسجد بنوانے میں لگا چکا تو وہ اتنی رقم اپنی جیب سے بکر کو ادا کرے؛ البتہ اس میں سے اپنی وہ رقم جو بکر پر باقی ہے وضع کر سکتا ہے، اور اب جب کہ یہ معلوم ہوا کہ اس زمین کا ایک حصہ فروخت نہیں ہوا تھا تو اس حصے کا مالک اب بھی بکر ہی ہے، زید نہیں، زید کو چاہیے کہ وہ زمین بکر کے حوالے کر دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷؍شوال المکرم ۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

قدیم عیدگاہ میں ملکیت کا دعویٰ

سوال: ایسی عیدگاہ جس کی ملکیت کا مسلمانوں کے پاس تحریری کوئی ثبوت نہیں ہے، سوائے اس کے کہ مسلمان یہاں پر برسوں سے نماز عیدین ادا کرتے آرہے ہیں، ایک اہل ہنود جس کی یہاں عیدگاہ کے ہر چہار سمت زراعتی زمین ہے، دعویٰ کرتا ہے کہ: عیدگاہ کی زمین میری ہے، ہمارے باپ دادا نے مسلمانوں کو صرف عیدین کی نماز پڑھنے کی اجازت دے رکھی ہے؛ اس لیے ہم بھی عیدین کی نماز سے نہیں روکتے ہیں؛ مگر زمین کی ملکیت ہماری ہی رہے گی۔

نوٹ: عیدگاہ کی موجودہ جگہ نمازیوں کے لیے ناکافی ہورہی ہے، بہ ایں مجبوری اہل ہنود کی زراعتی زمین پر بھی صف بندی کرنی پڑتی ہے، فصل ہونے کی صورت میں نماز ادا کرنے اور جانے آنے سے فصل کا نقصان بھی ہورہا ہے، جس کی وجہ سے کبھی بھی عین نماز کے وقت ادائیگی نماز میں خلل پیدا ہوسکتا ہے۔ ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے عیدگاہ کی شرعی حیثیت کی مکمل وضاحت فرمائیں۔

نیز یہ بھی بتائیں کہ اس عیدگاہ کی زمین کو جس کا مدعی غیر مسلم ہے، اس کو سپرد کرکے دوسری جگہ عیدگاہ بنالینا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسلمان جب اس پر برسوں سے عید کی نماز پڑھتے چلے آرہے ہیں، اور وہ جگہ عیدگاہ کے نام سے مشہور ہے اور قبضہ بھی مسلمانوں کا ہے، تو پھر اہل ہنود کا یہ دعویٰ کہ یہ زمین میری ہے بغیر ثبوت کے قابل قبول نہیں ہے، اپنی ملکیت کا ثبوت پیش کرنا اس

کی ذمہ داری ہے، مسلمانوں کے لیے تو اس کا بہ طور عیدگاہ استعمال ہونا اور قبضہ یہی کافی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱ رشوال المکرم ۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

عیدگاہ کی زمین میں اسپتال وغیرہ بنانا

سوال: ایک شہر میں عیدگاہ ہے جہاں عیدین کے علاوہ کوئی نماز نہیں پڑھی جاتی، یہ جگہ کل پچیس ہزار اسکویر فٹ ہے، جس میں سے درمیان میں ۲۵X۲۵ فٹ تعمیر شدہ ہے، باقی میدان ہے، اس عیدگاہ پر حکومت کی نظر ہے، چاہتی ہے کہ کھیل کود کا میدان یا گارڈن بنادے، ذمہ دارانِ حکومت یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم تمہیں نماز ادا کرنے دیں گے؛ مگر یہ ان کا صرف وعدہ ہی وعدہ ہے، اس عیدگاہ کے تین ذمہ دار (متولی) ہیں اس صورت حال میں متولی حضرات چاہتے ہیں کہ دیگر چار مسلمان ٹرسٹی بنا کر کل سات افراد کی کمیٹی بنائیں اور اہلِ خیر مسلمان کا تعاون لے کر حکومت کے قبضہ کرنے سے قبل رفاہِ عام کے لیے مسلم دواخانہ کھول دے، تحتانی حصہ خالی چھوڑ دیا جائے اور ستونوں پر عمارت اوپر کے حصہ میں ہو، نیچے گاڑیاں پارک ہو اور عیدین میں نماز بھی پڑھی جاسکے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

① کیا عیدگاہ بھی مساجد کے حکم میں ہے؟

② (بصورت اثبات) مجبوری کے سبب اس کو دواخانہ میں تبدیل کر دیں تو جائز ہے؟

③ متولی حضرات بغیر قیمت لیے تبدیل کر کے رفاہِ عام کے لیے دے دیں تو

شرعاً گنہگار تو نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عیدگاہ کی یہ زمین اگر عیدگاہ کے لیے وقف کی گئی ہے تو اس میں دواخانہ کھولنا یا اور کسی کام میں (چاہے وہ رفاہِ عام کا ہی کیوں نہ ہو) استعمال کرنا درست نہیں ہے۔ اور اگر یہ زمین وقف نہیں ہے؛ بلکہ حکومت کی طرف سے عید کی نماز کے لیے دی گئی (جیسا کہ بہت سی جگہوں پر اس قسم کی عیدگاہ ہوتی ہے) تو اس کے اوپر کے حصہ میں ہسپتال بنایا جا سکتا ہے، اور نیچے کھلا رہنے دیا جائے؛ تاکہ نماز عید کے لیے استعمال ہو سکے، اس صورت میں اس کے اوپر ہسپتال بنانے سے متولی حضرات گنہگار نہیں ہوں گے۔ وقف والی صورت میں اس کے چاروں طرف دیوار وغیرہ قائم کر کے اس کی حفاظت کا ایسا بندوبست کرنا کہ حکومت کھیل کا میدان یا گارڈن نہ بنا سکے ضروری ہے، بصورت غفلت متولی حضرات گنہگار رہوں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰ رجمادی الاخری ۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد کی رقم مدرسہ کے کاروبار یا دیگر امور میں استعمال کرنا

سوال: کیا مسجد کا پیسہ مدرسہ کے کاروبار یا دیگر مدرسہ کی ضروریات میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ مثلاً اساتذہ کی تنخواہ وغیرہ میں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نہیں۔ وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل

مسجد ومدرسة ووقف عليهما أوقافا لا يجوز له ذلك (درمختار على هامش الشامی ۴۰۸/۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد کی کتابیں دینی ادارے میں دینا

سوال: ہماری مسجد جو کہ ایک دیہات میں واقع ہے ایک صاحب نے تفسیر حقانی کا مکمل ایک سیٹ رکھا ہے مگر اس کو کوئی پڑھنے والا نہیں ہے۔ جب سے رکھی ہے آج تک بالحلف یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کو کسی نے پڑھا نہیں ہے اب ان صاحب کا ارادہ یہ ہے کہ اسے کسی دینی ادارہ میں دینا چاہیے۔ جہاں اس کا صحیح مصرف مل جائے۔ تو اب اس کی کیا شکلیں ہو سکتی ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

جن صاحب نے مسجد میں وہ سیٹ پڑھنے کے لیے رکھا تھا وہ خود اگر صورت مسئولہ میں اس کو وہاں سے ہٹا کر کسی ادارہ میں (جہاں اس سے استفادہ ہو) رکھنا چاہیں تو رکھ سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، مؤرخہ ۲۵/شوال المکرم ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ایک مد کی رقم دوسرے مد میں استعمال کرنا

سوال: شرع کے رو سے مسجد کے احاطے میں امام مسجد یا ٹرسٹ کے عہدے

داران اوران کے اہل وعیال اور فیملی کے لیے مناسب آرائشی وآرام دہ رہائش کی تعمیر اور ایسی تعمیر پر مسجد کے ٹرسٹ کے فنڈ سے اخراجات کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اِن تمام امور کا مدار واقف کی اجازت پر ہے، اگر اس نے اجازت دی ہے تو درست ہے؛ ورنہ نہیں، جو فنڈ جس کام کے لیے دینے والے نے دیا ہے اسی مد میں استعمال کیا جائے، دوسرے مد میں اس کا استعمال جائز نہیں ہے، یہاں تک کہ جو رقم امام کی تنخواہ کے لیے دی گئی ہو اس کا مؤذن کی تنخواہ میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ذی القعدہ ۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

تنخواہ دار مدرس کا مسجد میں درس دینا

سوال: جامعہ ہذا میں طلبہ کی تربیت کے لیے نفلی اعتکاف میں بیٹھنے کا نظام ہے، ہر جماعت دس روز کے اعتکاف میں بیٹھتی ہے، میمنی مسجد کے بیرونی حصہ میں مسجد کی نیت نہیں ہے، مہتمم صاحب نے بتایا ہے کہ وہ مسجد سے خارج ہے، تو کیا نفلی اعتکاف کو عذر بنا کر تنخواہ دار مدرس کے لیے اندرونِ مسجد درس دینا صحیح ہے؟ جب کہ بلا عذر تنخواہ دار مدرس کے لیے مسجد میں پڑھانا فتاویٰ محمودیہ (۱۳۸/۱۸) فتاویٰ رحیمیہ (۲۰۳/۵) سے مکروہ اور احسن الفتاویٰ (۴۵۸/۶) سے ناجائز سمجھ میں آرہا ہے، اور اگر نفلی اعتکاف کو عذر مان کر مسجد میں پڑھانا جائز ہو تو بہتر کیا ہے؟ برائے کرم مدلل

جواب سے نوازیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

تنخواہ دار مدرس کا مسجد میں بیٹھ کر درس دینا- جیسا کہ آپ نے سوال میں لکھا ہے-مکروہ ہے؛ البتہ یہ صورت ممکن ہے کہ مدرس مسجد کے اُس حصہ میں جو خارجِ مسجد ہے بیٹھ کر درس دے، اور طلبہ اندرونِ مسجد بیٹھ کر درس سنیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اَملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵/۸/۲۲ ۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

ضرورت پوری ہونے کے بعد بھی جبراً چندہ وصول کرنا

سوال: (۱) یہاں مسلمانوں کی ایک تنظیم نے مل کر ایک قطعہ زمین خرید کر اس پر بنیادی مسجد تعمیر کرنے کا پروگرام بنایا اور ممبر سے ایک سو پونڈ چندہ لینا مقرر کیا چناں چہ بہت سے لوگوں نے یہ رقم پوری بہ یک وقت دے دی بعضوں نے تھوڑا تھوڑا کر کے پوری رقم دے دی بعضوں کی تھوڑی بہت رقم آئی کچھ باقی رہی اور بعضوں نے بالکل نہیں دی اسی درمیان میں ایک صاحب خیر نے تعمیر مسجد کے لیے بقیہ جو رقم درکار تھی وہ سب اپنی طرف سے دے دی اور مسجد تعمیر ہو گئی اب جن لوگوں نے صرف بنیادی مسجد کی تعمیر کے لیے سو پونڈ دینے کا وعدہ کیا تھا اور کسی وجہ سے وہ رقم ادا نہیں کر سکتے تھے ان لوگوں سے جماعت کے ذمہ دار حضرات نے بقیہ رقم وصول کرنے کا مطالبہ کرنا شروع کر دیا جن لوگوں نے سو پونڈ دینے کا وعدہ کیا تھا وہ رقم دینے سے انکار کرتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تو صرف تعمیر مسجد کے لیے رقم دینے کا وعدہ کیا تھا وہ تو تعمیر

ہو چکی صاحب خیر نے بقیہ رقم دے دی تھی اب وہ مصرف رہا نہیں اس لیے اب وہ رقم نہیں دیں گے۔

سوال دریافت طلب یہ ہے کہ جماعت کے ذمہ دار حضرات جبراً اس رقم کے وصول کرنے کا مطالبہ کر سکتے ہیں؟ اور جن لوگوں نے سو پونڈ دینے کا وعدہ کیا تھا اب بھی ان کو وہ وعدہ پورا کرنا ضروری ہے جب کہ مصرف رہا نہیں؟ جماعت کے ذمہ دار حضرات نے جبراً ان سے رقم وصول کر لی تو چندہ دہندگاں کی اجازت اور خوش نودی کے بغیر یہ رقم کسی اور مد میں استعمال کی جا سکتی ہے؟

(۲) مسجد سے متصل بالکل سامنے ایک شراب خانہ برائے فروخت رکھا گیا جماعت کے منتظمین حضرات نے ضرورت کے پیش نظر اس کو خریدنے کا فیصلہ کیا اور ہر ممبر سے دو سو پونڈ چندہ لینا طے کیا بہت سے ممبران نے یہ رقم ادا کی بعضوں نے تھوڑی تھوڑی کر کے پوری رقم دے دی اور بعضوں نے نہیں دی اسی دوران میں ایک صاحب خیر نے شراب خانہ خریدنے کے لیے بقیہ جو رقم درکار تھی وہ سب اپنی طرف سے دے دی اور شراب خانہ خریدا جا چکا اب جن لوگوں نے صرف شراب خانہ خریدنے کی غرض سے رقم دینے کا وعدہ کیا تھا اور وہ کسی وجہ سے رقم ادا نہیں کر سکتے تھے۔ جماعت کے ذمہ دار حضرات نے ان سے وہ رقم وصول کرنے کا مطالبہ شروع کر دیا جن لوگوں نے رقم دینے کا وعدہ کیا تھا وہ رقم دینے سے انکار کرتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تو صرف شراب خانہ خریدنے کی غرض سے رقم دینے کا وعدہ کیا تھا اور وہ تو خریدا جا چکا صاحب خیر نے خریداری کی بقیہ رقم ادا کر دی اب ہم کیوں دیں۔

اب سوال دریافت طلب یہ ہے کہ جماعت کے ذمہ دار حضرات جبراً ان سے رقم

وصول کرنے کا مطالبہ کر سکتے ہیں اور جن لوگوں نے رقم دینے کا وعدہ کیا تھا کیا اب ان کو وہ وعدہ پورا کرنا ضروری ہے جب کہ وہ مصرف رہا نہیں؟ امید ہے کہ تسلی بخش جواب دے ممنون فرماویں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① ایک مخصوص اور متعین مسجد کی تعمیر کے لیے چندہ دینے کا جو وعدہ کیا تھا وہ مسجد کسی صاحب خیر کی اعانت سے تعمیر ہو چکی تو اب اس عمل کے نہ رہنے کی وجہ سے وعدہ کرنے والے حضرات شرعاً ایفائے وعدہ کے مکلف نہیں رہے اب ذمہ داران مسجد کا ان سے ایفائے وعدہ کا مطالبہ درست نہیں اور ان کا جبراً اس رقم کو وصول کرنا اور دوسرے مصرف میں استعمال کرنا جائز نہیں۔ لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيبة من نفسه (سنن الدار قطني ٢٥٣)

② صورت مسئولہ میں بھی جبراً وصول کرنا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷ر محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مسجد کی دکانیں کرایہ پر مع ڈپازٹ دینا

سوال: ہماری مسجد کے برآمدے میں ۲ر دکانیں بہ غرض آمدنی تعمیر کی گئیں ہیں جن کو بہ طور اجارہ کے دینا چاہتے ہیں تو کیا عرف عام کے مطابق ڈپوزٹ لے کر اور کرایہ طے کر کے عقد اجارہ کرنا صحیح ہے یا نہیں اور کرایے میں قلت وکثرت سے صحت وفساد پر اثر پڑے گا یا نہیں اور مذکورہ بالا شکل رہن میں داخل ہے تو کیسے؟ اور نہیں ہے

تو پھر اس عقد کو شرعی اصولوں کی میزان میں کیا مفہوم کیا جانا چاہیے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

ماہانہ کرایہ طے کر کے عقد اجارہ پر دیا جا سکتا ہے ڈپازٹ لینے کا مقصد یہ ہے کہ کرایہ دار بسا اوقات مکان کو نقصان پہنچا دیتا ہے بعض اوقات بجلی گیس وغیرہ کے واجبات چھوڑ کر چلا جاتا ہے جو مالک مکان کو ادا کرنے پڑتے ہیں اس کے لیے کرایہ دار سے زر ضمانت (ڈپازٹ) رکھوایا جاتا ہے ورنہ اگر پورا اعتماد ہو تو زر ضمانت کی ضرورت نہ رہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۶/ ۱۴۰)

ڈپازٹ کی رقم امانت ہوتی ہے اس کا استعمال کرنا درست نہیں البتہ اگر مالک اجازت دے دے تو استعمال کرنا درست ہے لیکن اس صورت میں یہ قرض کہلائے گا اور اس کی وجہ سے کرایہ کی مقدار میں کمی رکھی گئی ہو تو جائز نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ جمادی الاولیٰ ۲۳؁ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

غیر مسلم کا مسجد میں سیاسی امور کے خاطر آنا

سوال: یہاں برطانیہ میں بفضلہ تعالیٰ اکثر جگہوں میں مساجد تعمیر ہو رہی ہیں، تعمیری کام مکمل ہو جانے اور مسجد کے باقاعدہ افتتاح کے بعد غیر مسلم مرد اور عورت مسجد دیکھنے کے لیے آتے ہیں، مسجد کے جماعت خانہ میں بھی گھوم پھر کر دیکھتے ہیں، اسی طرح یہاں الیکشن اور انتخابات کے موقع پر کسی پارٹی کا غیر مسلم امیدوار جمعہ کے روز بعد نماز جمعہ مسجد کے جماعت خانہ میں ممبر کے قریب کھڑے ہو کر اپنی پارٹی کی

پالیسی وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے، اوراس کے بعد لوگوں سے اپنے حق میں ووٹ کی اپیل کرتا ہے۔

اسی طرح یہاں ایک مسجد میں جماعت خانہ سے ملحق ایک کمرہ ہے جس میں جماعت خانہ کی طرح صفیں بچھی ہوئی ہیں، اس کمرہ میں باہر سے آنے والی جماعتیں ٹھہرتی ہیں، کھاناوغیرہ بھی اسی کمرہ میں بیٹھ کر کھاتی ہیں، اس کمرہ کے دو دروازے ایسے ہیں جس میں سے ایک دروازہ مسجد کے جماعت خانہ کی طرف کھلتا ہے، اور دوسرا دروازہ مسجد کے صحن کی طرف کھلتا ہے، جس وقت نمازی زیادہ ہوتے ہیں اس وقت اس کمرہ میں بھی مصلی باجماعت نماز پڑھتے ہیں، اس کمرہ میں منتظمینِ مسجد عید الاضحیٰ یا کسی اوراسلامی تہوار کی مناسبت سے جلسہ منعقد کرتے ہیں جس میں مقامی مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم سیاسی لیڈران اور غیر مسلم قوموں کے سربراہوں کو دعوت دے کر بلاتے ہیں، اب یہ غیر مسلم کبھی اس دروازہ سے جو جماعت خانہ کی طرف پڑتا ہے جماعت خانہ میں سے گزرتے ہوئے باہر جاتے ہیں، یہ غیر مسلم مرد اور عورت کس حال میں ہوتے ہیں معلوم نہیں؟

کیا غیر مسلم مرد اور عورت مسجد میں جماعت خانہ میں آسکتے ہیں؟ جب کہ کتبِ فقہ میں جنبی اور حائضہ کے لیے مسجد میں آنے کی ممانعت آئی ہے، آیا یہ حکم صرف مسلمانوں کے لیے خاص ہے یا بلا کسی قید مسلم وغیر مسلم سب کے لیے یکساں ہے؟

آج کل یہاں غیر مسلموں کو مسجد میں بلانے کا رواج عام ہوتا چلا جارہا ہے؛ جب کہ یہاں اس قسم کے جلسہ منعقد کرنے کے لیے کرایہ پر ہال بآسانی مل سکتے ہیں، اس لیے مفصل جواب مطلوب ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فقہ حنفی کے بموجب غیر مسلم کا مسجد میں داخلہ درست ہے، چاہے وہ حالتِ جنابت میں ہی کیوں نہ ہو۔

درمختار میں ہے: وجاز دخول الذمي مسجدا مطلقاً الخ وفی الشامية:(قوله: وجاز دخول الذمي مسجدا) ولو جنبا كما فی الأشباه، وفی الهندية عن التتمة: يكره للمسلم الدخول فی البيعة والكنيسة، وإنما يكره من حيث أنه مجمع الشياطين لا من حيث أنه ليس له حق الدخول اهوانظر هل المستأمن ورسول اهل الحرب مثله ومقتضى ا ستدلالهم على ا لجواز بإنزال رسول اللهﷺو فد ثقيف في المسجد جوازه ويحرر ط (شامی ۵/ ۲۷۴)

البتہ الیکشن اور انتخابات کے موقعہ پر مسجد کو سیاسی پلیٹ فارم کے طور پر استعمال کرنا چاہے وہ مسلم ہو یا غیر مسلم درست نہیں؛ اس لیے کہ مسجدیں دنیوی الیکشنوں کے لیے نہیں بنائی گئیں، ایسے کام مسجد میں نہ کئے جائیں، جو ایسا کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۵/ ۱۸۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/ صفر ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

تبلیغ کے لیے کافر کو مسجد میں بلانا

سوال: کافر کے لیے مسجد میں آنے کا کیا حکم ہے؟ اگر تبلیغ کی نیت سے ان کو مسجد میں بلایا جائے تو کیسا ہے؟ کیا مرد وعورت اس میں برابر ہیں؟ ہمارے یہاں

ایک صاحب کافر مردوں اور عورتوں کو مسجد میں بلا کر تبلیغ کرتے ہیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

حنفیہ کے نزدیک کسی مقصد خیر کے لیے کافر کو مسجد میں داخل ہونے کی اجازت ہے؛ البتہ بلاضرورت شدیدہ ایسا نہ کرنے دیا جائے، تبلیغ اگر بیرون مسجد کما حقہ ممکن نہ ہو تو اس کے لیے ان کو مسجد میں دعوت دی جا سکتی ہے؛ البتہ آداب مسجد کی رعایت ضروری ہوگی۔

وقال أصحابنا: يجوز للذمي دخول سائر المساجد. (أحكام القرآن للجصاص ٣ /٨٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مظالم کے خلاف احتجاج میں مسجد کو مقفل کرنا

سوال: کیا کسی مسجد کے امام و متولی کے لیے شرعاً یہ جائز ہے کہ حکومت کے مظالم کے خلاف احتجاج کرنے کی غرض سے شہر کی جامع مسجد کو مقفل کر دے اور عام مسلمانوں کو اس میں جمعہ اور جماعات کے قیام سے روک دے؟ کیا یہ فعل قرآن پاک کی آیت ﴿ومن اظلم ممن منع مساجد الله ان يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها﴾ کے تحت نہیں آتا؟ نیز اپنی مرضی کے مطابق قرآن پاک کی اس صریح نص کے خلاف فتویٰ حاصل کرنے کے لیے مفتیان کرام پر جبر و زیادتی کرنا، اور انھیں مرعوب کر کے فتویٰ حاصل کرنا روا ہے؟ ایسے امام و متولی اور ان کے حامیوں کا از روئے شرع کیا حکم ہے؟ مدلل جواب تحریر فرما کر مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کی جائے اور

اجروثواب حاصل کیا جائے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حکومت کے مظالم کے خلاف احتجاج کرنے کی غرض سے مسجد کو مقفل کرنا اور عوام مسلمین کو اس میں جمعہ وجماعات کے قیام سے روکنا جائز نہیں، یہ فعل آیت کریمہ ﴿ومن اظلم ممن منع مساجد الله ان يذكر فيها اسمه وسعى فى خرابها﴾ میں داخل ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں ''دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ مسجد میں ذکر ونماز سے روکنے کی جتنی بھی صورتیں ہیں وہ سب ناجائز وحرام ہیں، ان میں سے ایک صورت تو یہ کھلی ہوئی ہے ہی کہ کسی کو مسجد میں جانے سے یا وہاں نماز وتلاوت سے صراحۃ روکا جائے''۔ (معارف القرآن ۱/ ۲۹۹)

تفسیر قرطبی میں ہے: وعلى الجملة فتعطيل المساجد عن الصلاة واظهار شعائر الاسلام فيها خراب لها (۲/ ۷۷) مساجد کو نماز اور اس میں شعائر اسلام کے اظہار سے معطل کردینا اس کو ویران کرنا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر عزیزی میں صراحت فرمائی ہے کہ نماز باجماعت نماز جمعہ بھی شعائر میں داخل ہے وہ فرماتے ہیں: ''وشعائر دراصل جمع شعیرہ ست یا جمع شعارہ است بہ معنی علامت وشعائر اللہ، درعرف دین مکانات وازمنہ وعلامات واوقات عبادت را گویند، اما مکانات عبادت پس مثل کعبہ و عرفہ مزدلفہ وجمار ثلاثہ وصفا ومروہ ومنی وجمیع مساجد اند۔ واما ازمنہ پس مثل رمضان و اشہرِ حرم وعیدالفطر وعیدالاضحیٰ وجمعہ وایام تشریق اند۔ واما علامات پس مثل اذان

واقامت وختنہ ونمازِ بجماعت ونمازِ جمعہ ونمازِ عیدین اند"۔ (تفسیر فتح العزیز ۳۴۷)

حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ آیت بالا کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

"ازیں آیت معلوم می شود کہ ہر کہ مسجد را از ذکر ونماز معطل سازد وسعی در خرابی صوری یا معنوی آں کند ظالم ترین مردم است"۔ (۵۵۹) (یعنی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو آدمی مسجد کو ذکر اور نماز سے معطل کردے اور اس کی ظاہری یا باطنی ویرانی کے درپے ہو وہ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ ظالم ہے)۔

آگے مزید تحریر فرماتے ہیں: "دوم آں کہ ہر کہ از ذکر خدا مانع شود ومردم را از اقامت دین وشعائر شرع بوجہے از وجوہ باز دارد دریں وعید شدید داخل است، ہر مسلمان را ازیں امر احتراز تام باید نمود واز مقدمات ودواعی واسباب قریبہ وبعیدہ ایں کار احتیاط تمام باید کرد"۔ (۵۵۹)

(یعنی جو شخص بھی ذکر خدا سے مانع بنے اور لوگوں کو دین اور شعائر شریعت کے قائم کرنے سے کسی نوع سے بھی باز رکھے اس شدید وعید میں داخل ہے، ہر مسلمان کو اس حرکت سے مکمل احتراز کرنا چاہیے اس کے قریبی اور دور کے اسباب اور دواعی اور مقدمات سے کامل احتیاط کرنا چاہیے)۔

جب اس فعل کا ناجائز وحرام ہونا ثابت ہو چکا تو اس کے لیے مفتیان کرام پر جبر وزیادتی کر کے جواز کا فتویٰ حاصل کرنے کی سعی بھی نہایت درجہ مذموم ہے، ایسے آدمی کو چاہیے کہ اپنی اس حرکت سے باز آجائے اور سچے دل سے توبہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/شوال ۱۴۰۷ھ

آدابِ مسجد

سوال: مسجد کے بیت الخلاء میں نمازی و بے نمازی دونوں بیت الخلاء جا سکتے ہیں یا صرف نمازی آدمی جا سکتا ہے؟ اور اسی طرح نماز کے وقت میں جا سکتا ہے یا نماز کے وقت کے علاوہ بھی جا سکتا ہے؟ اور اسی طرح مسجد میں سونا کیسا ہے؟ اور معتکف کے لیے شرعی مسجد کہاں تک شمار ہوگی؟ اور اسی طرح ایک آدمی جمعہ کے دن سنت پڑھ رہا ہے، اور امام صاحب نے بیان شروع کر دیا تو کیا اس طرح بیان کرنا صحیح ہے؟ کیا اس آدمی کو دخل نہیں ہوگا؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

مسجد کا بیت الخلاء نمازیوں کی ضرورت کے لیے بنایا جاتا ہے؛ اس لیے بے نمازیوں کے لیے اس کا استعمال درست نہیں ہے۔ اگر آپ کے یہاں کا عرف اوقات نماز کے علاوہ بھی بیت الخلاء کھلا رکھنے کا ہے، تو اس وقت بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ شرعی مسجد کی تحدید بانیٔ مسجد کی نیت کے مطابق ہوتی ہے۔ اگر بیان کے لیے پہلے سے اعلان ہو چکا ہے اور وقت بھی مقرر کیا جا چکا ہے، تو نمازیوں کو اس کا خیال رکھ کر نماز شروع کرنا چاہیے؛ ورنہ بیان کرنے والے کے لیے نمازی کا خیال کرنا ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۲/ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۹ھ

نمازیوں کے ہوتے ہوئے مسجد میں تقریر و تفسیر کرنا

سوال: آج کل جو مساجد میں نمازیوں کے مشغول نماز ہوتے ہوئے تقریر

تفسیر یا دینی مذاکرات جو رائج ہو رہے ہیں، جس سے نمازیوں کو اپنی نماز میں خلل واقع ہوتا ہے تو کیا ایسا کرنا از روئے شرع شریف جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مساجد کی اصل بنا تو فرض نمازوں کی باجماعت ادائیگی کے لیے ہوتی ہے، البتہ بعض امور کو اس کے تابع قرار دے کر ان کی انجام دہی کی بھی اجازت دی گئی ہے، انہیں میں نوافل، ذکر، تدریس، تعلیم، اور تبلیغ بھی ہیں۔

ان المسجد انما بنی للمکتوبة وتوابعها کنافلة وذکر وتدریس علم الخ (در مختار علی هامش الشامی ۱/۶۵۳)

تمام امور کے لیے شریعت مطہرہ نے دو دو آداب بتلائے ہیں، جن کی رعایت ہر ایک پر لازم قرار دی گئی ہے، سنن ونوافل کی ادائیگی کے سلسلے میں اعلیٰ بات تو یہ ہے کہ وہ گھر پر پڑھی جائیں؛ لیکن دور حاضر کی مصروفیات وموانع کے پیش نظر گھر پر پڑھنے کی صورت میں فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو مسجد میں پڑھ لینا چاہیے۔ (کما هو مصرح فی کتب الفقه) اس لیے تقریر وتفسیر یا دینی مذاکرات کرنے والوں کو چاہیے کہ نمازیوں کی اکثریت جب تک فارغ نہ ہو اپنا کام شروع نہ کریں، اس کے بعد بھی کچھ حضرات جو طویل نوافل کے عادی ہوں ان کو چاہیے کہ وہ مسجد کے ایک حصہ میں جا کر اپنا معمول انجام دیں، اور تعلیم وتفسیر والوں کو چاہیے کہ دوسرے حصہ میں وہ اپنا کام کریں، تاکہ ایک کو دوسرے سے شکایت نہ ہو، ورنہ مساجد بھی لڑائی جھگڑوں کی آماجگاہ بن جائے گی۔ (اعاذ نا الله منها)

خلاصہ یہ کہ دونوں فریق اگر سمجھ داری اور دوسرے کی رعایت اور شرعی حدود کا

خیال رکھیں گے تو انشاء اللہ کوئی نزاعی صورت پیدا نہ ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶ رجب ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد کے سنگ مرمر کے ٹکڑے گھر میں استعمال کرنا

سوال: ہمارے یہاں ایک نئی مسجد تعمیر کی گئی، اور اس میں سنگ مرمر استعمال کیے گئے، اور سنگ مرمر کے ٹکڑے مسجد کے مکمل تعمیر کرنے کے بعد بچ گئے، تو اب کوئی شخص ان بچے ہوئے ٹکڑوں کو اپنے گھر کی تعمیرات میں مسجد کے متولیان کی اجازت کے ساتھ استعمال کرنا چاہتا ہے، تو کیا اس شخص کو بچے ہوئے ٹکڑے گھر کی تعمیرات میں استعمال کرنا جائز ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو اس کی جواز کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ان بچے ہوئے ٹکڑوں کو قیمت دے کر خرید کر مکان میں استعمال کیا جا سکتا ہے، مفت نہ دیے جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۲۵ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ

قدیم مسجد کی تعمیر نو کے دوران نماز و اذان جاری نہ رکھنا

سوال: ہمارے محلہ میں ایک قدیم مسجد ہے نمازیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر انتظامیہ نے پرانی مسجد کو شہید کر کے تعمیر نو کا ارادہ کیا ہے اور اذان و نماز باجماعت کا انتظام سو قدم کی دوری پر کیا ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ دوران تعمیر

پرانی مسجد کی جگہ پر اذان ونماز باجماعت کا اہتمام نہ کیا جائے تو کیا اس صورت میں شرعاً کوئی قباحت تو نہیں ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تعمیر کے زمانے میں مسجد میں اذان اور نماز موقوف کر دینا بالکل مناسب نہیں ہے وقت پر اذان بھی ہونی چاہیے اور جماعت بھی چاہے مختصر ہی سہی جماعت خانہ میں یا احاطۂ مسجد میں جہاں ممکن ہو جماعت کی جائے جن نمازیوں کی اس مسجد میں گنجائش نہ ہو وہ کسی مکان کے بہ جائے دوسری مسجد میں جا کر نماز باجماعت ادا کریں وہاں جماعت و مسجد دونوں کا ثواب ملے گا البتہ اگر شہر میں دوسری مسجد نہ ہو یا ہو مگر بہت دور ہو تو کسی مکان میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں تنہا نہ پڑھیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۹/۲۲۷، ۲۲۸)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاه: العبد احمد خانپوری، ۱۵/ذی قعدہ ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مسجد کے خراب نلوں کو درست نہ کرنے کا ذمہ دار کون؟

سوال: مسجد کے وضوخانے کے کئی نل اور پائپ خراب کئی روز سے ہیں، مسجد میں روزانہ کئی لوگ نماز کے لیے آتے ہیں، پھر بھی ٹرسٹی، پیش امام، مؤذن، نمازی اس بات پر توجہ (نہیں) دیتے ہیں، پیش امام صاحب سے اس بات کی شکایت کی گئی تو وہ کہتے ہیں، یہ کام.... صاحب کا اور جب... صاحب سے بات کرو تو کہتے ہیں: وقت آنے پر کام ہوگا، یہ بات کو کئی مہینے گذر گئے، جب کہ مسجد مارکیٹ میں ہے۔

مسجد کی آمدنی بھی اچھی ہے، پھر اس گناہ کا ذمہ دار کون؟ نمازی، پیش امام یا ٹرسٹی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

وضوخانے کے خراب شدہ نلوں کی درستگی اور خراب شدہ پائپوں کی مرمت یہ وہ امور ہیں جن کا تعلق نظم وانتظام سے ہے، اور نظم وانتظام ٹرسٹی کی ذمہ داری ہے؛ لہٰذا طویل زمانہ تک ان خراب شدہ نلوں اور پائپوں کو درست نہ کرنے کی وجہ سے عنداللہ ٹرسٹی گنہگار اور ماخوذ ہوں گے، اور اگر ٹرسٹی نے اس نوع کے کاموں کی انجام دہی کے لیے مستقل آدمی (تنخواہ دے کر یا بلا تنخواہ) مقرر کیا ہے تو وہ آدمی گنہگار ہوگا، اور اس آدمی کے کام کی نگرانی میں کوتاہی کرنے کی وجہ سے ٹرسٹی بھی گناہ میں شریک قرار دیا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ العبد احمد خانپوری، ۱۳؍جمادی الاخری ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مسجد میں مجلس ذکر اور اس میں عورتوں کی شرکت

سوال: ہمارے دیار میں ہماری جماعت کے مشہور عالم، عارف اور اہل اللہ جن کا فیض ہندوپاک، انگلینڈ اور بہت سے ممالک میں جاری ہے، کہ ایک مجاز عالم نے ان کی اجازت سے ذکر کا حلقہ قائم کیا، ہر ہفتہ مسجد میں جب کہ وہ نمازیوں سے اور تلاوت کرنے والوں سے خالی ہو، مردوں کے لیے ذکر کا حلقہ قائم کرتے ہیں، اور مسجد سے کافی فاصلہ پر ایک مدرسہ میں مستورات جمع ہوتی ہیں، مائکروفون کے ذریعہ ان کو ذکر کی تلقین کی جاتی ہے، الحمدللہ اس سے مردوں اور عورتوں میں دین کی طرف

رجحان بڑھ رہا ہے، اور نفع کی صورت پیدا ہو رہی ہے، اگر یہ مرد اور عورتیں گھروں پر ہوتی تو اپنا قیمتی وقت ٹیلی ویژن، ویڈیو اور ایسے خرافات میں ضائع کرتیں۔ بہت سے علما حضرات اس طریقۂ ذکر (مسجد و مدرسہ میں مردوں، عورتوں کے اجتماع کا) کی ہمت افزائی نہیں کرتے۔ اسی طرح ایک اور مجلسِ ذکر مسجد میں جب کہ وہ نمازیوں اور تلاوت کرنے والوں سے خالی ہو، مسلمانوں کے افادہ کی نیت سے شروع ہونے والی ہے، جس میں ایک عالم مختصر بیان کریں گے، اس کے بعد ختم خواجگان ہوگا، (حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں جس طرح ہوتا تھا، پھر ذکر ہوگا اور بعد میں اجتماعی دعا ہوگی۔ حضرت والا سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ: مذکورہ بالا مجلس کے انعقاد میں شرعاً کوئی قباحت ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ذکر بالجہر بلا اختلاف جائز؛ بلکہ مستحب ہے؛ البتہ کسی عارض کی وجہ سے ممنوع ہوگا، مثلاً نمازیوں یا تلاوت کرنے والوں کو اذیت ہو یا ریا کا خوف ہو؛ تو ایسی حالت میں آہستہ ذکر کرنا چاہیے۔ (فتاوی محمودیہ ۶/۳۹)

اجمع العلماء سلفا وخلفا علی استحباب ذکر اللہ تعالی جماعة فی المساجد وغیرها من غیر نکیر؛ الا ان یشوش جهرهم بالذکر علی نائم او مصل او قارئ قران کما هو مقرر فی کتب الفقه. (طحطاوی علی المراق ۱۷۴)

البتہ عورتوں کو ایک مکان میں جمع کر کے اس طرح تلقین ذکر کرنا اور ان کا اجتماعی ذکر کرنا، عورتوں کے سلسلہ میں فقہا کی طرف سے دی گئی ہدایات کے خلاف ہے، جب عورتوں کو فرائض کی جماعت میں حاضری کی اجازت نہیں دی گئی ہے، تو یہ

اس سے بڑھ کر تو نہیں ہے؟ مشائخ کے یہاں ذکر کے واسطے جو حلقہ قائم کیا جاتا ہے وہ ان کے مریدین اور منتسبین کے لیے ہوتا ہے، اس کی حیثیت افادۂ عام وعوام کی نہیں ہوتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/۲ جمادی الاخری ۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد میں بلند آواز سے تلاوت وغیرہ

(سوال): مسجد میں بآواز بلند درود یا قرآن پاک یا کوئی اور وظیفہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب): حامداً ومصلیاً ومسلماً

بآواز بلند پڑھنے سے اگر نمازی وغیرہ کو تشویش لاحق ہوتی ہو تو اجازت نہیں ہے ورنہ پڑھ سکتے ہیں۔ (شامی ۱/ ۴۸۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

دو مسجدوں کا چندہ مخلوط ہو جائے تو کیا کریں؟

(سوال): ۳۰/ تاریخ کو عبدالغفار عباس پورہ مرحوم کے سوم کے موقع پر چندہ کیا گیا، جس میں مردوں کے ساتھ عورتوں کی بھی کثیر تعداد تھی، مردوں کے اندر ایک مسجد کے لیے چندہ اکٹھا کیا گیا؛ جب کہ عورتیں ایک مقامی مسجد کے پاس بیٹھی تھیں، ان میں مقامی مسجد کو دکھلا کر چندہ اکٹھا کیا گیا، بھول سے دونوں طرف کا چندہ اکٹھا کر کے

غیر مقامی مسجد کو دے دیا گیا، اس رقم کے بارے میں یہ معلوم نہیں کہ مردوں میں کتنا ہوا، عورتوں میں کتنا ہوا، آپ مسئلہ کے حل کے بارے میں قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے مستفیض فرمائے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں جب یہ معلوم نہیں کہ عورتوں میں کتنا چندہ ہوا اور مردوں میں کتنا ہوا؟ اور نہ یہ معلوم ہے کہ کس کی مقدار زیادہ تھی اور کس کی کم تھی؟ تو اس صورت میں مجموعی چندہ میں سے نصف مقامی مسجد کا اور نصف غیر مقامی مسجد کا قرار دیا جائے گا، اس لیے غیر مقامی مسجد کو جو مجموعی رقم دی گئی تھی اس میں نصف واپس لے کر مقامی مسجد کے حوالہ کی جائے۔

(وماحصله احدهما فله وماحصلاه معا فلهما) نصفين ان لم يعلم ما لكل(درمختار) قوله (وماحصلاه معا)يعني ثم خلطاه الخ (شامی۳/۳۸۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲ رجب ۱۴۰۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

باب أحكام المدارس

صحتِ قرآن کے لیے نورانی قاعدہ اور نورانی استاذ

سوال: (۱) کیا قرآن شریف کی صحت ضروری ہے؟ یا نورانی قاعدہ پڑھنا ضروری ہے؟

② کیا قرآن شریف کے صحت کے لیے ”نورانی قاعدہ“ ہی پڑھنا، پڑھانا فرض یا واجب ہے؟ یا اور کسی قاعدہ سے بھی قرآن شریف کی صحت کروائی جا سکتی ہے؟

③ مکتب کے اساتذہ کے تقرر کے لیے یہ شرط لگانا کہ ”نورانی قاعدہ“ پڑھا ہوا ہونا چاہیے اور وہ بھی کسی مخصوص درس گاہ ہی سے، کیا اس طرح کی شرط لگانا جائز ہے؟ آج کل مکاتب میں علماء کی تقرری کے لیے یہ شرط عام ہو رہی ہے کہ ”نورانی قاعدہ“ ایک مخصوص درس گاہ ہی سے پڑھا ہوا ہونا چاہیے، باوجودیکہ وہ عالم صاحب اپنی مادر علمی میں ”نورانی قاعدہ“ پڑھ چکے ہوتے ہیں، پھر بھی انھیں اس درس گاہ میں داخلہ لینے پر مجبور کرتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے؟

④ کیا نورانی قاعدہ (جو غیر ذی روح ہے) قرآن شریف کی صحت کا واحد ذریعہ ہے یا استاذ محترم صاحب (جو ذی روح ہیں) سے قرآن شریف کی صحت کرا سکتے ہیں؟

نوٹ: نورانی قاعدہ کا ہم احترام کرتے ہیں اور اس کو مفید جانتے ہیں اور اس کو داخل نصاب کرنے میں ہمیں کوئی اعتراض بھی نہیں ہے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

①② حضرت مولانا مفتی سید عبد الرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ رحیمیہ میں تحریر فرماتے ہیں: قرآن کو صحت اور تجوید کے ساتھ پڑھنا ضروری ہے، تجوید کلام الٰہی سے جدا نہیں ہو سکتی، اگر قرآن مجید سے تجوید جدا ہوگئی تو قرآن مجید اپنی اصلی ہیئت پر باقی نہیں رہے گا، اور اس طرح بے قاعدہ پڑھنے والا گنہ گار ہوگا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: رب تال للقرآن والقرآن یلعنه: کتنے لوگ قرآن کو اس طرح پڑھتے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت کرتا ہے، اسی لیے امام القراءۃ والتجوید علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں:

والا خذ بالتجو ید حتم لا زم		مـن لـم یجـود القـرآن اثـم
لا نـــه بـــه الاله انـــزلا		وھکـذا منـه الیـنـا وصـلا

یعنی تجوید کا حاصل کرنا اور قرآن کو تجوید کے ساتھ پڑھنا ضروری ہے جس نے بے قاعدہ اور خلاف تجوید پڑھا وہ گنہ گار ہے؛ اس لیے کہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید کو تجوید کے ساتھ نازل فرمایا ہے اور اسی طرح تجوید کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے۔ لہٰذا قرآن کو تجوید اور قراءت کے ساتھ پڑھا جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۴/ ۲۵۳)

اصولی طور پر یہ بات ذہن نشین رہے کہ مختلف علوم وفنون کی تعلیم کے لیے جو کتابیں تالیف وتصنیف کی جاتی ہیں ان کی حیثیت محض ایک آلہ اور وسیلہ کی ہے، وہ خود مقصود نہیں، مقصود تو وہ علم اور فن ہوتا ہے جس کی تعلیم کے لیے یہ کتاب تصنیف کی گئی ہے، مدارس ومکاتب کے نصابوں میں جو کتابیں تجویز کی جاتی ہیں اس کا بھی مقصود دراصل علم وفن کی تعلیم ہوتا ہے جس کے لیے وہ کتاب ترتیب دی گئی ہے مثلاً فقہ کی تعلیم کے لیے ہمارے مدارس میں قدوری پڑھائی جاتی ہے، ظاہر ہے یہ کتاب بحیثیت کتاب کے مقصود ومطلوب نہیں، بلکہ اس سے مقصود علم فقہ کو حاصل کرنا ہے، اب اگر کسی مدرسہ کے منتظمین وذمہ داران اپنے نصاب میں قدوری کی جگہ پر کوئی اور کتاب علم فقہ کی تجویز کریں تو اس حیثیت سے کہ اس کتاب سے بھی علمِ فقہ اسی طرح حاصل ہوسکتا ہے جس طرح قدوری سے تو ان کے اس فیصلہ پر کوئی اعتراض نہیں بلکہ دورِ حاضر میں بڑے بڑے جامعات میں علوم وفنون کی تعلیم کا جو طریقہ رائج ہے اس میں تو بطور نصاب کسی خاص کتاب کی کوئی تعیین نہیں کی جاتی ہے بلکہ جو فن سکھلایا

جا رہا ہے اس کے مباحث متعین کر کے استاذ کو اس کی تعلیم وتدریس کا پابند کیا جاتا ہے اور یہ بات اس کی صواب دید پر چھوڑ دی جاتی ہے کہ وہ چاہے تو اس فن کی کسی کتاب کو سامنے رکھ کر ان مباحث کو پڑھاوے، چاہے تو اپنے طور پر کوئی مقالہ تیار کر کے اس کے ذریعہ سے تدریسی فرائض انجام دے۔

صحت کے ساتھ قرآن پاک کی تعلیم وتدریس کے سلسلہ میں بھی یہی اصول کار فرما ہے کہ مقصود قرآن پاک کو صحت کے ساتھ پڑھنا ہے، چاہے اس کے لیے جونسا طریقہ اختیار کیا جائے؛ اس لیے کسی بھی آدمی کا یہ دعویٰ تو درست نہیں کہ قرآن شریف کی صحت کے لیے نورانی قاعدہ کا پڑھنا، پڑھانا ضروری یا فرض وواجب کا درجہ رکھتا ہے، کیا جن ملکوں میں صحت کے ساتھ قرآن کی تعلیم کا تو نظم ہے؛ لیکن نورانی قاعدہ نہیں پڑھایا جاتا ان کو گنہ گار قرار دیا جائے گا؟ ظاہر ہے کوئی بھی آدمی یہ حکم نہیں لگا سکتا؛ اس لیے یہ بات اپنی جگہ پر یقینی ہے کہ مقصودِ اصلی قرآن پاک کی صحت ہے جس طرح بھی حاصل ہو وہ طریقہ قرآن کی تعلیم وتدریس کے لیے اختیار کیا جائے چاہے وہ نورانی قاعدہ کی شکل میں ہو یا کسی اور شکل میں۔

(۳) اب رہا آپ کا یہ سوال کہ مکتب کے اساتذہ کے تقرر کے لیے نورانی قاعدہ کا پڑھا ہوا ہونا اور وہ بھی کسی مخصوص درس گاہ سے کس حد تک جائز ہے؟ تو دراصل اس کا تعلق انتظامی امور سے ہے چوں کہ مکتب میں بچوں کو قرآن کی تعلیم دینے کے لیے کسی کا تقرر یہ شرعاً عقد اجارہ ہے، اور عقد اجارہ میں مستأجر اپنے جس کام کی انجام دہی کے لیے اجیر کو مقرر کر رہا ہے اس کام کو باحسن وجوہ انجام دینے کی جس میں بھی صلاحیت ہوگی اسی کو اس کے لیے منتخب کرے گا، اب اگر اس کا اپنا تجربہ یہ ہے کہ جو

آدمی فلانی درس گاہ سے نورانی قاعدہ پڑھا ہوا ہو وہ اس کام کو عمدہ طریقہ سے انجام دیتا ہے تو شرعاً منتظم کے لیے کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے یہاں قرآن کی تعلیم کے فرائض انجام دینے کے لیے ایسے آدمی کا انتخاب کرے، یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی درس گاہ میں علیا کی کتابیں پڑھانے کے لیے اس درس گاہ کے منتظمین یہ شرط لگائیں کہ ہم اس کام کے لیے اسی کو تجویز کریں گے جس کے پاس عالم کی سند ہو اور وہ بھی دار العلوم دیو بند سے حاصل کی ہوئی، اب اگر ان کی اس تجویز پر کوئی آدمی یہ سوال کرے کہ اگر کسی شخص نے کسی مدرسہ میں داخلہ لیے بغیر خانگی طور پر کسی ماہر عالم سے علم حاصل کیا ہے اور علیا کی کتابوں کی تدریس کے لیے جو صلاحیت اور استعداد مطلوب ہے وہ اس کو حاصل ہے آپ حضرات کیوں اس کو اپنے یہاں نہیں رکھتے اور کیوں یہ ضروری قرار دیتے ہیں کہ اس کے پاس عالم کی سند ہی ہو اور وہ بھی دار العلوم دیو بند ہی سے حاصل کی ہو۔ ظاہر ہے چوں کہ یہ ایک انتظامی معاملہ ہے؛ اس لیے معترض کے اعتراض کو کوئی اہمیت نہیں دی جائے گی اور نہ ہی اس سلسلہ میں جواز و عدم جواز کی بحث کو چھیڑا جائے گا ہاں ان منتظمین سے یہ بات ضرور کہی جا سکتی ہے کہ آپ کا مقصود علیا کی کتابوں کی تدریس ہے اور یہ مقصود آپ کی لگائی ہوئی شرط کے بغیر بھی حاصل ہو رہا ہے تو آپ کو اس پر اصرار نہیں کرنا چاہیے، اور خاص کر علم کے میدان میں اس طرح کی شرطیں تعصب و تحزب کو جنم دیتی ہیں، اور اہلِ علم کی جماعت میں اس کی وجہ سے افتراق و تشتت کی بنیاد پڑتی ہے علم تو ایسی اکائی ہے جس میں کوئی تقسیم نہیں۔

آگے آپ نے سوال میں تحریر فرمایا ہے ''وہ عالم صاحب اپنے مادر علمی میں نورانی قاعدہ پڑھ چکے ہوتے ہیں پھر بھی انھیں اس درس گاہ میں داخلہ لینے پر مجبور کرتے ہیں''

تو اگر وہ عالم صاحب اس طریق تدریس کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں جو اس مخصوص درس گاہ میں نورانی قاعدہ پڑھنے سے مطلوب ہے تو پھر اس طرح ان کو مجبور کرنا فضول اور لغو ہے، اور اگر اپنی مادرِ علمی میں نورانی قاعدہ پڑھنے کے بعد بھی ان میں وہ صلاحیت پیدا نہیں ہوئی ہے تو پھر خود ان عالم صاحب کو چاہیے کہ اپنے اندر اس صلاحیت کو پیدا کرنے کے لیے حضرات منتظمین کی بات کو مان لیں ورنہ معذرت کر دیں کہ میں آپ کے یہاں تدریسی خدمات انجام نہیں دے سکتا، ظاہر ہے اس طرح کی معذرت کے بعد ان کو منتظمین مجبور نہیں کریں گے؛ اس لیے یہ مسئلہ جواز اور عدمِ جواز کا نہیں بلکہ خالص انتظامی معاملہ ہے۔

④ جیسا کہ اوپر کی تمہید میں بتلایا جا چکا ہے کہ نورانی قاعدہ یا اور کوئی دوسرا قاعدہ بذاتِ خود مقصود نہیں بلکہ قرآن کی صحت مطلوب ہے؛ البتہ اگر استاذ جس مدرسہ میں تدریسی فرائض انجام دے رہے ہیں اس کے نصاب میں نورانی قاعدہ داخل ہے تو وہاں پر استاذ محترم کا یہ اصرار کہ میں آپ کے بچوں کو قرآن شریف صحت سے پڑھنا سکھا دینے کا ضامن ہوں نورانی قاعدہ کا مطالبہ مجھ سے نہ کیا جائے کہاں تک درست اور بامعنی ہے؟ وہ ہر آدمی سمجھ سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　الجواب صحیح: عبدالقیوم راجکوٹی

مہتمم کے اوصافِ مطلوبہ

سوال: ایک شخص ذاتی داؤد ٹرسٹ کے نام سے مدرسہ چلانا چاہے اور پھر اعلان

بانگِ دہل کہ مدرسہ کا بار مع طعام و قیام داؤد ٹرسٹ برداشت کرے گا؛ البتہ اگر فی سبیل اللہ کوئی دینا چاہے تو قبول کیا جائے گا ورنہ ہم کسی سے چندہ طلب نہیں کریں گے؛ مگر تاسیس ۱۹۸۱ء سال سے ۱۹۸۷ء تک حصر ہو کر عوام الناس سے چندہ لیتے رہے اب تو ۸۶/۸۷ء سال سے خود بانیٔ مدرسہ ابراہیم اور ان کے خدامین؛ نیز خصوصیت سے امیرِ تبلیغ تلوجہ چندہ وصول کرنے کے لیے بیرون پہنچتے رہے حالاں کہ مدرسہ کے لیے بظاہر نہ املاک اور نہ جائداد وقف میں ہے؛ بلکہ داؤد ٹرسٹ کتنے لاکھ اور کتنی جائداد کا مالک بنایا گیا ہے، وہ بھی خدائے برتر کو اور انہیں کو علم ہو؛ البتہ ٹرسٹ عدم رجسٹری کی تحقیق مصدقہ شخص معتبر سے موصول ہوئی پھر مزید برآنکہ تختۂ سیاہ پر افتتاح سے آج تک زیرِ اہتمام داؤد ٹرسٹ کا نام آویزاں ہے، درسگاہ کرایہ کی عمارت میں ہے، تاسیس جدیدہ کی جگہ دیگر شخص نے زبانی وقف کی ہے، پھر حال اینکہ بانیٔ مدرسہ اور ان کے اپنے ہی دو یا تین چنیدہ ممبران علوم دینیہ سے بالکل ہی نابلد ہیں، یہ کیفیات ہوتے ہوئے بھی بانیٔ مدرسہ ابراہیم نہ علماءِ دین اور نہ بزرگانِ دین کی سرپرستی کی ضرورت محسوس کرے اور نہ مجلسِ شوریٰ اور نہ منتظمہ کمیٹی کو قبول کرے؛ بلکہ اپنے ہی تسلط کا خواہاں ہے تو ایسی ناقابل اعتبار کیفیات کو دیکھتے ہوئے ایک فرد واضح سخن محترم محمد حسین (عرفِ عام محمد سیٹھ) بول بیٹھے ابراہیم یہ کیا ماجرا ہے؟ تم سے میں نے وقتِ اجراہی جب سوال کیا کہ "تم اتنا بڑا کام جو آج کا چھوٹا کل کا بڑا" اکیلے کیسے تحمل کر پاؤ گے تو تمہاری طرف سے یہ جواب رہا کہ (ہمارے مل سے) یعنی رائس میل کا سالانہ منافع خرچ میں لگا دیں گے اور ہم کسی سے مدد طلب نہیں کریں گے اب منافع کی کیا گیارنٹی؟ پھر آپ منافع کے اکیلے مالک تو نہیں بہت چند ہیں، پھر وقت منافع پر ہی بر

قرار ہے یہ کس عمل پر؟ اس لیے کہ زمانہ کے ساتھ جوار بھاٹا ضرور ہے حال اینکہ آپ کا داؤد ٹرسٹ اس مختصر سی تعداد پندرہ یا پچیس افراد کے طعام وقیام اور مدرسہ کی دیگر ضروریات کا بار اگر برداشت نہ کرسکے تو یہ ٹرسٹ کتنا اونچا ہوگا؟ اور پھر اونچا مکان پھیکا پکوان کے مترادف قول وفعل میں یہ امتیاز کیا معنی؟ گویا مدرسہ ہر اعتبار سے سادہ لوح عوام الناس کا محتاج احسان ہے تو کیا مذکورہ بالا متضاد بیان اور ناقص ٹرسٹ کے باوجود ایسا شخص ازروئے شریعت مدرسہ چلانے اور چندہ وصولی کا مجاز ہے یا نہیں؟

برائے کرم مدارسِ دینیہ کے ناگفتہ بہ حالات اور نااہل چند ٹکوں کے مولوی صاحبان کو پیش نظر رکھتے ہوئے مفصل جواب مع مہر ثبت کر کے ارسال فرمائیں تاکہ ایسے متضاد بیان دے کر مدرسہ چلانے والوں پر روک لگ جائے؛ اس لیے کہ ٹرسٹ رجسٹری کے لیے گورنمنٹ بزرگی کا تو سرٹیفکٹ نہیں طلب کرتی؛ البتہ شرط ہے کہ قوانین کا پابند ہو۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ٹرسٹ کا معنی ہے وقف، وقف کا لغوی ترجمہ ہے روکے رکھنا، اور شریعت کی اصطلاح میں هو حبسها (ای العين) على حكم ملك الله تعالىٰ وصرف منفعتها على من احب. (درمختار) ''کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں دیتے ہوئے اس کے منافع کو صرف کرنا (موقوف علیہم پر)'' اس کے شرائط وارکان ہیں جس کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں۔ سوال میں مذکور تفصیلات سے مترشح ہوتا ہے کہ داؤد ٹرسٹ قائم کرنے والے نے اپنی کسی ملکیت کو وقف نہیں کیا ہے پھر یہ ٹرسٹ کیسا؟ ہاں اگر اس شخص نے اپنی کسی ملکیت کو وقف کر کے اس کے منافع آمدنی سے مدرسہ چلانے کا

ارادہ کیا ہوتا تو اس ٹرسٹ کی گنجائش تھی، پھر جب انھوں نے یہ اعلان اور دعویٰ کیا تھا کہ ہم کسی سے چندہ طلب نہیں کریں گے تو انہیں اپنے اس دعویٰ پر قائم رہنا چاہیے تھا، ارشاد ربانی: ﴿یأیھا الذین آمنوا لم تقولون مالا تفعلون کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: مالا تفعلون کے ظاہری معنی تو یہ ہیں کہ جو کام تمھیں کرنا نہیں ہے اس کا دعویٰ کیوں کرتے ہو، جس سے ایسے کام کے دعویٰ کی ممانعت تو واضح ہو ہی گئی جس کو کرنے کا عزم وارادہ ہی انسان کے دل میں نہ ہو کیوں کہ یہ تو محض ایک جھوٹا دعویٰ ہے نام ونمود وغیرہ کے لیے ہوسکتا ہے؛ مگر ظاہر ہے کہ شانِ نزول کے واقعہ میں جن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے مذاکرہ کیا وہ ایسے نہ تھے کہ دل میں کچھ کرنے کا ارادہ ہی نہ ہو اور دعویٰ کریں؛ اس لیے اس کے مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ اگرچہ دل میں عزم اور ارادہ کام کرنے کا ہو پھر بھی اپنے نفس پر بھروسہ کرکے دعویٰ کرنا کہ ہم فلاں کام کریں گے شانِ عبدیت کے خلاف ہے، اول تو اس کے کہنے ہی کی کیا ضرورت ہے؟ جب موقع ملے کر گزرنا چاہیے اور کسی مصلحت سے کہنا بھی پڑے تو اس کو ان شاء اللہ کے ساتھ مقید کردے تو پھر وہ دعویٰ نہیں رہے گا۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ ایسے کام کا دعویٰ کرنا جس کے کرنے کا ارادہ ہی نہ ہو اور اس کو کرنا ہی نہ ہو تو گناہِ کبیرہ اور اللہ کی سخت ناراضگی کا سبب ہے، ﴿کبر مقتا عند اللہ﴾ کا مصداق یہی ہے، اور جہاں یہ صورت نہ ہو بلکہ ارادہ کرنے کا ہو وہاں بھی اپنی قوت وقدرت پر بھروسہ کرکے دعویٰ کرنا ممنوع ومکروہ ہے۔

(معارف القرآن ۸/ ۴۲۴)

رہا ایک دینی مدرسہ کا انتظام واہتمام تو ظاہر ہے اس کے حق دار حاملینِ قرآن اور پابند شریعت لوگ ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد کہ مسلمانوں کی رہنمائی وہی کرسکتا ہے جس کی زندگی پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا نمونہ ہو، اور حضرت حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ امت کا اتفاق ہے کہ عالم باعمل مسلمان سیادت وقیادت کا اہل ہے اگر ایسا شخص میسر نہ ہو تو یہ منصب مجبوراً دو شخصوں میں سے ایک کے سپرد کیا جائے گا، عالم فاسق یعنی عالم بے عمل کو، جاہل متقی یعنی بے علم باعمل کو۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۲/ ۱۶۴)

صرف مالدار ہونے یا امداد کرنے کی بناء پر انسان اہل نہیں ہوسکتا، حضرت مولانا عبدالحی کفلیتوی سورتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گو مہتمم مدارس دولت مند ہیں دنیا کے نشیب وفراز کو بخوبی جانتے ہیں؛ لیکن جب انہوں نے نہ مدارس اسلامیہ دیکھے ہوں، نہ ان کے قوانین انتظام سے کسی طرح واقف ہوں، بھلا بتلائیے بدون مشورہ مدرسین بالاستقلال مدارس کا کیسے انتظام کرسکتے ہیں؟ ایسے انتظام کا آخر کار یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ مدرسہ میں کچھ ایسی بدنظمی ہوجاتی ہے کہ ترقی علوم کے جتنے باب ہیں سب مسدود ہوجاتے ہیں۔ (سوانح علوم اسلامیہ ۳۸)

خلاصۂ کلام یہ کہ متولی اور مہتمم عالم باعمل ہونا چاہیے، اگر ایسا میسر نہ ہوسکے تو صوم وصلوٰۃ کا پابند، امانت دار، مسائلِ وقف کا جاننے والا، خوش اخلاق اور رحم دل، منصف مزاج، علم دوست، اہل علم کی تعظیم وتکریم کرنے والا ہو جس میں یہ صفات زیادہ ہوں اس کو متولی ومہتمم بنانا چاہیے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۲/ ۱۶۵، ۱۶۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ ذی الحجۃ الحرام ۱۴۰۷ھ

تارکِ صلوٰۃ متولی ومہتمم کو برطرف کرنا

سوال: صدر مسجد ومدرسہ اگر تارکِ صلوٰۃ ہے تو اس کو برطرف کرنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کوئی دوسرا مانع موجود نہ ہو تو برطرف کیا جا سکتا ہے، بہتر یہ ہے کہ "متولی اور مہتمم عالم باعمل ہونا چاہیے، اگر ایسا میسر نہ ہو سکے تو صوم وصلوٰۃ کا پابند ہو، امانت دار، مسائلِ وقف کا جاننے والا، خوش اخلاق، اور رحم دل، منصف مزاج، علم دوست، اہل علم کی تعظیم وتکریم کرنے والا ہو، جس میں یہ صفات زیادہ ہوں اسی کو متولی ومہتمم بنانا چاہیے"۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۲/۱۶۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

متولی کیسا ہو؟

سوال: (۱) آندھرا پردیش ضلع چتور میں ایک قصبہ پیلر شریف ہے، قصبہ ھذا میں ایک مدرسہ بنام "نور الہدیٰ" ۱۴/ سال سے دینی خدمات انجام دے رہا ہے، اور مدرسہ ھذا کے معلمین ومتعلمین کے اخراجات بیرونی چندہ سے پورے ہوتے ہیں، قصبہ والوں پر کوئی بوجھ نہیں ہے.......... باوجود اس کے یہاں کے جامع مسجد کے متولی جناب خواجہ اویس قرنی صاحب قصبہ کے لوگوں کو اس بات پر برانگیختہ کر رہے ہیں، کہ اس مدرسہ سے ہمیں کوئی دنیوی فائدہ نہیں ہو رہا ہے، یعنی اتنے سال سے یہ مدرسہ چل رہا ہے؛ لیکن مدرسہ میں بچت کچھ بھی نہیں ہے؛ لہٰذا مدرسہ کو ختم کر دیا جائے،

ایسے شخص کے بارے میں علماء دین کیا حکم فرماتے ہیں؟

② گیارہویں شریف میں ایک بیوہ عورت نجم النساء نامی نے کسی دوسرے کے ذریعہ سے گیارہ روپئے برائے میلاد شریف متولی مذکور کو بھیجا، دوسرے روز یہ عورت متولی کے گھر دریافت کرنے گئی کہ میں نے جو رقم بھیجی تھی ملی یا نہیں؟ تو فوراً متولی صاحب نے اس عورت کو چھینال لونڈی وغیرہ برا بھلا کہہ کر گلے میں ہاتھ ڈال کر دروازے سے باہر ڈھکیل دیا۔

③ اس قصبہ میں تقریباً سات سال سے جناب سالار صاحب بطور اذنی (المعلن) مقرر ہیں، یہ متولی مذکور صاحب جب متولی بنے ہیں، چار مرتبہ سالار صاحب کو اذنی کے عہدے سے برطرف کیا، بار بار برطرف کرنے کے بعد اذنی نے متولی کے نام ایک عریضہ لکھ کر دیا کہ اس طریقہ سے میری بے عزتی کیوں کر رہے ہو؟ تو متولی نے کہا کہ جو چاہوں کر سکتا ہوں، میں چیف منسٹر کا عہدہ والا ہوں، اس واقعہ کے بعد جماعت والوں نے یہ طے کیا کہ جامع مسجد کمیٹی کی ایک جماعت مقرر کی، اور متولی کو اطلاع دی کہ تمام حسابات کتاب، نکاح اور جماعت کا پیسہ، بیت المال کا پیسہ، مسجد میں جماعت کے حوالے کر دو، جماعت والے کے طے شدہ فیصلہ کے بعد متولی صاحب نے جماعت والوں کو مختلف قسم سے غصہ کی آگ بجھانے کے لیے برے برے القاب سے بدنام کیا۔

نوٹ: یہ متولی صرف دو ماہ سے بنائے گئے ہیں، اور اسی دو ماہ کے اندر انھوں نے یہ سارے فسادات برپا کئے ہیں، اب علمائے دین غور و فکر فرما کر یہ فرمائیں کہ جامع مسجد کے متولی کیسے ہونے چاہیے؟ ان کے اخلاق وعادات واعمال

کیسے ہونے چاہیے؟ نیز اس قصبہ میں مسلم آبادی تقریبا ۵۰۰۰ / پانچ ہزار ہے، ان تمام چیزوں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ فرمائیں کہ اس کا ذمہ دار کیسا ہونا چاہیے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

متولی، عالم باعمل ہونا چاہیے، اگر ایسا میسر نہ ہو سکے تو صوم وصلوۃ کا پابند، امانت دار، مسائل وقف کا جاننے والا، خوش اخلاق اور رحم دل، منصف مزاج، علم دوست، اہل علم کی تعظیم وتکریم کرنے والا ہو، جس میں یہ صفات زیادہ ہوں اسی کو متولی بنانا چاہیے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۲ /۱۶۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶ / جمادی الاخری ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ عفی عنہ

دینی اداروں میں ہونے والی کوتاہیوں کا ذمہ دار کون؟

سوال: ایک مسئلہ عرض خدمت ہے وہ یہ ہے کہ آج کل اکثر دینی مدارس میں تعلیم کی کمزوری کی شکایت کی جاتی ہے، اور اس کا سارا الزام مدرسین کے سر پر ڈالا جاتا ہے کیا یہ ٹھیک ہے؟ کیا انتظامیہ اس کی ذمہ دار نہیں ہے؟ یقیناً مدرسین کی بھی بہت سی کوتاہیاں ہیں؛ لیکن بندہ کے نزدیک بچند وجوہ منتظمین اس کے اہم ذمہ دار ہیں جو حسبِ ذیل ہیں۔

(الف) اکثر وبیشتر مدارس میں ایسے مدرس کا انتخاب کیا جاتا ہے جو اس درجہ کے مناسب نہیں ہے بلکہ صرف اور صرف سفارشات پر تقرر ہوتا ہے حالاں کہ آج دنیوی اداروں کے اندر ایک چھوٹے سے کارکن کو جو رکھا جاتا ہے تو اس پر بھی ان کو سندوں

کی ضرورت ہوتی ہے، کیا ہمارے مدارس میں کسی سند کی ضرورت نہیں ہے؟ اکثر مدرسین ایسے ہوتے ہیں مثلاً درجہ تجوید کا مدرس ہے اور اس کے پاس تجوید کی سند ہی نہیں ہے، یا پھر دینیات اور قرآن مجید ناظرہ کا مدرس ہے اور مؤذن بھی ہے، اور حالت یہ ہے کہ وہ صحیح اذان بھی نہیں دے سکتا، اور اس کو مدرس بنایا جاتا ہے، آیا یہ تو بتائیے جو اذان صحیح نہ دے سکے وہ قرآن مجید کو کیا پڑھائے گا پھر اگر تعلیم کی کمزوری ہے تو مدرس کے سر کیوں؟ ایک مکتب میں ایک ایک مدرس کے سر ۵۰، ۵۰ بچے ہیں اور وقت ہے صرف دو گھنٹہ تو کیا یہ قوم کے بچوں کے ساتھ کھلواڑ نہیں ہے؟ اور دینی تعلیم کا مذاق نہیں؟ بہت سے مدارس اور جامعات میں صرف اور صرف جو مدرس کا تقرر ہوتا ہے وہ سفارشات ہی ہوتی ہیں، اور اپنا آدمی رکھا جاتا ہے چاہے کتنا ہی نا اہل ہو، وہاں ذرہ بھر استعداد اور قابلیت کو مدِ نظر نہیں رکھا جاتا کیا، اس کو مدرسین کی کوتاہی کہہ سکتے ہیں؟ ایسے حالات میں تعلیمی کمزوری کا واویلا کرنا اور سارا الزام مدرسین کے سر دینا یہ کہاں تک صحیح ہے؟ اور یہ سب صرف اور صرف اس لیے کیا جاتا ہے کہ یا تو تنخواہ کم دینی پڑے یا پھر مدرس سر نہ اٹھاویں یہ کہاں کے انصاف کی بات ہے؟ حضرت والا کے سامنے تو یہ حالات اور بھی بہت واضح ہیں؛ لہٰذا ان حالات میں مدرسین، منتظمین کی کیا ذمہ داری ہے اس کو خوب وضاحت سے تحریر فرمائیں۔

(ب) بسا اوقات مدرسین کے ساتھ منتظمین کی ان بن یا پھر مدرس کی کسی غلطی پر اس کو رسوا کر کے مدرسہ سے علاحدہ کرنا کیا کہیں یہ طریقہ ثابت ہے؟ آخر مدرس بھی انسان ہے کیا کوئی ایسی صورت نہیں ہے کہ مدرس کی غلطی پر اس کو محبت، بھائی چارگی اور اس کی کوتاہیوں کی ستر پوشی کر کے اس کو راہِ راست پر لانے کی فکر کی جائے، کیا شریعت

اس مسئلہ میں بالکل خاموش ہے؟ آخر یہ سب اس لیے ہوتا ہے کہ اہل مدارس نے مدرسین کو خادم دین نہیں سمجھا بلکہ ان کو ایک عام نوکر تصور کیا جاتا ہے لہٰذا جیسا نوکر کے ساتھ سلوک کرتے ہیں، اسی طرح مدرسین کے ساتھ کیا جاتا ہے؛ نیز مدرسین کی غربت اور کمزوری کا فائدہ اٹھایا جاتا ہے لہٰذا اب علماء اور بزرگان دین اور مفتیانِ کرام کی ذمہ داری بنتی ہے کہ اس کی شرعی حیثیت کو لوگوں کے سامنے بیان کیا جائے، اور سر جوڑ کر اس کی فکر کی جائے اس کی صحیح رہنمائی شریعت کی روشنی میں بیان کی جائے تاکہ مدارس کا بگاڑ ختم ہو، حضرت بات یہ ہے کہ کسی پر نہ کوئی حملہ ہے نہ کسی پر کوئی نشان لگایا ہے، صرف اور صرف اپنے ایک دلی احساس کا اظہار ہے جو ہم علماء کی ذمہ داری ہے، امید ہے کہ حضرت والا اس پر خوب کھل کر شریعت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(الف) ﴿ إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّواْ الأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں "اس سے معلوم ہوا کہ حکومت کے عہدے اور منصب جتنے ہیں وہ سب اللہ کی امانتیں ہیں، جس کے امین وہ حکام اور افسر ہیں جن کے ہاتھ میں عزل ونصب کے اختیارات ہیں، ان کے لیے جائز نہیں کہ کوئی عہدہ کسی ایسے شخص کے سپرد کر دیں جو اپنی عملی یا علمی قابلیت کے اعتبار سے اس کا اہل نہیں ہے بلکہ ان پر لازم ہے کہ ہر کام اور ہر عہدہ کے لیے اپنے دائرۂ حکومت میں اس کے مستحق کو تلاش کریں۔

پوری اہلیت والا سب شرائط کا جامع کوئی نہ ملے تو موجودہ لوگوں میں قابلیت اور امانت داری کے اعتبار سے جو سب سے زیادہ فائق ہو اس کو ترجیح دی جائے۔

ایک حدیث میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو عام مسلمانوں کی کوئی ذمہ داری سپرد کی گئی ہو پھر اس نے کوئی عہدہ کسی شخص کو محض دوستی اور تعلق کی مد میں بغیر اہلیت معلوم کیے ہوئے دیدیا اس پر اللہ کی لعنت ہے، نہ اس کا فرض مقبول ہے، نہ نفل یہاں تک کہ وہ جہنم میں داخل ہوجائے۔ (جمع الفوائد ۳۲۵)

بعض روایات میں ہے کہ جس شخص نے کوئی عہدہ کسی شخص کے سپرد کیا حالاں کہ اس کے علم میں تھا کہ دوسرا آدمی اس عہدہ کے لیے اس سے زیادہ قابل اور اہل ہے، تو اس نے اللہ کی خیانت کی اور رسول اللہ ﷺ اور سب مسلمانوں کی، آج جہاں نظامِ حکومت کی ابتری نظر آتی ہے وہ سب اس قرآنی تعلیم کو نظر انداز کردینے کا نتیجہ ہے کہ تعلقات اور سفارشوں اور رشتوں سے عہدے تقسیم کیے جاتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نااہل اور ناقابل لوگ عہدوں پر قابض ہوکر خلق خدا کو پریشان کرتے ہیں، اور سارا نظامِ حکومت برباد ہوجاتا ہے اسی لیے آنحضرت ﷺ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ۔ یعنی جب دیکھو کہ کاموں کی ذمہ داری ایسے لوگوں کے سپرد کردی گئی جو اس کام کے اہل اور قابل نہیں تو (اب اس فساد کا کوئی علاج نہیں) قیامت کا انتظار کرو۔ یہ ہدایت صحیح بخاری کتاب العلم میں ہے“۔ (معارف القرآن ۲/ ۴۴۷،۴۴۶)

مشہور مؤرخ اور محدث علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”سیر اعلام النبلاء“ میں حضرت ابو بردہ ابن ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کے حالات میں لکھا ہے کہ یزید ابن المہلب جب خراسان کے حاکم مقرر ہوئے تو انھوں نے لوگوں سے کہا کہ مجھے کوئی ایسا آدمی بتلاؤ جس میں تمام خوبیاں موجود ہوں تو حضرت ابو بردہ اشعری رضی اللہ عنہ

کی نشان دہی کی گئی جب وہ تشریف لائے تو ان کو بہت فائق پایا، پھر جب ان سے گفتگو کی تو ان کے باطنی حالات ظاہر سے بھی بہتر پائے تو ان سے کہا کہ میں نے آپ کو فلاں فلاں کام کی ذمہ داری سونپی تو حضرت ابو بردہ نے معذرت چاہی؛ لیکن یزید نے معذرت قبول کرنے سے انکار کیا، اس پر حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے کہا اے امیر! میں آپ کو وہ بات سناتا ہوں جو میرے ابا نے مجھے بتلائی انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو آدمی کوئی ایسی ذمہ داری قبول کرے جس کے متعلق اس کو بخوبی معلوم ہے کہ وہ اس ذمہ داری کو انجام دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اس کو چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم بنالے الخ۔ (۳۴۵/۴)

مندرجۂ بالا دونوں مضامین سے یہ ثابت ہوا کہ منتظمین کا کسی ایسے آدمی کو تدریس کی ذمہ داری سونپنا جو اس کا اہل نہیں ایک قسم کی خیانت ہے، اور جس کو یہ ذمہ داری سونپی جارہی ہے اس کا یہ جانتے ہوئے کہ میں اس کا اہل نہیں اس کو قبول کرنا اپنے آپ کو جہنم کے لیے پیش کرنا ہے۔

البتہ آپ کے سوال میں تضاد ہے ایک طرف آپ لکھ رہے ہیں کہ نا اہل کو مدرس بنادیا جاتا ہے جس میں تدریسی ذمہ داری کو انجام دینے کی بالکل صلاحیت نہیں ہوتی۔ دوسری طرف اس پر تعلیمی کمزوری کا الزام عائد کیا جاتا ہے تو اس کو بھی آپ درست قرار نہیں دیتے۔

(ب) آپ جس مرض کی شکایت کر رہے ہیں وہ نیا نہیں بلکہ پرانا ہے، حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا عبدالحی کفلیتوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں: ”یہاں کے لوگ مدرسین کو جیسے بظاہر خادم سمجھتے ہیں

ویسے ہی ان کو حقیقت میں بھی خادم سمجھتے ہیں، یہاں تک کہ ان پر جابرانہ حکومت کی جاتی ہے جیسے ادنیٰ نوکر پر ایسی حالت میں مدرسین سے مدارس کی ترقی کی امید رکھنا کس قدر تعجب خیز امر ہے، اور آئندہ کس امید پر آدمی کو علم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوسکتا ہے''۔ (سوانح علوم اسلامیہ ۳۸)

یہ سب کچھ ہورہا ہے روزمرہ کے نئے نئے قانون بنا کر تنگ کیا جاتا ہے، ایام تعطیلات میں تنگی، رخصت دینے میں سختی کا برتاؤ، خوشامد کرنے والوں سے درگزر کا سلوک، جو خوشامد نہ کرے ان سے سختی کا برتاؤ، نیک نامی خوشامد پر موقوف ہے، ملاحظہ فرمائیں:

علامہ کفلیتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہاں کے لوگوں کے طبائع میں مادہ خوشامد طلبی کا اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ باوجودیکہ علماء نہایت بزرگ خیال کیے جاتے ہیں تاہم ان کی تعظیم اور ان کے ساتھ سلوک کرنا ان کی خوشامد پر موقوف ہے؛ لیکن جو لوگ دور دراز ملک کا سفر بغرض تحصیل علوم کرتے ہیں اور دولت علوم سے مالا مال ہو کر آتے ہیں، اور دولت علم پر قانع ہو کے خوشامد سے پہلو تہی کرتے ہیں تو ان کی تعظیم تو درکنار ہے ان کو تنگ کرنے کے لیے اس قدر اسباب فراہم کیے جاتے ہیں کہ ان کے جس قدر خیالات علومِ اسلامیہ کی ترقی کی بابت ہوتے ہیں وہ سب خاک میں مل جاتے ہیں۔ (۳۸)

اور فرماتے ہیں: مدرسین کی نیک نامی اور بدنامی یہاں صرف خوشامد اور عدم خوشامد پر مبنی ہے مدرس گو کتنا ہی لائق ہو اور پڑھانے میں گو کیسی ہی جان فشانی کرتا ہو؛ لیکن جب تک خوشامد نہ ہوگی نہ اس کے مشاہرہ میں ترقی ہوسکتی ہے، نہ نیک نامی کا اسے تمغہ مل سکتا ہے۔ (سوانح علوم اسلامیہ ۳۸)

بے علم وعمل فاسقوں کو ایسے معزز عہدے سپرد کرنے میں ان کی تعظیم لازم آتی ہے حالاں کہ فاسق واجب الاہانت ہے تعظیم کا مستحق نہیں۔ (شامی ۱/ ۵۲۳)

حاملین قرآن کو جہال وفاسقوں کی ماتحتی اور تابع داری کرنے سے ان کی توہین وتذلیل لازم آتی ہے، جیسے مردوں کا عورتوں کی ماتحتی اور تابع داری میں رہنا تذلیل سمجھا جاتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے: اذا کان أمراءکم شرارکم، واغنیاءکم بخلاءکم، وامورکم الی نسائکم فبطن الارض خیر لکم من ظهرها. (مشکوٰۃ ۴۵۹) یعنی جب تمھارے سردار فاسق ہوں، اور تمھارے دولت مند بخیل ہوں، اور تمھارے کام عورتوں کے کہنے پر ہوتے ہوں، تب تمھارے لیے زمین کا پیٹ (دفن ہوجانا) بہتر ہے اس کی پشت (جینے) سے۔

ارشاد بنوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے: ''اکرموا حملة القرآن فمن اکرمهم فقد اکرمنی'' (الجامع الصغیر للامام الحافظ السیوطی ۱/ ۴۵) یعنی حاملین قرآن کی تعظیم کرو، بے شک جنھوں نے ان کی عزت کی اس نے میری عزت کی۔

ایک اور حدیث میں ہے: حامل القرآن حامل رایة الاسلام، من اکرمه فقد اکرم الله، ومن اهانه فعلیه لعنة الله. (الجامع الصغیر للسیوطی ۱/ ۱۴۲) یعنی حاملین قرآن اسلام کے علم بردار ہیں، جس نے ان کی تعظیم کی اس نے خدا کی تعظیم کی، اور جس نے ان کی تذلیل کی اس پر خدا کی لعنت ہے۔

جب متولی ومہتمم وغیرہ نااہل ہوں گے تو ان کے ماتحت ائمہ ومؤذنین اور مدرسین حضرات بھی نااہل ہوں گے، وہ ان علماء کی قدر نہ کرسکیں گے، جو غیرت مند اور خود دار

ہوں نتیجہ یہ ہوگا کہ جو علماء اہل ہوں گے وہ بددل ہو کر الگ ہو جائیں گے، نا اہل پڑے رہ جائیں گے جس سے ادارہ کے کاموں میں ابتری ہوگی، نہ تعلیم ہو سکے گی، نہ کوئی تبلیغی کام ہو سکے گا جیسا کہ مشاہدہ ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۲/۱۶۶ تا ۱۶۸)

مدرس کی کسی غلطی پر اس کو رسوا کر کے مدرسہ سے علاحدہ کرنا نہایت کمینہ وقابل مذمت حرکت ہے، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''قرآن کریم کا ارشاد ہے: ﴿ ولا تجسسوا ﴾ کسی کے پوشیدہ عیوب کو تلاش مت کرو۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منبر پر ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ جو زبان سے مسلمان ہو گئے مگر ان کے دلوں تک ایمان نہیں پہونچا وہ سن لیں کہ مسلمانوں کو ایذا نہ پہونچاؤ، ان کے پوشیدہ عیوب کے پیچھے مت پڑو، ان کو گذشتہ عیوب پر عار نہ دلاؤ کیوں کہ جو شخص کسی مسلمان بھائی کے عیوب ڈھونڈتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کو ڈھونڈنے لگتے ہیں، اور جس کے عیوب اللہ تعالیٰ ڈھونڈیں قریب ہے کہ اس کو رسوا کر دیں گے اگرچہ وہ اپنے بند مکان میں مستور ہو۔ (ترمذی، الجمع الفوائد ۲/۱۶۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ بیت اللہ پر نظر ڈالی اور فرمایا اے بیت اللہ تیری شان کتنی بلند ہے اور تیری عزت کتنی بڑی ہے اور مومن کی عزت اور حرمت اللہ کے نزدیک تجھ سے زیادہ بڑی ہے۔ (ترمذی، جمع الفوائد)

اور حدیث میں ہے کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے، نہ اس پر عیب لگاوے، اور جو شخص اپنے کسی بھائی کے کام میں لگے اللہ تعالیٰ اس کے کام میں لگ جاتے ہیں، اور جو شخص کسی مسلمان کو مصیبت و تکلیف سے نکالے اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کی مصیبتوں سے نکال دیں گے، اور جو شخص کسی مسلمان کے عیب چھپائے اللہ

تعالیٰ قیامت کے روز اس کے عیوب چھپائیں گے۔ (ترمذی وقال حسن صحیح غریب اززواجر)

آج کل یہ کبیرہ گناہ بھی وبا کی طرح عام ہو گیا ہے عوام وخواص سب اس میں مبتلا ہو گئے، لوگوں کے پوشیدہ عیوب کی تلاش اور کوئی بات مل جاوے تو اس کا چرچا کرنا رسوا کرنا عادت میں داخل ہو گیا، کسی کو دھیان بھی نہیں ہوتا کہ ہم نے اس میں کوئی گناہ کیا اور یہ وہ بے لذت گناہ ہے کہ اس میں کسی کا کوئی دنیوی فائدہ نہیں اور عمر بھر نہ کرے تو کوئی نقصان نہیں مگر بے حسی اور بدمذاقی سے بہت سے لوگوں کو اسی میں ذائقہ ولذت محسوس ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے بچائے۔ آمین۔ (گناہ بے لذت ۱۱، ۱۲)

اصل تو یہ ہے کہ کسی مدرس سے ہونے والی غلطی ایسی ہے جس سے مدرسہ کے نظام میں کوئی خلل واقع نہ ہو، نیز طلباء کے اخلاقیات پر کوئی غلط اثر مرتب نہ ہو تو محبت اور رواداری کے ساتھ اس کو اس غلطی سے آگاہ کر کے اس کی اصلاح کی طرف متوجہ کیا جائے اس کی ذمہ داری اور مقام کا احساس دلا کر اس کی اصلاح کی پوری کوشش کی جائے، اس کے باوجود اگر وہ اس سے باز نہ آئے اور مزید چشم پوشی مدرسہ کے لیے مضر ہو تو بأحسن وجوہ اس کو علاحدہ کیا جائے، نکاح جیسے پاکیزہ رشتہ میں اصل یہ ہے کہ طرفین آپسی حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کریں اور جب کسی طرح اس کا امکان باقی نہ رہے تو بھلے طریقے سے علاحدگی اختیار کر لے اسی کو قرآن پاک میں ﴿ فامساك بمعروف اوتسريح باحسان ﴾ سے تعبیر کیا گیا ہے یہی اصول یہاں بھی جاری ہونا چاہیے، مشکل یہ ہے کہ آپ نے اپنے سوال میں مدرسین کے ساتھ کی جانے والی بدسلوکی کا تو تذکرہ کیا ہے؛ لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی مدرسہ کے ذمہ دار منتظمین اوپر بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق اصلاح کی تدابیر اختیار کر چکنے کے بعد جب علاحدگی

والے پہلو کو اختیار کرتے ہیں تو علاحدہ ہونے کے بعد مدرس کی طرف سے ناظم مدرسہ کے خلاف مستقل ایک پروپیگنڈہ محاذ کھول دیا جاتا ہے اور وہ ساری باتیں جو اصلاح کے خاطر ناظم کی طرف سے چھپائی گئی تھی اس سے غلط فائدہ اٹھا کر عوام میں یہ بات پھیلائی جاتی ہے کہ میرا کوئی قصور نہیں ہے مجھے بلا وجہ محض ذاتی عداوت کی بنیاد پر علاحدہ کیا گیا، اب یہ چیز اتنی عام ہونے لگی ہے کہ اس کے نتیجہ میں عوام میں ناظم کے خلاف غم وغصہ کی لہر پھیل جاتی ہے اور وہ نظام مدرسہ کی تبدیلی کی تحریک اختیار کرلیتی ہے، اور اچھا خاصہ چلتا ہوا مدرسہ تعلیمی اور انتظامی خلفشار کا شکار ہو جاتا ہے یہ محض خیالی چیز نہیں بلکہ واقعات اس کی شہادت دیتے ہیں، اور اسی طرح کے پیش آنے والے بعد کے سنگین حالات سے نمٹنے کی غرض سے منتظمین حضرات مدرس کو پہلے ہی بدنام کر کے علاحدہ کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے جرائم چھپا کر عوام میں انتظامیہ کے خلاف کوئی غلط پروپیگنڈہ کرنے کے قابل نہ رہے یہ سب باتیں حقیقت میں فریقین میں امانت و دیانت کی قلت اور فقدان کا نتیجہ ہیں اسی لیے ضرورت اس کی ہے کہ دونوں فریق اپنے مقام ومنصب کی اہمیت محسوس کرتے ہوئے اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں امانت و دیانت کے تقاضوں کو پورا کریں۔

حدیث پاک میں عورت کے متعلق نبی کریم ﷺ کا ارشاد موجود ہے: ”المرأة کالضلع ان اقمتها کسرتها وان استمتعت بها استمتعت بها وفيها عوج“ (بخاری ۲/ ۷۷۹) یعنی عورت کا حال پسلی کی طرح ہے کہ اس کی کجی کے باوجود اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہو تو اٹھا لو ورنہ اگر سیدھا کرنے جاؤ گے تو ٹوٹ جائے گی۔ مطلب کہ عورت کے مزاج میں قدرتی طور پر کجی ہے وہ ایک فطری وصف ہونے کی وجہ سے

کوئی آدمی بالکل ختم کرنا چاہے تو یہ ممکن نہیں؛ البتہ اصلاح کی کوشش جاری رکھے اور اس فطری کجی کے نتیجہ میں پیش آنے والی تکالیف اور پریشانیوں پر صبر سے کام لے۔

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فیض الباری میں فرماتے ہیں کہ اس سے یہ بات مستنبط ہوتی ہے کہ اگر کسی نظام میں کوئی خلل اور کمزوری ہو اور اس کی اصلاح کرنے میں اس نظام کے بالکلیہ ختم ہوجانے کا اندیشہ ہو تو مناسب ہے کہ اس کی اس کمزوری کے ساتھ اس سے فائدہ اٹھایا جائے اور اس کو چھیڑا نہ جائے، اور اگر کسی کے لیے ایسا کرنا دشوار ہے تو اس کے حق میں اس کو خیر باد کہنا بہتر ہے۔ (فیض الباری ۴/ ۳۰۱)

آج کل مدارس عربیہ ہی کیا جتنے بھی ادارے دین یا دنیا کا کوئی کام کر رہے ہیں ان کا یہی حال ہے ہر ایک میں کوئی نہ کوئی نقص اور کمی ضرور ہے، اب اس کی اصلاح کا طریقۂ کار یہ نہیں کہ اس کی کمزوریوں اور کوتاہیوں کو لوگوں میں پھیلایا جائے بلکہ اپنی حیثیت مقام اور مرتبہ کے مطابق اس کی درستگی کے لیے جو کچھ کیا جاسکتا ہو اس میں دریغ نہ کریں اور اس کے ساتھ اپنی وابستگی باقی رکھیں؛ لیکن اگر باوجود اپنی مخلصانہ مساعی کے اس کی درستگی کی کوئی توقع نہ رہے تو نہایت خاموشی اور شرافت کے ساتھ اس سے اپنی وابستگی ختم کردے؛ لیکن مشکل یہ ہے کہ مذکورہ طریقۂ کار اختیار کرنے کے بجائے عام طور پر اس سے وابستہ حضرات اس ادارہ یا مدرسہ کے عیوب اور کمزوریوں کو درست کرنے کی کوشش تو کیا کرتے ان عیوب کے حوالے سے اس ادارہ یا مدرسہ کو عوام مسلمین میں بدنام کرکے مارِ آستین ثابت ہوتے ہیں اور وقت آنے پر علاحدگی کے بعد کھلم کھلا میدان میں آکر اس ادارے کو ختم کرنے کے لیے پورا زور لگاتے ہیں۔ فالی اللہ

المشتکیٰ. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

دستور کے خلاف ممبرِ مدرسہ کا انتخاب کرنا

سوال: دار العلوم حسینیہ آکولہ کے ٹرسٹ کے دستور کے دفعہ تین حصہ (H) میں یہ لکھا ہے کہ: مجلسِ شوریٰ نئے ممبر کا انتخاب عوام میں سے کرے گی، اور سرپرستوں کی اجازت کے بعد ہی اسے ممبر بنایا جائے گا، مذکورہ دستور کے خلاف دار العلوم حسینیہ کے سات اراکینِ شوریٰ نے سرپرستوں اور بانی و مہتمم صاحب کی اجازت کے بغیر نئے ممبر کا انتخاب کیا، تو کیا یہ شرعاً جائز ہے؟ مفصل مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

جب ٹرسٹ کے دستور میں نئے ممبر کے انتخاب کے لیے سرپرستان کی اجازت کو شرط قرار دیا گیا ہے، تو اب ان کی اجازت کے بغیر جس نئے ممبر کا انتخاب عمل میں آیا ہے، وہ معتبر نہیں ہے۔

فإن شرائط الواقف معتبرة اذا لم تخالف الشرع. (شامی ۳/۳۹۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ

بانئ مدرسہ کا ممبران کو رکنیت سے معزول کرنا

سوال: مہتمم دار العلوم حسینیہ آکولہ مولانا ابوالحسن زید مجدہ و مدظلہ نے شہر آکولہ

میں دارالعلوم حسینیہ کی بنیاد ڈالی، مدرسہ کی مجلسِ شوریٰ کے لیے بذاتِ خود ممبران کو منتخب فرمایا، نا چاقی کی بنا پر تین ممبران نے ممبری کی ذمہ داری سے سبک دوشی کا بذریعہ اشتہار اعلان کرتے ہوئے استعفیٰ دیا، تھوڑے عرصے کے بعد رجوع بھی کرلیا؛ لیکن مدیر و مہتمم صاحب نے کچھ عرصے کے بعد ہی پانچ ممبران کے علیحدگی کا فیصلہ کردیا، اس میں یہ تین ممبران جن کے سابق استعفیٰ نامے موجود تھے، اور ان کے علاوہ دو ممبران کو اس ذمہ داری سے اخراج کے فیصلہ کی خبر کورٹ چیریٹی کمشنر کو دی، اس طریقے سے کہ ان تین ممبران کے سابق استعفیٰ نامے اور بقیہ دو کے نام اس استعفیٰ نامے میں لکھ دیے گئے، مقابلین کو جب کورٹ میں اس عرضی کے داخلہ کی خبر ہوئی، تو ان حضرات نے کورٹ چیریٹی کمشنر سے کہا کہ ہم نے استعفیٰ نہیں دیا، یہ مصنوعی استعفیٰ نامے ہیں، کورٹ نے فیصلہ روک دیا۔

سوال یہ ہے کہ اس معاملہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ جب کہ ان ممبران کے اخراج میں مدرسہ کے کئی مصالح مرعی ہیں، اور ممبران کو مولانا ہی نے منتخب کیا تھا، اور ساتھ ہی ساتھ مدرسہ کے بانی و روح رواں ہیں، مدرسہ کو اس کے زمانۂ طفولیت کی کمزوریوں اور مصیبتوں سے شبابیت تک پہونچانے میں مولانا نے اپنی جان کی بازی لگادی، اور اس صحراء ویراں نما کو چمنستان و گلستان علم و گل سے لہلہاتا ہوا بنانے والے مولانا موصوف ہی کی ذات ہے۔ وہ شعر کا پورا مصداق بنا کر دکھایا۔

صحراء میں جہاں رکھتے ہیں قدم		کھلتا ہے وہیں پر ایک چمن

جواب مدلل و مفصل عنایت فرمائیں تو عین نوازش ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بانی مدرسہ نے جس طرح اپنے اختیار سے اراکین کا تقرر کیا تھا، اوران کا وہ تقرر درست تھا، اسی طرح جب وہ اپنے اختیار سے ان کو (قصور وبلا قصور) اس رکنیت سے معزول کریں تو ان کا یہ اقدامِ عزل بھی درست ہے، بانی کو بحیثیتِ بانی یہ اختیار حاصل ہے، اس معاملہ میں ممبران کو بانی کے خلاف قانونی چارہ جوئی کا حق حاصل نہیں ہے۔

ولا یة نصب القيم إلى الو قف ثم لوصيه لقيا مه مقا مه (درمختار) (قوله ولا ية نصب القيم الى الواقف) قال فى البحر: قدمنا ان الولا ية للواقف ثابتة مدة حياته وان لم يشترطها، وان له عزل المتولى الخ. (شامي ٣ /٤٤٨)

للواقف عزل الناظر مطلقاً به يفتىٰ (درمختار) (قوله للواقف عزل الناظر مطلقا) اى سواء كان بجنحة او لا وسواء كان شرط له العزل او لا (شامى ٣ /٤٥٢) بخلاف الوا قف، فان له عزل القيم وان لم يشرطه والقيم لا يملكه (شامى ٣ /٤٥١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/صفر المظفر ۱۴۰۸ھ

مدرسہ کی جائداد بیچ کر سودی کاروبار میں لگا کر سود سے اسکول چلانا

سوال: ہمارے آبائی قصبہ (ہندوستان) میں تقریباً سو سال قبل (موجودہ پاکستان) کے ضلع ہزارہ سے آئے ہوئے ایک بزرگ -جو جید عالم اور متقی تھے- کے ایماء پر قصبہ والوں نے ایک دینی درسگاہ کی بنیاد ان کی سرپرستی میں رکھی، قصبہ کے بڑوں نے جنوبی افریقہ کے قصبے کے ان باشندوں کی جنھوں نے جنوبی افریقہ کو اپنا وطن بنالیا تھا، اس کی اطلاع دے کر چندہ کے لیے لکھا، مقامی باشندوں نے ایک خطیر رقم

جمع کرکے ایک جائداد مدرسہ کے اخراجات کے لیے خریدلی۔ پہلی ہی جماعت درس نظامی سے فارغ ہوئی تھی کہ وبائی مرض پھیلا، اوراس بزرگ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا، ان کے بعد کوئی عالم مدرسہ کو جاری رکھ سکے ایسا نہیں ملا، تو مدرسہ نے اسکول کی شکل اختیار کرلی، آج وہ عالی شان اسکول کی شکل میں موجود ہے۔ مدرسہ کی موجود عمارت کو فروخت کرکے اس کا سرمایہ سودی کاروبار کرنے والے ادارہ میں لگادیا، اس وقت سود سے بڑی اچھی آمدنی ہوتی ہے جو ہندوستان کے اسکول پر خرچ ہوتی ہے، پڑھانے والے ٹیچروں کو اور علماء کی تنخواہ سود کی آمدنی سے دی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل امور دریافت طلب ہیں:

① مدرسہ کی جائداد کو فروخت کرکے اسکول پر خرچ کرنا جائز ہے؟

② جائداد کی آمدنی کو سود کے کاروبار میں لگانا جائز ہے؟

③ جن لوگوں نے جائداد کو فروخت کرکے رقم سودی کاروبار میں لگائی، ان کا یہ عمل ٹھیک تھا؟

④ کیا عند اللہ جن ٹرسٹیوں نے مدرسہ کی رقم کو اسکول پر خرچ کیا اور کررہے ہیں، مواخذہ ہوگا یا نہیں؟

⑤ اگر مواخذہ ہوگا تو نوعیت کیا ہوگی؟

⑥ موجودہ ٹرسٹیان بھی اسی روش پر قائم رہے، تو وہ بھی عند اللہ ماخوذ ہوں گے یا نہیں؟

⑦ ایسی کسی تنظیم کا ممبر بننا جو سودی کاروبار میں تنظیم کا سرمایہ لگائے، جائز ہے یا نہیں؟ کئی سال سے قصبے میں دینی درسگاہ قائم ہوچکی ہے۔

⑧ سنینِ سابقہ میں جو کارروائی شریعت مقدسہ کے خلاف ہوئی، اس کی

اصلاح کی کیا صورت ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① جو جائداد مدرسے کے اخراجات کے لیے چندہ کی رقم سے خریدی گئی تھی، اگر خریدنے کے بعد اس جائداد کو باقاعدہ وقف بھی کیا گیا تھا، تو اس کی بیع شرعاً باطل ہے، اور اگر وقف نہیں کیا گیا تھا تب بھی چوں کہ یہ جائداد مدرسہ کے اخراجات کے لیے خریدی گئی تھی؛ اس لیے اس کی آمدنی کو اسکول پر خرچ کرنا جائز نہیں۔

② سودی کاروبار میں سرمایہ لگانا کسی حال میں جائز نہیں، چاہے وہ سرمایہ ذاتی ہو یا مدرسہ کا۔

③ جائداد کو فروخت کر کے اس کی رقم سودی کاروبار میں لگانا حرام اور ناجائز تھا اور ہے۔

④ مدرسہ کی رقم کو اسکول پر خرچ کرنا جائز نہیں، جو لوگ ایسا کر رہے ہیں وہ عند اللہ مجرم ہیں، اور اپنی اس حرکت کی وجہ سے تولیت کے اہل نہیں رہے، ساتھ ہی انھوں نے جتنی رقم مدرسہ کی اسکول پر خرچ کی ہے شرعاً وہ اس کے ضامن ہیں۔

⑤ اوپر نمبر ۴ر میں اس کا جواب آچکا۔

⑥ موجودہ ٹرسٹی بھی حقیقتِ حال سے واقف ہوتے ہوئے یہ کام کر رہے ہیں، تو ان کے لیے بھی وہ حکم ہے جو نمبر ۴ر میں بتلایا گیا۔

نوٹ: آپ نے تمہید میں جو تفصیل لکھی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ، مدرسہ کی جائداد کو فروخت کرنے سے جو رقم حاصل ہوئی تھی خود اس رقم کو اسکول پر خرچ نہیں کیا جا رہا ہے؛ بلکہ وہ رقم تو سودی کاروبار کرنے والے ادارہ میں جمع ہے؛

البتہ جو سود آرہا ہے اس کو اسکول پر خرچ کیا جارہا ہے؛ اس لیے یہ کہنا درست نہیں کہ مدرسہ کی رقم اسکول پر خرچ کی گئی؛ لہٰذا صورت مسئولہ میں یہ تمام تصرفات شرعاً ناجائز اور حرام ہونے اور ان کا ارتکاب کرنے والے ٹرسٹیوں کے عند اللہ مجرم اور گنہ گار ہونے کے باوجود ضمان والا حکم ان ٹرسٹیوں پر لاگو نہیں پڑے گا؛ بلکہ جو رقم (جائداد کی قیمت والی) سودی ادارہ میں جمع ہے اس کو وہاں سے نکلوا کر دوبارہ کوئی جائداد خریدی جائے، اور اس کی آمدنی کو مدرسہ کے اخراجات میں خرچ کیا جاوے۔

⑦ سودی کاروبار میں حصہ لینا (چاہے وہ کسی تنظیم کی ممبری کی شکل میں ہو یا انفرادی حیثیت سے)، شرعاً ناجائز اور موجب وعید ہے۔

اس سوال میں آپ کا یہ جملہ ''کئی سال سے قصبہ میں دینی درسگاہ قائم ہوچکی ہے'' سمجھ میں نہیں آیا؛ نیز اس جملہ سے آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں یہ بھی سمجھ میں نہیں آیا۔

⑧ اوپر جواب نمبر ۶/ کے آخر میں جو نوٹ لکھا گیا ہے، اس میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ ذوالقعدہ ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مدرسہ کے کمپاؤنڈ میں کمپیوٹر کلاس اور شفاخانہ بنانا

(سوال): ایک ادارہ جو مدتِ دراز سے دینی تعلیم (نصاب عالم وفاضل) کے ساتھ ساتھ دنیوی تعلیم کی خدمت انجام دے رہا ہے، طلبہ، مدرسین اور اسٹاف کے جملہ سہولیات کے ساتھ ساتھ درسگاہیں، اسکول اور دیگر متعلقاتِ ادارہ ساری

ضروریات بحمد اللہ فراہم ہوچکی ہیں۔ اب اربابِ انتظام کا ارادہ ہے کہ اس قطعۂ اراضی میں طلبہ کے لیے کمپیوٹر کلاس جاری کیا جائے؛ تاکہ طلبا کو دینی تعلیم کے ساتھ مزید دنیوی ہنر حاصل کرنے کا موقع فراہم ہوجائے، مزید براں ایک شفاء خانہ بہ شکلِ اسپتال اراضئ مدرسہ میں تعمیر کرنے کا ارادہ ہے، جس سے مقصد طلبہ، مدرسین اور اسٹافِ مدرسہ کے علاج ومعالجہ کے ساتھ ساتھ عوام المسلمین کو بھی استفادہ کا موقع فراہم کرنا ہے، تو کیا مذکورہ بالا مقاصد کے پیش نظر کمپیوٹر کلاس اور شفاخانہ مدرسے کے کمپاؤنڈ میں بنانے کی اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

وہ قطعۂ اراضی اگر وقف ہے اور واقف نے جہتِ وقف متعین کر رکھی ہے، تو اس کے علاوہ دوسری جہت میں اس کا استعمال درست اور جائز نہیں ہے۔

لأن شرط الواقف كنص الشارع.

اور اگر وہ وقف عام ہے کہ مدرسہ کی انتظامیہ مدرسے کی جس ضرورت میں استعمال کرنا چاہے اس کو اختیار دیا گیا ہے، یا وہ زمین مدرسے کی چندہ کی رقم سے خریدی گئی ہے، تو طلبۂ مدرسہ کے لیے اس میں کمپیوٹر کلاس جاری کیا جاسکتا ہے، اور ایسا شفاخانہ جس کی خدمات طلبۂ مدرسہ اور مدرسین اور عملۂ مدرسہ تک محدود ہوں، تعمیر کیا جاسکتا ہے، عوام مسلمین کو اس میں استفادہ کا موقع دینا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴؍ربیع الاول ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مدرسے کے لیے خریدی ہوئی زمین بیچ کر دوسری زمین خریدنا

سوال: الجامعۃ الاسلامیہ دار العلوم لنکاشایر، یو کے (بولٹن) ۱۹۹۳ء میں وجود میں آیا، جس کی عمارت میں ایک ہسپتال تھا، عوام الناس سے پوری رقم ۷۵۵۰۰۰۰ (پچہتر لاکھ پچاس ہزار) قرضِ حسنہ کے طور پر لے کر یہ ہسپتال خریدا گیا، حالات نے کروٹ بدلی اور اس جگہ کی قیمت ۳۷۰۰۰۰۰ (سینتیس لاکھ) اس وقت مارکیٹ میں آرہی ہے، اراکینِ مدرسہ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس جگہ کو بیچ کر کوئی دوسری جگہ خریدی جائے، مذکورہ بلڈنگ پر ابھی تک دس فی صد سے کم قرضِ حسنہ باقی ہے جو ادا کرنا ہے؛ بلکہ دوسرے عوارضات بھی درپیش ہیں، مثلاً مقامی بلدیہ کی طرف سے متعصّبانہ رویہ، نیز مقامی لوگوں کی طرف سے طلبا اور اساتذہ کے لیے متنفرانہ رویہ، جس کے نتیجہ میں مدرسہ اُن تمام کاموں کے کرنے میں مشکلات کا شکار ہے، جن کا پورا کرنا نہ صرف قانونی لحاظ سے ضروری ہے؛ بلکہ انسانی ہمدردی کے اعتبار سے بھی ضروری ہے، مثلاً کھیلنے کے لیے میدان وغیرہ، اسی طرح مسجد و مدرسہ کی توسیع کا مسئلہ بھی درختوں کی کثرت کی وجہ سے متنازع فیہ بنا ہوا ہے (یہاں درختوں کو کاٹنے کی اجازت مشروط ہوتی ہے) ایسے حالات میں کیا ہم دار العلوم کی موجودہ اور مذکورہ بلڈنگ کو بیچ کر دوسری جگہ خرید سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

مدرسہ کے لیے خرید کردہ اُس عمارت اور جگہ کو بعد میں باقاعدہ وقف کر دیا گیا تھا، تو اب اس کو بیچ کر دوسری جگہ خریدنا جائز نہیں ہے، اور اگر مدرسہ کی غرض سے خرید فرما کر تعلیمی سلسلہ شروع کر دیا گیا تھا؛ لیکن باقاعدہ وقف نہیں کیا گیا تھا تو مصالحِ

مدرسہ کے پیشِ نظر اس کو فروخت کر کے دوسری مناسب جگہ خریدی جا سکتی ہے۔ (ماخوذ از فتاوی محمودیہ ۱۲/ ۲۱۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ رجب ۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مدرسہ کو قیمتاً زمین بیچ کر بعد میں تبادلہ میں زمین پر دعوی کرنا

سوال: زید نے (ایک مدرسہ عربیہ کے ناظم مہتمم) ایک قطعہ اراضی ۱۳۱/ سو گز کی واقع لب سڑک مدرسہ عربیہ کے نام ۱۹۶۸ء میں بیع کی، اور اس کی قیمت وصول کر لی، اسی دوران زید نے موہن وغیرہ سے ایک قطعہ اراضی مدرسہ عربیہ کے نام خریدا، (بدل میں اپنی صحرائی جائیداد موہن وغیرہ کو بیع کی) جس سے مدرسہ و مسجد تعمیر ہو چکے ہیں، پھر ایک قطعہ اراضی مدرسہ عربیہ کے نام سے ۱۹۷۲ء میں خریدا، اور اس میں مدرسہ نے اپنی تعمیر بھی کی، ناظم کی ہی فراہم کردہ ہیں، انہیں کا اقرار ہے کہ ۱۹۷۲ء والی جائیداد کی آمدنی ۱۹۸۱ء تک میں مدرسہ کو دیتا رہا، بعد میں میں خود رکھتا رہا، اس پلاٹ کو لکڑی کی تال والے کو کرایہ پر دے رکھا تھا، جو آمدنی اس اراضی سے ہوئی وہ ۱۹۸۱ء تک مدرسہ عربیہ کو ملتی رہی اس قطعہ اراضی میں سے ۱۹۸۱ء میں زید نے ۵۵۰/ گز اراضی واقع لبِ سڑک اپنے لڑکوں کے نام بیع کر دی، اور اس میں ۱۱/ دکانیں تعمیر کر لیں، باقی اراضی مدرسہ عربیہ کے نام ہی رہی۔

بعد ازاں اعتراض ہوا کہ مدرسہ عربیہ کی جائیداد کو زید نے اپنے لڑکوں کے نام کیوں بیع کیا؟ اور چند افراد نے غبن کا مقدمہ دائر کر دیا، اس سے متاثر ہو کر زید نے

ایک خصوصی میٹنگ قصبہ و دیہات کی اگست ۱۹۸۷ء میں منعقد کی، جس میں زید نے اعلان کیا: جس وقت میں نے اپنی ۱۳۱/ سوگز اراضی مدرسہ عربیہ کے نام بیع کی تھی، میری نیت اراضی کے بدلہ اراضی لینے کی تھی، اور اب تو میں نے ۵۵۰/ گز اراضی ہی لی ہے، میں نے تو اپنی صحرائی جائیداد بھی مدرسہ کی تعمیر اور ترقی کے لیے فروخت کر دی ہے، میری مذکورہ بالا جائیداد میں تقریباً ۳۰/ دکانیں تعمیر ہوئیں۔

زید نے جس وقت پہلی اراضی مدرسہ عربیہ کے نام بیع کی، اس وقت نہ تو کوئی تحریر مدرسہ ہذا کو دی کہ میں بعد میں اراضی کے بدلہ اراضی لوں گا، اور نہ ہی کوئی اعلان کیا، اور نہ ہی کوئی گواہ، نہ ہی زید نے ۱۹۸۱ء میں اراضی کو اپنے لڑکوں کے نام بیع کرنے سے قبل کوئی عمومی اعلان کیا کہ میں اراضی کے بدلہ اراضی لے رہا ہوں۔

میٹنگ مذکورہ میں موجودہ افراد نے زید کی نیت کا اعتبار اور خدمت کا اعتراف کرتے ہوئے، زید نے جو اراضی مدرسہ عربیہ کی اپنے لڑکوں کے نام بیع کی تھی، اس کو زید کے لڑکوں کے نام پر ہی رہنے کی رضامندی ظاہر کی، اور مدعیان پر دباؤ دے کر مقدمہ واپس کرانے کی ذمہ داری قبول کی۔

(۱) کیا شرعی حیثیت سے مدرسہ عربیہ کی ملکیت مذکورہ بالا اراضی میں ہو گئی؟

(۲) خرید و فروخت کے بعد نیت کا اعتبار کیا جا سکتا ہے؟

(۳) ناظم یا عوام کو مدرسہ کی اس مملوکہ موقوفہ جائیداد فروخت کرنے کا شرعی جواز ہے؟

(۴) کیا خصوصی میٹنگ میں موجودہ اقرار رضامندی کی کوئی شرعی حیثیت ہے؟ اگر نہیں ہے تو اس کی تلافی کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① جو اراضی مدرسہ کے لیے خریدی گئی اس میں مدرسہ کی ملکیت ثابت ہوگئی۔

والملك يثبت للموكل ابتداءً في الاصح. (درمختار مع الشامی ٤/٤٤٧)

② بوقتِ بیع جو ثمن مقرر کیا گیا وہی ثمن ٹھہرے گا، اور اس میں بائع کی ملکیت ثابت ہوچکی۔

(قوله وحكمه ثبوت الملك) أي في البدلين لكل منهما في بدل (شامی ٤/ ٦) بعد میں بائع کا یہ دعویٰ کہ ''میری نیت اراضی کے بدلہ اراضی لینے کی تھی'' اس کا اعتبار نہیں ہے۔

اولاً تو اس لیے کہ جو چیز بطورِ ثمن طے کی جائے وہی ثمن ٹھہرتی ہے، اور صورتِ مسئولہ میں ۱۹٦۸ء میں بائع نے جو اراضی مدرسہ کے نام بیع کی تھی اس کے ثمن میں اراضی کو مقرر نہیں کیا گیا تھا؛ بلکہ نقد ثمن تھا جس کو بائع وصول کر چکا ہے۔

ثانیاً اس لیے کہ بائع (مدرسہ کی) جس اراضی کو اپنی اراضی کا ثمن قرار دینے کا مدعی ہے، وہ اراضی بوقتِ بیع مدرسہ کی ملکیت میں نہیں تھی، اس لیے کہ بائع نے اپنی اراضی مدرسہ کو ۱۹٦۸ء میں فروخت کی ہے، اور مدرسہ کی جس اراضی کے ثمن ہونے کا مدعی ہے وہ اراضی مدرسہ کی ملک میں ۱۹۷۲ء میں آئی۔

وبيع ماليس فى ملكه لبطلان بيع المعدوم وماله خطر العدم (درمختار)

(قوله وبيع ماليس فى ملكه) فيه انه يشمل بيع ملك الغير بوكالة أو بدونها؛ مع أن الأول صحيح نافذ، والثانى صحيح موقوف، وقد يجاب بأن المراد بيع ما سيملكه قبل ملكه له، ثم رأيته كذلك في الفتح في

أول فصل بيع الفضولي، وذكر أن سبب النهي في الحديث ذلك (شامی ٤ / ١١٨)

نیز ایسی نیت کا اعتبار کر لینے کا حاصل یہ ہوا کہ سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا؛ اس لیے کہ مثلاً ایک آدمی نے مدرسہ کو اینٹیں فروخت کیں، اور اس کی قیمت وصول کرلی، اس کے بعد ایک مدت گزرنے پر وہ یہ دعویٰ کرنے لگے کہ میری نیت تو ان اینٹوں کے عوض مدرسہ کا فلاں قطعۂ اراضی لینے کی تھی تو کیا اس کی اس نیت کا اعتبار کر لیا جائے گا؟ ظاہر ہے کہ جواب نفی میں ہے۔

③ جو اراضی یا جائیداد اس کے مالک نے ابتداءً وقف کی ہو، اس کا بیچنا جائز اور درست نہیں۔

"فإذا تم، ولزم، لا يملك ولا يملك (درمختار) (قوله لا يملك) اى لا يكون مملوكا لصاحبه، ولا يملك اى لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه". (شامی ٣ /٤٠٢)

البتہ جو وقف کی ضرورت کے لیے خریدی گئی تھی، اس کو بوقتِ ضرورت و مصلحت متولیٔ وقف بیچنا چاہے تو اس کی بیع کے درست ہونے کا بھی قول موجود ہے۔

اشترى المتولى بمال الوقف دارا للوقف، لا تلحق بالمنازل الموقوفة، ويجوز بيعها في الأصح؛ لأن للزومه كلاما كثيراً، ولم يوجد ههنا. (درمختار) (قوله يجوز بيعها في الأصح) في البزازية بعد ذكر ما تقدم: وذكر أبو الليث في الاستحسان: يصير وقفا، وهذا صريح في أنه المختار اه رملى قلت: وفي التاتارخانية: والمختار أنه يجوز بيعها إن احتاجوا إليه. (شامی ٣ /٤٤٥)

④ جب یہ معلوم ہو چکا کہ ایسی نیت کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں تو پھر میٹنگ میں موجود حضرات کی رضامندی سے کیسے کام چلے گا؟ اس کی تلافی کی صورت یہ ہے کہ

جن حضرات نے اس میٹنگ میں شریک ہوکر رضا مندی کا اظہار فرما کر اتفاق ظاہر کیا تھا، وہ اپنی ناراضگی کا اعلان کردیں، اور اپنے اس فعل سے تائب ہوں، اسی طرح جن حضرات نے مقدمہ واپس کھینچوانے کی ذمہ داری قبول فرمائی تھی، وہ اپنی اس ذمہ داری سے دست کش ہوجائیں اور تائب ہوں؛ اس لیے کہ ارشاد خداوندی ہے:
﴿ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان﴾ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ

ذاتی زمین میں مدرسہ تعمیر کیا، مالک کون؟

سوال: ایک شخص عثمان اور ان کی اہلیہ ان سے تین اولاد: دولڑکے اور ایک لڑکی، تینوں کی شادیاں ہوچکی ہیں، بڑا لڑکا زید، چھوٹا لڑکا بکر، زید نے اپنے والد سے ایک مرتبہ کہا کہ ہم ایک انگریزی مدرسہ شروع کرنا چاہتے ہیں، بیوی پڑھی لکھی ہے اور گھر میں ایسا کوئی خاص کام یا مصروفیت نہیں ہے، لہٰذا ہمیں کچھ کمروں کی ضرورت ہوگی مدرسہ چلانے کے لیے، باقی اوقات میں گھر کا کام بھی ہوگا، والد عثمان نے جواب دیا کہ اگر تمہیں اتنی ہی خواہش ہے تو بیوی کو کسی مدرسہ میں نوکری کرادو، گھر میں مدرسہ کھولنے کی ضرورت نہیں؛ مگر زید نے ایک دن مدرسہ قائم کرنے کی غرض سے ایک سوسائٹی بنائی اور قانوناً رجسٹریشن کرائے، سوسائٹی بنانے کے لیے کم از کم سات اشخاص چاہیے تھے تو زید نے اپنے ایک رشتہ کے ماموں کو صدر (president) خالد کو نائب صدر (vice president) چھوٹے بھائی بکر کو معتمد اور بہنوئی کو خزانچی، نسبتی بھائی یعنی بیوی کے بھائی کو رکن اور ایک صاحب جو کوئی قریبی رشتہ دار نہیں ہیں رکن اور ایک

ماموں کے خسر صاحب کو رکن، متعلقہ دفتر آفس کو تحریر میں دیا جاتا ہے کہ اس سوسائٹی کے ممبروں میں کوئی بھی ایک دوسرے کا رشتہ دار نہیں ہے اور نہ ہی کوئی خونی رشتہ ہے، اور نہ متعلقہ آفس والے اس سوسائٹی کو تسلیم کریں گے، زید کا یہ کہنا ہے کہ یہ مدرسہ قوم کی خدمت اور فلاح و بہبود کی غرض پر قائم کیا گیا ہے، شروع میں کچھ سال کسی سے کوئی امداد نہیں لی گئی؛ مگر اب پچھلے کچھ سالوں میں بطور امداد روپئے وصول کئے جاتے ہیں، اور اکثریت اس میں ایسے لوگوں کے بچوں کو داخلہ دیا جاتا ہے جو ان کی مطالبہ رقم کو ادا کریں، شاذ و نادر کوئی ہوں جنہیں بغیر امداد لیے داخلہ دیا جاتا ہے، مدرسہ میں جتنے بھی تقررات ہوئے ہیں تمام کے تمام زید اور ان کی اہلیہ نے کئے ہیں کہ شروع میں تین چار سال سوسائٹی کے کچھ ارکان انٹرویو لینے کے لیے شرکت کرتے تھے جو برائے نام حاضر ہوتے تھے، اب تو زید کو کسی رکن کے شرکت کی یا اس کے دستخط کی کوئی ضرورت نہیں ہے، جب بھی ارکان میں سے کسی کو دستخط کی ضرورت ہوتی ہے زید خود کر لیتے ہیں، زید کی اہلیہ بھی مدرسہ میں بطور استانی کی حیثیت سے کام کرتی ہے، دراصل سب کچھ زید کی اہلیہ کے اشارے پر کام ہوتا ہے وہ جس کو چاہتی ہے تقرر کرتی ہے، جس کو چاہتی ہے نکال دیتی ہے، جب ارکان نے بھی یہ سارا تماشہ دیکھ لیا تو خاموشی اختیار کر لی، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ زید اور ان کی اہلیہ کو بھی اتنا ہی چاہیے تھا، اب اسی سال ۱۹۹۲ء سے ہشتم کی جماعت شروع ہوگئی، اشتہار سے ایسا پتہ چلتا ہے کہ اس جماعت کی تعلیم بھی مخلوط ہوگی، یعنی لڑکے اور لڑکیاں دونوں ایک جماعت میں بیٹھ کر تعلیم حاصل کریں گے، یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ ہمارے اس شہر گلبرگہ میں سے پرانا انگریزی مدرسہ جس کو (انگریزی) مجوسی چلاتے ہیں، جن کا اہم مقصد ہی یہ ہے کہ ہر

قوم ومذہب کے ماننے والے ان کی تقلید کریں، اس مجوسیوں کے مدرسہ میں کچھ سال قبل بہت ہی شرمناک واقعات کہئے یا حادثات ہوئے، اس طرح لڑکے اور لڑکیوں کا بیت الخلاء جانے کے بہانہ جماعت سے جانا اور پھر انسانیت سے گری ہوئی حرکتوں اور ناپاک اعمال میں ملوث ہونا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان مجوسیوں کو غیرت اور شرم محسوس ہوئی، اور انہوں نے اس بات کا فیصلہ کر دیا کہ اب ہم ہمارے مدرسہ میں صرف لڑکیوں کا داخلہ کریں گے اور لڑکوں کا داخلہ کیا جائے گا؛ مگر لڑکے صرف پنجم یعنی پانچویں جماعت تک پڑھ پائیں گے، اس کے بعد اس مدرسہ سے دوسرے مدرسہ کو جانا ہوگا، اور اس پر وہ لوگ سختی سے عمل کر رہے ہیں۔

عثمان بھائی کی جائیداد تین حصوں میں ہے جیسا کہ نقشہ میں بتایا گیا ہے، خاندان کے تمام افراد ''ت'' حصہ میں رہتے ہیں، مدرسہ شروع کرتے وقت زید کا مطالبہ تھا کہ (ب) کا حصہ دیا جائے، اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں رہے گی، والد عثمان نے ناراضگی کے ساتھ ہاں کہہ دیا، اور آگے یوں کہہ دیا کہ آئندہ اور ضرورت محسوس ہوگی تو اس سے اندیشہ ہوتا ہے کہ تم جائیداد پر اس طرح اپنا قبضہ جمانا چاہتے ہیں، مدرسہ شروع کرنے کے کچھ سال بعد واقعی زید اور ان کی اہلیہ کو مزید کمروں کی ضرورت ہوئی، اور (ب) حصہ کی جگہ ناکافی ہونے لگی تو انہوں نے (الف) کے حصہ میں رہنے والے کرایہ داروں کو خالی کرانا شروع کیا، اس دوران میں والد عثمان پر بیماری کا ایک بہت ہی شدید حملہ ہوا، اور اس وقت سے آج تک ذہنی توازن ٹھیک نہیں ہے، اور نہ ہی کچھ یاد رہتا ہے، اس کے بعد زید نے ایک دن یوں کہا کہ (الف) کے حصہ کو توڑ کر وہاں پر نئی تعمیر کریں گے، اس بات کا مشورہ زید نے اپنی والدہ سے اور بھائی بکر سے کیا،

اور کہا کہ اس طرح مکان بھی اچھا بن جائے گا، اور کل کے روز خالی بھی کریں گے تو دوسرے کرایہ دار آسانی سے آجائیں گے، اور کرایہ بھی معقول ملے گا تو دونوں نے بھی فرداً فرداً تسلیم کرلیا، اسی اثناء میں کچھ زمین خریدی گئی، اور زید نے بذات خود کہا کہ یہ مدرسہ کی جگہ ہے اور یہاں مدرسہ قائم کریں گے، جو زمین خریدی گئی اس کے کاغذات مدرسہ یا سوسائٹی کے نام پر نہیں ہے؛ بلکہ زید نے اپنی اہلیہ کے ایک بھائی کے نام پر کاغذات بنالیے ہیں، پھر کچھ عرصہ بعد مزید تعمیر شروع کرنا چاہتے تھے، اس وقت زید نے یوں کہا کہ تعمیر پر جو کچھ خرچ ہو رہا ہے اس کا میں نے پورا حساب رکھا ہے؛ تاکہ کل کے روز ایسی کوئی ضرورت پیش آئی تو پیش کرسکوں، جب یہ الفاظ چھوٹے بھائی بکر نے سنے تو زید سے کہا کہ مزید تعمیر نہ کریں، چوں کہ اس کا حق نہ تم کو ہے، نہ مجھ کو؛ مگر زید نے اس پر عمل نہیں کیا؛ بلکہ یوں کہا کہ اب تعمیر کا سامان آچکا ہے، اب کچھ نہیں کرسکتے، دوسری بات یہ کہ جو جگہ مدرسہ کے لیے خریدی گئی ہے وہاں راستہ ٹھیک نہیں ہے، اگر وہاں مدرسہ منتقل کیا گیا تو کوئی داخلہ نہیں کرائیں گے، اور ہوسکتا ہے کہ جو داخلہ ہوئے ہیں وہ بھی دوسرے مدرسوں کو چلے جائیں وغیرہ، اس مدرسہ کی سوسائٹی کے بعض ارکان نے کہا کہ ہمارے نام سوسائٹی سے نکال دیجیے، کسی اور کو بنائیے یا کچھ بھی کریئے، زید کہتے تو ہیں، ٹھیک نکال دیں گے؛ مگر آج تک اس پر عمل نہیں ہوا۔

اس سوسائٹی کے اصولوں میں سے ایک اصول یہ بھی ہے کہ خواہش مند حضرات کوئی اس سوسائٹی کی فلاح وبہبود کے لیے رکن بننا چاہیں تو مقرر کردہ فیس دے کر رکن بن سکتے ہیں؛ مگر دس سال کے عرصہ میں آج تک مزید رکن کا بھی اضافہ نہیں ہوا، اور اب

یہ بات کہی جاتی ہے کہ سوسائٹی کو بدل کر اب ٹرسٹ بنائیں گے؛ تاکہ کسی کو مداخلت کا موقع نہ ملے، اس سال یعنی ۱۹۹۲ء سے جماعت ہشتم شروع کرنے کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ہمارے مدرسہ کے لڑکے اور لڑکیاں کامیاب ہوکر جب ہشتم میں داخلہ کی غرض سے دوسرے مدرسہ کو رجوع ہوتے ہیں، تو انہیں آسانی سے داخلہ نہیں ملتا، اگر ہم خود دہم جماعت تک جماعتیں رکھیں گے تو طلبہ وطالبات اس پریشانی سے محفوظ رہ سکیں گے، ذیل میں کچھ سوالات ہیں ان کے جوابات شرعی احکام اور بہتر ہوگا حوالہ کے ساتھ دیں۔

زید کا والد عثمان کی مرضی کے خلاف مدرسہ شروع کرنا، اور پھر پہلے جن کمروں کا تذکرہ ہوا تھا اس سے مزید کمروں کو مدرسہ کے استعمال میں لانا، اور پھر (الف) حصہ کی جدید تعمیر کرنا کیسا ہے؟ اور اس کا بھی صحیح علم زید کے سوا اور کسی کو نہیں ہے، (مراد ارکان) ہے کہ اس تعمیر میں روپیہ پیسہ کہاں کہاں سے لے کر لگایا گیا ہے؟

کیا زید اور ان کی اہلیہ کو کوئی حق ہے کہ تمام ارکان کو نظر انداز کر کے مدرسہ وہ اپنی مرضی کے موافق چلائیں؟

ایسے حالات میں جملہ ارکان کی کیا ذمہ داری ہے؟ تمام ارکان خاموشی اختیار کئے ہیں، کیا ان ارکان سے کل قیامت کے دن اس بارے میں مواخذہ نہ ہوگا؟

جدید تعمیر جو ہوئی وہ جائیداد کس کی کہلائے گی؟ زید کا یہ کہنا کہ اب مجھے سہولت ہے اور اب میں تعمیر کر سکتا ہوں، جب بھی تقسیم کا مسئلہ آئے گا میرے حصہ میں کچھ نہ کچھ تو آئے گا، جب کہ زید کو اس بات کا بھی علم ہے کہ جس جگہ تعمیر کی گئی وہ حصہ والد عثمان اپنی لڑکی کو دینے کا ارادہ رکھتے ہیں، زید کا اس طرح عمل کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مکان اور زمین زید کے باپ عثمان کی ملک ہے، تو زید نے اس مسیں جو کچھ تعمیرات کرائی ہیں، وہ اگر عثمان کی اجازت سے ہے تو یہ عاریت شمار ہوگی، اور اس کے احکام جاری ہوں گے۔ مدرسہ شروع کرنے سے پہلے اس کے لیے جو دستور العمل انہوں نے وضع کیا تھا اگر اس میں کوئی خلاف شرع چیز نہیں ہے تو وہ اس دستور کے پابند ہیں، اس کے خلاف نہیں کر سکتے۔ اگر اراکین کے اعتماد کی بنیاد پر عوام نے زید پر اعتماد کیا ہے تو ان اراکین کے لیے خاموشی درست نہیں ہے؛ بلکہ ان کو چاہیے کہ عوام کے سامنے صحیح صورت حال واضح کر دیں۔ زمین تو زید کے والد عثمان کی ہے اور تعمیر مدرسہ کی ملک ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۲ھ

مدرسہ کی زمین بیچنا

سوال: مدرسہ ہذا کی زمین جس پر مدرسہ قائم ہے، چند سال قبل چندہ کر کے خریدی گئی تھی، اور اس سے مقصد یہ تھا کہ یہ زمین خالصۃً للہ اشاعتِ دین یعنی تعلیم وتبلیغ و دینی مقاصد کے لیے ہی خریدی تھی، درمیان میں اس زمین کا ناپ کروایا یعنی طول وعرض (لمبائی چوڑائی) کی پیمائش کی تو پڑوسیوں میں ایک بیگھے کے قریب زمین نکلی، اس پر پڑوسیوں کا قبضہ ہے، اس میں سے نصف زمین پر ایک پڑوسی قابض ہے، چھوٹا سا اس کا مکان، دکان کا ڈھانچہ کھڑا ہے، وہ پڑوسی اس مقبوضہ زمین کو مدرسہ کے حوالہ کرنا چاہتا ہے، اس کا کہنا یہ ہے کہ اس مقبوضہ زمین کی قیمت لے لی جائے اور

مدرسہ دست بردار ہو جائے، اور وہ پڑوسی کہتا ہے کہ میں نے ایک عالم سے پوچھا ہے کہ مدرسہ کی زمین فروخت ہو سکتی ہے، مسجد کی زمین فروخت نہیں ہو سکتی ہے۔

لہٰذا سوال یہ ہے کہ ہم ذمہ دارانِ مدرسہ اس پڑوسی کے بقول مدرسہ کی مقبوضہ زمین کی قیمت لے کر اس پڑوسی کو بیچ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

''فتاویٰ محمودیہ'' میں ہے: جو عمارت چندہ کر کے بنائی گئی ہو وہ ابھی وقف نہیں ہوئی جب تک اس کو وقف نہ کر دیا جائے۔ (۱۲/ ۲۱۵)

اس لیے آپ نے جو زمین دینی مقاصد کے لیے خریدی تھی اس کو اگر باقاعدہ وقف بھی کر چکے ہیں تب تو پڑوسی کے قبضہ میں جتنی زمین ہے اس سے اس کی قیمت لے کر مدرسہ کا اس زمین سے دست بردار ہو جانا جائز اور درست نہیں، اور اگر باقاعدہ وقف نہیں کیا گیا تو درست اور جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مدرسہ کی جگہ فروخت کرنا

سوال: ایک جگہ ہے جسے مدرسہ کے نام سے لیا گیا اور اس میں تقریباً تین سال بچوں کی تعلیم ہوئی بعد ازاں مدرسہ بند ہو گیا اور اب بند پڑا ہے ممبران مدرسہ اس زمین کو بیچنا چاہتے ہیں تو اس کا بیچنا جائز ہے اگر جائز ہے تو اس زمین سے حاصل شدہ رقم کو کیسے استعمال کریں نیز خریدنے والا اس جگہ کو رہائش کے طور پر استعمال کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اس جگہ کو خریدنے کے بعد مدرسہ کے لیے وقف کیا گیا تھا تو اس کا بیچنا جائز نہیں اور اگر اس کو وقف نہیں کیا گیا بلکہ وقف کیے بغیر مدرسہ کے استعمال میں لایا گیا تو اب اس کو فروخت کرنا اور دوسرے آدمی کا اس کو خرید کر اپنی ضروریات میں استعمال کرنا درست ہے اس صورت میں اس کو فروخت کرنے سے جو رقم آئی ہے وہ دوسری جگہ مدرسہ ہی کے قیام کے لیے استعمال کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۲۰/رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مکتب اور مدرسے کی زمین کا تبادلہ کرنا یا اجارہ پر دینا

سوال: دارالعلوم جامعہ.......... کی درسگاہ کے آگے کے حصہ میں مکتب کی زمین ہے، اب سوال یہ ہے کہ سامنے کے مکتب کی زمین دارالعلوم میں دے دیں، اور ڈیڑھ گنی زمین اس کے عوض پیچھے کے حصہ میں دارالعلوم کی زمین مکتب میں دے دی جائے، تو کیا شرعاً اس کی اجازت ہے؟

شقِ دوم یہ ہے کہ: مکتب کی اتنی زمین جو دارالعلوم میں دی جارہی ہے سالانہ اس کا کرایہ طے کرلیا جائے، اور اہلِ مکتب کو سالانہ کرایہ دے دیا جائے، ھکذا مکتب اتنا کرایہ سالانہ جامعہ زکریا کو دے دے۔ ہر دو شق میں کونسی صورت جواز کی ہے اور کونسی عدم جواز کی ہے؟ وضاحت فرما کر مشکور ہوں۔

نوٹ: مکتب کی زمین سڑک سے متصل ہے، اور جامعہ زکریا کی درسگاہ میں

جانے کے لیے درمیان میں مکتب کی زمین پڑتی ہے، اور مکتب کی زمین کے چاروں طرف جامعہ زکریا کی زمین ہے، نیز دار العلوم جامعہ زکریا اور مکتب دونوں کی زمین وقف ہیں، اور دونوں کے ذمہ داران بھی علاحدہ ہیں، دار العلوم ڈیوڑھی (ڈیڑھ گنی) زمین اس لیے دے رہا ہے کہ مکتب کی زمین لبِ سڑک ہونے کی بنا پر قیمتی ہے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

دونوں زمینیں چوں کہ وقف ہیں، اس لیے ان کو فروخت کرنا یا آپس میں تبادلہ کرنا درست نہیں ہے۔ سوال میں اس بات کی تصریح نہیں ہے کہ واقف نے وہ زمین کس کام کے لیے وقف کی ہے، اگر مدرسہ یا مکتب کے واسطے عمارت بنانے کے لیے وقف کی ہے تو کرایہ پر دینا بھی درست نہیں ہے، اور اگر کرایہ پر دے کر اس کی آمدنی مدرسہ یا مکتب پر خرچ کرنے کے لیے وقف کی ہے تو ایسی زمین کا جو کرایہ عام طور پر آ سکتا ہے اتنی مقدار پر کرایہ پر دی جا سکتی ہے؛ البتہ اس کا خیال رہے کہ کرایہ داری کا معاملہ بیک وقت لمبے عرصہ کے لیے نہ کیا جائے؛ بلکہ تین سال کے لیے کیا جائے اور ہر تین سال پر کرایہ داری کے معاملہ کی تجدید کی جا سکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ شوال ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

اسکول کی بلڈنگ دار العلوم کو فروخت کر کے دوبارہ قبضہ کر لینا

سوال: ایک ٹرسٹ جو پرائمری اور نرسری اسکول گلاسگو میں چلا رہا تھا ان سے نہ چل سکنے کی بنا پر اس نے دوسرے ٹرسٹ کو بیچا، دوسرے ٹرسٹ نے دار العلوم چلانے

کے لیے (جو فی الحال دو مدرسہ چلا رہا ہے) شریعت کے مطابق اس اسکول کی بلڈنگ کو خریدا؛ تاکہ اس میں قرآن کے حافظ و عالم بنانے کی تعلیم دی جائے جس میں تقریباً تیس لڑکے اور پندرہ لڑکیاں زیرِ تعلیم تھیں، دار العلوم کے ٹرسٹ نے واقف سے قرضۂ حسنہ اور چندہ اس شرط پر لیا تھا کہ اس میں دار العلوم چلایا جائے گا، پھر اس کے ذریعہ سے اس کی اصل رقم کی ادائیگی کے ساتھ اس کی ضرورتوں کے لیے خرچ کیا گیا، جس میں زیادہ رقم قرضۂ حسنہ سے لی گئی، تقریباً ایک سال کے بعد سابقہ ٹرسٹ نے دار العلوم کی بلڈنگ اور اس کی تمام اشیا پر زبردستی قبضہ کیا اور دار العلوم کی تعلیم ختم کر دی۔

اس صورت میں مندرجۂ ذیل سوالوں کے جواب قرآن و حدیث کی روشنی میں عنایت فرمائیں:

① کیا سابقہ ٹرسٹ دار العلوم کے ٹرسٹ کو اصل رقم ادا کرنے کے ذمہ دار ہے یا نہیں؟

② دار العلوم کی بلڈنگ اور اس کے لوازمات پر جو اخراجات ہوئے ہیں سابقہ ٹرسٹ یہ اخراجات دار العلوم کے ٹرسٹ کو ادا کرنے کے ذمہ دار ہے یا نہیں؟

③ واقف نے دار العلوم کے ٹرسٹ کو چندہ دیتے وقت دار العلوم چلانے کی شرط کی تھی کہ آپ اس چندہ سے دار العلوم چلائیں گے تو کیا سابقہ ٹرسٹ (جس نے زبردستی قبضہ کیا ہے) وہ اس چندہ کی رقم اور وقف کی اشیاء کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے یا دار العلوم کے ٹرسٹ کو واپس کر دیں؛ تاکہ دار العلوم کا ٹرسٹ دار العلوم کی بلڈنگ خرید کر واقف کی رقم کو واقف کی شرط کے مطابق استعمال کر سکے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اسکول کی جس بلڈنگ کے متعلق آپ نے سوال کیا ہے جس میں پہلے والا ٹرسٹ پرائمری اور نرسری اسکول چلا رہا تھا اور ان سے وہ نہ چل سکنے کی بنا پر دوسرے ٹرسٹ کو وہ بلڈنگ فروخت کی، اس بلڈنگ سے متعلق آپ نے سوال میں وضاحت نہیں کی ہے یعنی یہ نہیں بتلایا گیا کہ وہ بلڈنگ اسکول چلانے کے لیے وقف تھی یا سابق ٹرسٹ نے بلا وقفیت کے کسی سے خریدا تھا یا بنایا تھا۔ اگر وہ بلڈنگ اسکول چلانے کے لیے وقف کی گئی تھی تو سابقہ ٹرسٹ کا اس بلڈنگ کو دوسرے ٹرسٹ کے ہاتھ فروخت کرنا ہی صحیح نہیں ہوا؛ بلکہ یہ بیع شرعاً باطل ہے جیسا کہ شامی: ۴/ ۴۳۱ میں اس کی صراحت ہے، اور اگر وہ بلڈنگ مذکورہ بالا مقصد کے لیے وقف نہیں کی گئی تھی؛ بلکہ سابقہ ٹرسٹ نے اس مقصد کے لیے اس کو خریدا تھا یا تعمیر کیا تھا تو اس صورت میں اس کا اس بلڈنگ کو دوسرے ٹرسٹ کے ہاتھوں فروخت کرنا درست تھا۔ اب اس کے بعد اس سابقہ ٹرسٹ کا اس بلڈنگ اور اس کی تمام اشیا پر زبردستی قبضہ کرنا درست اور جائز نہیں؛ بلکہ اگر دوسرے ٹرسٹ نے اس بلڈنگ کو خریدنے کے بعد دارالعلوم چلانے کے لیے وقف کیا ہے تب تو خود وہ دوسرا ٹرسٹ بھی اس بلڈنگ کو نہ فروخت کر سکتا ہے، نہ کسی اور غرض کے لیے اس کو استعمال کر سکتا ہے؛ بلکہ اس بلڈنگ میں دارالعلوم ہی چلانا ضروری ہے۔ آپ کے سوالات کے جوابات تفصیلِ بالا سے بخوبی معلوم ہو جاتے ہیں، اس کے باوجود نمبر وار جواب پیشِ خدمت ہیں:

(۱) اگر دوسرے ٹرسٹ نے اس بلڈنگ کو دارالعلوم کے لیے وقف نہیں کیا تو اس صورت میں بھی سابقہ ٹرسٹ کا زبردستی اس پر قبضہ کرنا غصب کے حکم میں ہے، ہاں!

دوسرے ٹرسٹ سے باقاعدہ وہ قیمت دے کر جو آپس میں طے ہو اس کو خرید سکتا ہے۔

(۲) جس صورت میں فروخت کرنا درست بتلایا گیا ہے اس صورت میں دار العلوم ٹرسٹ اپنے تمام اخراجات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے قیمت متعین کر سکتا ہے۔

(۳) چندہ کی رقم جس مقصد کے لیے دی گئی ہے، دینے والے کی اجازت کے بغیر دوسرے کام میں اس کا استعمال جائز نہیں، اسی طرح وقف کی اشیا بھی جس مقصد کے لیے وقف کی گئی ہیں اس کے علاوہ دوسرے مقصد میں ان کا استعمال جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد خانپوری، ۲۸/صفر المظفر ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ایک مدرسہ کے صدر کی طالبات کے ساتھ ناجائز حرکتیں

سوال: مسلم لڑکیوں کے لیے ایک خالص اور اعلیٰ دینی تعلیم کی درس گاہ ہے، ادارۂ مذکور کے صدر اور ایک طالبہ کے مابین ایک واقعہ ظہور میں آیا:

اور اس واقعہ کی اطلاع صدر موصوف کے بھتیجے نے مدرسہ کے ارکان کو بہم پہنچائی اور تحقیقات کا مطالبہ کیا؛ چوں کہ صدر صاحب کے بھتیجے بھی ادارۂ ہذا کے ذمہ دار رکن ہیں، اس لیے ان کی اطلاع اور مطالبہ کے مطابق اراکین نے واقعہ کی تحقیق و تفتیش کی، اس سلسلے میں چند باتوں کا استفسار مقصود ہے:

مذکورہ طالبہ نے شہر کے ائمۂ مساجد اور علماء؛ نیز ادارہ کے بعض ارکان کے روبرو حلفیہ بیان دیا کہ ۱۶/اکتوبر ۱۹۸۷ء مطابق ۱۲/صفر دوپہر میں کھانا کھانے کے

بعد پرہیزی کھانے کی چٹ لکھوانے کے لیے میں اور ایک طالبہ دونوں ساتھ میں آفس گئیں، میں نے صدر صاحب سے کہا کہ پرہیزی کھانے کی چٹ لکھ دیجیے، تو انھوں نے کہا کہ ''بیٹھ ابھی لکھ کر دیتا ہوں'' ہم دونوں کھڑی رہ گئیں، تو صدر صاحب نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ کو بٹھا دیا، اور ساتھ والی سے کہا تم جاؤ، وہ چلی گئی، تو صدر صاحب نے اٹھ کر آفس کے دونوں دروازے خود بند کیے، اور لائٹ بھی بند کر دی، پھر میرے دونوں ہاتھوں کو پکڑ کر اپنے سے چمٹا لیا، اور میرے چیخنے پر میرا منہ ہاتھ سے دبا دیا، اور مجھے زبردستی لٹا دیا، اور کہا کہ اگر چلائے گی تو مدرسہ سے خارج کر دوں گا، پھر اس کے بعد میری شلوار اور اپنا پائجامہ اتارا، اور میرے سینے کو ہاتھ لگایا اور زور سے دبایا، اور اپنے قابو میں کر کے خود کا ڈال دیا، میں چیخنے لگی، تو اپنی ٹوپی میرے منہ میں ٹھونس دی، اور مجھ سے پوچھنے لگے کہ تم کو مزہ آ رہا ہے؟ اور خبر دار کرتے ہوئے کہ کسی کو ہرگز نہ بتانا، اگر کسی سے بھی بتایا تو مدرسہ سے خارج کر دوں گا، پھر یہ کہتے ہوئے کہ میں تم کو پیار کرتا ہوں بوسہ لیا اور میرے سینے پر کاٹا بھی، کچھ دیر کے بعد اچانک دروازہ کھلا اور میں نے دیکھا کہ میرے ساتھ آنے والی لڑکی عائشہ دروازہ پر کھڑی ہے، اس وقت میں اپنی شلوار باندھ رہی تھی اور صدر ننگے تھے، اسی دن منگل کو مجھے اپنے ساتھ کھانے کے لیے صدر صاحب نے کہا؛ لیکن میں روتی ہوئی سیدھی حفظ کلاس میں چلی گئی، بدھ کے روز مجھ کو پھر بلایا؛ لیکن میں نے جانے سے انکار کر دیا، مجھے اپنے سینے اور شرمگاہ پر درد بڑھا تو مجھ کو کلاس کی دو طالبات نے کمرے تک پہونچایا، مجھے روتا دیکھ کر کچھ لڑکیوں نے میرے چچا کو اطلاع دی، تو انھوں نے مجھ سے رونے کی وجہ پوچھی، تو میں نے ساری بات ان کو بتا دی۔

دیکھنے والی لڑکی اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ میں فاطمہ کے ساتھ آفس گئی تھی، صدر صاحب نے اس کو روک لیا، اور مجھے واپس بھیج دیا، میں اپنی کلاس میں چلی گئی؛ لیکن تھوڑی دیر کے بعد پانی پینے کے لیے آفس گئی تو دروازہ بند تھا، میں نے دھکا دیا تو دروازہ کھل گیا، میں نے دیکھا کہ صدر صاحب بیٹھے ہوئے ہیں، اور ان کا پائجامہ کھلا ہوا ہے، اور فاطمہ اپنی شلوار باندھ رہی ہے، یہ منظر دیکھ کر پانی پینے کے بجائے فوراً سامنے والی کلاس میں چلی گئی، صدر صاحب نے فاطمہ کو دوسرے دروازے سے بھیج دیا، اور صالحہ کے ذریعے مجھ کو بلوایا، اور مجھے ڈانٹتے ہوئے بازو والی کرسی پر بٹھایا، اس وقت میرے ساتھ شمع بھی تھی، اس کو یہ کہا کہ مجھے اس سے ایک بات کہنا ہے، تم جاؤ، حکم پاکر نہ چاہنے کے باوجود اس کو جانا پڑا، پھر مجھ سے پوچھا کہ تو نے کیا کیا دیکھا ہے؟ میں نے جو کچھ دیکھا تھا بتا دیا، سننے کے بعد مجھے سخت تاکید کی کہ کسی سے ہرگز ہرگز کچھ نہ کہنا، پھر دوسرے دن بدھ کو مجھے بلا کر پوچھا کہ کسی کو کچھ بتایا تو نہیں، میں نے انکار میں جواب دیا اور بہانہ کر کے وہاں سے چلی آئی۔ واضح رہے کہ آفس سے متعلق سارے کام صرف صبح کے وقت ہوتے ہیں، دوپہر میں آفس بند رہتا ہے؛ لیکن صدر موصوف کا یہ معمول تھا کہ اپنی دوپہر روزانہ آفس میں گزارتے تھے، اور کسی کو اس وقت آفس میں رہنے یا آنے جانے کی قطعاً اجازت نہ تھی، صدر صاحب کسی بھی لڑکی کو کھانے کے بہانے آفس میں بلا لیا کرتے تھے، اور دروازہ بند کر کے مطلوبہ لڑکی کے ساتھ دوپہر گزارتے تھے، اور آفس کے اردگرد کرفیو لگا رہتا تھا؛ نیز مدرسہ کا ٹائم صبح نو بجے شروع ہوتا ہے؛ لیکن صدر صاحب صبح سات بجے ہی مدرسہ پہونچ جاتے تھے اور ایک مقررہ لڑکی روزانہ بند آفس میں ان کے ساتھ اتنا وقت گزارا کرتی تھی،

اور دوپہر میں مدرسہ کا ٹائم تین بجے شروع ہوتا ہے، تو روزانہ کا معمول تھا کہ تین بجے کے بعد جب ساری طالبات دارالاقامہ سے اپنی اپنی کلاسوں میں منتقل ہوجاتی تھیں، تو دارالاقامہ میں رہنے والی ایک معلمہ کے ساتھ چھٹی تک کا وقت گزارا کرتے تھے، اس وقت دارالاقامہ میں کرفیو رہتا تھا، کسی فرد کو آنے کی اجازت نہیں تھی، اور صدر موصوف اور معلمہ موصوفہ کے علاوہ وہاں کوئی تیسرا نہیں ہوتا تھا؛ نیز صدر موصوف عملی طور پر ادارۂ ہذا کے مختار کل اور حاکم مطلق تھے، جب اور جس لڑکی کو جہاں چاہتے تھے بلالیتے تھے، اور جب تک چاہتے اپنے پاس روکے رکھتے، اور جب اور جس کو چاہتے خارج کردیتے، اور جسے چاہتے داخل کرلیتے، اپنے طور پر جو حکم چاہتے نافذ کردیتے، کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں تھی، حکم عدولی یا اعتراض پر اخراج کی سزا جاری کردیتے، واقعہ مذکورہ کے ظہور کے بعد ہمت کرکے بہت سی طالبات نے ظاہر کیا کہ صدر صاحب دوپہر میں جب کبھی ہم کو بلاتے تو اپنے پاس بٹھا کر ہمارے سینے پر عطر ملتے، اور اس بہانے دست درازی کیا کرتے تھے؛ نیز اس واقعہ کے فوراً بعد کاریگر کو بلوا کر دروازہ درست کرایا؛ تاکہ دھکا دینے سے کھل نہ سکے، یہ بھی پیشِ نظر رہے کہ صدر موصوف کی بیوی نہیں ہیں، انتقال کرچکی ہیں، اس حادثہ کے پانچویں یا چھٹے دن صدر موصوف اور ان کے متعلقین نے ان کے قول کے مطابق دو غیر سرکاری لیڈی ڈاکٹروں سے پہلی بار معائنہ کرایا پھر بارہویں روز دوبارہ معائنہ کروایا، ان ڈاکٹروں نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ لڑکی کا پردۂ بکارت باقی ہے، اور جو جھلی جماع کی وجہ سے اپنی اصل وضع سے ہٹ جاتی ہے وہ علی حالہ باقی ہے۔

مذکورہ حالات وحقائق کے پیشِ نظر دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

① لڑکی کے بیان اور دیکھنے والی طالبہ کی گواہی سے صدر موصوف پر زنا کا حکم لگ سکتا ہے یا نہیں؟

② اجنبیات کے ساتھ صدر موصوف کا خلوت کرنا اور انہیں ہاتھ لگانا، سینے پر عطر ملنا شرعاً جرم ہے یا نہیں؟

③ زنا کے سلسلے میں شریعت نے چار مردوں کی عینی شہادت آیا حدِ زنا نفاذ کے لیے ضروری رکھی ہے یا مطلق ثبوتِ زنا کے لیے؟

④ صرف عورتوں کی شہادت سے کسی پر زنا کا جرم لگ سکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ وہاں کسی مرد کے آنے جانے کی گنجائش نہیں؟

⑤ کیا زنا کے ثبوت کے لیے شرعاً پردۂ بکارت کا زائل ہونا ضروری ہے؟

⑥ کیا اس سلسلے میں ڈاکٹری رپورٹ -جو کئی دنوں بعد حاصل کی گئی- معتبر ہوگی؟ اور کیا اس رپورٹ کو کسی شرعی فیصلہ کی بنیاد بنایا جاسکتا ہے؟

⑦ کیا صدر موصوف کو لڑکیوں کے مدرسہ کا صدر باقی رکھنا چاہیے؟ اور ایسے شخص کا مدرسۂ مذکورہ میں آنا جانا، اور طالبات و معلمات سے بے پردہ بے تکلف خلط ملط رکھنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① ③ ④ لڑکی کے بیان اور دیکھنے والی طالبہ کی شہادت کی بنیاد پر زنا کا حکم نہیں لگ سکتا، ثبوتِ زنا کا ایک معنی تو یہ ہے کہ فعلِ زنا کا خارج میں وجود و تحقق ہو، تو اس کے لیے تو اتنا ہی کافی ہے کہ آدمی اس کا مرتکب ہو، اس لیے کہ یہ فعل حسی ہے اور فعلِ حسی کا وجود و تحقق نفسِ ایقاع و ایجادِ فعل سے ہو جاتا ہے، اس کے لیے یہ بھی

ضروری نہیں ہے کہ کسی نے دیکھا ہو، اور دیکھنے والا اس کی شہادت بھی دے بلکہ اگر کسی آدمی نے اس فعلِ قبیح کا ارتکاب کیا، اور کسی نے نہیں دیکھا یا دیکھنے والوں نے دیکھا؛ لیکن انھوں نے اس کی پردہ پوشی کرتے ہوئے یا اور کسی اور وجہ سے شہادت نہیں دی، پھر بھی وہ شخص زانی اور گنہ گار ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنے اس گناہ سے سچی پکی توبہ کرے۔

ثبوتِ زنا کا دوسرا معنی یہ ہے کہ حاکم یا لوگوں کے نزدیک وہ زانی قرار دیا جائے، دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ اس پر زنا کا حکم لگایا جائے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ مرد ہی گواہ ہوں، اس باب میں عورتوں کی گواہی کا اعتبار نہیں کیا گیا؛ نیز چار مردوں کا ہونا ضروری قرار دیا، چار سے کم کی گواہی کا اعتبار نہیں، اس کے علاوہ دیگر شرائط بھی ہیں جو کتبِ فقہ میں مفصل مذکور ہیں، مندرجۂ ذیل عباراتِ فقہیہ سے یہ باتیں بخوبی ثابت ہو جاتی ہیں۔

درمختار میں ہے: ويثبت بشهادة أربعة رجال في مجلس واحد، فلو جاؤا متفرقين حُدُّوْا، بلفظ الزنا لا مجرد لفظ الوطأ والجماع وظاهر الدرر أن ما يفيد معنى الزنا يقوم مقامه (درمختار على هامش الشامی ٣ /١٥٦)

اس کے بعض الفاظ کی تشریح فرماتے ہوئے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

(قوله ويثبت) اى الزنا عند القاضي، إما ثبوته في نفسه فبايجاد الانسان له؛ لأنه فعل حسى،نهر (قوله رجال) لأنه لا مدخل لشهادة النساء فى الحدود، وقيد بذلك من ادخال التاء فى العدد كما هو الواقع فى النصوص، (قوله فلو جاؤا متفرقين حدوا) اى حد القذف، ولو جاؤا فرادىٰ وقعدوا مقعد الشهود، و قام إلى القاضي واحد بعد واحد،

قبلت شهادتهم، وان كانوا خارج المسجد حدوا جميعاً، بحر عن الظهيرية الخ. (شامی ۳/ ۱۵۶)

ہدایہ میں ہے: وان نقص عدد الشهود عن اربعة حُدُّوْا؛ لأنهم قذفة اذ لاحسبة عند نقصان العدد وخروج الشهادة عن القذف باعتبارها. (هدايه)

علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح فرماتے ہیں: (قوله وإن نقص عدد الشهود عن اربعة) بان كانوا ثلاثة فأقل حدوا حد القذف، يعنى اذا طلب المشهود عليه بالزنا ذلك؛ لأنه حقه فتوقف على طلبه وهذه اجماعية لقوله تعالىٰ ﴿والذين يرمون﴾ الخ (فتح القدير ۵/ ۲۸۹)

درِمختار کے باب التعزیر میں ہے: ادعى سرقة على شخص وعجز عن اثباتها لا يعزر بخلاف دعوى الزنا؛ فانه اذا لم يثبت يحد لما مر.

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس پر حاشیہ تحریر فرماتے ہیں: (قوله لمامر) اى قبيل هذا الباب من انه مندوب للدرأى مامور بالستر، فاذا لم يقدر على اثباته كان مخالفا للأمر، وذكرنا الفرق فيما تقدم بورود النص على جلده اذا لم يأت بأربعة شهداء (شامی ۳/ ۲۰۴)

اس موقعہ پر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کلام (جو انھوں نے معارف القرآن میں فرمایا ہے) فائدہ سے خالی نہیں، فرماتے ہیں:

”زنا چوں کہ سارے جرائم سے زیادہ معاشرہ میں بگاڑ اور فساد کا ذریعہ ہے، اس لیے اس کی سزا شریعتِ اسلام نے دوسرے سب جرائم سے زیادہ سخت رکھی ہے، اس لیے عدل وانصاف کا تقاضہ تھا کہ اس معاملہ کے ثبوت کو بڑی اہمیت دی جائے،

بغیر شرعی ثبوت کے کوئی کسی مرد یا عورت پر زنا کا الزام یا تہمت لگانے کی جرأت نہ کرے، اس لیے شریعتِ اسلام نے بغیر ثبوت شرعی کے جس کا نصاب چار مرد گواہ عادل ہونا ہے، اگر کوئی کسی پر تہمت صریح زنا کی لگائے تو اس تہمت لگانے کو بھی شدید جرم قرار دیا، اور اس جرم پر بھی حد شرعی اسّی کوڑے مقرر کی، جس کا لازمی اثر یہ ہوگا کہ کسی شخص پر زنا کا الزام کوئی شخص اسی وقت لگانے کی جرأت کرے گا جب کہ اس کے اس فعلِ خبیث کو خود اپنی آنکھ سے دیکھا بھی اور صرف اتنا ہی نہیں؛ بلکہ اس کو یہ یقین ہو کہ میرے ساتھ اور تین مردوں نے دیکھا ہے، اور وہ گواہی دیں گے؛ کیوں کہ اگر دوسرے گواہ ہی نہیں یا چار سے کم ہیں، یا ان کے گواہی میں شبہ ہے، تو اکیلا یہ شخص گواہی دے کر تہمتِ زنا کی سزا کا مستحق بننا کسی حال میں گوارا نہ کرے گا، رہا یہ معاملہ کہ جب زنا کی شہادت کے لیے ایسی کڑی شرطیں لگا دی گئیں تو مجرموں کو کھلی چھٹی مل گئی، نہ کسی کو شہادت کی جرأت ہوگی، نہ کبھی ثبوتِ شرعی بہم پہنچے گا، نہ ایسے مجرم کبھی سزا یاب ہوسکیں گے؛ مگر یہ خیال اس لیے غلط ہے کہ زنا کی حد شرعی، یعنی سو کوڑے یا رجم وسنگساری کی سزا دینے کے لیے تو یہ شرطیں ہیں؛ لیکن دو غیر محرم مرد وعورت کو یکجا قابلِ اعتراض حالت میں یا بے حیائی کی باتیں کرتے ہوئے دیکھ کر اس کی شہادت دینے پر کوئی پابندی نہیں، اور ایسے تمام امور جو زنا کے مقدمات ہوتے ہیں یہ بھی شرعاً قابلِ سزا جرم ہیں؛ لیکن حدِ شرعی کی سزا نہیں؛ بلکہ تعزیری سزا قاضی یا حاکم کی صوابدید کے مطابق کوڑے لگانے کی دی جاتی ہے، اس لیے جس شخص نے دو مرد وعورت کو زنا میں مبتلا دیکھا؛ مگر دوسرے گواہ نہیں ہیں، تو صریح زنا کے الفاظ سے تو شہادت نہ دے مگر بے حجابانہ اختلاط کی گواہی دے سکتا ہے، اور حاکم، قاضی اس پر تعزیری سزا بعد ثبوت

جرم جاری کرسکتا ہے''۔ (معارف القرآن ۶/ ۳۵۳، ۳۵۴)

بہر حال نصوصِ فقہیہ سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوتی ہے کہ شریعت نے ثبوتِ زنا کے لیے شہادت یا اقرار کو ضروری قرار دیا ہے، اور شہادت وہی کہلاتی ہے جو مجلسِ قضاء میں ہو، اور اس میں تمام شرائطِ ضروریہ موجود ہوں۔

⑤ اگر کسی مرد عورت کے متعلق چار شرعی گواہوں نے زنا کی شہادت دی، اور عورت باکرہ ہے، یعنی اس کا پردۂ بکارت زائل نہیں ہوا ہے، تو اس صورت میں ان دونوں مرد عورت پر حدِ زنا جاری نہیں ہوگی، اور گواہوں پر حد قذف بھی جاری نہ ہوگی۔

اس مسئلہ کی تعلیل کرتے ہوئے صاحبِ ہدایہ رقمطراز ہیں: لأن الزنا لا یتحقق مع بقاء البکارۃ، یعنی پردۂ بکارت کے ہوتے ہوئے زنا کا تحقق نہیں ہوسکتا ہے، اس تعلیل سے تو یہی مستفاد ہوتا ہے کہ شرعاً ثبوتِ زنا کے لیے پردۂ بکارت کا زائل ہونا شرط ہے؛ البتہ شارحِ ہدایہ علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقعہ پر جو تفصیل فرمائی ہے اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی ممکن ہے کہ ازالۂ بکارت میں مبالغہ نہ ہو تو بکارت عود کر آئی ہو؛ بہر حال اس پر سب متفق ہیں کہ ثبوتِ زنا نہیں ہوگا۔ (فتح القدیر ۵/ ۲۸۸)

⑥ اگر ایک آزاد مسلمان عادل عورت یہ کہے کہ فلاں عورت باکرہ ہے، تو اس کو تسلیم کرلیا جائے گا؛ البتہ اگر دو عورتیں ہوں تو یہ زیادہ احتیاط کی بات ہے۔

درمختار میں ہے: والبکارۃ، وعیوب النساء فیما لا یطلع علیه الرجال امرأۃ حرۃ مسلمة والثنتان احوط (درمختار علی هامش الشامی ۸/ ۴۱۳)

ایک دوسرے مقام پر ہے: فان قالت امرأۃ ثقة والثنتان احوط هي بكر (درمختار)

اس کی شرح فرماتے ہوئے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

(قوله ثقة) يشير الى ما فى كافى الحاكم من اشتراط عدالتها تأمل (قوله والثنتان احوط) وفى البدائع اوثق، وفى الاسبيجابى افضل بحر (شامی ۲/ ٦٤٧)

اس میں مدت کی کوئی تحدید وتعیین نہیں ہے۔

(۲) جس طرح اصول، عقائد، توحید، رسالت، آخرت تمام انبیاء علیہم السلام کی شرائع میں مشترک اور متفق علیہ چلے آرہے ہیں، اسی طرح عام معاصی اور فواحش ومنکرات ہر شریعت ومذہب میں حرام قرار دیئے گئے ہیں؛ لیکن شرائعِ سابقہ میں ان کے اسباب وذرائع کو مطلقاً حرام نہیں کیا گیا تھا، جب تک کہ ان کے ذریعہ کوئی جرم واقع نہ ہوجائے، شریعتِ محمدیہ (علیٰ صاحبها الصلاة والسلام) چوں کہ قیامت تک رہنے والی شریعت تھی، اس لیے اس کی حفاظت کا منجانب اللہ خاص اہتمام یہ کیا گیا کہ جرائم ومعاصی تو حرام تھے ہی، ان اسباب وذرائع کو بھی حرام قرار دے دیا گیا جو عادتِ غالبہ کے طور پر ان جرائم تک پہونچانے والے ہیں، مثلاً شراب نوشی کو حرام کیا گیا، تو شراب کے بنانے، بیچنے، خریدنے، اور کسی کو دینے کو بھی حرام قرار دے دیا گیا۔ سود کو حرام کرنا تھا تو سود سے ملتے جلتے معاملات کو بھی ناجائز کردیا گیا، اسی لیے حضراتِ فقہاء نے تمام معاملاتِ فاسدہ سے حاصل ہونے والے نفع کو سود کی طرح مالِ خبیث قرار دیا۔ شرک وبت پرستی کو قرآن نے ظلمِ عظیم اور ناقابلِ معافی جرم قرار دیا تو اس کے اسباب ذرائع پر بھی کڑی پابندی لگادی، آفتاب کے طلوع وغروب اور وسط میں ہونے کے اوقات میں چوں کہ مشرکین آفتاب کی پرستش کرتے تھے، ان

اوقات میں نماز پڑھی جاتی تو آفتاب پرستوں کے ساتھ ایک طرح کی مشابہت ہو جاتی، پھر یہ مشابہت کے وقت خود شرک میں مبتلا ہونے کا سبب بن سکتی تھی، اس لیے شریعت نے ان اوقات میں نماز اور سجدہ کو بھی حرام وناجائز کر دیا، بتوں کے مجسمات اور تصویریں چوں کہ بت پرستی کا قریبی ذریعہ تھیں، اس لیے بت تراشی اور تصویر سازی کو حرام اور ان کے استعمال کو ناجائز کر دیا گیا، اسی طرح جب کہ شریعت نے زنا کو حرام قرار دیا تو اس کے تمام اسبابِ قریبہ اور ذرائع کو بھی محرمات میں داخل کر دیا، کسی اجنبی عورت یا امرد پر شہوت سے نظر ڈالنے کو آنکھوں کا زنا قرار دیا، اس کا کلام سننے کو کانوں کا، اس کے چھونے کو ہاتھوں کا، اس کے لیے جدوجہد میں چلنے کو پاؤں کا زنا فرمایا جیسا کہ حدیث صحیح میں وارد ہے۔ (معارف القرآن ۷/ ۲۰۵،۲۰۶)

یہاں یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ شریعتِ اسلام نے جن کاموں کو گناہ کا سبب قریب درجۂ اول قرار دے کر حرام کر دیا، اس حکمِ حرمت کے بعد وہ سب کے لیے مطلقاً حرام ہے، خواہ ابتدائے گناہ کا سبب بنے یا نہ بنے، اب وہ خود ایک حکمِ شرعی ہے جس کی مخالفت حرام ہے۔ (معارف القرآن ۷/ ۲۰۷)

اجنبی عورت کے ساتھ خلوت حرام ہے، چاہے عورت تنہا ہو یا متعدد، حدیث پاک میں اس کی صراحۃً ممانعت آئی ہے۔ طبرانی میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"ایاك والخلوة بالنساء، فوالذي نفسي بیده ماخلا رجل بإمرأة الا دخل الشیطان بینهما، ولیزحم رجل خنزیراً متلطخا او حمأة خیر له من أن یزحم منکب امرأة لا تحل له". (کنز العمال ٥/ ٣٢٢)

یعنی عورتوں کے ساتھ خلوت سے بچو! پس قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کوئی مرد جب کسی (اجنبی) عورت سے خلوت کرتا ہے، تو شیطان ان کے درمیان داخل ہوجاتا ہے، اور کوئی مرد کسی مٹی میں آئے ہوئے یا کیچڑ میں لت پت سور سے ٹکرائے یہ بہتر ہے اس کے لیے اس سے کہ اس کا کندھا کسی ایسی عورت کے کندھے سے رگڑے جو اس کے لیے حلال نہیں۔

ایک دوسری روایت میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "لا یخلونّ رجل بامرة، فان الشیطان ثالثھما" (کنز العمال ۵/ ۳۲۳ بحوالۂ طبرانی) یعنی کوئی مرد کسی (اجنبی) عورت سے خلوت ہرگز نہ کرے کہ ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔

ابوعبداللہ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس روایت کو اپنی کتاب مستدرک ۱/ ۱۱۴ میں لیا ہے، اور آخر میں فرماتے ہیں: "صحیح علی شرط الشیخین"، علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تائید فرمائی ہے۔ (من ھامش الکنز)

ترمذی شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "لاتلجوا علی المغیبات، فان الشیطان یجری من احدکم مجری الدم، قلنا: ومنك؟ قال: ومني ولکن الله اعانني علیه فاسلم" (ترمذی کتاب الرضاع باب ۱۷، ۱/ ۱۴۰) یعنی جن عورتوں کے مرد موجود نہیں ان کے پاس داخل نہ ہو؛ اس لیے کہ شیطان تمھاری (رگ و پے میں) خون کی طرح جاری وساری ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اور آپ ﷺ کے بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے بھی؛ لیکن اللہ تعالیٰ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی ہے اس کے مقابلہ میں، اس لیے میں محفوظ رہتا ہوں۔

اس روایت کے بعد بھی کیا کوئی اپنے بارے میں گارنٹی دے سکتا ہے؟

مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "الا لا يبيتن رجل عند امرأة في بيت إلا أن يكون ناكحا او ذا محرم" (مسلم شريف كتاب السلام باب تحريم الخلوة بالاجنبية والدخول عليها ۲ /۲۱۵) سنو! کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ ایک مکان میں رات نہ گزارے؛ مگر یہ کہ اس کا شوہر ہو یا محرم ہو۔

مسلم شریف ہی میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ناقل ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک روز منبر پر خطبہ دیا جس میں ارشاد فرمایا: "لا يدخلن رجل بعد يومي هذا على مغيبة الا ومعه رجل او اثنان" (مسلم۲ /۲۱۶) (آج کے بعد کوئی مرد ایسی عورت جس کا مرد نہ ہو اس کے پاس داخل نہ ہو؛ مگر یہ کہ اس کے ساتھ ایک یا دو مرد اور ہوں)۔ یہ روایت مسندِ احمد ۲ /۱۸۶، ۲ /۱۷۱ پر بھی موجود ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقامِ جابیہ میں اپنا مشہور خطبہ جو دیا اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کیا کہ: "لا يخلون احدكم بإمرأة فان الشيطان ثالثهما" (مسند احمد۱ /۱۸) (تم میں سے کوئی کسی (اجنبی) عورت کے ساتھ خلوت نہ کرے؛ اس لیے کہ ان میں تیسرا شیطان ہے)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "من قعد على فراش مغيبة، قيض الله له يوم القيامة ثعباناً" (مسند احمد ۵ /۳۰۰) یعنی جو آدمی کسی ایسی عورت کے بستر پر بیٹھا جس کا مرد موجود نہیں ہے، تو اللہ تعالیٰ اس پر قیامت کے روز ایک اژدہا مسلط فرمائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ناقل ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مثل الذی یجلس علی فراش المغیبة مثل الذی ینهشه اسود من اساود یوم القیامة" (کنز العمال ۵/۳۲۲، مجمع الزوائد للهیثمی ۶/۲۵۸) یعنی اس آدمی کی مثال جو کسی ایسی عورت جس کا مرد نہ ہو کے بستر پر بیٹھتا ہے، اس شخص کی طرح ہے جس کو قیامت کے اژدھوں میں سے کوئی اژدہا ڈس رہا ہو۔

یہ چند احادیث بطورِ نمونہ پیش کی ہیں، ورنہ اس کے علاوہ بھی ایک بڑا ذخیرہ اس موضوع پر موجود ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ اجنبیات سے خلوت حرام و ناجائز ہے۔

حضراتِ فقہاء نے بھی اس کی تصریح فرمائی ہے، فقہ حنفی کی مشہور و متداول کتاب ہدایہ میں ہے: ولهذا تحرم الخلوة بالاجنبية وان كان معها غيرها. (هدايه ۲/۲۱۳) (اجنبی عورت کے ساتھ خلوت حرام ہے چاہے وہاں دوسری عورت بھی موجود ہو)۔

درمختار میں ہے: وفی الاشباه: الخلوة بالاجنبية حرام (درمختار علی هامش الشامی ۵/۲۶۰) (یعنی اجنبی عورت کے ساتھ خلوت حرام ہے)۔

شامی میں "منية المفتی" کے حوالے سے نقل کیا ہے: الخلوة بالاجنبية مكروهة وان كانت معها اخرىٰ كراهة تحريم (شامی ۵/۲۶۰) یعنی اجنبیہ عورت کے ساتھ خلوت مکروہ تحریمی ہے چاہے وہاں دوسری عورت موجود ہو۔

علامہ ابن حجر ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الزواجر عن اقتراف الکبائر" میں خلوت بالاجنبیہ کو کبائر میں شمار کیا ہے۔ (الزواجر ۲/۲)

اجنبیات کو چھونا اور ہاتھ لگانا بھی ناجائز و حرام ہے، حدیث پاک میں اس کو ہاتھ

کا زنا قرار دیا گیا ہے: "والید زناها البطش"۔

ایک روایت میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے: "لان یطعن فی رأس احدکم بمخیط من حدید خیرله من ان یمس امرأة لا تحل له" (کنز العمال ۵/۳۲۸) (کسی کے سر پر لوہے کی سوئی چبھوئی جائے، یہ اس کے لیے بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ کسی ایسی عورت کو چھوئے جو اس کے لیے حلال نہیں ہے) علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی طبرانی کے حوالہ سے اس روایت کو نقل فرما کر اس کی تصحیح فرمائی ہے۔ (الزواجر ۲/۲)

ہدایہ میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد منقول ہے: "من مس کف امرأة لیس منها بسبیل، وضع علی کفه جمر یوم القیامة" (ہدایہ ۴/۴۴۲) (جس نے کسی ایسی عورت کا ہاتھ چھویا جو اس کے لیے حلال نہیں ہے، اس کے ہاتھ پر روزِ قیامت آگ کے انگارے رکھے جائیں گے)۔

فقہاء نے اجنبیہ کے ہاتھ اور چہرے (جس کو بعض صورتوں میں دیکھنے کی اجازت ہے) کے چھونے کو صراحۃً ناجائز و حرام لکھا ہے۔

ہدایہ میں ہے: لا یحل له ان یمس وجهها ولا کفها وان کان یأمن الشهوة. (ہدایہ ۴/۴۴۲) (مرد کے لیے اجنبی عورت کے چہرہ اور ہاتھ کا چھونا جائز نہیں ہے چاہے شہوت کا اندیشہ نہ ہو)

درمختار میں ہے: فلا یحل مس وجهها وکفها وإن امن الشهوة (درمختار علی هامش الشامی ۵/۲۶۰)

بلکہ اجنبی عورت کے ہاتھ اور چہرے کے دیکھنے میں شہوت کا اندیشہ ہو تو وہ بھی

حرام ہے۔

درمختار میں ہے: فحل النظر مقيد بعدم الشهوة والا فحرام (درمختار علی هامش الشامی ٥/٢٦١)

اور آگے تو یہاں تک فرمایا ہے: وهذا فی زمانهم، واما فی زماننا فمنع من الشابة، قهستانی وغيره (درمختار) یعنی ہمارے زمانہ میں تو نوجوان عورت کے چہرہ اور ہاتھ (ہتھیلی) کو دیکھنا مطلقاً ممنوع ہے، (چاہے شہوت کا اندیشہ ہو یا نہ ہو)۔

صاحبِ درمختار نے یہ بات علامہ قہستانی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرمائی ہے، جن کی وفات ۹۵۰ھ یا ۹۶۲ھ میں ہوئی ہے، گویا ساڑھے چار سو سال پہلے فرمایا جارہا ہے کہ ہمارے زمانہ میں الخ، اب ہمارے اس دور میں کیا کہا جائے گا؟

جب ہتھیلی وغیرہ کو صرف چھونے کا یہ حکم ہے تو سینے پر عطر ملنے کی حرمت میں کس کو کلام ہوسکتا ہے؟ خصوصاً جب کہ خوشبو ان چیزوں میں سے ہے جو خواہشاتِ نفسانی میں ہیجان پیدا کرنے والی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ مبارکہ میں جو عورتیں مسجد نبوی میں حاضری دیتی تھیں، ان کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تاکید فرمائی تھی کہ خوشبو لگا کر نہ آئیں: عن زينب امرأة عبدالله قالت: قال لنا رسول الله ﷺ: اذا شهدت احداكن المسجد فلا تمس طيباً (مسلم ١/١٨٣)

حدیث پاک میں ایسی عورت کو جو خوشبو لگا کر (مردوں کی) مجلس پر گزرتی ہے زانیہ قرار دیا گیا ہے: "كل عين زانية والمرأة اذا استعطرت فمرت بالمجلس فهي كذا وكذا يعني زانية". (اسلام کا نظامِ عصمت وعفت ۲۳۲ بحوالہ تفسیر ابن کثیر ۳/۲۸۶)

⑦ صدارت ایک منصب ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جس شخص کو اس منصب پر فائز کیا جارہا ہے، وہ علمی اور عملی اعتبار سے اس ذمہ داری کا اہل ہے، اور عہدے ومنصب جتنے بھی ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہیں، جس کے امین وہ حضرات ہیں جن کے ہاتھ میں عزل ونصب کے اختیارات ہیں، ارشادِ ربانی: ﴿ان اللہ یأمرکم ان تؤدوا الامٰنٰت الی اھلھا﴾ (یعنی اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مستحقین کو پہنچایا کرو) کی تفسیر فرماتے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ:

''اس حکم کا مخاطب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عام مسلمان ہوں، اور یہ بھی احتمال ہے کہ خاص امراء وحکام مخاطب ہوں، اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ ہر وہ شخص مخاطب ہے جو کسی امانت کا امین ہے، اس میں عوام بھی داخل ہیں اور حکام بھی، حاصل اس ارشاد کا یہ ہے کہ جس کے ہاتھ میں کوئی امانت ہے اس پر لازم ہے کہ یہ امانت اس کے اہل ومستحق کو پہونچادے۔'' (معارف القرآن ۲/۴۴۶)

آگے فرماتے ہیں: ''اس جگہ یہ بات غور طلب ہے کہ قرآنِ حکیم نے لفظ امانت بصیغۂ جمع استعمال فرمایا، جس میں اشارہ ہے کہ امانت صرف یہی نہیں کہ کسی کا کوئی مال کسی کے پاس رکھا ہو، جس کو عام طور پر امانت کہا اور سمجھا جاتا ہے؛ بلکہ امانت کی کچھ اور قسمیں بھی ہیں، جو واقعہ اس آیت کے نزول کا ابھی ذکر کیا گیا خود اس میں بھی کوئی مالی امانت نہیں، بیت اللہ کی کنجی کوئی خاص مال نہ تھا؛ بلکہ یہ کنجی خدمتِ بیت اللہ کے ایک عہدہ کی نشانی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ حکومت کے عہدے اور منصب جتنے ہیں وہ سب اللہ کی امانتیں ہیں، جس کے امین وہ حکام اور افسر ہیں جن کے ہاتھ میں عزل ونصب

کے اختیارات ہیں، ان کے لیے جائز نہیں کہ کوئی عہدہ کسی ایسے شخص کے سپرد کر دیں جو اپنی عملی یا علمی قابلیت کے اعتبار سے اس کا اہل نہیں ہے۔" (معارف القرآن ۲/۴۴۶)

اس کی تائید نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے: "اذا وسد الامر الی غیر اهله فانتظر الساعة". (بخاری، کتاب العلم) یعنی جب دیکھو کہ کاموں کی ذمہ داری ایسے لوگوں کے سپرد کر دی گئی جو اس کام کے اہل اور قابل نہیں، تو (اس فساد کا کوئی علاج نہیں) قیامت کا انتظار کرو۔

اس حدیث کی تشریح فرماتے ہوئے علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جب معاملات نااہلوں کے سپرد کئے جائیں، تو قیامت کا انتظار کرنا چاہیے، ضیاعِ امانت اس طرح ہوگا کہ لوگ جسے اہل سمجھ کر کوئی امانت سپرد کریں گے وہ واقع میں اہل نہ ہوگا، لامحالہ وہ امانت کا حق ادا نہیں کرے گا، ایسے لوگ خدماتِ مفوضہ میں خیانت شروع کریں گے کیوں کہ وہ تو اس خدمت کے لائق ہی نہیں تھے، جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے، اہلیت نہیں دیکھی جاتی؛ بلکہ اغراض وسفارشات پر دارومدار ہو گیا ہے، اور اہلیت ہر شعبہ کی اس کے مناسب ہوتی ہے، مثلاً محدث وہ نہیں جس کی صرف تقریر عمدہ ہو؛ بلکہ حدیث کا اہل وہ ہو سکتا ہے جس میں دیانت اور علم دونوں ہوں۔"

(فضل الباری ۱/۵۶۶)

مندرجۂ بالا حقائق کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ذمہ دار حضرات کو چاہیے کہ صدر موصوف کے سلسلہ میں فیصلہ کرلیں۔ البتہ اس موقعہ پر ذمہ دار حضرات کو اس پر غور کرنا ضروری ہے کہ صدر موصوف کی جگہ کسی اور شخص کو اس منصب پر مقرر کیا گیا، تو اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ اس کو بھی اس نوع کے ابتلاءات پیش نہیں آئیں گے؟

اس لیے لڑکیوں کے مدرسہ کی موجودہ جو صورت قائم کی گئی ہے، احقر کے خیال میں تو وہی شریعت کے مقرر فرمودہ اصول و ہدایات کے خلاف ہے، حضرات فقہاء نے عورتوں کو نماز کی جماعتوں اور عیدین اور مجالسِ وعظ میں جانے سے منع کیا ہے، اور کتبِ فقہ میں اس کی تصریح ہے کہ عورت کے لیے مجالسِ وعظ اور جماعتِ نماز اور عیدین میں جانا مکروہ تحریمی ہے، جو حرام کے قریب ہے، اس حکمِ فقہی کی دلیل یہ حدیث ہے جو بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے:

عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: لو ادرك رسول الله ﷺ ماا حدث النساء، لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني اسرائيل، فقلت لعمرة: او منعهن، قالت: نعم. (بخاری شریف)

اس حدیث سے نہایت صاف طور پر یہ بات معلوم ہوگئی کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں ہی عورتوں کی حالت ایسی ہوگئی تھی کہ ان کا گھروں سے نکلنا اور جماعتوں میں جانا سببِ فتنہ تھا، اور اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر اکابر صحابیات عورتوں کو جماعت میں آنے سے منع کرتے تھے۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ عمدہ القاری شرحِ بخاری میں فرماتے ہیں: قلت: هذا الكلام من عائشة بعد زمن يسير جدا بعد النبي ﷺ، واما اليوم فنعوذ بالله من ذلك، فلا يرخص في خروجهن مطلقاً للعيد وغيره (یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ مبارکہ کے بہت تھوڑے دنوں بعد کا ہے، اور آج کل تو خدا کی پناہ! پس مطلقاً عورتوں کو عید اور غیر عید میں جانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی)۔ جب کہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ میں یہ فرماتے ہیں کہ آج کل

کی عورتوں کے حالات سے خدا کی پناہ! تو پھر ہمارے اس زمانہ پندرہویں صدی کی عورتوں کا تو ذکر ہی کیا ہے؟۔

بحر الرائق، عینی شرحِ کنز، درمختار وغیرہ کتبِ فقہ میں صراحتاً یہ ہے کہ عورتوں کو مجالسِ وعظ میں جانا مکروہ اور ناجائز ہے؛ نیز یہ کہ عورتوں کا گھر میں سے نکلنا اور جماعتوں میں شریک ہونا موجبِ فتنہ ہے، اور ممانعت کا حکم اس فتنہ سے بچنے کے لیے ہے۔" (کفایت المفتی ۵/ ۳۹۱ تا ۳۹۷ بحذف وتغیر)

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ پر تفصیلی بحث فرما کر تحریر فرمایا ہے کہ: "اس سے صاف ظاہر ہے کہ انھوں نے نفسِ خروج کو موجبِ فساد سمجھ کر گھر سے نکلنے کو ہی منع فرمایا۔" (کفایت المفتی ۵/ ۳۹۹)

آگے اسی بحث کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں کہ "اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ جب عورتوں کو مجالس وعظ میں جانا ناجائز ہے، تو ان کے لیے وعظ و پند کا دروازہ ہی بند ہو گیا، تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ نہیں، وعظ و پند کا دروازہ اب بھی مفتوح ہے، بند نہیں ہوا؛ لیکن شرط یہ ہے کہ شرعی طریقہ سے وہ اس پر کاربند ہوں، اور وہ طریقہ یہ ہے کہ عورتیں اپنے گھروں میں واعظ عالم متقی کو بلا کر وعظ سن لیا کریں؛ مگر اس میں یہ شرط لازمی ہے کہ عورتیں صرف اسی گھر کی ہوں یا اس کے آس پاس اتنے قریب مکانوں کی ہوں کہ ان کا مکانِ وعظ میں آنا گویا خروج عن المکان ہی نہ ہو۔ الخ (کفایت المفتی ۵/ ۴۰۶)

مزید تفصیل مطلوب ہو تو کفایت المفتی ۵/ ۳۹۱ تا ۴۳۱ کا مطالعہ فرمالیں۔

جب عورتوں کے لیے جماعتِ نماز، عیدین، مجلسِ وعظ وغیرہ کے لیے خروج عن المکان کی اجازت نہیں دی گئی؛ حالاں کہ یہ سب کام چند ساعتوں کے لیے ہیں، تو پھر

ان کو ایک طویل مدت کے لیے ایسی جگہ چھوڑ دینا، جہاں نہ محرم موجود، نہ شوہر، اس کی گنجائش شرعاً کیسے ہو سکتی ہے؟ بہر حال ادارۂ ہذا کے ذمہ دار حضرات کو چاہیے کہ اس پر سنجیدگی سے غور فرمائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ جمادی الاول ۱۴۰۸ھ

صدقہ کا جانور ہلاک ہو تو ذمہ دار کون؟ اور ارباب مدارس کی حیثیت

سوال: امت مسلمہ کے غریب پروری، یتیم پروری کا جذبہ رکھنے والے اصحابِ جود وکرم اپنے صدقات کے مصارف میں سے بہترین مصرف احصار فی سبیل اللہ پر صرف کرنے کی غرض سے ہمارے مدرسہ میں ارسال فرماتے ہیں، اور ہم من جانب طلبہ وکیل بن کر ان کو وصول کرتے ہیں، اور حسب ضرورت طلباء پر صرف کرتے ہیں، آنے والے صدقات میں بکرا وغیرہ جاندار بھی ہوتے ہیں، ہم ذبح کی ترتیب میں آمد کی ترتیب کا لحاظ رکھتے ہیں، اور ذبح میں کثرت کے باوجود کبھی ایسا ہو گیا کہ اس کے ذبح کی نوبت آنے سے پہلی کسی وجہ سے وہ اپنی موت مر گیا، تو اب سوال یہ ہے کہ مصدق اور مصرف کے درمیان، وکیل من جانبِ مصرف کے پاس، مصرف پر صرف ہونے سے پہلے، مالِ صدقہ بغیر کسی تعدی کے، باوجود مکمل نگرانی وحفاظت کے اسباب اختیار کرنے کے ہلاک ہو جائے تو کیا مصدق کا صدقہ ادا ہو جائے گا یا نہیں؟ اگر ادا نہ ہوا تو اس کی ادائیگی کی از روئے شرع کیا صورت ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ارباب انتظام کے طلبہ کی طرف سے وکیل ہونے والی صورت پر ہمارے بعض اکابر کو اشکال رہا ہے، اس لیے مناسب یہ ہے کہ ان کو مصدق کا وکیل مان کر صدقہ کے نام سے جو جانور آوے اس کی تملیک کرا کر مدرسہ میں داخل کیا جاوے؛ تا کہ تملیک ہوتے ہی مصدق کا صدقہ ادا ہو جائے، اور اس کو صدقہ کا ثواب بھی مل جاوے، اور اب یہ جانور مدرسہ کی ملک ہو کر مدرسہ کے اور اموال کی طرح اربابِ مدرسہ کی حفاظت میں رہے گا، اب اگر اس درمیان ان کی کسی تعدی کے بغیر اپنی موت مر جائے تو ان پر کوئی ضمان بھی نہیں، اور مصدق کا صدقہ تو پہلے ہی ادا ہو چکا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ذیلی اداروں اور مساجد کے عطیات میں بڑے ادارے والوں کا حد تجاوزی کرنا

سوال: (۱) آج کل جو مروج ہے مسجد و مدرسہ کی درسگاہوں کے لیے جو بڑے بڑے ادارے ہیں اور ان کے اوپر اہل خیر حضرات و عوام الناس اعتماد کر کے اسے تعمیری کام کے لیے کثیر رقم ان بڑے بڑے ادارے میں جمع کرا دیتے ہیں، اور ان ادارے والوں کے پاس تعمیری کام کے لیے مدد حاصل کرنے کے لیے جب جاتے ہیں تو یہ کہہ کر فائل جمع کرتے ہیں کہ مدرسہ کے ضروری کاغذات و زمینی دستاویزات جمع کرائے اور ساتھ ہی تعمیری کام کا تخمینہ لگا کر مثلاً دو درسگاہوں کے لیے آٹھ لاکھ روپیہ کا بجٹ بنا کر فائل جمع کر لیتے ہیں، جب ان کے پاس فائل جمع کرنے والے امداد کی

غرض سے جاتے ہیں تو اولاً ٹال مٹول کرتے ہیں کہ ہنوز بجٹ پاس نہیں ہے، اور جب زیادہ تقاضہ کرتے ہیں تو منظور شدہ رقم میں سے صرف ایک لاکھ روپیہ کی منظوری دے کر یہ کہہ کر واپس کر دیتے ہیں کہ آپ کا کام کسی سے قرض لے کر پورا کرالیں، بعد میں آپ کو منظور شدہ رقم ادا کر دی جائے گی، لیکن کام پورا ہونے کے بعد جب منظور شدہ رقم کا تقاضہ کرتے ہیں تو یہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہ آپ لیٹ آئے، اس لیے اس رقم کو دوسری جگہوں کے مدارس میں لگا دی گئی............ آیا یہ رقم جو ہمارے مدرسہ کے لیے منظور ہوئی کیا دیگر جگہوں کے مساجد و مدارس میں لگانے کا جواز ہے یا نہیں؟

② اسی طرح دیگر جو بڑے مدارس ہیں، جن پر عوام الناس کا اعتماد ہے، ان کے پاس کثیر رقم جمع کراتے ہیں، اور یہ ادارے والے ان رقموں کو ایسی جگہ پر لگاتے ہیں جہاں کے لوگ خود خوشحال ہیں، وہ خود کفیل ہو سکتے ہیں؛ جب کہ ان رقموں کی مستحق صرف بنجر بستیاں ہیں، اور بہت سی جگہ پر مسجد کا کام یہ کہہ کر شروع کرادیتے ہیں کہ ''کرسی تک بستی والوں کی طرف سے کام کیا جائے، اس کے بعد ہم اس کو مکمل کر دیں گے'' اس کی فائل جمع کرالیتے ہیں؛ مگر وقت پر منظور شدہ رقم نہ ملنے پر کام ادھورا رہ جاتا ہے یا بستی کے ایک دو حضرات دوسروں سے قرض لے کر پورا کروادیتے ہیں، کیا اس کا بھی شرعی اعتبار سے کوئی جواز ہے یا نہیں؟ لہٰذا حضرت والا اس سلسلہ میں قرآن حدیث کی روشنی میں ہماری رہنمائی فرما کر تفصیلی جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① آپ کے سوال کا پس منظر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض بڑے ادارے جو مختلف جگہوں پر حسب ضرورت مکاتب، مدارس، مساجد وغیر کا مسلمانوں کی عام دینی ضرورتوں

کے لیے انتظام کرتے ہیں، ان اداروں کی سابقہ خدمات اور کارکردگی کی وجہ سے اہل خیر اور اہل ثروت حضرات ان پر اعتماد کرتے ہوئے جہاں اس طرح کے تعمیری کاموں کی ضرورت ہوتی ہے اس میں استعمال کرنے کے لیے رقمیں حوالہ کرتے ہیں، اور ان ہی کی طرف سے فراہم کی گئی معلومات اور رپورٹ پر اعتماد کر کے اس نوع کے کاموں کو ان کے ذریعہ انجام دلواتے ہیں، مثال کے طور پر کسی دیہات میں مکتب کے لیے عمارت کی تعمیر کی ضرورت ہے تو اس دیہات کے ذمہ دار حضرات اگر کسی صاحب ثروت مخیر" مسلمان کے پاس مکتب کی تعمیر کے لیے درخواست لے کر جاتے ہیں، تو وہ اس سلسلہ میں براہِ راست ان سے معاملہ کرنے اور ان کے ہاتھ میں رقم دے کر اس کام کو کروانے کے بجائے اس بڑے ادارے کے ذمہ دار کے ہاتھ میں رقم دیتے ہیں کہ آپ اپنے آدمیوں یا اپنے اعتماد پر یہ کام کروالیں، چوں کہ خود اس صاحب ثروت مخیر" مسلمان کے پاس اتنا وقت نہیں کہ وہ اس دیہات میں جا کر تحقیق کرے کہ واقعۃً وہاں پر مکتب کی تعمیر کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اور وہاں کے جو ذمہ دار اس ضرورت کو لے کر اس کے پاس پہنچے ہیں وہ واقعۃً قابل اعتماد ہیں یا نہیں؟ یہ بھی اس کو معلوم نہیں؛ اس لیے وہ حضرات اس طرح کے ادارہ کے ذمہ داروں پر اعتماد کرتے ہوئے سارا معاملہ ان کے حوالہ کر دیتے ہیں، چناں چہ اس ادارہ کا قیام ہی اس نوع کے اغراض و مقاصد کے لیے ہونے کی وجہ سے وہ اپنے آدمیوں کے ذریعہ سب امور کی تحقیق کروا کر اس صاحب ثروت مخیر" کو یہ رپورٹ پیش کرتے ہیں کہ واقعۃً وہاں پر تعمیر مکتب کی ضرورت ہے، اور وہاں کے جو ذمہ دار حضرات اس کام کی درخواست لے کر آپ کے پاس پہنچے تھے وہ قابل اعتماد ہیں، اور اس بستی کے لوگ بھی ان کی امانت و دیانت پر مطمئن ہیں،

اس کے بعد وہ صاحب ثروت اس مکتب کی تعمیر پر آنے والے مصارف اپنی طرف سے اس ادارہ کو یہ کہہ کر دے دیتا ہے کہ آپ اپنے واسطہ سے یہ کام انجام دلوائیں، یا پھر وعدہ کرتا ہے کہ میں اتنی مدت میں یہ رقم ادارہ کو پہنچادوں گا، ادارہ اپنی نگرانی میں یہ کام کروادے اور اس کے بعد ادارہ کی طرف سے اس دیہات کے ذمہ داروں کو کام شروع کرنے کی ہدایت مل جاتی ہے، اور ابتدائی کام کے لیے جتنی رقم مطلوب ہوتی ہے ان کے حوالہ کی جاتی ہے، پھر اس کے انجام پانے پر اس تعمیری کام کے دیگر مراحل کو اسی طرح مرحلہ وار آگے بڑھا کر کام کو مکمل کیا جاتا ہے، اس ادارہ کی اس نوع کی کارکردگی اور اب تک کیے گئے کاموں کی روئیداد کو دیکھ کر آئندہ کے لیے اسی کو ایسے کاموں کی انجام دہی کے لیے ترجیح دی جاتی ہے، اور بہت سے لوگ جو مسجد یا مکتب یا اور کوئی اس نوع کا رفاہِ عام اور ثواب جاریہ کا کام کروانا چاہتے ہیں وہ ازخود ان ادارہ والوں کو پیش کش کرتے ہیں کہ میرا ارادہ اتنی رقم میں ایک مسجد یا مکتب بنوانے کا ہے، آپ دیکھ لیں، کوئی موزوں جگہ ہو تو بتلائیں میں رقم پیش کردوں گا، اور اس ادارہ کی اسی عمدہ ساکھ کی وجہ سے جن علاقوں میں مکتب، مدرسہ، یا مسجد کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ علاقہ والے اپنی اقتصادی کمزوری کی وجہ سے ازخود یہ کام نہیں کرواسکتے، وہ بھی اس ادارہ کے ذمہ داروں کے پاس جاکر اپنی ضرورت پیش کرتے ہیں، اور وہ ذمہ داران سے اس سلسلہ کی معلومات بشکل فائل حاصل کرتے ہیں، اور بہت سی مرتبہ تو ان کے پاس صاحب ثروت مخیرؔ کی طرف سے کی گئی پیش کش کی بنیاد پر فوری طور پر اس کام کی انجام دہی کا آرڈر جاری کردیتے ہیں، اور بعض مرتبہ یہ کہہ کر فائل جمع کرلیتے ہیں کہ ہمارے پاس اس نوع کی کوئی پیش کش تو ہے نہیں، آپ یہ فائل جمع کروادیں، ہم

صاحب ثروت مخیرؔ حضرات کے سامنے اس کو پیش کریں گے، اگر وہ اس کام کی ذمہ داری قبول کریں گے تو آپ کو اطلاع دیں گے، چناں چہ اس کے بعد واقعۃً اس ادارہ کے ذمہ داران ان اہل ثروت مخیرؔ حضرات کو جو ان کے رابطہ میں ہیں اس سے باخبر کر کے ان کو اسی کام کی ذمہ داری قبول کرنے کی درخواست کرتے ہیں، اور وہ مخیرؔ حضرات بھی ادارہ کی اس سفارش کو قبول فرما کر اس کام کی ذمہ داری لے لیتے ہیں، اور فائل میں جو تخمینہ اس کام کے لیے پیش کیا گیا ہے اتنی رقم ادارہ والوں کو حوالہ کر دیتے ہیں، اور پھر ادارہ والے مرحلہ وار یہ کام انجام دلواتے ہیں، اور کبھی کسی صاحب ثروت مخیرؔ کی طرف سے اس کام کی منظوری ملے بغیر ہی ادارہ والے اس امر پر کہ کوئی مل جائے گا ان فائل والوں کو کام شروع کرنے کی کچھ رقم دے کر یہ کہہ کر منظوری دیتے ہیں کہ آپ لوگ قرض لے کر کام پورا کروالیں، بعد میں اس کی ادائیگی کرادی جائے گی؛ لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ادارہ والوں کی کوشش کے باوجود بھی کوئی صاحب ثروت مخیرؔ اس کام کی ذمہ داری قبول کرنے والا ملتا نہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس دیہات والوں نے ادارہ کی یقین دہانی پر قرض لے کر جو کام کرایا تھا اس قرض کی ادائیگی باقی رہ جاتی ہے، اور ذمہ دار حضرات پریشانی اور تشویش کا شکار ہوتے ہیں۔

اب آپ کے سوال کا جواب پیش خدمت ہے:

اگر آپ نے اپنے یہاں مسجد یا مکتب یا مدرسہ کی درسگاہ بنوانے کے لیے بڑے ادارہ کے ذمہ داروں کے پاس ان کے کہنے پر درخواست کی شکل میں جو فائل جمع کرائی ہے، اگر ان ادارہ والوں نے واقعۃً آپ کی جمع کردہ اسی فائل کو کسی صاحب ثروت مخیرؔ کے سامنے پیش کر کے اس کام کی ذمہ داری اس سے قبول کروا کر تخمینہ شدہ پوری

رقم اس سے حاصل کرلی ہے، تو اب اس ادارہ والوں کے لیے جائز نہیں کہ اس رقم کو کسی اور جگہ لگائیں؛ اس لیے کہ اس صورت میں صاحب ثروت مخیّر مسلمان نے ایک مخصوص کام (یعنی آپ کے یہاں مسجد یا مکتب بنانے) میں استعمال کرنے کے لیے یہ رقم ادارہ والوں کو دی تھی، اور وہ وکیل کی حیثیت رکھتے ہیں، اور وکیل کے لیے مؤکل کی طرف سے متعین کردہ جگہ کے علاوہ دوسری جگہ میں یہ رقم استعمال کرنا جائز نہیں۔

اسی طرح اگر ادارہ والوں کے پاس پہلے سے کسی صاحب ثروت کی طرف سے پیش کش تھی، اور آپ کی فائل ادارہ والوں کے پاس پہنچنے پر ادارہ والوں نے آپ کے یہاں ہونے والے کام کو اسی پیش کش کی وجہ سے منظور کرلیا اور اس کی شروعات بھی ہوگئی، تو اب ادارہ والے بقیہ رقم دوسری جگہ استعمال نہیں کر سکتے؛ اس لیے کہ اگرچہ صاحب ثروت کی طرف سے ابتداءً آپ کے یہاں ہونے والے کام کی تعین نہیں کی گئی تھی؛ بلکہ ادارہ والوں کو اس طرح کا کام کسی بھی جگہ انجام دینے کا اختیار دیا گیا تھا؛ لیکن جب ادارہ والوں نے اس دیئے گئے اختیار کی بنیاد پر آپ کے یہاں کے تعمیری کام کو منظور کر کے کام کی شروعات بھی کرادی اور رقم کا کچھ حصہ اس میں استعمال بھی ہوگیا، تو اب ضروری ہوگیا کہ وہ رقم پوری اسی کام میں صرف ہو؛ اس لیے کہ صاحب ثروت نے یہ رقم صرف ایک کام کے لیے دی تھی، کئی کاموں میں تھوڑا تھوڑا استعمال کرنے کی اجازت نہیں تھی، اور جب خود ادارہ والوں نے آپ کے یہاں ہونے والے تعمیری کام کو اس رقم کے ذریعہ شروع کرادیا تو اب بقیہ رقم دوسری جگہ استعمال کرنے کا ان کے لیے جواز باقی نہیں رہا۔ اور اگر ادارہ والوں نے کسی صاحب ثروت کی پیشگی یا بعد کی منظوری کے بغیر ہی آپ کو کچھ رقم اپنی طرف سے دے کر یہ کہہ کر کام شروع کرادیا کہ

کام شروع کردو، آئندہ قرض لے کر پورا کرو، بعد میں اس کی ادائیگی کے لیے سعی کردی جائے گی، اس صورت میں اگر بعد میں کوئی صاحب ثروت مخیرّ مل گیا جس نے اس کام کے لیے ذمہ داری قبول کرلی تو اس کا بھی وہی حکم ہے جو اوپر گذر چکا، اور اگر بعد میں بھی باوجود کوشش کے کوئی ذمہ داری لینے والا نہیں ملا تو ادارہ والے شرعاً معذور ہیں۔

بہر حال اس صورت میں جہاں کا کام ہے ان لوگوں کو چاہیے کہ بلا وجہ محض بدگمانی کی بنیاد پر ادارہ والوں کو بدنام نہ کریں، اور ادارہ والوں کو بھی چاہیے کہ اس طرح کے کاموں میں جب تک کہ وعدہ کے پورا ہونے کا یقین یا غالب گمان نہ ہو وہاں تک وعدہ نہ کریں، اور اگر وعدہ کرنا ہے تو پوری صورت حال سے ان کو آگاہ کردیں۔

(۲) اوپر کی تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ اگر صاحب ثروت مخیرّ کی طرف سے کسی خاص جگہ یا علاقہ کے لیے رقم دی گئی ہے، تو اس کے علاوہ میں اس کو استعمال کرنا جائز نہیں، اور اگر ایسا نہیں ہے؛ بلکہ رقم دینے والے نے کسی علاقہ یا جگہ کی تعین کیے بغیر مطلقاً یہ رقم یہ کہہ کردی ہے کہ آپ کو جہاں مناسب معلوم ہو وہاں مسجد یا مکتب وغیرہ تعمیر کرائیں، تو اس صورت میں ادارہ والوں کو اختیار رہے گا وہ جہاں مناسب سمجھیں یہ کام کرواسکتے ہیں، چاہے وہاں کے لوگ خوش حال ہوں یا خستہ حال، علی الاطلاق آئی ہوئی رقم کے معاملہ میں ادارہ والوں کو اس بات کا پابند کرنا کہ بنجر بستیوں ہی میں مسجد یا مکتب تعمیر کرائیں، درست نہیں، بہت سی مرتبہ بنجر بستی میں جہاں کے لوگ خستہ حال ہیں، مسجد تعمیر کروائی جاتی ہے؛ لیکن وہ مسجد بنجر رہتی ہے، نمازیوں سے آباد نہیں ہوتی، اور ایسے علاقہ میں جہاں کے لوگ خوش حال ہیں مسجد تعمیر کرائی جاتی ہے وہ مسجد نمازیوں سے اور مسجد والے اعمال سے آباد رہتی ہے، اس لیے ''بنجر بستیاں ہر حال

میں تعمیر مسجد کی حق دار ہیں'' یہ جملہ علی الاطلاق درست نہیں، آپ نے سوال میں باقی جو نکات اٹھائے ہیں ان کا جواب شروع میں آچکا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مالِ مدرسہ میں خورد برد کرنے والے پر ضمان اور اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کا حق

سوال: (۱) مسئلہ کی تفصیل اس طرح ہے کہ ۱۹۹۹ء میں ایک عالم دین جس سے ہمارا تعارف تبلیغی کام کی وجہ سے تبلیغی مرکز میں آتے جاتے ہوا تھا، ان صاحب نے بیرون ملک ایک مدرسہ تعلیم الاسلام بنام سیف اللہ شروع کیا، اور ہمارے ایک ساتھی طاہر بھائی کے ذریعہ مالی تعاون کی درخواست کی، ان صاحب پر اعتماد کرتے ہوئے ہمارے مخیر ساتھیوں نے مدرسہ ہذا کے تمام اخراجات کو اپنے ذمہ لیا، جس کی شکل یہ ہوتی تھی کہ ماہانہ ۱۲ تا ۱۳ ہزار دراہم تمام ذمہ دارانِ مدرسہ دیتے تھے، اور بچوں کی ماہانہ فیس جو تقریباً ۲۰ / ہزار دراہم تھی، اس سے مدرسہ ہذا کے جمیع اخراجات پورے ہوتے تھے، جس میں مدرسہ کا کرایہ، تمام معلمین کی تنخواہیں، اور ڈرائیور کی تنخواہ، اور دیگر اخراجات شامل تھے، اور ہم ذمہ دارانِ مدرسہ ہذا نے یہ طے کیا تھا کہ مدرسہ ہذا کے تعلق سے کوئی چندہ وغیرہ نہیں کیا جائے گا، اور یہ بات مولانا مذکور کے علم میں تھی کہ چندہ وغیرہ مدرسہ کے سلسلہ میں نہیں ہوگا؛ لیکن حال ہی میں معلوم ہوا کہ مولانا نے مدرسہ کے مختلف مد میں کئی افراد سے چندہ جمع کیا ہے، تفتیش کرنے پر مولانا نے اولاً انکار کیا؛ لیکن جب ذمہ داروں کا دباؤ پڑا تو مولانا نے اقرار کیا کہ ہاں میں

نے چندہ جمع کیا ہے، ان کے اقرار پر ذمہ داروں نے جب اور تحقیق شروع کی، تو پتہ چلا کہ اب تک انہوں نے صرف ۴ / افراد سے ۱۳ تا ۱۶ / لاکھ دراہم وصول کئے ہیں، اس کے علاوہ مدرسہ ہذا کے لیے نئی بس کی ضرورت ہوئی تو اس سلسلہ میں انہوں نے دو یا تین لوگوں سے پوری موٹر بس کی رقم وصول کی، اور بچوں کی فیس جو ماہانہ تقریباً بیس ہزار دراہم ہے، اس کو انہوں نے کسی مہینہ میں چھ ہزار، کسی مہینہ میں سات ہزار دراہم ہی ظاہر کی، باقی کا ان کے پاس حساب بھی نہیں ہے اور نہ ہی ثبوت ہے، مگر اب تحریری طور پر قبول کرلیا ہے کہ میں نے یہ سب رقوم وصول کی ہیں، اور اس کے علاوہ خاص خاص جان پہچان والوں سے ۴ تا ۵ کروڑ ہندوستانی روپئے وصول کئے، اس کا بھی تحریری طور پر اقرار کیا ہے، جب استفسار کیا گیا کہ یہ سب رقمیں کہاں خرچ ہوئیں؟ تو انہوں نے بتایا کہ دو کروڑ روپئے ہندوستان کے مختلف مکاتب اور مساجد میں لگائے ہیں، جس کی اطلاع ذمہ دارانِ مدرسہ کو نہیں ہے، جس کا کوئی ٹھوس ثبوت ان کے پاس نہیں ہے، اور مزید تحقیق پر انہوں نے اپنی ذاتی ملکیت کا اقرار بھی کیا، وہ اس طرح سے کہ اپنے علاقہ میں دو عالیشان بنگلے اور پلاٹ اور ایک نہایت ہی عالیشان مکان، اور لڑکیوں کا مدرسہ، جو ان کے ہی نام پر ہے، وقف شدہ نہیں ہے اور اس کے علاوہ اپنے اہل وعیال کو بار بار بلانا، اور زیورات وغیرہ کی خریداری، شامل ہے، جس کا تحریری طور پر ان کا اقرار نامہ ہمارے پاس موجود ہے، انہی ساری بنیادوں پر مولانا کو مدرسہ سے علیحدہ کردیا گیا ہے، اور جب جب تحقیق کی جاتی ہے، تو وہ کہتے ہیں کہ میں اپنی آخرت کے لیے سچ سچ کہوں گا، اور پھر دوسرے تیسرے دن ایک نئی چوری سامنے آتی ہے، اور ذمہ داروں کے دباؤ پر اب تک صرف ایک لاکھ دراہم لوٹائے

ہیں، اور یہ کہہ رہے ہیں کہ مکان فروخت کر کے جو رقم حاصل ہوگی وہ دے دوں گا، باقی مجھے معاف کر دیا جائے۔

ان تمام مذکورہ بالا صورتوں میں ہماری رائے ہے کہ ان کے خلاف قانونی کاروائی کی جائے؛ مگر یہ خوف دامن گیر ہوتا ہے کہ کہیں ہم ایک عالمِ دین کی پردہ دری کے گناہ کے مرتکب تو نہیں ہو جائیں گے، اور یہاں کے سخت قوانین سے بھی ڈر لگتا ہے کہ کہیں ہمیشہ کے لیے حوالات کے حوالہ نہ ہو جائیں، یا قطع ید کے قانون کی زد میں نہ آجائیں، اور بصورت دیگر یہ خوف بھی لاحق ہوتا ہے کہ اگر ہم نے کوئی کاروائی نہیں کی اور یوں ہی معاف کر دیا-جس کا ہمیں حق بھی نہیں ہے-تو جن لوگوں نے مدرسہ کا تعاون ہمارے اعتماد پر کیا ہے ان تمام کی رقوم کے بارے میں کل قیامت کے دن ہم جواب دہ نہ ہو جائیں، ایسے سنگین حالات کے پیش نظر شریعت وسنت کی روشنی میں ہماری رہنمائی فرمائیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ اور مولانا مذکور کس سلوک کے مستحق ہیں؟ تفصیل کے ساتھ تسلی بخش جواب مرحمت فرمائیں۔

(۲) مدرسہ ہذا کی رقم سے جو انہوں نے اپنے علاقہ میں لڑکیوں کا مدرسہ بنا رکھا ہے، جس میں کافی رقم خرچ کی ہے، اور بجائے وقف کے اپنی ذاتی ملکیت میں لے رکھی ہے، اگر یہ عمارت ہمارے قبضہ میں آجائے، جیسا کہ انہوں نے تحریری طور پر ہمیں اشارہ کیا ہے، تو کیا ذمہ داران مدرسہ اس کو فروخت کر کے اس کی رقم مدرسہ سیف اللہ میں لگا سکتے ہیں؟ یا مذکورہ بالا مدرسہ کو وقف کر کے نئے انتظامیہ کے ماتحت چلا سکتے ہیں؟ یا اس کے علاوہ شرعاً کیا صورت اختیار کی جائے؟ تشفی بخش جواب تحریر فرمائیں۔

(۳) ماہانہ طلبہ کی فیس تو تقریباً ۲۰ / ہزار دراہم آہی جاتی تھی، جس کو کم وبیش

۵/ ۶/ ۷ ہزار ہی کی آمدنی بتاتے تھے، جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تقریباً دس سال سے ہر ماہ ۱۵/ ۱۶ ہزار دراہم کی چوری بھول کر نہیں؛ بلکہ جان بوجھ کر کی ہے، یہ رقوم تو وہ ہیں جو کھلم کھلا سامنے آگئی ہیں، مگر وہ رقوم جو بہت سارے لوگوں نے ذمہ داران مدرسہ کے اعتماد پر دی ہیں ان رقموں کے لیے کیا کیا جائے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① وہاں مقیم بچوں کی تعلیم کے لیے مدرسہ سیف اللہ کے نام سے جو مدرسہ مولوی صاحب نے شروع کیا اور اس میں تعاون کے لیے انہوں نے آپ کے ایک ساتھی طاہر بھائی نامی سے درخواست کی، ان کی اس درخواست پر آپ چند ساتھیوں نے مذکورہ مدرسہ کے تمام اخراجات اپنے ذمہ لیے، جن میں بچوں کی ماہانہ فیس کے علاوہ بقیہ مصارف آپ حضرات برداشت کرتے رہے، جس میں مدرسہ سے متعلق تمام مصارف شامل تھے، آپ حضرات نے مدرسہ کی ذمہ داری لیتے ہوئے یہ بھی طے کیا تھا کہ اس مدرسہ کے تعلق سے کوئی چندہ نہیں کیا جائے گا، جس کو مولانا مذکور نے بھی عملاً تسلیم کیا تھا؛ لیکن ماضی قریب میں جو انکشاف ہوا، اس کے مطابق مولانا مذکور نے مدرسہ کے مختلف مدات کے لیے کئی افراد سے چندہ حاصل کیا، جس کی تفصیل سوال میں مذکور ہے، اگر یہ چندہ، دینے والوں نے مدرسہ سیف اللہ ہی کے لیے مولانا کو دیا تھا، اور انہوں نے ان رقوم کو جن مدات کے لیے وہ دی گئی تھیں، ان میں خرچ کرنے کے بجائے اپنی ذات کے لیے استعمال کیا، چاہے پلاٹ کی خریدی کی شکل میں ہو، یا مکانات کی تعمیر کی شکل میں ہو، یا ان رقوم سے ہندوستان کے مختلف مدارس ومساجد کی امداد کی، یا اپنے علاقہ میں لڑکیوں کا مدرسہ قائم کیا، ان کے یہ تمام تصرفات غیر شرعی ہیں، یعنی یہ

رقوم جن مدات میں خرچ کرنے کے لیے دی گئی تھیں، ان میں خرچ نہ کرتے ہوئے مذکور جگہوں پر خرچ کیا، چاہے مدارس ومساجد کی امداد ہی میں کیوں نہ ہو، بہرحال شرعی اعتبار سے وہ ان تمام رقوم کے ضامن ہیں، جن کی وصولیابی آپ ان سے مدرسہ سیف اللہ کے لیے کر سکتے ہیں؛ البتہ یہ ضروری ہے کہ ان رقوم کا ثبوت خود ان کے اقرار سے ہو، یا ان کے خلاف شرعی گواہ قائم ہوں، محض گمان یا سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر ضمان وصول کرنا درست نہیں، اگر آپ کو اس بات کا یقین یا غالب گمان ہے کہ ان کے خلاف قانونی چارہ جوئی کر کے آپ ان سے ان رقوم کا ضمان وصول کر سکتے ہیں تو شرعاً اس کی بھی اجازت ہے، اس میں کسی کی پردہ دری کے گناہ کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

اس موقع پر یہ بات بھی یاد رہے کہ مدرسہ کے نظم وانتظام کے سلسلہ میں مولانا مذکور پر آپ حضرات نے آنکھ بند کر کے جو اعتماد کر لیا، اور باوجود یہ جاننے اور سمجھنے کے کہ اس مدرسہ کے نظم ونسق کے سلسلہ میں لوگ آپ پر اعتماد رکھتے ہیں، آپ نے اس طرح کی خیانت کے امکانات سے صرف نظر کرتے ہوئے، جس نوع کی نگرانی کرنی چاہیے، اس سے غفلت برتی، یہ آپ حضرات کی طرف سے بھی ایک نوع کی کوتاہی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب کسی کو کسی جگہ کا حاکم یا مالیات وغیرہ کا ذمہ دار مقرر کرتے تھے تو اس کی پوری تفتیش، تحقیق اور نگرانی فرماتے تھے؛ حالاں کہ وہاں جن حضرات کو یہ ذمہ داری سپرد کی جاتی تھی وہ صحابہ رضی اللہ عنہم بلکہ بعض اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم ہوتے تھے، پھر بھی ان کی وہ اونچی حیثیت ان کی نگرانی کے باب میں مانع نہیں بنی، خاص کر جب کہ مولانا مذکور بچوں سے حاصل ہونے والی فیس کے معاملہ میں آپ کو یہ اطلاع دیتے تھے کہ ماہانہ فیس بجائے بیس ہزار کے پانچ چھ یا سات ہزار وصول ہوئی، تو کیا ان بچوں کے

اولیاء سے آپ نے نہیں پوچھا کہ آپ یہ فیس کیوں ادا نہیں کرتے ہیں؟ اگر آپ نے اس معاملہ میں احتیاط برتی ہوتی، اور اپنی ذمہ داری کا وہ احساس جو اِس وقت آپ کو دامنگیر ہے اُس وقت بھی دامن گیر ہوتا تو کیا اس کی نوبت آتی؟

یہ یادر ہے جیسا آپ بھی سمجھ رہے ہیں اس رقم کو معاف کرنے کا یا اس ضمان سے مولانا مذکور کو بری کر دینے کا شرعاً آپ کو کوئی اختیار نہیں؛ اس لیے آپ کے لیے ہر وہ طریقہ اپنانا ضروری ہے، جس کے متعلق آپ کو یقین یا غالب گمان ہو کہ آپ اس کو اپنا کر ضمان وصول کر سکیں گے۔

باقی رہی تعزیری شکلیں، وہ آپ کی صواب دید پر موقوف ہیں، اس کا ہمارے فتوی سے کوئی تعلق نہیں ہے؛ البتہ آئندہ کے لیے یہ بات یاد رہے کہ اس قسم کے اداروں کا نظم ونسق شفافیت کے ساتھ چلانے کے لیے ضروری ہے کہ خود اس جگہ پر جہاں یہ ادارہ چل رہا ہے بصورت اعلان اس کے چلائے جانے کی شکلیں آویزاں کردی جائیں، نیز وہیں یہ بھی بتادیا جائے کہ اس ادارہ کا کسی بھی نوع کا تعاون فلاں فلاں حضرات کے توسط کے بغیر نہ کیا جائے، بصورت دیگر اگر رقم میں کوئی خورد برد ہوئی تو ادارہ اس کا ذمہ دار نہ ہوگا۔

(۲) اپنے علاقہ میں لڑکیوں کا مدرسہ جو اس رقم سے انہوں نے بنایا ہے؛ چوں کہ ان کو یہ رقم وہاں استعمال کرنے کا حق اور اختیار نہیں تھا، اس کے باوجود انہوں نے استعمال کی، تو ایسا کر کے رقم دینے والے کی طرف سے ان کو جس کام میں خرچ کرنے کا وکیل بنایا تھا، اس کے خلاف دوسرے کام میں خرچ کرنے سے ان کی وکالت باطل ہو کر اس رقم کا ضمان ان پر واجب ہوا، اگر یہ عمارت آپ کے قبضہ میں آجائے تو آپ اس

کوفروخت کر کے اس سے حاصل شدہ رقم کو مدرسہ سیف اللہ کا جوضمان مولانا مذکور پر واجب ہے، اس میں شمار کر سکتے ہیں؛ لیکن لڑکیوں کے مدرسہ کو وقف کر کے نئی انتظامیہ کے ماتحت چلانے کا آپ کو اختیار نہیں۔

ہاں! آپ ایسا کر سکتے ہیں کہ اس مدرسہ کی عمارت اور جگہ وغیرہ کی موجودہ قیمت کسی ماہر امانت دار کے ذریعہ تجویز کر کے وہ رقم آپ ذمہ داران حضرات، مدرسہ سیف اللہ میں جمع کرادیں، پھر اس صورت میں اس لڑکیوں کے مدرسہ کے آپ حضرات مالک ومختار ہوں گے، چاہیں تو اس کو بیچ کر رقم اپنے پاس رکھ لیں، یا وقف کر کے نئی انتظامیہ کے حوالہ کریں۔

③ طلبہ کی فیس کے نام سے آئی ہوئی رقم میں بھی مولانا مذکور نے جو خورد برد کیا ہے، اس کا بھی وہی حکم ہے جو اوپر گذرا، اس لیے کہ فیس کی اس رقم کا حق دار بھی مدرسہ سیف اللہ ہی تھا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ جمادی الاخری ۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

مدرسہ کی زمین میں دفن کرنا

(سوال): میرے دادا نے اپنی زندگی میں اپنی جائیداد میں سے کچھ حصہ وقف کر کے اس میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا، دادا کے زمانہ کے بعد جب والد صاحب مدرسہ کے متولی بنے تو مدرسہ کی توسیع کے لیے مدرسہ کے احاطہ سے لگی ہوئی تھوڑی زمین والد صاحب نے خرید کر مدرسہ سے جوڑ دی، اس زمین کے خریدنے میں والد صاحب نے

کچھ اپنی ذاتی رقم بھی لگائی اور کچھ مدرسہ ہی کی رقم تھی، اور جب جب مدرسہ کو پیسوں کی ضرورت ہوتی والد صاحب اپنا مال اس کے لیے خرچ کرتے رہتے تھے، مثلاً مدرسہ کی آمدنی کے لیے عمارتیں والد صاحب نے بنوائیں اور اپنا مال مدرسہ پر لگاتے وقت کوئی خاص نیت والد صاحب نہیں کرتے تھے، یعنی قرض کے طور پر دے رہا ہوں یا مدرسہ کے لیے للہ دے رہا ہوں، ایسی کوئی خاص نیت نہیں تھی، جب ضرورت پڑی خرچ کر دیا، اب جب والد صاحب کی والدہ یعنی میری دادی کا انتقال ہوا تو والد صاحب نے ان کی قبر اس زمین میں بنوائی جس زمین کو خرید کر والد صاحب نے مدرسہ سے جوڑ دیا تھا، اس سلسلہ میں والد صاحب نے کسی مفتی سے اجازت بھی لی تھی، تو کیا اس طرح مدرسہ کے لیے موقوفہ زمین میں دفنا سکتے ہیں؟ اور آئندہ کسی کو والد صاحب کی اجازت سے اس زمین میں دفنا سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کے والد محترم نے جو زمین اپنی ذاتی اور مدرسہ کی رقم سے خریدی ہے اور مدرسہ سے جوڑی اس کو جب تک باقاعدہ وقف نہ کیا جائے (یعنی زبان سے ایسے الفاظ نہ کہے جائیں جو وقف پر دلالت کرنے والے ہوں) وہاں تک وہ وقف نہ ہوگی، مصالح مدرسہ کا تقاضہ ہے کہ اسے اب وقف کر دیا جائے۔ (ماخوذ از فتاوی محمودیہ کراچی ۱۵/۵۷۹)

لیکن وقف نہ ہونے کے باوجود چوں کہ وہ زمین مدرسہ کی رقم سے خریدی گئی ہے اور اپنی رقم بھی مدرسہ کے لیے صرف کی ہے، اس لیے اس میں دادی صاحبہ کی تدفین کا عمل صحیح نہیں ہے، آئندہ بھی اس میں کسی کو دفن نہ کیا جائے؛ البتہ جب تک باقاعدہ وقف نہ ہو اس کے فروخت کی گنجائش ہے، اس لیے جس جگہ دادی صاحبہ کی

تدفین عمل میں آئی ہے اتنی جگہ والد صاحب مدرسہ سے خرید کر مدرسہ کے احاطہ سے اس کو علیحدہ کرلیں، اور اس رقم کو مدرسہ کی ضروریات میں صرف فرمائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بداطوار لڑکوں کے باپ کی جائداد مدرسہ کے لیے قبول کرنا

سوال: زید کی دو بیویاں اور چار لڑکے اور چھ لڑکیاں ہیں، سب ہی شادی شدہ ہیں، اور لڑکے برسر روزگار ہیں؛ مگر کچھ کماتے ہیں وہ شراب نوشی و کباب خوری اور جوا وغیرہ میں لٹا دیتے ہیں، حال ہی کی بات ہے کہ زید کا ۴۵/ تولہ سونا گھر سے چوری سے اٹھا لیا ہے، اور جوا سٹہ میں داؤ پر چڑھا دیا، تقریباً دو لاکھ روپۓ سونے کی قیمت کا کوئی حساب نہیں دیا، مع ہذا زید کو قتل کی دھمکیاں دیتے ہیں کہ جائیداد دو مکان و دو کان یا تو تقسیم کر کے ہمارے حوالہ کرو؛ ورنہ موقع لگنے پر تجھے قتل کر دیں گے، زید کو یقینی طور سے معلوم ہے کہ یہ چیزیں ان کے حوالہ کی اور برباد ہوئی، زید بیچارہ بعد نماز عشاء اپنے کمرہ کا کنڈا بند کر لیتا ہے، اور تمام رات خوف کی وجہ سے کھولتا تک نہیں، صبح ہونے پر باہر نکلتا ہے، تو ایسی صورت حال میں زید یہ چاہتا ہے کہ میں اپنی کل املاک جیتے جی صحت و تندرستی کے زمانہ ہی میں کسی کار خیر میں صرف کر جاؤں، ذمہ داران مدرسہ کے پاس آکر بار بار کہتا ہے کہ میں اپنی زمین مدرسہ کو وقف کرتا ہوں، اراکین مدرسہ کا اس کی بات کی طرف چنداں التفات نہ دینے کی شکل میں وہ یہ بھی کہہ رہا ہے کہ اگر آپ

حضرات املاک مذکورہ کو لیتے ہوئے ڈرتے ہو تو میں گُردوارہ کو دیتا ہوں، مجھے کسی بھی حال میں یہ جائیداد اپنے پاس نہیں رکھنی ہے، اور نہ ہی ورثاء مذکورین کے حوالہ کرنی ہے، ہمیں معلوم کرنا یہ ہے کہ ہم ارباب مدرسہ اس طرح کی اراضی شرعی طور سے لینے کے حق دار ثابت ہوں گے یا نہیں؟ یا اس کو یہ جواب دے دیں کہ جہاں تیرا جی چاہے وہاں دے دے ہم نہیں لیتے۔

واضح رہے شخص مذکور پاگل بھی نہیں ہے، صحت مند، ہٹا کٹا باہوش وحواس ہے، دوسرے لوگ بطور گواہی اس کی تصدیق بھی کرر ہے ہیں کہ واقعۃً جتنا شخص مذکور کہتا ہے وہ کم، اس سے کہیں زیادہ اس کے اہل خانہ سے اس کو پریشانی وخطرہ ہے، صورت مذکور میں ہمیں مسئلہ بتائیں کہ یہ زمین وغیرہ مدرسہ لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اصل مالک کو یہ اختیار ہے کہ اپنی زندگی اور صحت کی حالت میں اپنی ملک میں جس نوع کا چاہے تصرف کرے، بیع، ہبہ، صدقہ، وقف سب کچھ کر سکتا ہے، اگر اولاد شریر ہو اور باپ کو خیال ہو کہ میرے بعد تمام جائیداد خدا کی نافرمانی میں صرف کرے گی، تو بہتر یہ ہے کہ اپنی زندگی اور صحت میں اس جائیداد کو مصارف خیر میں صرف کر دے۔ (فتاوی محمودیہ ۵/ ۶۴)

اس لیے صورت مسئولہ میں اراکین مدرسہ اس زمین وغیرہ کو مدرسہ کے لیے قبول کر سکتے ہیں؛ البتہ اگر اس کے قبول کرنے میں ان کو اندیشہ ہے کہ شخص مذکور کی اولاد مدرسہ کو ضرر پہنچائے گی تو مفاد اور مصالح مدرسہ کے پیش نظر ان کو انکار کی بھی

اجازت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مدارس میں نعتیہ مسابقہ کا انعقاد

اور اس میں امرد لڑکوں کا نعت وغیرہ پڑھنا

سوال: مدرسہ میں نعتیہ مسابقہ کے انعقاد کا مسئلہ ہے، جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ باذوق طلبہ اساتذۂ کرام کی نگرانی میں اہتمام کے ساتھ نعتیں اور نظمیں یاد کرتے ہیں، اور ہر نعت ونظم کو اس کے مناسب لب ولہجہ وانداز میں پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں، پھر حسب مشورہ ایک مسابقہ کی مجلس کا انعقاد ہوتا ہے، جس میں اساتذۂ کرام اور تمام چھوٹے بڑے طلبہ اور مقامی احباب سامعین کی حیثیت سے شریک ہوتے ہیں، حکم وغیرہ کے فرائض انجام دینے کے لیے باہر سے شعراء کرام بھی مدعو کئے جاتے ہیں، پھر مساہمین اپنی ترتیب سے مائک پر آ کر اپنی یاد کردہ نعت یا نظم شعراء کے انداز میں بہترین لب ولہجہ اور آواز میں پیش کرتے ہیں، مساہمین میں بہت سے نابالغ اور امرد بھی ہوتے ہیں، جن کی آواز میں دوسروں کے بالمقابل عموماً کشش زیادہ ہوتی ہے، بعضوں کی نعت ونظم کے عمدہ مضمون یا بہترین آواز پر مجمع کی طرف سے داد کی آواز بھی بلند ہوتی ہے، جس سے محفل پر مشاعرہ کا پورا رنگ چڑھ جاتا ہے، ''مکرر ارشاد''، ''دوبارہ ارشاد'' کی آوازیں بھی آتی ہیں، اسٹیج پر بیٹھے ہوئے موٴقر اساتذۂ کرام کے سامنے طلبہ بلند آواز میں پڑھنے والے کو داد سے نوازتے ہیں، روپیوں کی شکل میں

انعام بھی دیتے ہیں، اخیر میں اسی مجلس یا دوسری مجلس میں باہر سے آئے ہوئے شعراء کرام بھی اپنا کلام سناتے ہیں جو پروگرام کا دلچسپ حصہ ہوتا ہے، اس طرح سے دو تین گھنٹوں کی مجلس کا انعقاد ہوتا ہے، تمام مساہمین کی ہمت افزائی کے لیے مدرسہ کی طرف سے نقد کی شکل میں انعامات بھی دیئے جاتے ہیں؛ بلکہ ان میں ممتاز طلبہ کو خصوصی انعامات سے بھی نوازا جاتا ہے اور مقصد ہمت افزائی ہی ہوتا ہے، اب دریافت طلب امور یہ ہیں کہ:

① مدرسہ میں اس طرح نعتیہ مسابقہ کا انعقاد شرعاً صحیح اور اپنے اسلاف کی روایات سے ہم آہنگ ہے یا نہیں؟

② نعت و نظم کا ترنم کے ساتھ پڑھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ نیز اس ترنم اور لب ولہجہ کی مشق کا شرعاً کیا حکم ہے؟ ذمہ دار علماء کا کہنا یہ ہے کہ آپ ﷺ کی شان میں نعت کہنا یا مطلقاً اشعار پڑھنا، گنگنانا یہ ایک انسانی فطرت ہے اور اس کا نتیجہ ہے کہ مجلسوں اور جلسوں میں اشعار پڑھے جاتے ہیں، اب اگر ہم صحیح اشعار پڑھنے کی ترغیب نہ دیں یا لب ولہجہ صحیح کرانے کی کوشش نہ کریں تو بہت سے ایسے اشعار طلبہ پڑھتے ہیں جو معنی کے اعتبار سے کفر و شرک تک پہنچا دیتے ہیں یا جن میں بے جا مبالغوں کی بھرمار ہوتی ہیں اور اس طرح غلط چیز رواج پذیر ہوتی ہے؛ لہٰذا طالب علمی کے زمانہ میں صحیح مشق کرانے سے اس قسم کی غلط باتوں سے بچا جا سکتا ہے، تو کیا ذمہ داروں کی اس دلیل کو مسابقۂ نظم و نعت کے انعقاد کے لیے قبول کیا جا سکتا ہے؟

③ ایسے مجمع کے لیے نابالغ امرد سے ترنم میں نعت و نظم کا سننا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ اس وقت مجمع کی نیت آپ ﷺ کی شان میں نعتیہ اشعار سننا ہوتا ہے،

امرد ہونے کی وجہ سے اس بچہ کی آواز سے تلذذ مقصود نہیں ہوتا۔

④ کیا جلسوں میں نعت وغیرہ پڑھنے کے لیے نابالغ امرد کو مشق کرانے کی گنجائش ہے؟ جب کہ بڑے ہونے کے بعد مشق کرانے میں دشواری ہوتی ہے۔

⑤ جس طرح قرآن کریم کی مشق کرا کے چھوٹے بچوں سے مسابقوں میں سنا جاتا ہے اور انعامات وغیرہ سے ان کی ہمت افزائی کر کے دوسروں کو شوق دلایا جاتا ہے، کیا نعتیہ مسابقہ میں بھی چھوٹے بچوں سے اس طرح نعت وغیرہ سننے کی گنجائش ہے؟ امید کہ ان تمام باتوں کا وضاحت اور حوالوں کے ساتھ جواب دے کر ممنون فرمائیں گے، واضح رہے کہ یہ مسابقہ مسجد میں منعقد نہیں ہوتا؛ بلکہ ایک ہال میں ہوتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اشعار کی تعریف اور مذمت کے بارے میں روایات مختلف آئی ہیں، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ممنوع اور برا ہے؛ لیکن قول فیصل بھی ایک حدیث میں خود ہی وارد ہو گیا ہے کہ نفس شعر میں کچھ بھلائی یا برائی نہیں ہے، مضمون صحیح اور مفید ہے تو شعر اچھی چیز ہے، اور مضمون جھوٹ یا غیر مفید چیز ہے تو جو حکم اس مضمون کا ہے وہی حکم شعر کا بھی ہے، یعنی جس درجہ میں وہ مذموم، ناجائز، یا حرام یا مکروہ یا خلاف اولی ہے اسی درجہ میں شعر بھی ہے؛ لیکن بہتر ہونے کی صورت میں بھی اس میں انہماک اور کثرت سے مشغولی ممنوع ہے۔ (خصائل نبوی ۱۳۱)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں اشعار نعتیہ پڑھنا اور معجزات وکمالات کا بیان اشعار میں کرنا جائز؛ بلکہ موجب ثواب اور خیر و برکت ہے، اور متعدد صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہے؛ البتہ یہ ضروری ہے کہ ایسے معجزات اور مضامین بیان کیے جائیں جو صحیح

روایات سے ثابت ہوں، من گھڑت قصے بیان کرنا جائز نہیں۔ (احسن الفتاویٰ ۸/ ۱۴۶)

جن اشعار میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء، اس کا ذکر اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح کی گئی ہو ایسے اشعار شرعاً مندوب اور مستحسن ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس نوع کے اشعار پڑھتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو پسند فرماتے تھے۔ تفسیر قرطبی میں ہے:

فاما ما تضمن ذكر الله و حمده و الثناء عليه فذلك مندوب إليه كقول القائل:

الحمـــد لله العـــلى المنـــان		صار الثريد فى رؤوس العيدان

أو ذكر رسول الله ﷺ أو مدحه كقول العباس

مـن قبلهـا طبـت و فى مـس		تودع حيث يخصف ا لورق

فقال له النبي ﷺ: لا يفضض الله فاك (۱۳/ ۱۴٦)

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے مفاخرہ کرنا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان کے لیے "اللهم أيده بروح القدس" کے الفاظ سے دعا کرنا معروف ہے، حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ جو مشہور شاعر تھے، اور فتح مکہ کے موقعہ پر جن کا خون ہدر کیا گیا تھا، بعد میں مدینہ منورہ حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے، اور آپ کی مدح میں قصیدہ کہا جو "بانت سعادُ" کے نام سے مشہور ہے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے خوش ہو کر اپنی چادر عنایت فرمائی، اور دور صحابہ رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک علما اور اکابر برابر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں نعتیہ اور مدحیہ اشعار کہتے چلے آئے۔ ان تمام باتوں سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں حدود اور اصول اور

شرع میں رہ کر اشعار کہنا اور سننا دونوں جائز؛ بلکہ مستحسن ہے۔

اشعار سننے کے سلسلہ میں جو حدود فقہاء نے ذکر فرمائے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اشعار سنانے والا پوری عمر کا آدمی ہو، کم سن نہ ہو، عورت نہ ہو۔

آپ نے نعتیہ مسابقہ کے انعقاد کے سلسلہ میں جو دریافت فرمایا ہے اور اس کی جو تفصیل لکھی ہے اس میں بہت سی باتیں قابل اعتراض ہیں، مثلاً: شرکت کرنے والوں میں بہت سے نابالغ اور امرد ہوتے ہیں؛ نیز محفل پر مشاعرہ کا رنگ چڑھ جانا وغیرہ؛ نیز ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں مدحیہ اشعار اگرچہ مستحسن اور پسندیدہ ہیں؛ لیکن یہ ان اعمال مقصودہ میں سے نہیں جس کی ترویج اور حوصلہ افزائی کے لیے مسابقہ منعقد کیا جائے۔ اب آپ کے سوالات کے جوابات بالترتیب پیش ہیں۔

① جیسا کہ اوپر بتلایا جا چکا مسابقہ کا انعقاد شرعاً درست نہیں کہا جا سکتا، نہ ہی اسلاف کی روایت سے ہم آہنگ۔

② نعت و نظم کا ترنم کے ساتھ پڑھنا مشروط طور پر جائز ہے، اس کے لیے انفرادی طور پر لب ولہجہ درست کرنے کے لیے کوئی کوشش کر رہا ہے تو وہ موجب عتاب نہیں؛ لیکن اس کو عام شکل دینا اسلاف کی روایت کے خلاف ہے۔ قائلین جواز کا یہ کہنا کہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو غلط چیزیں رواج پا جاتی ہیں اس لیے قابل قبول نہیں کہ درست مضامین والے اشعار سے طلبہ کو واقف کرنے کے لیے مسابقہ کیا ضروری ہے؟ ان کے پاس جو ذخیرہ موجود ہے اس کو دیکھ کر جانچ لیا جائے یا کچھ منتخب نعت و نظم کا مجموعہ تیار کر کے ان کے حوالے کر دیں۔

③ یہ بالکل جائز نہیں۔

④ اگر وہ خوب رو ہے تو درست نہیں۔

⑤ اس کا حکم اوپر آچکا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املأہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مدرسہ بورڈ کے پہلو سے ابھرتے ہوئے چند سوالات کے جوابات نبض شناس علماء کی تحریر کی روشنی میں

سوال: اسلاف کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آج سے تقریباً چالیس پچاس سال پہلے مدارس کے دربان اور جاروب کش بھی ولی ہوا کرتے تھے، جو طلبہ ظاہری تعلیم سے فارغ ہوتے تھے وہ صاحب نسبت، متقی، پرہیزگار اور متدین بھی ہوتے تھے۔

مگر جب سے مدارس میں دنیادار اہل ثروت کا دخل ہوا، اور مدارس میں سرکاری امداد لی جانے لگی، مدارس کا حال بد سے بدتر ہوتا گیا، عجیب وغریب بیماریاں پیدا ہوگئیں، مثلاً جھوٹ گوئی اور رشوت کا لینا دینا عام ہوگیا، زہد وورع کا دور دور تک پتہ نہیں، بالخصوص جن مدارس کو سرکار کی طرف سے ایڈ مل گیا ہے، اس کے سلسلہ میں بہت سارے سوالات ناچیز اور ''صدیق'' لائبریری سے منسلک کئی علماء کے ذہن میں ابھرتے ہیں۔

لہٰذا ان سوالوں کے جواب پر اپنے خیالات وتاثرات ارسال فرما کر ممنون فرمائیں۔

① کیا مدرسہ بورڈ مدارس کی آزادی کو سلب کرنے کی سازش ہے؟

② کیا آج حکومت مدارس کو امریکی ایجنڈے پر عمل کرانا چاہتی ہے؟

③ ہماری حکومت کو مدارس کی اس قدر فکر لاحق کیوں ہوگئی ہے؟

④ صرف مسلمانوں کے دینی مراکز کو حکومت اپنے ذمہ لینا چاہتی ہے، اور دوسرے مذاہب کے مراکز کو نظر انداز کر رہی ہے، ایسا کیوں؟

⑤ مدرسہ میں صرف ۴ / فیصد مسلم بچے زیر تعلیم ہوتے ہیں، جو کبھی سرکار کا بوجھ نہیں بنتے اور نہ بننا چاہتے ہیں، پھر بھی حکومت ۹۶ / فیصد کی فکر چھوڑ کر انہی ۴ / فیصد کی فکر کیوں کرتی ہے، آخر کیا راز ہے؟

⑥ کیا ہندوستان میں دین کے تحفظ اور اردو زبان کو باقی رکھنے کے لیے مدارس کا بورڈ سے ملحق ہونا ضروری ہے؟

⑦ کیا مدرسہ بورڈ میں قرآن وحدیث وفقہ کی کتابیں نکال کر زمانے کے تقاضوں کے مطابق کتابیں پڑھائی جائیں گی؟

⑧ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ سرکاری ملازمت میں تبدیل ہوجانے کے بعد مدارس عربیہ میں کسی تقدیس وپاکیزگی اور تقویٰ وطہارت کے باقی رہنے کا سوال ہی باقی نہیں رہ جاتا، کیا یہ سچ ہے؟ اگر یہ سچ ہے تو ایسا کیوں؟

⑨ کیا ہندوستان کی حکومت ذرائع آمدنی میں حلال وحرام کی کوئی تمیز نہیں رکھتی؟ اگر نہیں تو پھر اس سے تنخواہ لینا کیسا ہے؟

⑩ مدرسہ بورڈ سے ملحق حضرات کی امامت کے بارے میں قرآن وحدیث کی روشنی میں علماء حق کیا فرماتے ہیں؟

⑪ مدرسہ بورڈ میں زکوۃ، فطرہ، چرم قربانی، صدقہ وغیرہ دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

⑫ کیا حکومت ہند کی اس میں کوئی پالیسی ہے کہ ہمارے غیر مسلم بھائیوں نے

بھی مدرسہ قائم کرنا شروع کر دیا ہے، آخر اس میں کیا راز ہے؟

⑬ بورڈ کے لیے سب سے پہلے رجسٹریشن کرانا پڑتا ہے، جس میں کچھ نہ کچھ رشوت دی جاتی ہے، اور جھوٹ لکھا اور بولا جاتا ہے۔

⑭ مدرسہ کو بورڈ سے ملحق کرنے کے لیے چند شرائط ہوتی ہیں: جیسے بچوں کا کم از کم ۳۰۰/ سے ۵۰۰/ تک ہونا، اور کم سے کم پانچ کمروں کا ہونا، بچوں کے کھیل کود کے لیے میدان کا ہونا، جس میں اکثر مدارس والوں کو جھوٹ لکھنے اور رشوت دینے کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔

⑮ مدرسہ؛ بورڈ سے جب ملحق ہو جاتا ہے تو ہمیشہ سرکار کی طرف سے کوئی نہ کوئی چیک کرنے والے آتے ہیں، مدرسہ سرکار کے ضابطہ کے مطابق ہونے پر بھی اہل مدرسہ کو کئی کئی ہزار روپئے آنے والے افسروں کو رشوت دینی پڑتی ہے۔

⑯ مدرسہ کے ہر درجہ میں بچوں کی حاضری ہوتی ہے، اور حاضری رجسٹر چیک بھی ہوتا ہے، جس میں اکثر ان بچوں کا نام بھی ہوتا ہے جو نہ مدرسہ میں پڑھتے ہیں اور نہ ہی مدرسہ میں موجود ہوتے ہیں اور نہ بورڈ کا امتحان دیتے ہیں؛ بلکہ ان بچوں کو اپنے داخلہ کی خبر بھی نہیں رہتی، کیا یہ از روئے شریعت مشروع ہے؟

⑰ مدرسہ بورڈ کے بچوں کو سرکار کی طرف سے وظیفہ ملتا ہے، جس کو مدرسہ کے ذمہ دار بچوں کے درمیان تقسیم کرتے ہیں، مگر سرکار کی طرف سے جتنی رقم آتی ہے اس میں سے تھوڑی ہی رقم تقسیم ہوتی ہے، پھر کوئی نہ کوئی کام دکھا کر مدرسہ والے رکھ لیتے ہیں، اور جتنی رقم سرکار کی طرف سے آئی ہوئی ہے ہر طالب علم سے اتنی ہی رقم کا دستخط کرایا جاتا ہے، کیا یہ ذمہ داران مدرسہ کے لیے جائز ہے؟

⑱ مدرسہ میں تمام طلباء کے کھانے کے لیے چاول وغیرہ آتا ہے، جو تمام طلباء کو نہیں ملتا، بعض کو ملتا ہے، اور بعض کو نہیں ملتا، اور بہت سے ایسے مدارس ہیں جہاں طلبہ کے طعام کا کوئی نظم ہی نہیں ہوتا اور سارا غلہ ذمہ دار حضرات رکھ لیتے ہیں۔

⑲ مدرسہ بورڈ میں وہی شخص ملازم ہوسکتا ہے جو منشی، معلم، عالم، فاضل کا امتحان دیا ہو، اس کے لیے امتحان سے پہلے نہ کوئی پڑھائی ہوتی ہے، اور نہ ہی کوئی مدرس ان کتابوں کو کبھی پڑھاتا ہے؛ بلکہ یہ کہہ لیجیے کہ نہ ہی اس کے لیے کوئی درسگاہ ہوتی ہے اور نہ کلاس، بس چھوٹے چھوٹے بورڈ پر منشی، معلم، عالم وغیرہ لکھ کر دروازوں پر لٹکا دیا جاتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب سرکاری درس گاہیں ہیں، اور بعض جگہوں پر حفظ کی درسگاہ کے دروازے پر یہ بورڈ لگا ہوا مل جاتا ہے، اور امتحان دینے والا خواہ حفظ قرآن، یا انگریزی، یا اور کسی زبان کا پڑھنے والا ہو، مسلم ہو یا غیر مسلم اس سے کچھ مطلب نہیں، بڑی آسانی سے امتحان دیتا ہے، کیوں کہ امتحان گاہ میں چیٹ لکھ کر سوالوں کو حل کرایا جاتا ہے، یا پھر گائیڈ کے ذریعہ مدد کی جاتی ہے۔

⑳ امتحان کے موقعہ سے افسر امتحان گاہ میں حاضر ہوتا ہے، حاضر ہونے سے پہلے ہی نگران، بچوں کو خبر کر دیتے ہیں، بچے اپنی اپنی گائیڈ، یا چیٹ کو امتحان گاہ سے باہر کسی جگہ یا پھر بیت الخلاء وغیرہ میں مناسب وغیر مناسب کی تمیز کیے بغیر کہیں بھی ڈال دیتے ہیں، جب کہ چیٹ یا گائیڈ میں قرآن کی آیات اور احادیث بھی لکھی ہوئی ہوتی ہیں، کیا بورڈ کے امتحان کے لیے یہ سب جائز ہے؟

㉑ بورڈ کا امتحان دینے والے کو اکثر آٹھ یا دس پاس ہونے کی مارسیٹ فارم پر لگانی ہوتی ہے، جس میں اکثر مارسیٹ فرضی ہوتی ہے، جو سرکاری جرم ہے۔

(۲۲) ہندوستان میں مسلمانوں کی زبان بول کر اردو ٹیچر سرکاری محکموں میں رکھے جاتے ہیں، کیا آپ نے غور کیا ہے کہ کتنے مسلمان رکھے جاتے ہیں، اکثر ہمارے ہندو بھائی ملتے ہیں، اب تو مدرسہ بورڈ کے بابو (منشی) ہمارے ہندو بھائی ہی ہوتے ہیں، کیا مدرسہ انہی حضرات سے چلے گا؟

(۲۳) کیا اردو اسلام کی زبان ہے؟ کیا اردو زبان کی حفاظت ہم پر فرض ہے؟

(۲۴) مدرسہ بورڈ میں جہاں پر قرآن وحدیث کی تعلیم دی جاتی ہے، جہاں صرف مسلمان ہی کے بچے زیر تعلیم ہوتے ہیں، وہاں پر ہندو مذاہب کی عبادت (تہوار) کی بھی چھٹیاں منائی جاتی ہیں، جب کہ مسلم تہوار کی چھٹی کم ہوتی ہے، بورڈ کی اس ناانصافی پر سرکار کی کوئی توجہ نہیں ہے۔

(۲۵) جب کسی مدرسہ کو ایڈ حاصل ہو جاتا ہے تو وہ جن اساتذہ کو اپنے مدرسہ میں مدرس رکھتے ہیں، ان سے ذمہ داران مدرسہ لاکھ، دو لاکھ روپئے رشوت لیتے ہیں، کیا ذمہ داران مدرسہ کے لیے ایسا کرنا جائز ہے؟ اور مدرسہ کو ضرورت ہو یا نہ ہو، مدرسین سے زکوۃ وفطرہ کا چندہ کرایا جاتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مدرسہ بورڈ کی حقیقت سمجھنے سے پہلے مدرسہ کسے کہتے ہیں، مدرسہ کے سرپرست کیسے ہوں؟ اس کے ذرائع اخراجات کیا ہوں؟ ان تمام امور کو سمجھنا ضروری ہے۔

مدرسہ پڑھنے، پڑھانے کی جگہ کو کہتے ہیں، ایران وہندو پاکستان میں عموماً لوگ دینی رسائل (کتب) اور بالغوں کے پڑھنے کی جگہ کو مدرسہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

(اردو دائرۂ معارف اسلامیہ ۲۰/ ۱۵۴)

دور حاضر کے دینی مدارس اور موجودہ زمانہ کی درسگاہوں کی مثال عہد نبوت علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں اصحاب صفہ کی زندگی ہے۔ (فتاوی محمودیہ کراچی ۱۵/ ۴۵۲)

''شوریٰ کی شرعی حیثیت'' نامی کتاب میں ہے:

ہندوستان کے عربی مدارس-جن کی بنیاد اسلامی حکومت کے ختم ہونے کے بعد عوامی چندہ پر رکھی گئی ہے- بالکل نئی نوعیت کے حامل ہیں، یہ مدارس اپنے مقصد تاسیس اور مقاصد عظمیٰ کے لحاظ سے اسلام کے تحفظ کے قلعے اور دعوت وتبلیغ کے مراکز ہیں، طریق کار کے لحاظ سے یہ دینی اور مذہبی تعلیم گاہ ہیں۔ (شوری کی شرعی حیثیت ص:۳۶۰)

مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب (جامعہ اسلامیہ راولپنڈی رحمۃ اللہ علیہ) ''دینی مدارس کا مزاج'' نامی مضمون کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

صدیوں سے دینی مدارس قائم ہیں اور اپنے مقاصد کی تکمیل میں مصروف ہیں، دین کی جو بہاریں آج نظر آرہی ہیں وہ ان دینی مراکز کی برکات ہیں، حکومتی تعاون سے الگ تھلگ اپنے مزاج کے مطابق خاموشی سے اپنے کام میں یہ ادارے مگن ہیں۔

مدارس کی نشأۃ ثانیہ کا آغاز اب سے ایک سو چالیس سال قبل محرم ۱۲۸۳ھ میں دار العلوم دیوبند اور پھر رجب ۱۲۸۳ھ میں مظاہر علوم سہارنپور سے ہوا، نشأۃ ثانیہ کے اس دور سے آج تک مدارس بڑے بحرانوں سے دوچار رہے، مگر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے غیروں کی بے پناہ سازشوں کے باوجود اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہیں، اربابِ مدارس اور علماء کرام کی مساعی اپنی جگہ اہم ہیں؛ لیکن اصحاب خیر مسلمانوں کا تعاون بھی انتہائی قابل رشک ہے، اسی لیے مدارس کبھی حکومتی تعاون کے دست نگر نہیں رہے، ارباب مدارس کے سامنے بانئ دار العلوم دیوبند قاسم العلوم و

الخیرات حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے وہ آٹھ اصول ہیں جو آج بھی دار العلوم دیوبند کے کتب خانہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے لکھے ہوئے محفوظ ہیں، ان میں سے ایک اصول نمبر ۸ یہ ہے کہ:

''اس مدرسہ میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں تب تک یہ مدرسہ ان شاء اللہ بشرط توجہ الی اللہ اسی طرح چلے گا، اور اگر کوئی آمدنی اس کی یقینی حاصل ہو گئی جیسے جاگیر، کارخانۂ تجارت یا کسی امیر محکم القول کا وعدہ تو پھر یوں نظر آتا ہے کہ یہ خوف ورجاء- جو سرمایۂ رجوع الی اللہ ہے- ہاتھ سے جاتا رہے گا اور امداد غیبی موقوف ہو جائے گی اور کارکنوں میں باہم نزاع پیدا ہو جائے گا''۔ القصہ آمدنی اور تعمیر میں ایک قسم کی بے سروسامانی رہے۔ (تاریخ دار العلوم ص ۱۰۶)

دار العلوم دیوبند کے بارے میں مشہور مؤرخ شیخ محمد اکرام اپنی کتاب ''موج کوثر'' میں لکھتے ہیں کہ: ''دار العلوم دیوبند کی ابتداء نہایت معمولی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ کے کرم اور بانیوں کی حسن نیت سے جلد ہی اس نے ترقی شروع کردی'' آگے لکھتے ہیں کہ ''دیوبند کا قیام جنگ آزادی کے بیس پچیس سال بعد ہوا، لیکن جلد ہی اس نے قوم کے تعلیمی نظام میں معزز جگہ حاصل کر لی، اور آج قدیم طرز کی اسلامی درسگاہوں میں سب سے زیادہ اس کی ترقی کی وجہ یہ ہے کہ اس کا بیج اچھا تھا اور اچھے ہاتھوں سے بویا گیا تھا''۔ (ماہنامہ البلاغ کراچی، ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ مارچ ۲۰۱۱ء ص: ۳۷، ۳۸)

قاری صاحب موصوف نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے جس دستور العمل (اصول ہشت گانہ) کا حوالہ دیا ہے، اس کی چوتھی اور ساتویں دفعہ یہ ہے:

[۴] یہ بات بہت ضروری ہے کہ مدرسین باہم متفق المشرب ہوں۔ الخ۔

[۷] سرکاری شرکت اور امراء کی شرکت بھی زیادہ مضر معلوم ہوتی ہے۔

(تاریخ دار العلوم دیوبند ا/ ۱۵۴)

مدرسہ کے سرپرست دیندار و پرہیزگار، خداترس ہوں اور مدرسہ کی کامیابی و ترقی کے خواہاں ہوں، امانت داری کا وصف علی وجہ الاتم ان میں پایا جاتا ہو، اموال مدرسہ میں حد درجہ محتاط ہوں، حریص و لالچی نہ ہوں، مداہنت سے کوسوں دور ہوں، اساتذۂ مدرسہ کے ساتھ اعزاز و احترام کا معاملہ کریں، ان کو دیگر ملازمین اور نوکروں کی طرح نہ سمجھیں، اساتذۂ مدرسہ کے ساتھ خوش اخلاقی اور ملنساری سے پیش آئیں۔

آج کل مدارس سے علمائے ربانی پیدا نہ ہونے کا اہم سبب یہ ہے کہ حرام اور مشتبہ مال سے بچنے کا اہتمام نہیں، حرام ایک ایسی خطرناک چیز ہے جو دین کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیتی ہے۔

پاکیزہ اور حلال غذا کھانے پر اور مشتبہ اور حرام سے بچنے پر شریعت مطہرہ نے خوب زور دیا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

إن الله طيب لا يقبل الا طيباً، وإن الله أمر المؤمنين بما أمر به المرسلين، فقال: ﴿يايها الرسل كلوا من الطيبات واعملوا صالحاً﴾ و قال تعالىٰ: ﴿يايها الذين اٰمنوا كلوا من طيبات ما رزقنكم﴾ ثم ذكر الرجل يطيل السفر أشعث أغبر يمد يديه إلى السماء يقول: يا ربّ يا ربّ و مطعمه حرام و مشربه حرام و ملبسه حرام و غذى بالحرام فانیّ يستجاب لذٰلك رواه مسلم (مشكوٰة ص: ۲۴۱)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ (تمام کمی اور عیوب سے) پاک ہے، اس پاک ذات کی بارگاہ میں صرف

وہی (صدقات واعمال) مقبول ہوتے ہیں جو (شرعی عیوب اور نیت کے فساد سے) پاک ہوں، (یادرکھو) اللہ تعالیٰ نے جس چیز (یعنی حلال مال کھانے اور اچھے اعمال) کا حکم اپنے رسولوں کو دیا ہے اسی چیز کا حکم تمام مؤمنوں کو بھی دیا ہے، چناں چہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿یایھا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحاً﴾ (یعنی اے رسولو! حلال روزی کھاؤ اور اچھے اعمال کرو)۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿یایھا الذین اٰمنوا کلوا من طیبات ما رزقنکم﴾ (یعنی اے مؤمنو! تم صرف وہی پاک وحلال رزق کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے) پھر آپ ﷺ نے (بطور مثال) ایک شخص کا حال ذکر کیا کہ وہ طول طویل سفر اختیار کرتا ہے، پراگندہ بال اور غبار آلودہ، وہ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاتا ہے اور کہتا ہے: اے میرے رب! اے میرے رب (یعنی وہ اپنے مقاصد کے لیے دعاء مانگتا ہے) حالاں کہ کھانا اس کا حرام، لباس اس کا حرام، (شروع سے اب تک) پرورش اس کی حرام ہی (غذاؤں سے) ہوئی، پھر کیونکر اس کی دعاء قبول کی جائے۔ (مسلم) (مظاہر حق جدید: ۳/ ۴۳۰، ۴۳۱)

استفتاء میں آپ نے جو یہ تحریر فرمایا ہے کہ "پہلے مدارس کے دربان اور جاروب کش بھی ولی ہوا کرتے تھے؛ مگر جب سے مدارس میں دنیادار اہل ثروت کا دخل ہوا اور مدارس میں سرکاری امداد لی جانے لگی، مدارس کا حال بد سے بدتر ہوتا گیا"۔

بالکل صحیح ہے، یہ ساری خرابیاں مدارس میں آنے والے مخلوط مال کی کرشمہ سازی ہے، ایک وقت وہ تھا لوگ خالص حلال وطیب مال مدارس میں دیتے تھے تو اس کا ثمرہ پاکیزہ نفوس کی شکل میں ظاہر ہوتا تھا، اور اب ہر طرح کا مال آتا ہے، چندہ دینے والے کو حلال وحرام کی تمیز نہیں اور ارباب مدارس بھی اس باب میں غفلت برتتے

ہیں، ”ھل من مزید“ ہر سفیر کا نعرہ ہے، اس لیے اس کا ثمرہ بھی ویسا پاتے ہیں۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا سبق آموز ایک ملفوظ نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ ناقل ہیں، فرماتے ہیں: ایک مرتبہ بندہ حاضر تھا، آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا: مولوی عاشق الٰہی! ایک بات کہوں، ہم نے اپنے بڑوں سے سنا ہے کہ ہندوستان میں علم کی اتنی کمی تھی کہ دور کیوں جاؤ، خود ہمارے اضلاع میں بھی جنازہ کی نماز پڑھانے والا مشکل سے ملتا تھا، اور آج علم کی کثرت کا یہ حال ہے کہ شہر تو شہر کوئی قصبہ؛ بلکہ شاید کوئی گاؤں بھی ایسا نہ ہو جہاں کوئی مولوی نہ مل جائے، اس کے بعد ذرا دوسرا پہلو دیکھو کہ غدر کا زمانہ گذرے کچھ مدت نہیں ہوئی کہ ابھی اس کے دیکھنے والے بھی زندہ ہیں، اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ پھانسی گڑی ہوئی تھی اور ان ناکردہ مظلوموں کا پرّا بندھا ہوا تھا جن کو پھانسی کا حکم دیا جا چکا تھا، وہ لوگ آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ ایک نعش کو اتارا جا رہا ہے اور دوسرے زندہ کو چڑھایا جا رہا ہے، اس طرح موت ان کی نظر کے سامنے تھی اور ان کو عین الیقین تھا کہ چند منٹ بعد میرا شمار مردوں میں ہوا چاہتا ہے، بایں ہمہ کوئی جھوٹوں بھی ان کے متعلق ضعفِ ایمان کا یہ الزام نہیں لگا سکتا کہ کسی بچہ نے بھی موت سے ڈر کر اسلام سے انحراف یا تبدیل مذہب کا خیال کیا ہو، باوجود قلت علم اور غلبۂ جہالت کے ان کا ایمان اتنا پختہ تھا کہ مرنا قبول تھا مگر مذہب پر حرف آنا قبول نہ تھا، اور آج بایں کثرت علم ضعفِ ایمان کا یہ حال ہے کہ ذرا ڈنڈے کے خوف یا دو پیسہ؛ بلکہ دو حرف انگریزی کے عطیہ کی طمع دلا کر جو چاہے کہلا لو اور جو چاہے کرا لو۔ عجیب بات ہے کہ قلت علم کے وقت ایمان میں اتنی قوت اور کثرت علم کے زمانہ میں ایمان کی اتنی کمزوری!!! اس کے بعد فرمایا:

سچ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ ایک جگہ علامت قیامت کو بیان کیا علم کا کم ہونا۔ اور دوسری جگہ فرمایا کہ قیامت کے قریب علم زیادہ ہو جائے گا۔ اہل باطن نے بغیر دیکھے نورِ فراست سے تطبیق دی تھی، مگر ہم بدنصیبوں نے اس وقت کو آنکھوں سے دیکھ لیا کہ صورت علم کثیر ہوگئی مگر حقیقت علم قلیل ہوگئی اور یہی خاص علامت ہے قرب قیامت کی۔

ایک مرتبہ ایسے ہی فکر سے افاقہ پا کر فرمانے لگے: مولوی عاشق الٰہی! میں غور کیا کرتا ہوں ابھی چند سال ہوئے چندوں میں اتنی قلت تھی کہ دو دو چار چار پیسے بھی قدر کے ساتھ لیے جاتے تھے اور مدرسین وطلبہ کو چھپر کے سایہ میں بیٹھنا بھی نعمت معلوم ہوتا تھا، بایں ہمہ علماء ایسے تیار ہوتے تھے کہ باید وشاید۔ آج انھیں روکھی سوکھی کھا کر پڑھنے والوں کی بدولت دین کا ماہتاب چمک رہا ہے، اور اب چندوں کا یہ حال ہے کہ ریاستوں سے ہزار ہا روپیہ مقرر ہے اور امراء و متمول تاجروں سے کثیر کثیر رقمیں آتی ہیں؛ مگر نہ علم میں وہ برکت ہے، نہ حال اور عمل میں وہ اخلاص، مدارس کو دیکھو تو تعمیرات زائدہ میں ترقی اور عالی شان عمارتوں کی بھرمار، طلبہ کو دیکھو تو ہر طرح، امراء جیسے باورچی خانے اور اس پر بھی ان کو شکایت اور اعتراض، آہ! زمانہ ہی پلٹ گیا، ظاہر داری ہر جگہ بڑھ گئی اور بطن واندروں ہر چیز کا جاتا رہا، آخر اس کی وجہ کیا ہے کہ پہلے جو نتیجہ پیسوں میں نکلا وہ آج ہزاروں روپے میں بھی نہیں نکلتا؟ ذرا سکوت فرما کر خود ارشاد فرمایا کہ: میرے خیال میں اس کی وجہ یہ آتی ہے کہ اس زمانہ میں حلت، حرمت کا اہتمام مسلمانوں کے قلوب سے جاتا رہا، اور حب مال نے چر لیا کہ روپیہ کمانے کی فکر میں حدود شرعیہ کا تذکرہ بھی لوگوں کو ناگوار گزرنے لگا ہے؛ اس لیے پہلے جو کچھ مدرسوں میں آتا تھا اگرچہ مقدار میں قلیل ہوتا تھا، مگر حلال خالص اور محنت وریاضت کا کمایا ہوا بابرکت آتا تھا؛

لہٰذا اس کے ثمرات بھی شیریں اور بابرکت مرتب ہوتے تھے، اور آج گو مقدار میں کثیر آتا ہے مگر اس میں اکثر حصہ وہ ہوتا ہے جس میں شریعت کے جواز وعدم جواز کا لحاظ نہیں رکھا گیا؛ لہٰذا وہ یہاں آکر بھی یا مٹی میں ملائے جانے کے قابل ہوتا ہے، اور فضول تعمیرات میں خرچ ہوجاتا ہے یا زوائد امور میں صرف ہوجاتا ہے، چھٹ چھٹا کر جو حلال بچتا ہے وہ مد تعلیم میں صرف ہوتا ہے؛ مگر وہ اقل قلیل ہے؛ لہٰذا علم مورث عمل کا ثمرہ بھی اقل قلیل۔ صدق الله العلی العظیم ﴿الخبیثات للخبیثین والخبیثون للخبیثات والطیبات للطیبین والطیبون للطیبات﴾

حضرت پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اے لوگو! میں تمہارے مصارف دیکھ کر مداخل کا پتہ چلا لیتا ہوں، کہ تمہارا پیسہ حرام جگہ صرف ہوتا دیکھتا ہوں تو سمجھ لیتا ہوں کہ ضرور حرام طریق سے حاصل ہوا تھا، لہٰذا ''مال حرام بود بجائے حرام رفت''۔ اور مباح جگہ صرف ہوتا دیکھتا ہوں تو سمجھ لیتا ہوں کہ جائز صورت سے کمایا گیا تھا، اور اگر خاص اہل اللہ پر یا عین خوشنودی خدا کے مواقع پر خرچ ہوتا دیکھتا ہوں تو سمجھ لیتا ہوں کہ صرف اباحت ہی نہیں؛ بلکہ طاعت ورضاء حق کے ساتھ حاصل کیا ہوا تھا، پس جیسا بیج ویسا درخت اور جیسا تخم ویسا اس کا پھل۔ عوام شکایت تو کرتے ہیں کہ اب علماء ایسے کیوں نہیں جیسے پہلے تھے؟ مگر اس پر غور نہیں کرتے کہ ان کا کمایا ہوا پیسہ - جو مدرسوں میں آتا ہے - ویسا خالص اور پاک نہیں ہے، جیسا ان کے بزرگوں اور اسلاف کا تھا، وہ اپنا کسب مال اللہ کی مرضی کے موافق کریں اور اس کو طلبہ کی خورد ونوش بنادیں، تو پھر علماء پہلے سے دیندار محتاط اور مخلص اللہ والے خاشع وخاضع تیار ہونے کیا دشوار ہیں۔ (تذکرۃ الخلیل ص ۱۶۸ تا ۱۷۱)

فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دینی مدارس پر آفت آرہی ہے، یہ سب خرابی ایسے ویسے پیسے کی ہے، پہلے ایسا ویسا پیسہ نہیں تھا، حلال واخلاص کی کمائی تھی، اس کے اثرات اچھے ہوتے تھے، اور اب وہ بات نہیں؛ اس لیے فتنے رونما ہو رہے ہیں۔ (ملفوظات فقیہ الامت قسط ۴/ ۴۴)

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

''یہ مدرسے دنیا میں جہنم ہیں اور آخرت میں جنت، اگر اللہ کے لیے کھولے ہیں تو دنیا میں تو حالات ومصائب آئیں گے، اس لیے یہ دنیا میں جہنم ہیں، مگر آخرت میں اس کی برکت سے بڑے بڑے درجات ملیں گے، اور اگر دنیا طلبی کے لیے ہیں تو یہ آخرت میں وبال اور دنیا میں جنت''۔ (رسائل الرغوب ۵ ۲۳)

حضرت مولانا قاری سید محمد صدیق صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''اب تو لوگوں نے اپنی جیب بھرنے اور پیٹ پالنے کے لیے مدارس اور مکاتب کھول رکھے ہیں، ہر شخص اپنی دو اینٹ کی مسجد علیحدہ بنائے ہوئے ہے اور شہروں میں جا جا کر چندہ کر کے اپنی کوٹھیاں بنانی ہیں، ان کی نگرانی یا محاسبہ کرنے والا تو کوئی ہے نہیں، خدا کا خوف بھی نہیں، من مانی جو چاہتے ہیں کرتے ہیں''۔ (ایضاً)

سطور بالا میں ذکر کردہ امور اور اقوالِ علماء پر مدرسہ بورڈ کی حقیقت اور اس سلسلہ میں علماء کے موقف کو جانچیے، ہمارے اکابر نے دینی مدارس کے جو اصول و ضوابط تیار کیے ہیں اور اس کی روشنی میں ہم اپنی منزل کی جس سمت میں گامزن ہیں اس میں اور حکومت کے فارمولہ ومزعومہ مدرسہ بورڈ کے درمیان کوئی جوڑ ہی نہیں۔

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی		ایں راہ کہ تو می روی بترکستان است

ماہنامہ ’’معارف قاسم جدید دہلی‘‘ میں مدرسہ بورڈ کے متعلق ہمارے علماء کے متعدد مضامین شائع ہوئے ہیں، اس کے چند اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں، اس کے مطالعہ سے قیام مدرسہ بورڈ کے حقائق اور ملک کے لیڈران کے عزائم بآسانی سمجھ میں آجائیں گے۔ مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی تحریر فرماتے ہیں:

منفی سوچ کے حامل افراد میں سرکاری افسران اعلیٰ کے خیالات ہیں کہ مدارس میں امن وشانتی نہیں، تشدد کی تعلیم دی جاتی ہے، اس لیے اس کے بنیادی ڈھانچہ میں تبدیلی ناگزیر ہے، اس خاص سوچ اور سازش کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے ملک کے لیڈران مرکزی مدرسہ بورڈ بنانا چاہتے ہیں؛ تاکہ ان کا یہ مشن بہرصورت کامیاب ہوجائے، بدقسمتی یہ ہے کہ اس وقت بھی چند ’’میر جعفر‘‘ کی حمایت انہیں حاصل ہے، جن کے کاندھے پر بندوق رکھ کر یہ ایک تیر سے دونشانہ لگانا چاہتے ہیں، مسلمانوں کو اعلیٰ تعلیم کی ڈگر پر لانے کے لیے ان کی نظر میں مدارس میں تبدیلی وقت کا سب سے اہم ترین تقاضہ ہے جس کے بغیر مسلم بچوں کی تعلیمی پسماندگی دور نہیں ہوسکتی، اس کوشش کے پیچھے سچائی یہی ہے کہ مدارس کی روح کو کسی بھی طرح سے ختم کردیا جائے؛ تاکہ یہاں کے دینی مدارس کا بھی وہی حشر ہو جو ان ممالک میں ہوا جہاں حکومت کی مداخلت یا سرکاری بورڈ قائم ہیں۔ (معارف قاسم جدید اداریہ، ص: ۳، ۴، نومبر/ دسمبر ۲۰۰۹ء)

حضرت مولانا سید ارشد مدنی دامت برکاتہم عنوان ’’مرکزی مدرسہ بورڈ ایکٹ ۲۰۰۸ اپنی دفعات کے آئینہ‘‘ کے ذیل میں رقم طراز ہیں:

مدرسہ بورڈ کے قانون کے مسودہ کا گہرائی سے مطالعہ کرنے کے بعد یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس قانون کے بنانے والے حکومت کے لیے مدارس اسلامیہ کے اندر

دخل اندازی کا راستہ ہموار کر رہے ہیں؛ تا کہ مدارس کی آزادی سلب ہو جائے، ان کے نظام تعلیم اور نصاب تعلیم دونوں حکومت کے رحم و کرم پر رہیں۔

مولانا مدنی آگے تحریر فرماتے ہیں:

''مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مرکزی مدرسہ بورڈ ایکٹ ۲۰۰۸ء کے مضمرات کو بھی سامنے لایا جائے؛ تا کہ اس کا ہر پہلو واضح ہو جائے۔

مرکزی مدرسہ بورڈ ایکٹ کے صفحہ ۶ پر ''بورڈ کی ترکیب'' کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ بورڈ حسب ذیل افراد پر مشتمل ہوگا:

(۱) ایک معروف مسلم مذہبی اسکالر دیوبندی مکتبِ فکر کا۔

(۲) ایک معروف مسلم مذہبی اسکالر بریلوی مکتبِ فکر کا۔

(۳) ایک معروف مسلم مذہبی اسکالر اہل حدیث مکتبِ فکر کا۔

(۴) ایک معروف مسلم مذہبی اسکالر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کا۔

(۵) ایک معروف مسلم مذہبی اسکالر شیعہ مسلک کا۔

(۶) ایک معروف مسلم مذہبی اسکالر داؤدی بوہرہ فرقہ کا۔

(۷) ایک معروف مسلم مذہبی اسکالر روایتی مدرسہ تعلیم کے میدان کا۔

(۸) ایک معروف مسلم مذہبی اسکالر خاتون۔

(۹) ایک معروف مسلم مذہبی اسکالر انسانیت نواز۔

(۱۰) نفاذ کے وقت کسی بھی قانون کے تحت قائم شدہ کسی یونیورسٹی، شعبۂ عربی یا اسلامک اسٹڈیز کا سربراہ جس کی تقرری مرکزی حکومت کی طرف سے کی جائے گی۔

اسی ترتیب کے ساتھ دس افراد کا مجموعہ ''مدرسہ'' بورڈ کہلائے گا۔

اس مذکورہ بالا تحریر کے بموجب یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ دیوبندی مکتبِ فکر کے مدرسے ہندوستان ہی میں نوے فیصد ہیں، ان نوّے فیصد مدرسوں کے نظامِ تعلیم، نصابِ تعلیم، مسائل ومشاکل اوران کی ترجمانی کے لیے بورڈ میں صرف ایک آدمی اور وہ بھی گورنمنٹ کا قائم کردہ نمائندہ، کیا اربابِ مدارس اور مسلمانوں کو مطمئن کرسکے گا''؟۔ (ایضاً ص:۳۱،۳۲)

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں: ''مجوزہ مرکزی مدرسہ بورڈ کے پیچھے وہی عالمی سازش کارفرما ہے جس کے ذریعہ مصر، الجزائر اور ترکی میں مدارس کا حال خراب کیا گیا تھا''۔ (ایضاً ص:۴۵)

حضرت اقدس مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم (صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ) تحریر فرماتے ہیں:

''مرکزی مدرسہ بورڈ مدارس کی روح کے خلاف اور ہمارے لیے مضر ہے''۔ (ایضاً ص:۴۴)

مولانا سید محمود مدنی دامت برکاتہم (رکن پارلیمنٹ راجیہ سبھا) کا موقف یہ ہے کہ:

''مرکزی مدرسہ بورڈ کا قیام حکومت کا شوشہ ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ وہ عملاً مسلمانوں کی ترقی، تعلیم اور فلاح وبہبود کے لیے غیر سنجیدہ ہے، بورڈ سے ملحق مدارس کا رزلٹ اچھا نہیں ہے، جن ریاستوں میں بورڈ کے مدارس کام کررہے ہیں ایک بھی ایسا مدرسہ نہیں ہے جسے نمونہ اور آئیڈیل کے طور پر پیش کیا جاسکے، ان مدرسوں میں نہ اساتذہ ہیں نہ تعلیم، صرف بورڈ ہی بورڈ ہے''۔ (ایضاً ص ۴۷، ۴۸)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ (جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا)

تحریر فرماتے ہیں:

''گورنمنٹ کی طرف سے مرکزی مدرسہ بورڈ کے قیام کی مسلمانان ہند کی تمام تنظیموں، اداروں اور قابل ذکر شخصیتوں نے مخالفت کی ہے، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ، جمیعۃ علمائے ہند، جماعت اسلامی ہند، آل انڈیا ملی کونسل، دارالعلوم دیوبند، مسلم مجلسِ مشاورت وغیرہ سبھوں نے بہ اتفاق رائے اس کی مخالفت کی ہے، اس کا بنیادی سبب یہی ہے کہ گورنمنٹ کی مدد اور اس کی مداخلت مدارس کے بنیادی کردار کو متاثر کر دے گی''۔ (ایضاً ص:۴۹)

بورڈ کے متعلق ملک کے نبض شناس وحساس اہل علم اور دانشوران قوم-جن کی حالات پر گہری نظر ہے-کی مذکورہ تصریح کے بعد مزید کسی تبصرہ کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

اس تمہید کے بعد بالترتیب آپ کے سوالات کے جوابات لکھے جاتے ہیں:

① جی ہاں! حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں: ''ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے، اس نے مسلمانوں کو دستور میں تعلیم اور مذہبی حقوق کی آزادی دی ہے کہ اگر کوئی ہمارے مذہبی حقوق پر براہ راست یا بالواسطہ حملہ کرتا ہے تو مسلم پرسنل لاء بورڈ اس کی مخالفت کرے گا''۔ (ایضاً ص ۴۴)

حضرت مولانا سید ارشد مدنی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

''مرکزی مدرسہ بورڈ کے قانون کے مسودہ کا گہرائی سے مطالعہ کرنے کے بعد یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس قانون کے بنانے والے حکومت کے لیے مدارس اسلامیہ کے اندر دخل اندازی کا راستہ ہموار کر رہے ہیں تاکہ مدارس کی آزادی سلب ہو جائے''۔ (ایضاً ص ۴۴)

② جی ہاں! مگر بالواسطہ طور پر، مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی زید مجدہم نے مرکزی مدرسہ بورڈ کے قیام کو صیہونی سازش قرار دیتے ہوئے کہا کہ اس کے پیچھے اسرائیل کا دماغ کام کررہا ہے۔ (ایضاً ص:۵۰)

③ تا ⑤ آپ کیا! بڑے بڑے علماء کے لیے بھی یہ ایک سوالیہ نشان ہے۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب مدظلہ (مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند) فرماتے ہیں:

''مرکزی مدرسہ بورڈ کے بارے میں خواہ کتنا ہی غور وفکر کریں، یہ بات ناقابل فہم ہی رہتی ہے کہ آخر ۹۶/ فیصد تعلیم سے محروم مسلم بچوں کو نظرانداز کرکے ''وزارت برائے فروغ انسانی وسائل'' کی نظر عنایت صرف ۴/ فیصد طلبہ و وابستگان مدارس دینیہ پر ہی کیوں؟'' (ایضاً ۴۳)

مولانا سید محمود مدنی دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

''اگر سرکار سنجیدہ ہے تو ۹۶/ فیصد بچوں کی تعلیم وترقی کے لیے کیا کررہی ہے؟''

⑥ ضروری تو کیا ہوتا! ضرر رساں ہے جیسا کہ مولانا سید محمد رابع صاحب دامت برکاتہم نے تصریح فرمادی ہے۔

⑦ جی ہاں! مولانا بدرالدین اجمل قاسمی زید مجدہم (رکن پارلیمنٹ-لوک سبھا) نے مدارس کو بورڈ کے حوالے کرنے سے انکار کردیا، انہوں نے وضاحت کی کہ اول تو اس طرح سے مدارس کے نظام میں حکومت کی مداخلت ہوگی اور حکومت اپنے انداز سے چلائے گی، مدارس کے نصاب میں تبدیلی کا سب سے برا نتیجہ یہ ہوگا کہ دینی تعلیم کی طرف طلبہ کا رجحان کم ہوجائے گا، اور وہ عصری تعلیم میں ہی الجھ کر رہ جائیں گے۔ (ایضاً)

⑧ سچ ہے، عیاں راچہ بیاں۔

بزرگوں کی مذکورہ بالا تصریح کے بعد بھی کیا آپ کو ایسا ہونے میں شک و شبہ ہے؟ اگر ہے تو کیوں؟

گر نہ بیند بروز شپرۂ چشم		چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

⑨ ⑩ حکومت کے ذرائع آمدنی کیا ہیں؟ اس کی تفصیل کے بعد جواب ممکن ہے، محض شک کی بنیاد پر کسی چیز کو ناجائز و حرام کہنا درست نہیں۔

⑪ اگر واقعۃً اس مدرسہ میں دستور کے مطابق دینی تعلیم کا سلسلہ جاری ہو تو ان رقوم کے دینے میں کوئی حرج نہیں، اور اگر ایسا نہیں ہے جیسا کہ آپ نے ''مدرسہ بورڈ مسائل کی روشنی'' میں نمبر ۴، ۸ میں لکھا ہے تو پھر ایسے مدرسہ میں یہ رقوم نہ دی جائے۔

⑫ پتہ نہیں، یہ راز تو حکومت کے راز داروں ہی سے معلوم ہوسکتا ہے۔

ع رموز مملکت خویش خسرواں دانند

⑬ تا ⑮ جھوٹ بولنا، رشوت لینا دینا حرام ہے۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے: ''اپنا حق (تجارت یا ملازمت وغیرہ) وصول کرنے کے لیے اگر مجبوراً رشوت دی جائے تو امید ہے کہ رشوت دینے والا گناہ سے بچ جائے، رشوت لینے والے پر ہی وبال رہے گا''۔ (فتاوی محمودیہ کراچی ۱۸/۴۵۶)

سرکاری ضابطہ کے مطابق مدرسہ نہ ہونے کی صورت میں رشوت دینا بھی ناجائز ہے۔

(۱) الرشوة المحرمة على الآخذ و المعطى كالرشوة التى تعطى للقاضى ليحكم له و يأثم المعطى فى اعطاء الرشوة على ذلك الوجه و لو كان محقاً فى دعواه، و يأثم القاضى إذا حكم لذلك الرجل بناء على

الرشوة التی أخذها ولو كان الراشی محقاً فی دعواه و یکون ملعوناً.

(۲) الرشوة المحرمة علی الآخذ و غیر المحرمة علی الدافع کما لو دفع أحد رشوة لأحد لخوفه علی نفسه أو ماله أو دفع أحد لآخر رشوة لتحققه طمعه فی ماله و بقصد تخلیص بعض ماله منه فاخذ الرشوة من طرف الآخذ حرام و ممنوع (الولوالجیه) ولكن لیس محرما أعطاؤها.

(درر الحکام شرح مجلة الاحکام ٤/ ٥٣٦)

⑯ یہ جھوٹ اور دھوکہ بازی ہے جو حرام ہے۔ فتاویٰ محمودیہ میں ایسے ہی سرکار سے ملحق مدرسہ کے بارے میں لکھا ہے: ''اگر الحاق کی شرائط موجود نہیں، غلط بیانی کر کے شرائطِ الحاق موجودہ ظاہر کر کے الحاق کیا گیا ہے اور اس کے تقاضوں کو پورا نہیں کیا جاتا، صرف دفتری خانہ پری کر کے بتلایا جاتا ہے کہ تقاضوں کو پورا کر دیا گیا اور اس طور پر امداد حاصل کی جاتی ہے تو یہ زور وخداع ہے''۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۵/ ۵۹۱)

⑰ ⑱ جب وہ وظیفہ طلبہ کے نام پر آتا ہے تو پورا پورا وظیفہ طلبہ کو دینا ضروری ہے، کچھ دینا باقی مدرسہ میں رکھ لینا، اور جتنی رقم دی ہے اس سے زائد پر دستخط کروانا یہ سب کام ناجائز ہیں، یہی حکم چاول وغلہ کا ہے۔

⑲ ⑳ یہ سب شرائط الحاق کے خلاف ہیں، آیات قرآنیہ واحادیث اور لکھی ہوئی چیز کو بیت الخلاء میں پھینک دینا نہایت ہی شنیع حرکت و ناجائز ہے۔

㉑ شرعی بھی جرم ہے، ایسی فرضی مارسیٹ لگانا دھوکہ ہے۔

㉒ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے دستور العمل میں گزر چکا کہ:

''یہ بات بہت ضروری ہے کہ مدرسین باہم متفق المشرب ہوں'' صورت مسئولہ میں ہندو منشی بھائی متفق المشرب کیا ہوتے متفق المذہب بھی نہیں۔

(۲۳) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ نے اردو کی اہمیت کے بارے میں طویل فتوی تحریر فرمایا ہے، اس کے اخیر میں تحریر فرماتے ہیں:

تفریع علی التفریع: اس انتاج کے بعد معلوم ہو گیا کہ اس وقت اردو زبان کی حفاظت دین کی حفاظت ہے، اس بناء پر یہ حفاظت حسب استطاعت طاعت اور واجب ہوگی، اور باوجود قدرت کے اس میں غفلت اور سستی کرنا معصیت اور موجب مواخذۂ آخرت ہوگا۔ واللہ أعلم و ھذا ماحضرنی الآن و لعل اللہ یحدث بعد ذلك أمرا رسالہ درجۂ اردو تمام شد۔ (النور، ۱۰/شعبان ۵۸ھ، امداد الفتاوی ۴/ ۶۵۵)

حضرت کا یہ فتوی بہتر (۷۲) سال پہلے کا ہے، بعد کے دور میں اسلامی علوم کا بہت بڑا حصہ اردو زبان میں منتقل ہو چکا ہے، اس لیے اردو زبان کی حفاظت کی اہمیت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔

(۲۴) نظام مدرسہ میں سرکار کی دخل اندازی ہی کا یہ نتیجہ ہے، اسی لیے دانشورانِ قوم مدرسہ بورڈ کے خلاف ہیں جیسا کہ گزرا۔

(۲۵) رشوت لے کر مدرس کا تقرر کرنا جائز نہیں۔ عقد اجارہ میں اگر چندہ کرنا مشروط ہے تو اس تقاضۂ عقد کے مطابق شرعی حدود میں رہ کر عمل کرنا ضروری ہے۔

اخیر میں حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی چشم کشا تحریر نقل کی جاتی ہے جس میں حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے بتلایا ہے کہ دینی مدارس کے فضلاء قابل رشک اسلامی معاشرہ وجود میں لانے کا ذریعہ ہوئے اور جن ملکوں میں مدارس کو حکومت نے اپنی تحویل میں لے لیا ہے وہاں مدارس کی روح ختم ہو کر عیاشی اور مادہ پرستی نے جگہ لے لی ہے، ملاحظہ کیجئے:

دینی مدارس اور ان کا فائدہ:

یہ علوم آخرت کی درس گاہیں اور ان سے پیدا ہونے والے حاملینِ علومِ انبیاء علمائے حق، حکومت کے عدمِ تعاون یا عوام کی سردمہری کی وجہ سے مذکورہ بالا قابلِ رشک اسلامی معاشرہ کی تشکیل میں اگر کامیاب نہ بھی ہوں؛ تب بھی ان کے دم قدم کا اتنا فائدہ ضرور ہوگا کہ معاشرہ کے فسق و فجور میں گرفتار افراد قانونِ الٰہی اور احکامِ شرعیہ کی خلاف ورزی، سودخوری، شراب نوشی حتی کہ زنا کاری اور فحاشی کے باوجود خود کو گنہگار عنداللہ مجرم ضرور سمجھتے رہیں گے، اور کسی نہ کسی وقت خدا کے سامنے گناہوں کی مغفرت کے لیے ان کے ہاتھ ضرور اٹھتے رہیں گے، بالکل ہی خدا ناشناس درندے اور جانور نہ بنیں گے اور اس خدا شناسی اور اعترافِ گناہ کی بدولت - اگرچہ صرف دل ہی سے ہو - عام عذابِ الٰہی، خدائی قہر اور الٰہی انتقام کا نشانہ نہ بنیں گے، ارشاد ہے:

﴿وما كان الله ليعذبهم وهم يستغفرون﴾ ترجمہ: اللہ سے یہ بعید ہے کہ وہ تو اللہ سے مغفرت کی دعائیں کر رہے ہوں، اور اللہ ان کو عذاب (آسمانی) میں گرفتار کردے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمانی قوت اور اسلامی روح اگرچہ فسق و فجور کی وجہ سے کتنی ہی مضمحل اور کمزور ہو جائے باقی ضرور رہتی ہے، اور آڑے وقت ضرور کام آتی ہے، علاوہ ازیں چوں کہ ان علماءِ دین اور حاملینِ علومِ آخرت کی عمر کا وہ حصہ جو فطری طور پر دنیوی علوم، صنعت و حرفت اور ان کے علاوہ دنیوی وسائلِ معاش کے سیکھنے اور حاصل کرنے کا ہوتا ہے انہی علومِ دینیہ کی درس گاہوں اور علومِ دینیہ کے حاصل کرنے میں گذر جاتا ہے، اس کے بعد وہ دنیوی اعتبار سے کسی مصرف کے نہیں رہتے، اس لیے

قدرتی طور پر ان کی معاشی زندگی دین اور دینی خدمات سے وابستہ ہو جاتی ہے، خواہ درس وتدریسِ علوم دینیہ کی صورت میں ہو، خواہ وعظ وتبلیغ کی صورت میں، خواہ مؤذنی، امامت وخطابت کی شکل میں ہو یا مکاتبِ قرآنِ کریم میں حفظ یا ناظرہ قرآنِ کریم کی تعلیم کی شکل میں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قوم اور اس کے معاشرہ میں ان لوگوں کی بدولت کم از کم دین کا شعور اور خدا پرستی کا احساس ضرور بیدار اور باقی رہتا ہے؛ بلکہ قوم کی اکثریت انفرادی طور پر ضرور دیندار اور احکامِ شرعیہ کی بڑی حد تک پابند رہتی ہے، حرام وحلال، طاعت ومعصیت، عذاب وثواب کی تمیز اور کسی نہ کسی درجہ میں خوفِ خدا اور خوفِ آخرت ضرور باقی رہتا ہے اور اس کے نمایاں اثرات محفوظ رہتے ہیں اور کسی کسی وقت اس کے برکات ضرور ظاہر ہوتے ہیں۔

اس کے برعکس جن اسلامی ملکوں میں ان آزاد عربی مدارس ومکاتب کا وجود حکومت کے زور سے بالکل ختم کر دیا گیا ہے اور ملک کے تمام مدارس ومکاتب کو دنیوی تعلیم کی درس گاہوں میں تبدیل کر دیا گیا ہے، امامت وخطابت، وعظ وتبلیغ اور درس وتدریس کو حکومت کے کنٹرول میں لے لیا گیا ہے، ان ملکوں میں علومِ قرآن وحدیث وفقہ و اصولِ فقہ کے سوتے بالکل خشک ہو چکے ہیں اور اس کے نتیجہ میں نری عیش پرستی کے تسلط کی وجہ سے ایمانی قوت اور دینی روح اور خدا پرستی کا احساس اور چرچا بالکل ہی ختم ہو چکا ہے یا ختم ہوتا جا رہا ہے، اسلام کی جگہ قومیت نے لے لی ہے، خدا کی جگہ مادی ترقیات پر قابض طاغوتی طاقتوں نے لے لی ہے، قانونِ الٰہی کی جگہ انسانی ساختہ پرداختہ استعماری یا اشتراکی قوانین نے، اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی جگہ مغربی تہذیب اور اس کے لوازمات موسیقی رقص وسرور، غنا، عریانی، فحاشی اور جذبات کو

برانگیختہ اور مشتعل کرنے والی فلموں، ڈراموں اور نام نہاد ثقافتی پروگراموں نے لے لی ہے، اور عام طور پر پوری قوم میں خصوصاً نوجوان نسلیں شب وروز ریڈیو پر موسیقی کے نغمے اور دھنیں سننے اور ٹیلی ویژنوں پر عریاں مناظر دیکھنے اور پھر اپنی نجی صحبتوں، مجلسوں یا خلوتوں میں قدِ آدم آئینوں کے سامنے اس فحاشی اور جنسی آورگی کی ریہرسل (مشق) اور عملی تجربے کرنے میں مصروف ہے۔ العیاذ باللہ (بصائر وعبر، ۱/ ۲۶۵، ۲۶۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد عبد القیوم راجکوٹی

الجواب صحیح: العبد احمد عفی عنہ خانپوری　　　الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قوانینِ مدرسہ کی خلاف ورزی پر ترکِ کلام کرنا

سوال: بندہ نے شروع سال میں مدرسہ میں داخلہ لیا دورۂ حدیث کے لیے، تو داخلہ کے لیے فارم لیا اور بھی ساتھیوں نے فارم لیا، اور اس فارم میں لکھا تھا کہ دورہ والوں کو بھی عشاء کے بعد پڑھنا ایک گھنٹہ ضروری ہے، اور اس سے پہلے عشاء کے بعد پڑھنا واجب وضروری نہ تھا، تو سب ساتھیوں نے کہا کہ ہم کو فارم بھرنا نہیں ہے، بندہ بھی مجبور تھا، اکیلا برہانپور کا تھا، اور مجھ کو کہہ دیا کہ تجھ کو مہتمم صاحب کے سامنے کچھ نہیں کہنا ہے، بندہ خاموش رہا اور بندہ نے بھی فارم نہیں بھرا؛ اس لیے کہ اگر بھر دیوے تو یہ ایک وعدہ ہو جاتا ہے اور وعدہ خلافی مومن کی شان نہیں ہے، مومن کے لیے زیبا نہیں دیتا ہے؛ بہر حال آدھا دن ایسے ہی گذر گیا اور پھر وہی بڑے بڑے طالب علم اٹھے اور انہوں نے فارم بھر دیا اور بندہ نے سب کے آخر میں فارم بھرا؛ تاکہ کسی کو یہ

بولنے کا موقع نہ ملے کہ اسماعیل نے پہلے فارم بھرا، یا اسماعیل نے فارم بھرنے کو کہا، پھر سب ہی ساتھیوں نے فارم بھر دیا، پھر جب پڑھنے کا بورڈ لگا کہ سب کو عشاء کے بعد پڑھنے کو بیٹھنا ہے تو دورۂ حدیث کے تمام ساتھیوں میں سے کوئی نہ بیٹھا علاوہ اس بندہ کے، اور پھر دوسرے دن سے سب بڑوں بڑوں نے قطعِ تعلق وکلام کر دیا، اور بندہ جو پڑھنے بیٹھا اس لیے کہ قوم کا پیسہ لگتا ہے کہ بچے پڑھیں، اگر ہم نہ پڑھیں تو قوم کا پیسہ ضائع بے کار جاتا ہے اور آخرت میں اس پر بھی مواخذہ ہوگا، اور دوسرا نہ بیٹھنے میں وعدہ خلافی ہوتی ہے (جو فارم میں وعدہ کیا تھا) اور حدیث میں وعدہ خلافی منافق کی علامت بتائی گئی ہے (اگرچہ نفاق عملی ہے) تو ان سے بندہ نے بھی قطع تعلق کرلیا ہے کہ سب نے حدیث پڑھنے پر اور واجب فرض کو ادا کرنے پر ترکِ کلام کیا ہے تو بندہ نے ان سے حدیث نہ پڑھنے پر اور واجب ادا نہ کرنے پر ترک کلام کر دیا ہے، اور یہ نمونہ بندہ کے ذہن میں آتا ہے، حضرت عبداللہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے بلال رحمۃ اللہ علیہ سے ترکِ کلام کیا جب کہ بلال رحمۃ اللہ علیہ کا کلام حدیث کے ساتھ معارض تھا، اور ایک نمونہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا واقعہ حدیث میں مشہور ہے، یہ ایک راز ہے بندہ اور آپ کے درمیان، اس سے مقصد یہ ہے کہ کیا میرا ان سے ترکِ کلام کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ کیا آخرت میں بندہ کا اس پر مواخذہ ہوگا؟ کیا جو حدیث میں وعید آئی ہے بندہ اس میں شامل ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر آپ اسی نیت سے ان کے ساتھ ترکِ کلام کر رہے ہیں (واللہ تعالیٰ عالم

بسرائر الحال) تو اس کی اجازت ہے؛ ورنہ اگر نیت یہ ہے کہ انہوں نے مجھ سے ترکِ کلام کیا ہے اس لیے میں بھی کرلوں تو یہ جائز نہیں ہے، پہلی صورت میں بھی ان کی فہمائش اور ان کو اس حرکتِ ممنوعہ سے باز رکھنے کی سعی آپ پر ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حاضری کے لیے کارڈ سسٹم پر بعض اساتذہ کی ناراضگی

سوال: ہم لوگ ابھی تک ادارہ کے احاطہ میں رہتے تھے یعنی قیام تھا، ابھی ادارہ سے باہر ہیں تو اس سے پہلے حاضری کے لیے رجسٹر کا نظام تھا اور ابھی ادارہ کی طرف سے کارڈ سسٹم شروع کیا ہے، جس کا مقصد صرف اتنا ہے کہ کوئی بھی ٹرسٹی اردو جانتا نہیں ہے، تو وہ جب جائزہ لینے آئے تو کارڈ کے ذریعہ حاضری کا جائزہ انگریزی میں لے سکے، اس لیے اس کارڈ کا نظام شروع کیا گیا ہے، جس پر ادارہ کے دینیات پڑھانے والے اساتذۂ کرام کو ناراضگی ہے، اور ان کی یہ مانگ ہے کہ کارڈ ہٹا دیا جائے، تو ٹرسٹی صاحب جاننا چاہتے ہیں کہ کارڈ لینے سے شرع کی رو سے کوئی پکڑ ہوگی؟ یہاں یہ بھی لکھنا ضروری سمجھا جاتا ہے کہ ادارہ میں کام کرنے والے تقریباً پچاس، ساٹھ لوگوں کے کارڈ بنے ہوئے ہیں اور اس پر کسی بھی اسٹاف کے فرد کو کسی قسم کی بے عزتی یا کسی بھی قسم کا اعتراض نہیں، اور دینیات کے اساتذۂ کرام کو اعتراض ہے؛ لیکن کس چیز پر ہے؟ ان کو کارڈ رکھنے سے نقصان یا تکلیف ہوسکتی ہے؟ یہ پوچھنے پر بتانے کو تیار نہیں ہیں،

اور ان کا فیصلہ یہ ہے کہ کارڈ ہٹا دیا جائے، تو براہِ کرم شریعت کی رو سے رہنمائی فرمائیں۔

نیز استاذ بھی ایک طرح سے ملازم ہیں، کارڈ میں ان کی حاضری، غیر حاضری، ہفتہ واری چھٹی، نصف دن کی حاضری یعنی سی ایل وغیرہ کارڈ میں لکھا جاتا ہے، جس طرح عام ملازمین کا بھی لکھا جاتا ہے، تو اردو نہیں جاننے کی بنیاد پر کارڈ کے ذریعہ سے ان چیزوں کا ریکارڈ انگریزی میں ماہواری ہم دیکھ سکتے ہیں، اور اس کو ہمارے عام ملازمین کی حاضری کے نام رجسٹر یا کتاب جو انتظامیہ دفتر سے ہے اس سے ہر ایک کا ریکارڈ دیکھا جاتا ہے، اور اساتذۂ کرام بھی باہر سے خدمت کے لیے آتے ہیں جس طرح اور ملازمین آتے ہیں اس لیے یہ حاضری کارڈ سب کے لیے بناتے ہیں، براہِ کرم جواب سے نوازیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ہر تعلیمی یا غیر تعلیمی ادارہ میں کام کرنے والے حضرات کو اس ادارہ کی طرف سے دیے جانے والے حقوق اور تنخواہ وغیرہ کا مدار کام کے لیے دی جانے والی حاضری یا غیر حاضری پر ہوتا ہے، اس لیے ہر ادارہ میں اپنے کارکنان اور ملازمین کی حاضری یا غیر حاضری معلوم کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے، زمانۂ سابق میں اس مقصد کے لیے کوئی رجسٹر وغیرہ نہیں ہوتا تھا؛ بلکہ کام کرنے والے حضرات خود ہی اس نوع کی تفصیلات پیش کر دیتے تھے اور وہ قبول کر لی جاتی تھی؛ لیکن اداروں کا دائرۂ کار وسیع ہوتا گیا، اور ملازمین وکارکنان کی دیانت کا معیار بھی کم ہوتا چلا گیا، تو باقاعدہ حاضری وغیر حاضری کا طریقہ اختیار کیا گیا؛ لیکن اس پر بھی ملازم یا کارکن کے دستخط نہیں لیے جاتے تھے؛ بلکہ ایک مقررہ شخص کارکنان میں سے حاضر وغیر حاضر معلوم کر کے اس کی خانہ پُری کر

دیتا تھا، اس طریقِ کار میں بھی کوئی ایسی صورت نہیں تھی جو بوقتِ انکار اس پر حجت بنے، اس لیے ان حاضری رجسٹروں میں دستخط والا طریقہ جاری ہوا، اس کے بعد مزید سہولت؛ نیز دیگر مقاصد کے پیش نظر کارڈ والا طریقہ جاری ہوا؛ لیکن یہ طریقِ کار تعلیمی اداروں خصوصاً دینی تعلیم کے اداروں میں ابھی تک بہت کم رائج ہے، اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ بعض دینی تعلیمی اداروں میں قدیم طریق بھی رائج ہے، بعض میں رجسٹر والا طریقِ کار بھی ہے؛ لیکن دستخط نہیں لیے جاتے، بعض میں دستخط بھی لیے جاتے ہیں، آپ کے ادارہ میں اگر ادارہ کے اربابِ نظم وانتظام نے کارڈ سسٹم جاری کیا ہے اور ان کی نیت محض سہولتِ کار ہے، کارکنان واساتذہ پر بدگمانی نہیں ہے تو حضراتِ اساتذہ کو اس پر ناراض ہونے کی ضرورت نہیں ہے، خصوصاً جب کہ وہ اپنی اس ناراضگی کی معقول وجہ پیش کرنے سے قاصر بھی ہیں، اور اگر ان کے پاس کوئی معقول وجہ ہے تو وہ پیش کریں؛ تاکہ اربابِ حل وعقد اس پر غور وخوض فرما کر اس کے ازالہ کی سعی فرمائیں۔ حضراتِ اساتذہ کی ناراضگی اگر اس لیے ہو کہ ہمیں اور دیگر عام ملازمین کو ایک درجہ میں ڈال دیا، تو اگرچہ یہ بات رجسٹر والی صورت میں بھی تھی؛ لیکن اس سے قطع نظر ان کی ناراضگی کے ازالہ کی ایک صورت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اساتذہ حضرات کے لیے استعمال ہونے والے کارڈ کا رنگ دوسرے شعبے والوں سے ممتاز ہو، درجات کا امتیاز ظاہر کرنے کے لیے اختلافِ الوان والا طریق کار بہت سے شعبوں میں رائج ہے، اور مقبول بھی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

خدّامِ دین کے لیے مشعلِ راہ

سوال: چند لوگوں نے ایک ایسی جگہ مدرسہ و عبادت گاہ کا قیام کیا، جہاں اس قسم کا کوئی انتظام اس بستی میں پہلے نہ تھا، ہوتا بھی کیسے کہ بستی کفر و الحاد میں ڈوبی ہوئی تھی، بابری مسجد کے شہید ہونے کے بعد فساد برپا ہوئے، یہ علاقہ اس کی زد میں آیا، غیروں کی یہ بستی شدہ شدہ کر کے خالی ہوگئی اور الحمد للہ یہ بستی غالباً ایک ہزار گھروں پر مشتمل مسلمانوں کی آبادی والی ہوگئی، پانچ سال سے یہ بستی اسی طرح آباد ہے۔

مشورہ کر کے اس بات کا آغاز بانس، بلّی اور چٹائی کی چھت اور پلاسٹک کا پردہ لگا کر گجرات ہاؤسنگ بورڈ کی کھلی زمین میں کیا گیا ہے، ہماری جانکاری کے اعتبار سے یہ جگہ کالونی والوں کی سماجی سرگرمیاں: شادی، کھیل کود، وعظ و اجتماع کے لیے رکھی جاتی ہے۔ آج اس میدان کے ایک چھوٹے سے حصہ میں جسے خیمہ کہا جاسکتا ہے، پانچ وقتوں کی نماز اور تقریباً ڈیڑھ سو بچے دینی تعلیم عربی حاصل کر رہے ہیں، ایک عالم کو یہاں متعین کر دیا گیا ہے جن کے اخراجات کا نظم چندے سے کیا جا رہا ہے، اور اس طرح سو ڈیڑھ سو گھروں میں دینی فیضان ہو رہا ہے۔

گجرات ہاؤسنگ بورڈ اور عدالت سے اس معاملہ کے لیے انصاف مانگا جا رہا ہے اور اجازت طلب کی جا رہی ہے۔ کیا اور کسی صورت میں اس کا استعمال جائز ہے؟

کچھ ناپسند حضرات مدرسہ اور عبادت گاہ کو غیر مستحکم اور اسے نیست و نابود کرنے پر تلے ہوئے ہیں، فرماتے ہیں کہ اس کی کیا ضرورت ہے؟ گاہے گاہے نت نئے اعتراضات نکال کر لاتے ہیں، اور عوام کو برابر ورغلاتے رہتے ہیں؛ جب کہ یہ

حضرات نہ ہی اقتصادی اور نہ ہی کسی اور قسم کی امدادی معاونت کرتے ہیں، یا اس خیمہ نما عبادت گاہ میں نماز ادا کرنے آتے ہیں گویا صرف اور صرف اعتراض کرنا ہی ان کا مشغلہ بن کر رہ گیا ہے۔

اس کام کو فروغ اور پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے ایک کمیٹی کی تشکیل دی جا چکی ہے، کبھی کمیٹی کے حضرات پر ملکیت بنانے کا بہتان لگاتے ہیں، کبھی لوگوں کو جمع کر کے ذلیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور کمیٹی کے رجسٹرڈ بائلوز کی نقل مانگتے ہیں، کمیٹی والے اسے اس لیے بتانا نہیں چاہتے ہیں کہ عدالت میں مقدمہ دائر ہے جس کے بتا دینے سے معاملہ کی صورت خراب ہونے کا پورا اندیشہ ہے، ایک دو حضرات نے تو صاحبِ معاملہ کو جان سے مار ڈالنے کی، اغواء کروا دینے، علاقہ چھوڑ دینے کی دھمکی دی اور دلوائی ہے۔

ایسے پیچیدہ اور نازک حالات میں صاحبِ معاملہ کو کیا کرنا چاہیے کہ جس سے اللہ کی اس سرزمین پر ایک اچھا کارِ خیر رونما ہو سکے اور امت فیضیاب ہو سکے؟ لہٰذا آپ حضرات سے قرآن وحدیث کی روشنی میں رہنمائی فرمانے کی گزارش ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کو دین کی خدمت کی توفیق مرحمت ہو، اور بندگان خدا کو ان کے دینی امور میں مدد پہنچانے کے لیے اس کو چن لیا جائے یہ اس کی سعادت اور خوش بختی کی علامت ہے، حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ کا مبارک ارشاد ہے: ”خیر الناس من ینفع الناس“ یعنی لوگوں میں بہترین آدمی وہ ہے جو لوگوں کو

فائدہ پہنچائے، جو آدمی جس نوع کا فائدہ لوگوں کو پہنچاتا ہے اس کی فضیلت بھی اسی نوع کی ہوگی، دنیا کے مقابلے میں دین کی اہمیت اور افضلیت واضح اور مسلم ہے تو جو آدمی لوگوں کو دین میں فائدہ پہنچاتا اور مدد کرتا ہے اس کا مقام ومرتبہ بھی اسی مناسبت سے بلند وبالا ہے۔

نیز قدیم زمانے سے یہ طریقہ چلا آرہا ہے کہ دین کا کام کرنے والوں کو مختلف طریقوں سے ستایا جاتا رہا اور تکلیفیں اور ایذائیں پہنچائی جاتی رہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پاک ارشاد ہے: ''أشد الناس بلاء الأنبياء ثم الأمثل فالأمثل'' (یعنی لوگوں میں سب سے زیادہ آزمائش انبیاء کی ہوتی ہے، پھر جو آدمی جتنا ان کے نقشِ قدم پر چلتا ہے اسی مناسبت سے وہ آزمایا جاتا ہے) اس لیے صاحبِ معاملہ کو اس دینی خدمت کی انجام دہی پر مختلف طریقوں سے تکالیف پہنچائی جارہی ہیں تو ان کو ہمت نہیں ہارنی چاہیے؛ بلکہ جم کر کام کرنا چاہیے، موت کا ایک وقت مقرر ہے اس سے پہلے آسکتی ہے نہ اس کے بعد، اگر دین کی راہ میں موت آجائے تو شہادت ہے؛ بہر حال صاحب معاملہ اپنا کام جاری رکھیں، اللہ تعالیٰ کی مدد آئے گی، ایک بات کا خیال رہے کہ ان مخالفین سے انتقام لینے کا ہرگز ہرگز ارادہ نہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مدرسین کو مدرسہ سے کھانا دینے کی صورت

سوال: ہمارے مدرسہ فضل الرب واقع جودھ پور میں کھانا صرف طلبہ کو دیا جاتا

ہے، مدرسین وملازمین کونہیں دیا جاتا، مدرسین وملازمین کو تنخواہ بھی صرف امدادی رقم سے ادا ہوتی ہے، صدقاتِ واجبہ، زکوۃ، فطرہ وغیرہ اوراسی طرح صدقۂ واجبہ کی صورت میں مدرسہ میں آنے والے بکرے اوران کا گوشت یہ تمام چیزیں طلباء ہی پر طعام وغیرہ کی شکل میں تقسیم کی جاتی ہیں، جس سے ملازمین ومدرسین کو یا تو کھانا خود بنانا پڑتا ہے یا ہوٹل وغیرہ میں کھانا پڑتا ہے، اوران کے لیے یہ بڑی پریشانی کا سبب بنتا ہے، ان حالات میں ہندوستان کے دینی مدارس کی طرح ملازمین ومدرسین کو مدرسہ کی جانب سے فیس یا بلا فیس طعام دینے کی کوئی صورت ہے یا نہیں؟ جو بھی صورت ہو قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کی وضاحت فرمائیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر مدرسہ والے زکوۃ صدقات واجبہ وغیرہ کی صورت میں آنے والی رقوم اور اشیاء کی تملیک کرانے کے بعد ان کو استعمال میں لاتے ہیں جیسا کہ عامتاً مدارس عربیہ میں ہوتا ہے تب تو مدرسہ میں تیار ہونے والا کھانا اساتذہ وملازمین کو فیس لے کر یا بلا فیس دیا جاسکتا ہے، اوراگر ان کی تملیک نہیں کی جاتی ہے؛ بلکہ براہِ راست استعمال میں آتی ہے تو یہ کھانا فیس لے کر یا بلا فیس مدرسین وملازمین اورغیر مستحق طلبہ کو دینا جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/محرم الحرام ۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مدرس کی عدمِ موجودگی میں مکان پر کھانا لے جانا

سوال: (۱) مدارسِ عربیہ دینیہ میں تعلیم دینے والے علماءِ کرام کا تقرر مع طعام وقیام ہوتا ہے، زید وعمر جس ادارہ میں مدرس ہیں، اس میں ایسا عمل ہے کہ بکر اور خالد اپنے طور پر مع اہل وعیال مدرسہ سے باہر کرایہ کے مکان میں رہتے ہیں، اور کچھ مدرسین اپنے ذاتی مکان میں مع پریوار رہتے ہیں، بکر اور خالد اور دیگر مدرسین جو اپنے ذاتی مکان یا کرایہ کے مکان میں رہتے ہیں، اپنا اپنا طعام اپنے گھر لے جاتے ہیں؛ لیکن مدرسین حضرات وقتاً فوقتاً کبھی مدرسہ کے کام سے اور کبھی اپنے ذاتی کام سے سفر میں ہوتے ہیں، سفر کے ایام میں بھی مدرسہ کے مطبخ سے طعام مکان پر بچے لے جاتے ہیں، جب کہ مدرس کی حاضری نہیں ہے تو کیا یہ طعام کا مدرسہ سے لے جانا از روئے شریعت صحیح ہے یا جائز نہیں ہے؟

مدارس کی تشہیر کا حکم

سوال: (۲) آج کل مدارس عربیہ دینیہ اسلامیہ میں اس قدر تشہیر ہو رہی ہے، الامان الحفیظ۔ جس طرح سے اسکولوں اور کالجوں میں ہوتا ہے کہ ہمارے ادارے میں طلباء اتنی تعداد میں ہیں، اور تمام طالب علموں کا طعام من جانب مدرسہ ہے، اتنے حافظ، اتنے قاری، اتنے فارغ ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ؛ جب کہ دینی تعلیم خالص للہ ہے۔ اس قسم کی تشہیر جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① طعام کو اجرت کا ایک حصہ قرار دینا اصل مذہب کے اعتبار سے تو درست ہی نہیں تھا؛ لیکن متأخرین فقہاء نے عرف وعادات کے پیشِ نظر اس کی اجازت دی ہے، جب کہ نفسِ اجازت ہی کے لیے عرف وعادات کو بنیاد قرار دیا گیا تو ضمنی امور میں بھی اس کو مبنیٰ قرار دیں گے، اس لیے اگر مدرس کے زمانۂ سفر میں طعام لے جانے کا عرف ہے تو یہ بھی درست ہوگا ورنہ نہیں۔

یفسدها کجهالة مأجور أو أجرة أو مدة أو عمل، وکشرط طعام عبد وعلف دابة (درمختار)

(قوله کشرط طعام عبد وعلف دا بة) فی الظهیر یة: ا ستأجر عبدا أو دا بة علی أن یکون علفها علی المستأجر ذکر فی الکتاب أنه لا یجوز، وقال الفقیه ابواللیث: فی الدابة نأخذ بقول المتقدمین، أما فی زماننا فالعبد یأ کل من مال المستأجر عادة اھ قال الحموی: فیصح اشتراطه الخ(شامی ۵/۳۲)

② ”الأمور بمقاصدها“ فقہ کا مسلمہ ضابطہ ہے، اگر احوال وکوائف کے اظہار کا مقصد چندہ دہندگان کو اس بات کا اطمینان دلانا ہے کہ ان کی رقوم مصرفِ صحیح میں استعمال ہو رہی ہیں، یا لوگوں کو مدرسہ کی امداد کی طرف متوجہ کرنا ہے وغیر ذلک؛ اور اس اظہار میں بھی مبالغہ آرائی اور دروغ بیانی سے کام نہیں لیا جا رہا ہے تو اس کے جائز ہونے میں کیا شبہ ہے؟ اور اگر اس کا مقصد شہرت اور ریا ہے تو اس کا ناجائز ہونا ظاہر ہے، یہ دونوں امور قلب سے متعلق ہیں، اس لیے کسی خاص فرد کے متعلق کوئی

خصوصی حکم لگانا دشوار ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مدارس کے سفراء کا لوگوں سے ہدایا وصول کرنا

سوال: حضرت شیخ نے فضائل صدقات ۲ / ۳۳۸ میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک صاحب کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدقات کی وصولیابی کے لیے بھیجا، وہ صاحب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ یہ مال صدقات ہیں اور بعض مال ان کو ہدیہ میں ملا تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کے سامنے وعظ فرمایا اور تنبیہ فرمائی کہ لوگوں کو صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا جاتا ہے اور ہدیہ لے کر آتے ہیں، کیا ان کے مکانوں پر رہتے تو لوگ ان کو دیتے، یہ بات مدرسہ کے سفراء پر ملحق ہوتی ہے؟ مدرسہ کے سفراء چندہ کے لیے دوسرے ممالک جاتے ہیں اور ان کو ہدایا بھی ملتے ہیں، یہ ہدایا ان کے لیے لینا جائز ہے یا نہیں؟ تحقیق فرما کر ممنون فرمائیں، تکلیف معاف فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مدرسہ کے سفیر کو زکوۃ کے وصول کرنے والے عاملین پر قیاس کرنا صحیح نہیں، عامل زکوۃ کا مصرف ہے گو وہ غنی ہو۔ لقوله تعالى: والعاملين عليها قال المرغيناني: ولهذا يأخذ وإن كان غنيا (هداية ١/ ١٨٥) جب کہ سفیر غنی ہو تو زکوۃ کا مصرف نہیں۔ نیز عامل حکومتِ اسلامیہ میں زکوۃ وصول کرنے پر اور مزکی (صاحبِ مال) اس کو زکاۃ دینے پر مامور ہوتا ہے، یعنی مزکی کے لیے لابدی اور ضروری ہوتا ہے کہ عامل ہی کو

زکوۃ سپرد کرے، اس کے علاوہ مزکی کسی اور کو نہیں دے سکتا، نہ خود کسی مصرف میں صرف کر سکتا ہے۔

عامل کو حسبِ ضرورت بیت المال سے تنخواہ دی جاتی ہے، جب کہ سفیر میں ایسا نہیں ہے۔ عامل کے لیے قبولِ ہدیہ کی ممانعت اس وقت ہے جب کہ رشوت کا شبہ ہو، مثلاً ایک شخص کبھی ہدیہ دینے کا عادی نہیں تھا، وہ عامل کو اس عہدہ پر فائز ہونے کے بعد ہدیہ دے رہا ہے، ظاہر ہے کہ ایسے ہدایا کی وجہ سے عامل زکوۃ کی وصولیابی میں نرم پہلو اختیار کرے گا۔

ومن طبيعة البشر أنه يلين لمن يهدي إليه هدية (تكملة فتح الملهم ٣/ ٣١٠)

جب کہ سفیرِ مدرسہ چندہ کی وصولیابی میں نرم پہلو اختیار کرنے کے بجائے ذرا زوردار اپیل اور مطالبہ کرے تو شاید کوئی بھی چندہ نہ دے گا؛ بلکہ عموماً مزکی سفیر کو اپنا احسان مند تصور کرتا ہے۔ وهو لا يخفى.

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ عامل اور سفیر میں بڑا فرق ہے؛ لہٰذا سفیر مدرسہ کو ہدایا دینے والے حضرات اپنے ذاتی تعلق و تعارف کی وجہ سے جو ہدایا دیتے ہیں، ان کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں، ایسے ہدایا سفیر کی ملک ہیں، تاہم تقوی یہی ہے کہ ایسی رقوم بھی مدرسہ میں جمع کرا دے، انشاء اللہ مدرسہ میں دینے کا ثواب بھی ملے گا۔

آپ نے سوال میں جس حدیث شریف کی نشاندہی فرمائی، اس کی شرح میں شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

أما من تبين منه أنه لا يهدي إليه إلاحبا لذاته ولا يبتغي بذلك إلا وجه الله، فالظاهر أنه لا يدخل في وعيد هذا الحديث إن شاء الله

تعالی وبما أن مثل هؤلاء المخلصين قلة نادرة، والنفاق ربما يتزيا بزي الإخلاص، فالاجتناب في جميع الأحوال أولى وأسلم (أيضا)

ہمارے اکابر کا تقویٰ درباب اموالِ مدارس معروف ومشہور ہے، اس سلسلہ کے کئی واقعات ہیں، مشتے ازخروارے کے طور پر صرف ایک واقعہ تحریر کرتا ہوں، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

مولانا احمد علی کا تقویٰ:

حضرت اقدس شیخ المشایخ مولانا الحاج احمد علی صاحب محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ بخاری، ترمذی وغیرہ کتبِ حدیث کے محشی اور مشہور عالم ومحدث ہیں، جب مظاہر علوم کی قدیم تعمیر کے چندہ کے سلسلہ میں کلکتہ تشریف لے گئے- کہ مولانا کا وہاں اکثر قیام رہا ہے اور وہاں کے لوگوں سے وسیع تعلقات تھے-تو مولانا مرحوم نے سفر سے واپسی پر اپنے آمدورفت کا مفصل حساب مدرسہ میں داخل کیا تو وہ رجسٹر میں (حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ) نے خود پڑھا، اس میں ایک جگہ لکھا تھا کہ کلکتہ میں فلاں جگہ میں اپنے ایک دوست سے ملنے کے لیے گیا تھا؛ اگرچہ وہاں چندہ خوب ہوا؛ لیکن میرے سفر کی نیت دوست سے ملنے کی تھی، اس لیے وہاں کی آمدورفت کا اتنا کرایہ آمدورفت سے وضع کرلیا جائے۔ (اکابر کا تقویٰ، فصل سوم، ص ۳۴)

یہ ہے محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ! جب کہ سفرائے مدارس کا حال یہ ہے کہ اموالِ مدارس میں بہت کم احتیاط کرتے ہیں، مثلاً کسی نے دعوت کی، اس کے باوجود اس وقت کے کھانے کا خرچ مدرسہ سے وصول کیا جاتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ وهو أظهر

وأسفر على السفراء. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد عبدالقیوم راجکوٹی، ۲۳/شوال ۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح: العبد احمد عفی عنہ خانپوری　　الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

طلبہ کے والدین کی طرف سے استاد صاحب کو ہدیہ

سوال: (۱) ایک حافظ صاحب درجۂ حفظ پڑھا رہے ہیں ان کے پاس جو طلبہ حفظ کر رہے ہیں ان کے والدین جب اپنے بچوں سے ملنے آتے ہیں تو حافظ صاحب کو بھی بہ طور ہدیہ روپیہ وغیرہ دیتے ہیں ان روپیوں کا حافظ صاحب کے لیے لینا کیسا ہے؟

(۲) ایک حافظ صاحب درجۂ حفظ پڑھا رہے ہیں ان کے پاس جو طلبہ حفظ مکمل کرتے ہیں تو ان کے والدین قرآن مجید کے حفظ مکمل کی دعا پر ایک ڈریس (جوڑا) یا دیگر سامان بہ طور ہدیہ دیتے ہیں (جیسا کہ اکثر مدارس میں یہ رواج ہے) وہ لینا کیسا ہے اگر لے رہا ہے تو کیا گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) (۲) حافظ صاحب کے پاس پڑھنے والے بچوں کے والدین کی طرف سے عام دنوں میں بہ طور ہدیہ کوئی چیز یا رقم حافظ صاحب کو دی جاتی ہے اسی طرح بچوں کی حفظ کی تکمیل پر کپڑے کا جوڑا یا اور کوئی چیز بہ طور ہدیہ دی جاتی ہے اس کا لینا حافظ صاحب کے لیے جائز اور درست ہے البتہ اس ہدیہ کے حصول کے لیے اندرونی تحریک نہیں کی جانی چاہیے والدین کی طرف سے بہ رضا و رغبت اور مکمل خوش دلی سے یہ ہدیہ ملا ہو اگر اندرونی کسی تحریک کے ذریعہ ناخوش دلی کے باوجود والدین کو اس

ہدیہ کے لیے آمادہ کیا گیا ہو تو اس کا لینا درست نہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:
لا يحل مال امرإ مسلم إلا بطيبة من نفسه. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸/ جمادی الاولیٰ ۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

طلباء کی تعزیر کی حد

سوال: شرعی تعزیر کی کیا حد ہے؟ (وہ تعزیر جو طلباء کی کی جاتی ہے)۔

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

وان وجب ضرب ابن عشر عليها بيد لا بخشبة، لحديث "مروا اولادكم بالصلوٰة؛ وهم ابناء سبع، واضربوهم عليها وهم ابناء عشر" (درمختار) (قوله بيد) اى ولا يجاوز الثلاث، وكذلك المعلم ليس له ان يجاوزها، قال عليه الصلوٰة والسلام لمرداس المعلم "اياك ان تضرب فوق الثلاث، فانك اذا ضربت فوق الثلاث اقتص الله منك" اه اسمعيل عن أحكام الصغار للاستروشني وظاهره انه لا يضرب بالعصا فى غير الصلوٰة ايضاً (قوله لا بخشبة) اى عصا ومقتضى قوله بيد ان يراد بالخشبة ماهو الاعم منها ومن السوط افاده ط (شامى ۱/ ۲۵۸)

عبارتِ منقولہ سے امرِ مسئول عنہ کا حکم بالتفصیل معلوم ہو گیا۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱/ ۵۲۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

طلباء سے مالی جرمانہ لینا

سوال: مدرسہ میں اگر طلباء قانون کی خلاف ورزی کریں تو کیا ان سے فائن (جرمانہ) پیسوں میں وصول کرنا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو اس کو مدرسہ کے اخراجات میں صرف کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مال کی صورت میں جرمانہ عائد کرنا شرعاً درست نہیں۔

والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال (شامی ۳/ ۱۹۵)

اور جرمانہ کے طور پر لی ہوئی رقم مدرسہ کے اخراجات میں صرف کرنا جائز نہیں۔

"لقوله عليه الصلوة والسلام: "لا يحل مال إمرأ مسلم إلا بطيبة من نفسه" (مشکوۃ ۲۵۵)

اگر کوئی رقم مالی جرمانہ کے نام سے لے کر رکھ لی جائے؛ تاکہ وہ طالب علم قانون کی خلاف ورزی سے باز رہے اور بعد میں اس کو لوٹا دی جائے تو اس کی گنجائش ہے؛ لیکن اس صورت میں بھی اس کی مرضی کے بغیر اخراجات مدرسہ میں صرف کرنا درست نہیں؛ بلکہ اس کو واپس کی جائے۔

وقيل: يجوز، ومنعاه: أن يمسكه مدة لينزجر، ثم يعيده له، فإن أيس من توبة صرفه إلى مايرى. (درمختار ۶/ ۱۰۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ صفر ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

جرمانہ کی رقم کا مدرسہ میں استعمال

سوال: اگر کسی ادارہ میں طلباء کے کسی جرم کی وجہ سے ان پر جرمانہ عائد کیا جائے، تو کیا یہ جرمانہ لے کر اس کو مدرسہ کے کسی مصرف میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر طالب علم نے مالی نقصان پہنچایا ہے، تو اس کا تاوان وصول کیا جا سکتا ہے، اور اگر اس کے علاوہ کوئی جرم ہے تو اگر مال لے کر کچھ مدت تک روکے رکھا، اور پھر واپس کیا تو اس کی گنجائش ایک روایت کے مطابق ہے؛ لیکن اس کو استعمال کرنا جائز نہیں۔

لا بأخذ مال فی المذهب "بحر" وفيه عن البزازية وقيل يجوز، ومعناه ان يمسكه مدة لينزجر ثم يعيده له، فان ايس من توبته صرفه الى مايرىٰ (درمختار) (قوله فيه الخ) ای فی البحر حيث قال: وافاد فی البزازية ان معنى التعزير بأخذ المال على القول به امساك شیء من ماله عند مدة؛ لينزجر ثم يعيده الحاكم اليه، لا ان ياخذه الحاكم لنفسه او لبيت المال الخ (شامی ۳/۱۹۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

طلبہ کے ناجائز لباس کو پھاڑنا ناجائز اور موجبِ ضمان ہے

سوال: ایک مسئلہ عرضِ خدمت ہے امید ہے کہ آنجناب والا اس کا مدلل جواب تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں گے:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ہم چند افراد ایک ادارے کے مدرسین ہیں اور طلبہ کرام

کی اصلاح وتربیت کا نظم ونسق بھی ہمارے ذمہ کردیا گیا ہے، اصلاح وتربیت کے سلسلہ میں ایک مسئلہ ہمیں یہ درپیش ہے کہ عزیز طلبہ کرام مہمانانِ رسول غیر شرعی لباس زیب تن کرتے ہیں مثلاً پتلون پہنتے ہیں یا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹکاتے ہیں؛ لہٰذا ہم نے مکرر اعلان تختۂ سیاہ پر تحریر کیا کہ کوئی بھی طالب علم آئندہ ٹخنوں سے نیچے اپنا پاجامہ نہ لٹکائے ورنہ ضرورت سے زائد مقدار کو قطع کر کے شریعت کے حکم کے موافق کرنے پر مجبور ہوں گے اور ایک ہفتہ کی مہلت دی گئی پھر ہفتہ کے بعد ہم نے طلبہ کا جائزہ لیا اور جس کا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے پایا اسے اس انداز سے کاٹ دیا گیا کہ اس کی اصلاح ہو سکے اور وہ پاجامہ پہننے کے قابل رہے اور اسبال ازار کی وعید سے محفوظ رہے اور آئندہ اس فعل شنیع سے باز رہے، اسی طرح جس طالب علم کے بال غیر شرعی پائے تو اس کو شرعی طور پر کٹوانے پر ازراہ تربیت مجبور کرسکتے ہیں یا نہیں؟ ایک عالم دین کا کہنا ہے کہ اس طرح پاجامہ کاٹنا شرعی اعتبار سے ناجائز ہے کیوں کہ اس میں تضییع مال غیر ہے جو بلا اذن غیر ناجائز ہے تو کیا اس عالم دین کا کہنا صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو پھر آنجناب والا ہی کوئی ایسا طریقہ ارشاد فرمائیں جس پر ہم عمل کر کے طلبہ کرام کو اس مذموم حرکت سے محفوظ رکھ سکیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضرت شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''آداب الصالحین'' میں احتساب یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے متعلق تفصیلی احکام بیان فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں ''جاننا چاہیے کہ احتساب کے بھی مدارج ہیں؛ اس لیے کہ مقصود اصلی احتساب سے یہ ہے کہ معصیت کے صدور کو روکا جائے، تاکہ اللہ تعالیٰ کی

ناراضگی اور غضب کا موجب نہ بنے، تو اگر صرف پند ونصیحت ہی سے کام چل جائے اور انسان برائی سے باز آجائے تو جنگ وجدال کی ضرورت ہی نہیں"۔

(اسوۃ الصالحین ترجمہ آداب الصالحین ۲۵۴)

آگے تحریر فرماتے ہیں: پانچواں درجہ کا احتساب یہ ہے کہ منکر کو ہاتھ سے مٹا دے مثلاً باجہ واجہ ہے تو اس کو توڑ ڈالے، شراب ہے تو اس کو گرادے اور اگر کوئی مرد ریشمی کپڑا پہنے ہوئے ہے تو اس کے بدن سے اتار دے یا کوئی شخص کسی کا گھر غصب کر کے اس میں رہ رہا ہے تو ہاتھ پکڑ کر اس کو اس سے نکال دے یا کوئی جنبی شخص مسجد میں ہے اور نرمی سے کہنے سے نہیں نکل رہا ہے تو دھکا دے کر اس کو باہر کر دے، اور یہ صورت انہیں گناہوں میں ہوسکتی ہے جو زبان اور دل کے علاوہ ہیں باقی جو معاصی کہ زبان ودل سے متعلق ہیں ان کا ہاتھ سے ختم کرنا ممکن نہیں۔

(ادب) اور اگر ان مذکورہ بالا صورتوں میں سے کسی میں بغیر ہاتھ کے استعمال کیے ہوئے صرف زبان سے ہی کام چل جائے تو پھر ہاتھ کے استعمال کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اور چاہیے کہ ان حالات میں بھی بغیر ضرورت کے کچھ نہ کرے اور حد اعتدال سے تو ہرگز تجاوز نہ کرے پس کہیں کسی جگہ نکالنا ہو تو داڑھی پکڑ کر یا اس کی ٹانگ کھینچ کر باہر نہ کرے جب کہ ہاتھ پکڑ کر باہر کرنا ممکن ہو تو اسی طرح سے اس کے ریشمی کپڑے پھاڑ نہ ڈالے بلکہ بند اور بٹن کھول کر بدن سے اتار دے اور کھیل کی چیزیں مثلاً باجہ وغیرہ کو جلا نہ دے بلکہ توڑ دینا کافی ہے اسی طرح شراب کا گرا دینا کافی ہے اس کے برتن توڑنے کی ضرورت نہیں۔ (ایضاً ۲۶۱)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں اس درجہ (یعنی احتساب کا پانچواں درجہ)

کے دو ادب ہیں: پہلا ادب یہ ہے کہ جس پر نکیر کی جارہی ہے اس کو فعل منہی عنہ سے باز رکھنے سے جب تک عاجز نہ ہو اپنے ہاتھ سے تغییر منکر نہ کرے پس اگر غصب کی ہوئی زمین میں سے نکلنے کے لیے اس کو چلا کر یا مسجد میں سے نکلنے کے لیے اس کو نکلنے کا پابند بنا کر نکالنا ممکن ہے تو دھکا دے کر یا کھینچ کر نہ نکالے یا خود اس کے ہاتھ سے شراب بہانا اور آلات لہو ولعب توڑنا ممکن ہو، اسی طرح ریشمی کپڑے کے بند خود اس کے ہاتھ سے کھلوانا ممکن ہو تو محتسب اپنے ہاتھ سے یہ کام انجام نہ دے۔

......دوسرا ادب یہ ہے کہ تغییر منکر میں بقدرِ ضرورت پر اکتفاء کرے مثلاً اگر ریشمی کپڑا پہنے ہوئے ہے اور اس کو بند کھول کر اس کے جسم سے اتارنا ممکن ہے تو کپڑا اپھاڑے نہیں، چناں چہ اگر قدر ضرورت سے آگے بڑھے گا تو اس پر ضمان لازم آوے گا۔

الدرجة الخامسة: التغيير باليد وذلك ككسر الملاهي واراقة الخمر و خلع الحرير من رأسه وعن بدنه (احياء العلوم ۲/۶۹۰)

وفى هذه الدرجة ادبان: احدهما: ان لا يباشر بيده التغيير مالم يعجز عن تكليف المحتسب عليه ذلك فاذا امكنه ان يكلفه المشى فى الخروج عن الارض المغصوبة والمسجد فلا ينبغى ان يدفعه او يجره واذا قدر على ان يكلفه اراقة الخمر وكسر الملاهى و حل دروز ثوب الحرير فلا ينبغى ان يباشر ذلك بنفسه فان فى الوقوف على حد الكسر نوع عسر فاذا لم يتعاط بنفسه ذلك كفى الاجتهاد فيه وتولاه من لا حجر عليه فى فعله.

الثانى: ان يقتصر فى طريق التغيير على القدر المحتاج اليه وهو ان لا ياخذ بلحيته فى الاخراج ولا برجله اذا قدر على جره بيده فان

زيادة الاذى فيه مستغنى عنه وان لا يمزق ثوب الحرير بل يحل دروزه فقط، ولا يحرق الملاهي والصليب الذى اظهره النصارى بل يبطل صلاحيتها للفساد بالكسر، وحد الكسر ان يصير الى حالة تحتاج فى استئناف اصلاحه الى تعب يساوى تعب الاستئناف من الخشب ابتداء وفى اراقة الخمور يتوقّى كسر الاوانى ان وجد اليه سبيلا فان لم يقدر عليها إِلَّا بِأن يرمى ظروفها بحجر فله ذلك وسقطت قيمة الظرف وتقومه بسبب الخمر اذ صار حائلا بينه وبين الوصول الى اراقة الخمر ولو ستر الخمر ببدنه لكنا نقصد بدنه بالجرح والضرب لنتوصل الى اراقة الخمر فاذا لا تزيد حرمة ملكه فى الظروف على حرمة نفسه ولوكان الخمر فى قوارير ضيقة الرؤس ولو اشتغل باراقتها طال الزمان وادركه الفساق ومنعوه فله كسرها فهذا عذر وان كان لا يحذر ظفرالفساق به ومنعهم ولكن كان يضيع فى زمانه وتتعطل عليه اشغاله فله ان يكسرها فليس عليه ان يضيع منفعة بدنه وغرضه من اشغاله لاجل ظروف الخمر وحيث كانت الاراقة متيسرة بلا كسر فكسره لزمه الضمان. (احياء العلوم ۲/ ۲۹۱،۲۹۰)

صورت مسئولہ میں طلبہ سے ان پائجاموں اور پتلونوں کو اتروانا ممکن ہے تو اس کو پھاڑنا جائز نہیں ورنہ ضمان لازم آوے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نوٹ: وجوبِ ضمان والاحکم امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے پیش کیا گیا ہے اس پر یہ اشکال نہ ہو کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ تو شافعی المسلک ہیں؛ اس لیے کہ احیاء العلوم کی شرح اتحاف میں علامہ سید مرتضی زبیدی نے بھی احیاء العلوم میں بیان فرمودہ اس

حکم پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ جمادی الاخری ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

تنخواہ سے متعلق مسائل

امام و مدرس کی ماہانہ تنخواہ کی مقدار

سوال: امام و مدرس حضرات کی کم از کم ماہانہ تنخواہ کتنی رکھنی ضروری ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اصل مذہب یہ ہے کہ کسی طاعتِ مقصودہ پر اجرت لینا جائز نہیں؛ مگر جس طاعت میں دوام یا پابندی کی ضرورت ہے، اور وہ شعارِ دین میں سے ہے کہ ان کے بند ہونے سے اخلال دین لازم آوے گا، اور ویسے کسی کو مہلت نہیں، ایسے امور کو اس کلیہ سے مستثنیٰ کر دیا ہے، امامت اور تدریس قرآن وفقہ بھی انہی امور میں سے ہیں۔ (شامی ۵/ ۳۸)

جب ایک شخص تمام امور سے کنارہ کش ہو کر اپنے آپ کو امامت اور تدریسِ قرآن وفقہ میں مشغول کئے ہوئے ہیں، تو مسلمانوں کو بھی چاہیے کہ اس کی ضروریات زندگی کی کفالت کریں، اور کم از کم اس کو اتنی تنخواہ دیں کہ جس سے اس کی ذات اور اس کے اہل وعیال (جن کا نفقہ اس پر واجب ہے) کا گزران ہو سکے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

آغاز سال میں مستعفی مدرس تعطیل کی تنخواہ کا حق دار ہے؟

سوال: ایک مدرس مدرسہ سے ۱۰/شوال (مدرسہ کھلتے وقت) کوکسی معقول وجہ سے مستعفی ہو،جس نے گذشتہ پورا سال خدمت دی ہے، ایسا مدرس تعطیل کلاں (تعطیلات شعبان) کے مشاہرہ کا حق دار ہوتا ہے؟ براہِ کرم حوالہ سمیت تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بوقت تقرری مدرس یا مدرسہ کے دستور میں اس سلسلہ میں کوئی صراحت ہوتو اس کے مطابق عمل ہوگا؛ ورنہ اصولاً وہ مدرس ایام تعطیل کی تنخواہ نہیں پا سکتا۔ (کما یستفاد من امداد الفتاوی ۳/۳۴۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۶/شوال المکرم ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

علیحدگی اختیار کرنے والے مدرس کے لیے تعطیل کی تنخواہ لینا

سوال: ایک مولوی صاحب مدرسہ میں درس وتدریس کا کام کررہے ہیں، شوال سے شعبان تک کام کیا ہے اسی درمیان مدرسہ کی جانب سے آپس میں تناؤ ہوگیا، اب وہ کہتا ہے میں شعبان کی تعطیل کے بعد اس مدرسہ میں قطعاً نہیں آؤں گا، تعطیلات کی تنخواہ دوسرے اساتذہ کو ملی، وہ بھی گئے اور انہوں نے بھی لی، تو ایک صاحب نے کہا یہ تنخواہ تمہارے لیے لینا جائز نہیں؛ کیوں کہ آپ آئندہ آنے والے نہیں ہیں، تو اب

وہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ میں نے جو گیارہ مہینہ کام کیا ہے اس کی تنخواہ لے رہا ہوں اور یہ میرا حق ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس سلسلہ میں اس مدرسہ کا جو قانون ہے اس کے مطابق عمل ہوگا، یعنی اگر علیحدگی اختیار کرنے والے مدرس کو ایام تعطیلات کی تنخواہ دیئے جانے کا معمول ہے تو ان کے لیے بھی لینا درست ہے؛ ورنہ درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

معزول مدرس تعطیلات کی تنخواہ کا مستحق ہے یا نہیں؟

سوال: دینی درسگاہ میں سے شعبان میں چار مدرسوں کو علیحدہ کردیا، شوال میں ان کو واپس مدرس وتدریس کے لیے لانا نہیں ہے، دو ماہ تعطیلات رمضان کی تنخواہ کے از روئے شرع مستحق ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مدرسین کی تقرری کے وقت ان کے ساتھ جو شرائط کئے گئے ہیں، ان کے موافق عمل کیا جائے، اگر تصریحاً شرائط نہیں کئے گئے؛ لیکن مدرسہ کے قواعد مدون ومعروف ہیں تو وہ بھی مثل مشروط کے ہوں گے، اور اگر نہ مصرح ہیں اور نہ معروف تو دوسرے مدارس اسلامیہ میں جو معروف ہیں ان کا اتباع کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/صفر المظفر ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مستعفی مدرس تعطیلِ کلاں کی تنخواہ کا استحقاق نہیں رکھتا

سوال : میں نے اس سال جامعہ......میں پڑھایا، میرا تقرر ۱۳ ر شوال کو ہوا، اور ۱۲ یا ۱۳ شعبان کو مدرسے کے کچھ حالات کی وجہ سے طبیعت نہ لگنے کی وجہ سے میں نے استعفا دے دیا، اور میں نے مولانا......صاحب کو کہا کہ: مجھے شعبان کی تنخواہ دے دو، تو انھوں نے کہا کہ: فی الحال پیسہ نہیں ہے؛ اس لیے بعد میں دوں گا، اس وقت مولانا نے مجھے کہا کہ: آپ کا استعفا قبول ہے؛ مگر مدرسہ کا اصول یہ ہے کہ اگر آپ استعفا دو تو مدرسے والوں کو آپ ایک مہینہ پہلے اطلاع کر دو، اور ایک ماہ کی تنخواہ مدرسے میں روک دو، اور اگر ہم آپ کو استعفا دیں تو ہم آپ کو ایک ماہ پہلے اطلاع کر دیں گے، اور ایک ماہ کی تنخواہ ایڈوانس دیں گے، یہ اصول ہے؛ مگر اس اصول کے باوجود بھی اقرار کیا تھا کہ تنخواہ دوں گا، اس کے بعد میں لینے کے لیے گیا تو پھر منع کیا، اور واپس اس اصول کی بات کی، حالاں کہ حضرت! یہ اصول مدرسے میں کسی کو معلوم بھی نہیں، اور نہ مجھ کو معلوم ہے اور نہ مجھے مولانا نے کبھی کہا، اب حضرت! سوال یہ ہے کہ مجھے شریعت کی طرف سے حق ملتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں مسئلہ کیا ہے؟ تا کہ میں اپنا حق لوں۔

الجواب : حامداً ومصلیاً ومسلماً

عموماً دینی مدارس کا ہمارے اطراف میں تعامل معروف یہ ہے کہ، ختم سال ماہ شعبان کی جس تاریخ کو بھی فراغت ہو، اس تاریخ کی تنخواہ تو بوجہِ کارکردگی لازم ہوتی ہے، اس کے بعد تعطیل کلاں ہوتی ہے، اس تعطیل (بقیہ شعبان، کامل رمضان، ابتداء

شوال) کی تنخواہ کا استحقاق اس شرط پر ہوتا ہے کہ ملازم بعد التعطیل حاضر ہو کر کام میں مشغول ہو جائے، اگر ملازم حاضر نہ ہو بلکہ ملازمت ختم کر دے تو استحقاق نہیں ہوتا۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۲/۲۲۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۸/رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ

علیحدگی کے وقت ایک ماہ کی مزید تنخواہ اور عارضی تقرر کا دورانیہ

سوال: (۱) میں نومبر ۱۹۹۷ء میں استاذ حفظ القرآن تھا، مدرسہ کا نام ہے (دار العلوم المدنیہ امریکہ میں واقع ہے) میں مستعدی سے اسی طرح خدمت انجام دے رہا تھا جیسا میں نے کام شروع کیا تھا، اس وقت ہمارا کوئی معاہدہ ان کے ساتھ نہیں ہوا تھا، تقریباً اٹھارہ مہینے کے بعد انہوں نے شکایت کی کہ آپ کا طرز تشفی بخش نہیں ہے، تقریباً دو مہینے کے بعد دوبارہ انہوں نے تنبیہ کی کہ آپ ٹھیک سے بچوں کو تعلیم نہیں دے رہے ہیں، (خدمت اچھی طرح انجام نہیں دے رہے ہیں) اس کے بعد میں نے صدر مدرس سے خود بات کی کہ اگر آپ کو ہماری پڑھائی سے اطمینان نہیں ہے تو ایک مہینہ پہلے ہمیں اطلاع کر دیں؛ تاکہ میں پہلے سے اپنا انتظام کر دوں، یہاں امریکہ میں ملازمت اور انتظامیہ کا معاہدہ بھی ہے، صدر مدرس نے کہا کہ اخراج کی تو آپ بات نہ کریں خیال بھی نہ کریں، سوچیں بھی نہیں، یہ تو بہت دور کی بات ہے، اس کے بعد ایک ہفتہ کے بعد مہینہ پورا ہونے سے پہلے ہی بغیر اطلاع دیے ہوئے ملازمت سے دستبردار کر دیا، اخراج کر دیا، میں نے کہا کہ مجھے ایک مہینے کی تنخواہ ادا کر دیں؛ تاکہ اس مہینے کا میرا گذارہ ہو جائے؛ کیوں کہ ملازمت سے اخراج کے بعد چھ ہفتہ کے

بعد حکومت کی طرف سے (AllowNCE) ملنا شروع ہوتا ہے، تو آپ سے گزارش ہے کہ شرع کی رو سے تنخواہ ادا کرنی چاہیے یا نہیں؟ آپ اس کی وضاحت فرمائیں۔

(۲) ہمارے ادارہ دار العلوم المدنیہ میں قانون ہے کہ جب تک ملازمت کی مدت ایک سال نہ ہو جائے یا آپ نے ایک سال تک خدمت نہ دی ہو، کسی تعطیل کی تنخواہ ادا نہیں کرتے، مثال کے طور پر عید الاضحیٰ، ششماہی امتحان کے بعد کی چھٹی یا رمضان المبارک کی تعطیل ہو؛ لیکن جب آدمی ملازمت شروع کرتا ہے اس وقت اس کی وضاحت نہیں کرتے یا نہیں ہوتی، جب تنخواہ دینے کا وقت ہوتا ہے اس وقت جب تنخواہ کم ہوتی ہے تو پوچھنے پر بتاتے ہیں: (آپ جدید ہیں، ایک سال نہیں گزرا اور لوگ ایک سال پرانے ہیں، آپ کو تعطیل کی تنخواہ نہیں ملے گی۔) تو شرعی رو سے یہ کیسا ہے؟

نوٹ: اس ملک کا قانون ہے کہ تین ماہ کے بعد آپ کو تعطیل کی تنخواہ دیں گے، یہ لوگ طلباء سے سالانہ ۳/ ہزار ڈالر وصول کرتے ہیں، تعطیل میں ان کی فیس کم نہیں کی جاتی۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

(۱) عمومی مدارس کا طریقہ یہ ہے کہ اگر مہتمم علیحدہ کرنا چاہے تو ایک ماہ پیشتر اطلاع کر دیں کہ یکم ذی القعدہ سے مثلاً آپ سبکدوش ہیں، اگر ایسا نہیں کیا؛ بلکہ فوری طور پر علیحدہ کیا تو ایک ماہ کی تنخواہ مزید دے کر علیحدہ کیا جا سکتا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۴/ ۱۴۴)

آپ کے معاملہ میں جب آپ نے صدر مدرس سے خود بات کی کہ اگر ان کا ارادہ آپ کو علیحدہ کرنے کا ہو تو ایک ماہ قبل آپ کو اطلاع دیں؛ تا کہ آپ اپنا انتظام کر سکیں،

اور صدر مدرس صاحب نے اطمینان بھی دلایا، اس کے باوجود آپ کو اس گفتگو کے ایک ہفتہ بعد فوری طور پر علیحدہ کردیا گیا تو اہل مدرسہ کو چاہیے کہ آپ کو ایک ماہ کی تنخواہ ادا کریں۔

② عارضی تقرر جو ایک سال کے لیے ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ سال پورا ہونے پر عقد اجارہ خود بخود ختم ہو جاوے گا، ایسے مدرس کی علیحدگی کے لیے مستقل اطلاع کی ضرورت نہیں ہے، اور ختم سال کے بعد جب تک فریقین از سر نو عقد اجارہ نہیں کریں گے وہاں تک مستقبل کے لیے یہ ملازم نہیں سمجھا جاوے گا؛ لیکن جب تک سال پورا نہیں ہوا عقد اجارہ باقی ہونے کی وجہ سے اس کی ملازمت جاری ہے؛ اس لیے درمیان سال میں ہونے والی تعطیلات (مثلاً عید الاضحیٰ، ششماہی، جمعہ وغیرہ) کی تنخواہ مدارس عربیہ کے عام دستور کی وجہ سے دی جانی چاہیے۔ "لأن المعروف كالمشروط" البتہ اگر بوقت تقرری اس کو بتلا دیا گیا تھا کہ ایام تعطیلات (جن میں کام نہیں ہوتا ان) کی تنخواہ نہیں دی جائے گی تو نہ دینا درست ہے۔

اس نوع کی تمام باتوں کی وضاحت وتصریح بوقتِ تقرری ضروری ہے؛ ورنہ اجارہ فاسد ہو کر فریقین گنہگار رہوں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ریلیف کے کاموں میں حصہ لینے والے مہتمم کا تنخواہ لینا اور فون استعمال کرنا کیسا ہے؟

سوال: چند ماہ قبل علاقہ کچھ ودیگر جگہوں میں زلزلہ کی وجہ سے شدید تباہ کاری

ہوئی اور اس زلزلہ کی وجہ سے بہت سی مساجد و مکاتب اور لوگوں کے کثیر مکانات گر گئے، ان مساجد و مکاتب کی دوبارہ تعمیر یا مرمت اور تباہ حال لوگوں کی مدد کے لیے مختلف علاقوں سے چندہ کیا گیا، پھر مشورہ سے پانچ حضرات کو ان مساجد و مکاتب کی تعمیر یا مرمت اور ریلیف کاموں کے لیے ذمہ دار بنایا گیا، ان پانچ میں بندہ کا نام بھی شامل ہے، چناں چہ اب ان تمام امور کی دیکھ بھال اور اس کے متعلق مختلف مشوروں اور میٹنگوں میں شرکت کے لیے مجھ کو بھی جانا پڑتا ہے، جس کی بناء پر مدرسہ سے غیر حاضر رہنا پڑتا ہے اور نیز مدرسہ میں حاضری کے اوقات میں ان ریلیف کے امور کے لیے مدرسہ کا فون بھی استعمال ہوتا ہے تو کیا بندہ کے لیے ان ریلیف وغیرہ کے کاموں کے لیے غیر حاضری کے ایام کی تنخواہ لینا مدرسہ سے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور اسی طرح مدرسہ کے فون کو ان امور کے لیے استعمال کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

ایک عرصہ تک مدرسہ کا نظم و نسق بحسن و خوبی چلانے اور کار اہتمام بہ امانت و دیانت سنبھالنے کے نتیجہ میں مہتمم مدرسہ کو اپنے علاقہ اور اس کے اطراف و جوانب میں جو اعتماد حاصل ہوتا ہے اس کے پیش نظر اس علاقہ کے دینی و ملی اور عوامی و رفاہی کاموں میں بھی حصہ لینا ناگزیر اور ضروری ہو جاتا ہے جو مدرسہ کے مفاد ہی میں سمجھا جاتا ہے، سوال میں مذکور آپ کی مصروفیت اور مدرسہ سے غیر حاضری اسی نوع کی ہے، اگر آپ کی اس غیر حاضری سے مدرسہ کے نظم و ضبط میں کوئی خلل اور نقص نہیں آتا تو غیر حاضری کے ان ایام کی تنخواہ لینا آپ کے لیے درست ہے؛ البتہ فون کے استعمال میں احتیاط

ضروری ہے، خود یا کسی صاحب خیر کے ذریعہ اتنی رقم مدرسہ میں داخل فرما دیا کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/ ربیع الآخر ۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

صاحب فراش استاذ کے لیے تنخواہ لینا

سوال: ایک استاذ الحدیث جنہوں نے مدرسہ میں تقریباً ۲۸/ سال درس بخاری شریف وترمذی شریف پڑھانے کی خدمت انجام دی، بعدہ دوران خدمت بیمار ہو جانے کی بنا پر گھر تشریف لے گئے، اور جب طبیعت میں قدرے افاقہ ہوا تو دوبارہ ذمہ داران مدرسہ تبرکاً پڑھانے کے لیے واپس لے آئے، الحمد للہ آنے کے بعد طبیعت میں راحت ہونے کی بناء پر صرف درس بخاری شریف انجام دیتے تھے؛ مگر پھر ابھی دوبارہ طبیعت ناساز ہونے کی بنا پر صاحب فراش ہیں، جس کی بنا پر کما حقہ خدمت انجام نہیں دے سکتے، اس صورت میں ذمہ داران مدرسہ مدرسہ سے تنخواہ دیوے تو استاذ محترم کے لیے تنخواہ لینا کیسا ہے؟ لے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر مدرسہ میں ان کے قیام سے مدرسہ میں نفع ہو، مثلاً ان کے اثر سے مدرسہ کا نظم وضبط قائم رہتا ہو اور ان کی تجربہ کارانہ رائے سے کارکنوں کو روشنی ملتی ہو، اور ان کی صحبت سے اصلاح وتربیت ہو تو مدرسہ میں قیام بھی درست ہے اور تنخواہ کی بھی گنجائش ہے۔ (فتاوی محمودیہ ۱۸/ ۲۶۳)

جب بغیر پڑھائے نفس قیام کے مندرجۂ بالا طور پر نافع و مفید ہونے کی صورت میں تنخواہ کی گنجائش ہے تو اگر فوائد مذکورہ کے ساتھ طبیعت بحال ہونے کی حالت میں تدریسی خدمت بھی مقدور بھر انجام دیتے ہیں تو مدرسہ کی طرف سے دی جانے والی تنخواہ لینا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

صدقہ کی رقم سے تنخواہ دینا

سوال: کیا صدقہ کی رقم معلموں و مؤذنوں کو بطور تنخواہ دی جاسکتی ہے؟ کسی بھی طریقہ سے جائز ہے؟ اور اسی طرح للہ رقم ان کاموں میں دی جاسکتی ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

صدقہ میں تملیک بلا عوض ضروری ہوتی ہے؛ جب کہ تنخواہ اس کی محنت کا عوض ہے، اس لیے صدقہ کی رقم کو تنخواہ میں دینا جائز نہیں ہے۔ للہ اور عطیات کی رقم کو تنخواہ میں دینا جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

جن دنوں میں ملازمت نہ کی اس کی اجرت لینا کیسا ہے؟

سوال: میں ایک جگہ مدرسہ میں ملازمت کر رہا ہوں، شروع میں اپنے اوقات کی پابندی کرتا رہا؛ مگر آج کل اپنے اوقات کی پابندی نہیں کر رہا ہوں، لوگوں نے اس بات کو خوب اچھالا کہ اس کا اجرت لینا صحیح نہیں، اجرت حرام ہے، کیا یہ بات صحیح ہے تو

عمل کرنا ہے، جو اجرت حاصل ہو چکی ہے اس کے بارے میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟ آخرت کے مواخذہ سے مجھے بری ہونا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کو جو تنخواہ اور اجرت مل رہی ہے وہ مدرسہ میں آپ کے لیے متعین کئے گئے کام کے گھنٹوں اور اوقات کا معاوضہ ہے، اب اگر آپ اوقات کی پابندی نہیں کر رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ پر کام کے جو اوقات متعین ہیں ان میں آپ نے کمی کی جب کہ آپ اپنی تنخواہ پوری وصول کر رہے ہیں جو تمام اوقات کا معاوضہ ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے جن اوقات میں کام نہیں کیا اس کی بھی آپ نے اجرت وصول کی جو آپ کے لیے جائز نہیں، اس لیے جن لوگوں نے آپ پر یہ الزام لگایا کہ اجرت حرام ہے یہ الزام فی الجملہ درست ہے، اب اگر آپ کے یہاں اصول یہ ہو کہ ایک گھنٹہ غیر حاضری کرنے پر پورے دن کی غیر حاضری شمار ہوگی تو اس صورت میں آپ نے جتنے اوقات میں کام نہیں کیا ان کا حساب جوڑ کر اپنے یہاں کے اصول کے مطابق اس وصول کی ہوئی اجرت کو مدرسہ میں لوٹا دیں، اور آئندہ ایسا ہونے کی صورت میں اتنی اجرت (تنخواہ) کٹوا دیا کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ ذی القعدۃ ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ایامِ تعطیل کی تنخواہ لینا

سوال: (۱) میں ایک چھوٹے سے گاؤں میں امامت کرتا ہوں اور گاؤں کا

مکتب پڑھاتا ہوں اور رمضان شریف میں تراویح پڑھاتا ہوں، پھر رمضان کے بعد پندرہ دن کے لیے گھر جاتا ہوں اور بقرہ عید کے موقع پر ۸/ دن گھر جاتا ہوں، کیا میں وہ ۱۵/ دن کی چھٹی جس میں گھر جاتا ہوں اس کی تنخواہ وصول کرسکتا ہوں، اگر وہ خوشی سے دے دے تو میں لے سکتا ہوں؟ اس کا جواب عنایت فرمائیں۔

② مجھے مہینے میں تین دن کی چھٹی رہتی ہے؛ میں لیتا نہیں، مدرسہ اور امامت جاری رہتی ہے تو کیا میں تین دن کی تنخواہ طلب کرسکتا ہوں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

① آپ کے لیے تعطیل کے ایام کی تنخواہ لینا درست ہے۔

② آپ کی مراد تین دن کی تنخواہ طلب کرنے سے کیا ہے؟ اس لیے کہ آپ کو پورے مہینے کی تنخواہ تو ملتی ہے، اگر آپ کی مراد مزید تین دن کی تنخواہ کا مطالبہ ہے تو یہ درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد خانپوری، ۲/ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

ایامِ تعطیل کی تنخواہ وضع کرنا

سوال: بندہ ایک ادارہ میں بحیثیت مدرس عرصہ سے کام کر رہا ہے، ادارہ کا قانون ہے کہ کچھ ایام رخصت مع شہریہ دی جاتی ہے، گزشتہ ماہ ستمبر ۱۹۹۴ء میں جو طاعون کی بیماری پھیلی تھی اس میں ذمہ دارِ مدرسہ کے حکم سے ایک ہفتہ مدرسہ بند رہا، اس کے بعد مدرسہ حسبِ دستور جاری ہوگیا، اب سال کے آخر میں پورے سال کی رخصت جب شمار کی گئی تو اس رخصت (یعنی طاعون کی وجہ سے جو مدرسہ بند رہا) کو

ان ایام میں شامل کرلیا گیا جن ایام کی رخصت مع شہریہ دی جاتی ہے، اب اس رخصت کو ملانے کی وجہ سے استحقاق رخصت سے زیادہ رخصت کے ایام ہو گئے، اب یہ ایک ہفتہ جو تعطیل ذمہ دار ہی کے حکم سے رہی اس کا شہریہ بھی ہمارے صدر مدرس نے وضع کرلیا، کہنے پر جواب ملا: ''میں کچھ نہیں جانتا'' تو دریافت طلب یہ ہے کہ کیا شریعت کی رو سے شہریہ وضع کرنے کا حق ذمہ دار یا صدر مدرس کو ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اصل تو یہ ہے کہ آدمی جتنے دن کام کرے اتنے ہی ایام کی تنخواہ پاوے، جس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ جمعہ اور تعطیلات کی تنخواہ نہ پاوے؛ لیکن تبرعاً ان ایام کی تنخواہ بھی دی جاتی ہے، اسی تبرع کی ایک نوع یہ بھی ہے کہ کچھ ایام کی رخصت مع تنخواہ دی جاتی ہے، اب اگر ذمہ دارانِ مدرسہ نے طاعون کے زمانہ میں دی گئی رخصت کی وجہ سے مع تنخواہ دی جانے والی رخصت کا تبرع ختم کردیا، تو اس پر ان سے نزاع نہ کیا جائے، ویسے ذمہ داران کو چاہیے تھا کہ جب طاعون کی رخصت دی جارہی تھی اس وقت حضرات مدرسین کو مطلع کردیتے کہ اس کی وجہ سے آپ کے ساتھ تبرع والا معاملہ نہیں کیا جاوے گا؛ تاکہ وہ حضرات وضعِ تنخواہ کی وجہ سے پیش آنے والی اچانک مصیبت سے محفوظ رہتے، ذمہ داران کو اپنی اس کوتاہی پر معذرت خواہی کرنے کی ضرورت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹ر شوال ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کیا تعطیلات کی تنخواہ ضروری ہے؟

سوال: ذمہ داران مدرسہ اپنے معلمین کرام کو تعطیلات کی تنخواہیں نہیں دیتے ہیں، کیا تعطیلات مدرسہ کی تنخواہ معلمین کو دینا جائز نہیں ہے، نیز دار العلوم کا اس معاملہ میں کیا رویہ ہے؟ مطلع فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ذمہ داران مدرسہ کو تعطیلات کی تنخواہ دینا چاہیے، اور ایام رخصت میں بھی کچھ ایام کی دے دیا کریں تو مناسب ہے، اس کی حد مقرر کر دی جائے، دار العلوم میں بھی غالباً یہی معمول ہے، اس کی حد معلوم نہیں، آپ وہاں سے معلوم فرما سکتے ہیں، اس جگہ ایک بات ذہن نشین رہے، کہ مدرسہ کی طرف سے جن ایام میں کام بند رہتا ہے، ان کو تعطیلات کہا جاتا ہے، اور مدرس یا معلم اپنی ضرورت یا بیماری کی وجہ سے اجازت لے کر کام بند رکھتا ہے ان کو ایام رخصت کہا جاتا ہے، اور بلا اجازت کام بند رکھتا ہے ان کو غیر حاضری سے تعبیر کرتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹ رصفر ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

تعطیلات کی تنخواہ چندہ کی رقم سے بغیر اجازت منتظمین کے حاصل کرنا

سوال: مدرسہ محمدیہ کے ناظم جناب حاجی فخر الدین صاحب نے اپنے مدرسہ

کے لیے ۴/ مئی ۱۹۹۲ء کو ایک معلم کا تقرر فرمایا، اور جو بھی تنخواہ طے کی گئی تھی، اس کے مطابق ۴/ جون ۱۹۹۲ء کو معلم کو تنخواہ بھی عنایت کی، معلم صاحب نے تنخواہ لینے کے بعد اپنے وطن جانے کی رخصت لی، اور اپنے گھر روانہ ہو گئے، معلم صاحب کے گھر جانے کے بعد، ذمہ داران مدرسہ، خصوصاً ناظم مدرسہ نے ان معلم کے برطرفی کا فیصلہ کر کے معلم صاحب کو بذریعہ ٹیلی گرام یہ خبر پہنچادی، کہ آپ کو ۱۵/ جون ۱۹۹۲ء کو مدرسہ سے برطرف کر دیا گیا ہے آپ تشریف نہ لائیں، اور وہ خبر معلم صاحب کو موصول بھی ہو گئی، معلم صاحب اپنے وطن سے ایک تحریر روانہ کرتے ہیں، کہ ذمہ داران مدرسہ نے ۱۵/ جون ۱۹۹۲ء کو مجھ کو مدرسہ سے برطرف کیا ہے، مسئلہ کے رو مجھ کو ۵/ جون سے ۱۵/ جون تک کی تعطیلات کی تنخواہ ملنی چاہیے، اور چوں کہ میں مدرسہ میں مقیم تھا اسی دوران ایک صاحب خیر نے مدرسہ کے لیے میرے پاس دو سو تیس روپئے عطیہ دیا تھا، میں اسی رقم کو اپنی تنخواہ کے عوض لے رہا ہوں، اور یہ میرے لیے جائز ہے، آپ بتلائیے کہ اس طرح مدرسہ کو دی گئی رقم، ذمہ داران مدرسہ کو اس کی اطلاع کئے بغیر، اپنے اختیار سے معلم صاحب کا اپنی تنخواہ کے عوض روک لینا جائز ہے یا ناجائز؟ جب کہ مدرسہ کے ذمہ دار نے تقرر سے پہلے انھیں بتلا دیا تھا، کہ مدرسہ میں تعطیلات کی تنخواہ نہیں دی جائے گی، اور تعطیلات مدرسہ کی تنخواہیں نہ دینے کا معمول اس مدرسہ میں کئی سالوں سے چل رہا ہے، معلم صاحب کا یہ فعل کیسا ہے، مدرسہ کی یہ رقم بغیر اجازت لینا ان کے لیے جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

بوقت تقرر جب ان معلم صاحب کے ساتھ یہ شرط ہو چکی تھی کہ ایام رخصت کی

تنخواہ نہیں ملے گی، اور اس مدرسہ کا یہی معمول بھی ہے؛ تو اب وہ معلم صاحب ایام رخصت کی تنخواہ کے حق دار نہیں ہیں، جب استحقاق نہیں تو ان کا مدرسہ کو دی گئی عطیہ کی رقم سے اس نام سے وصول کرنا بھی جائز نہیں ہے، نیز جب یہ معاملہ ہوا، تب اس عطیہ کی اطلاع دینا بھی ان معلم صاحب کی دیانت وامانت کو مخدوش کرتا ہے۔ (امداد الفتاویٰ)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/صفر ۱۴۱۳ھ

متفرقات وقف

نابالغ کے چندہ کا حکم

سوال: نابالغ بچوں سے چندہ لے کر تقریب منانا کیسا ہے؛ جب کہ اسی پیسہ کا آیا ہوا سامان انہیں پر صرف ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تقریب کے واسطے نابالغ سے چندہ لینا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ربیع الآخر ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

صاحب مال سے چندہ میں اضافے کی ترغیب

سوال: سال کا ختتام: ۲۷ رمضان المبارک ہدیہ کی رقم وصولی کا کام شروع

ہوتا ہے۔ اور صاحب مال سے گذارش کرتے ہیں ذرا سمجھ کر رقم بڑھائی جائے ایسی ترغیب کی بات کہی جاتی ہے۔ تو ایسا کہنا درست ہے؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

محض ترغیب وتحریض کے طور پر یہ عرض کرنا کہ آپ نے سابق میں جو مقدار عنایت فرمائی تھی اس میں اضافہ فرمائیں کوئی حرج کی بات نہیں ہے یہ ازبس ضروری ہے کہ اس پر جبر نہ ہونے پائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، مؤرخہ ۲۲/ شوال المکرم ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

زبردستی سے چندہ لینا

سوال: لوگوں سے زبردستی روپیہ جمع کر کے دینی جلسہ کرنا کیسا ہے؟ کیا شریعت اسلام اس کی اجازت دیتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ جائز نہیں ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "لا يحل مال إمرئ مسلم إلا بطيب نفسه" (مسند امام احمد) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

غریبوں کی امداد کی غرض سے چندہ کر کے کسی ادارہ میں لگانا

سوال: خدمتِ عالی میں گزارش یہ ہے کہ حکومتِ ہند کی جانب سے منظور شدہ

ایک عوامی ادارہ ہے، جس کا نام ''یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا'' ہے، یہ ادارہ عوام کے فائدہ کے لیے وجود میں آیا ہے، یہ ادارہ عوام سے ان کا سرمایہ لے کر اس کو مختلف قسم کے کاروبار میں لگاتا ہے، پھر اس سرمایہ سے جو آمدنی ہوتی ہے اس میں سے ہر سال مالک کے سرمایہ پر کچھ فیصدی نفع طے کر کے اس کو سالانہ نفع تقسیم کرتا ہے۔

یہ بات واضح رہے کہ ادارہ کے منتظمین سرمایہ داروں کا سرمایہ جن کاروبار میں لگاتے ہیں، ان میں سے اکثر میں سودی طریقہ پر لگاتے ہیں، اور ان کاروبار سے حاصل ہونے والا نفع شرعاً سود ہی ہوتا ہے، جیسا کہ کچھ سرمایہ کمپنیوں کے پریفرنس شیئرز، اور ڈبینچر شیئرز میں لگاتے ہیں، اور کچھ سرمایہ سرکاری بینکوں کی فکس ڈپازٹس اور بونڈس میں لگاتے ہیں، اور کچھ سرمایہ سرکاری سودی سرٹیفکٹ اور وِکاس پتروں میں لگاتے ہیں، بیمہ کا کاروبار بھی ہوتا ہے، اگر کوئی شخص غریبوں اور محتاجوں کی مدد کے لیے آمدنی کے ذرائع کھڑے کرنے کی غرض سے لوگوں سے چندہ کر کے سرمایہ جمع کرے، اور اس چندہ کی رقم کو آمدنی حاصل کرنے کے لیے مذکورہ ادارہ ''یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا'' میں لگائے، اور یونٹ ٹرسٹ سے جو نفع حاصل ہو اس کو محتاجوں میں تقسیم کرے، تو سوال یہ ہے کہ اس غرض سے چندہ کرنا، پھر اس کو مذکورہ یونٹ ٹرسٹ میں لگا کر اس سے نفع حاصل کرنا، پھر نفع کی رقم سے غریبوں کی مدد کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سوال میں مذکورہ غرض سے چندہ کرنا درست ہے؛ (البتہ اس چندہ میں ایسی رقم وصول نہ کی جائے جس میں شرعی طور پر تملیک ضروری ہے، مثلاً: زکوٰۃ وغیرہ، اس لیے

کہ ایسی رقم سے ذرائع آمدنی قائم نہیں کیئے جاسکتے) اور اس چندہ سے حاصل شدہ رقم سے جائز ذرائع آمدنی قائم کیئے جاسکتے ہیں، یونٹ ٹرسٹ سے حاصل ہونے والا نفع حسبِ تصریح سوال سود ہے، تو اس میں یہ رقم لگانا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم رجب المرجب ۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

اسکول اور مدرسہ کے نام سے چندہ ہوا اس پر کس کا حق ہے؟

سوال: ایک مسئلہ درپیش ہے، جس کی تفصیل مندرجۂ ذیل ہے:

یہاں پر پاکستانی مسلمانوں نے ۱۹۷۹ء میں ایک مدرسہ ''تعلیم القرآن'' کے نام سے بنایا، مساجد میں جگہ کی کمی اور بعض دوسرے حالات میں اس کی بے حد ضرورت تھی، چناں چہ تبلیغی ساتھیوں نے بزرگوں سے مشورہ کر کے مدرسہ کے لیے ایک مکان خریدا، جس کا چندہ کمیٹی نے باہر سے بھی کیا، اس کمیٹی کا ذمہ دار میں تھا، تقریباً دو سال بعد اسی مدرسہ کے مکان میں ہی پرائیویٹ لڑکیوں کا اسکول بھی شروع کیا گیا، مکان بہت چھوٹا تھا جس کی وجہ سے ہمیں پریشانی تھی، چناں چہ کچھ عرصہ کے بعد اس مکان کو فروخت کر کے دو بڑے مکان خرید لیے، اس مکان کی جو رقم ملی وہ بھی اور مزید چندہ اور قرض حسنہ لے کر مکان خرید لیے گئے، اب جو چندہ ہوا وہ اسکول و مدرسہ دونوں کے نام کا ہوا۔

چند سال بعد میری غیر موجودگی میں بعض وجوہات کی بناء پر پوری کمیٹی تبدیل ہوگئی، جب میں واپس آیا تو نئی کمیٹی کے اجلاس میں گیا، میں نے ان سے مدرسہ کے بارے

میں کہا: اس کے ذمہ دار چندان والدین کو بنا دیں جن کے بچے پڑھتے ہیں؛ کیوں کہ آپ کے بچے مساجد میں پڑھتے ہیں، آپ اسکول کا انتظام اپنے پاس رکھیں، شاید کل مدرسہ سے آپ کی دل چسپی نہ رہے، ان حالات میں مدرسہ بنایا گیا؛ لیکن افسوس کہ مدرسہ کئی حالات سے گذر کر بند ہو گیا، لوگ ہمیں آکر پوچھتے رہے، آخر کار تنگ آکر مدرسہ کے لیے نئی جگہ لے لی، جہاں اب تین استاذ پڑھاتے ہیں، یہ مدرسہ لیے ہوئے بھی ایک سال سے زائد عرصہ ہو گیا، اب جو مدرسہ چل رہا ہے اس کی کمیٹی کے افراد اکثر وہی ہیں جنہوں نے پہلے مدرسہ بنایا تھا، اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا پہلے جو مدرسہ کا مکان تھا وہ مکان یا رقم دوسرے کام آسکتی ہے؟ جب کہ وہ خالص قرآنی مدرسہ کی رقم تھی، لڑکیوں کے اسکول کی اہمیت اپنی جگہ بھی موجود ہے، اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو کیا اسکول کمیٹی اس کی ذمہ دار ہے کہ وہ مدرسہ کی رقم ان لوگوں کے حوالے کر دے جن کا مدرسہ تھا، اور وہ اب بھی مدرسہ چلا رہے ہیں، اور ان پر قرض بھی ہے، اگر اسکول کمیٹی ایسا نہیں کرتی تو اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بعد میں جو مکان لیے گئے ان کی خریداری میں جو رقم سابق مدرسہ کی لگی وہ اور بعد میں جو چندہ اسکول ومدرسہ دونوں کے نام سے ہوا اس کی نصف رقم، دونوں مجموعی رقم مدرسہ کا حق ہے، اس لیے اسکول کمیٹی اتنا حصہ مدرسہ والوں کو ادا کرے، اسکول کمیٹی کی یہ ذمہ داری ہے، اگر ان پر قرض ہے تو یہ بھی اس قرض میں شامل فرما کر اس کی ادائیگی کی سعی کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵ / ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۶ھ

کمیشن پر چندہ کرنا

سوال: مدارس سے جو حضرات چندہ وصول کرنے جاتے ہیں ان کو دوگنی تنخواہ دی جاتی ہے، ایک ماہ میں جو ۲۵/ ہزار لے کر آوے اس کو بھی ماہانہ تنخواہ ملتی ہے اور جو ایک لاکھ لیکر آوے اس کو بھی وہی ماہانہ تنخواہ ملتی ہے؛ لہٰذا جو جس قدر زیادہ لاوے اس کو اس قدر تنخواہ کے علاوہ بطور بخشش رقم دے سکتے ہیں یا نہیں؟ مثلاً ۴۰/ ہزار پر ۵۰۰/سو روپیے، ۶۰/ ہزار پر ایک ۱۰۰۰ روپیے، ۸۰/ ہزار پر ۲۰۰۰/ دو ہزار روپئے، اور ایک لاکھ پر ۳۰۰۰/ تین ہزار روپئے، اگر جائز نہیں ہے تو پھر جواز کی کیا صورت ہوگی جس سے چندہ میں جانے والا محنت اور شوق سے کام کرے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب مدظلہ کا ایک جواب پیش خدمت ہے: ''مدارس میں کمیشن پر سفراء سے جو معاملہ رائج ہے وہ جائز نہیں ہوتا، بعض صورتوں میں یہ اجارہ باطل ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں فاسد ہوتا ہے۔ اس کا جائز اور سفیر و مدرسہ دونوں کے لیے سودمند یہ طریقہ ہوتا ہے کہ اس کام کے لیے سفیر کی ایک تنخواہ مقرر کردی جائے خواہ خشک یا خوراکی کے ساتھ۔ اور جس علاقہ میں بھیجنا ہو اس علاقہ کے سابقہ اصول کے مطابق یہ کہہ دیا جائے کہ اگر آپ کی وصولی اس مقدار سے نہیں بڑھے گی تو آپ کو انعام نہیں ملے گا، ہاں اگر مقررہ مقدار سے زیادہ وصول ہو تو انعام اس طرح ملے گا کہ آپ اپنی کل وصولی مدرسہ پر بھیجتے رہیں اور مدرسہ اس کو اپنے خزانہ میں رکھتا جائے گا، پھر جب آپ کام ختم کرکے آجائیں گے اور حساب وصول

کریں گے تو اس وقت مقررہ مقدار سے زائد میں اتنا فیصد (جو مناسب وموزون ہو) آپ کو انعام دیا جائے گا۔ اس طریقۂ کار سے سفراء کی ہمت بھی بڑھتی رہے گی اور مدرسہ کو بھی فائدہ پہونچے گا اور کوئی شرعی قباحت بھی نہ ہوگی۔ (منتخبات نظام الفتاوی ۱/۳۲۶، شائع کردہ اسلامک فقہ اکیڈمی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ظہرانہ، عشائیہ وغیرہ طریقوں سے اسلامی اداروں کا چندہ

سوال: موجودہ حالات میں اسلامی اداروں: مساجد، مکاتب، اور اسلامک اسکول وغیرہ میں اپنے اخراجات کو مہیا کرنے، نیز اپنے تعمیری وترقی کے منصوبوں کو بروئے کار لانے میں اقتصادی ومالی فراہمی میں دقتوں کا سامنا ہوتا ہے، ان اسباب کی فراہمی کے لیے مختلف طریقے اختیار کئے جارہے ہیں جن میں سے بعض طریقے وہ ہیں جو ماضی قریب تک کے اسلافِ کرام کی زندگیوں میں؛ نیز ان کے اداروں میں ڈھونڈھنے سے بھی نظر نہیں آتے، یہ وہ طریقے ہیں جو انگریزی تمدن سے ماخوذ ومستفاد ہیں، مثلاً: ظہرانہ (دوپہر کا کھانا) یا عشائیہ (شام کا کھانا) یا باربکیو (barbecue) وغیرہ، اشیائے طعام کو بیچنے کا طریقۂ کار یہ ہے کہ پہلے ان کے لیے پیشگی ٹکٹ بیچ دیا جاتا ہے یا موقع پر ہی ان اشیاء کو خرید لیا جاتا ہے، اور جن حضرات نے ٹکٹ خریدا ہوتا ہے وہ ٹکٹ دے کر کھانا وصول کرلیتے ہیں، ان مواقع پر ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ بہت سے احباب خام اشیائے خورد وطعام مثلاً مرغیاں، اناج وغیرہ بطور ہدیہ پیش کرتے ہیں، پھر ان چیزوں کو پکا کر بیچ دیا جاتا ہے اور اس طریقے سے حاصل شدہ

آمدنی کو مذکورہ بالا اسلامی اداروں وغیرہ کے منصوبوں میں صرف کیا جاتا ہے۔

اس مناسبت سے آپ مدظلکم کی خدمت میں چند سوالات ارسال کر رہے ہیں:

① کیا کوئی اسلامی ادارہ اپنے اقتصادی و مالی تعاون حاصل کرنے کے لیے مذکورہ طریقے کو اختیار کر سکتا ہے؟

② کیا مذکورہ طریقے کو ہمارے اسلاف کرام کے طریق کار سے مناسبت ہے؟

③ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور اسلاف کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا چندہ فراہم کرنے کا کیا طریقہ تھا؟

④ اگر کوئی اسلامی ادارہ مذکورہ طریقہ پر چندہ فراہم کرے تو مسلمانوں کو اس کا تعاون کرنا درست ہے؟

براہِ کرم جواب عنایت فرما کر ممنون و مشکور فرمائیں۔ بینوا وتوجروا۔

سائل: محمود دانا غفرلہ، باربے ڈوس

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

دینی اداروں کے لیے چندہ کرنے سے اصل مقصد ادارہ کی ضرورت کا پورا کرنا اور تعاون ہے، ضرورت اور تعاون کی یہ شکلیں، صورتیں مختلف زمانوں میں مختلف ہو سکتی ہیں، بعینہ اسی شکل وصورت کو نصوص میں یا اسلاف کی زندگی میں تلاش کرنا بے جا ہے، اس کو ایک مثال سے سمجھ لیجئے:

کفار سے مقابلہ کے لیے تیاری کے احکام میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وأعدّوا لهم ما استطعتم من قوّة و من رباط الخيل ترهبون به عدوّ الله و عدوّكم﴾ (الأنفال)

ترجمہ: اور تیار کرو ان کی لڑائی کے واسطے جو کچھ جمع کر سکو قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے کہ اس سے دھاک پڑے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر۔

اگر کوئی کہے کہ آیت کریمہ میں ایٹمی قوت، ٹینک اور لڑاکا طیارہ کا ذکر نہیں؛ لہٰذا ان آلات جدیدہ کے ذریعہ کفار سے مقابلہ کرنا نصوص اور اسلاف کے طریقہ کے خلاف اور طریقۂ کفار کے مشابہ ہے، تو اس کی یہ بات کس حد تک درست ہے؟ آپ خود ہی فیصلہ فرمالیں، بالکل اسی طرح دینی اداروں کے تعاون وتناصر کی مختلف شکلیں وصورتیں ہیں، یعنی اسلاف کے زمانہ میں چندہ کی وہ بعینہ شکل نہ ہو مگر فی نفسہ وہ شکل جائز ہو، اس میں امر غیر شرعی کا ارتکاب لازم نہ آتا ہو تو اس کو جائز کہا جائے گا۔ اس کی چند مثالیں:

① غلہ اسکیم: طویل زمانہ سے دینی اداروں میں یہ دستور چلا آرہا ہے کہ قرب و جوار کے دیہات میں جاکر غلہ کا چندہ کیا جاتا ہے اسی پر کئی اداروں کا گزران ہے، خُود امّ المدارس دارالعلوم دیوبند میں طویل زمانہ سے چندہ فراہمی کی یہ اسکیم جاری ہے۔

تاریخ دارالعلوم میں ہے:

اسی کے ساتھ دارالعلوم میں ایک نئی اسکیم کا آغاز کیا گیا، یعنی دارالعلوم کی جانب سے فصلِ ربیع کے موقع پر قرب وجوار کے مسلمان زمینداروں اور کاشتکاروں کا ایک نمائندہ اجتماع بلایا گیا، جس نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ دارالعلوم کی امداد واعانت میں وہ کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے، اس کی یہ صورت تجویز کی گئی کہ دارالعلوم کی سال بھر کی ضرورت کے لیے پانچ ہزار من غلے کی فراہمی کاشتکاروں اور زمین داروں کی جانب سے ہونی چاہیے، چناں چہ اس پر عمل شروع کر دیا گیا اور باوجود یہ کہ پہلے سے کام کا تجربہ نہ تھا اور ادھر فصل کٹنے کا زمانہ ٹھیک رمضان المبارک کا مہینہ تھا؛ مگر اس کے

باوجود ساڑھے تین ہزار من غلہ فراہم ہوگیا، اگرچہ غلے کی یہ مقدار مطلوبہ ضرورت سے کم تھی؛ تاہم اس سے دارالعلوم کو اس نازک اور ہوش رُبا گرانی کے زمانے میں بڑی تقویت پہنچی، اللہ تعالیٰ اس نیک کام کرنے والوں کے اموال میں خیر و برکت عطا فرمائے، غلے کی فراہمی کا یہ سلسلہ تا حال جاری ہے اور اب اس میں میرٹھ ڈویژن کے اضلاع کے علاوہ بجنور اور ہریانہ کا علاقہ بھی شامل ہوگیا ہے۔

② جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل کے ابتدائی دور میں چندہ کی یہ شکل اختیار کی گئی کہ گاؤں میں ہر گھر میں ایک ہنڈیا رکھ دی گئی کہ عورتیں جب اپنے گھر کی روٹی پکانے کے لیے بیٹھیں تو ایک مٹھی آٹا اس ہنڈیا میں بھی ڈال دیا کریں۔ (تاریخ جامعہ)

③ مجلس دعوۃ الحق ہردوئی اور اس کی ماتحتی میں چلنے والے مکاتب کے چندہ کے لیے حضرت مولانا شاہ ابرار الحق ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ نے چٹکی کا طریقہ اختیار کر رکھا تھا جو آج بھی بے شمار مکاتب میں جاری ہے، جس کی صورت تقریباً وہی ہے جو مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل کے چندہ کے متعلق سطور بالا میں گزری۔

آج بھی بعض جگہوں میں مساجد کی معاونت کا یہ سلسلہ جاری ہے کہ مسجد کے پھل، ناریل وغیرہ کو نیلام کیا جاتا ہے اور لوگ برضاء ورغبت اس کو عام قیمت سے زیادہ پر خریدتے ہیں جس میں پیش نظر اور اصل مقصد مسجد کا تعاون ہوتا ہے۔

یہ چند مثالیں اس لیے لکھی ہیں؛ تاکہ اندازہ ہو کہ ادارہ کی معاونت کی مختلف شکلیں ہیں جن کو ہمارے اسلاف نے اختیار کر رکھا ہے۔

اس تمہید کے بعد آپ کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں:

① سوال میں ذکر کردہ طریقے اختیار کر سکتے ہیں، اس میں انگریزی تمدن کی

ہو یا مشابہت نہیں، اگر آپ کو ان طریقوں میں صورۃً انگریزی تمدن سے مشابہت کا شبہ ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اعتقادات اور عبادات میں تشبہ بالکفار کفر ہے، اور مذہبی رسوم میں ناجائز اور حرام ہے، فطری امور میں مشابہت جائز ہے، اور عادات میں مشابہت کے متعلق تفصیل ہے، جس کا حکم آگے آرہا ہے۔

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور تصنیف ''سیرۃ المصطفیٰ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

تشبہ بالکفار اعتقادات اور عبادات میں کفر ہے، اور مذہبی رسومات میں حرام ہے، جیسا کہ نصاریٰ کی طرح سینے پر صلیب لٹکانا اور ہنود کی طرح زنار باندھ لینا یا پیشانی پر قشقہ لگا لینا، ایسا تشبہ بلاشبہ حرام ہے، جس میں اندیشۂ کفر ہے، اس لیے کہ علی الاعلان شعائرِ کفر کا اختیار کرنا اس کے رضاء قلبی کی علامت ہے۔

اور تشبہ کی یہ قسمِ ثانی اگرچہ قسم اول سے درجہ میں ذرا کم ہے؛ مگر پیشاب اور پاخانہ میں فرق ہونے سے کیا کوئی پیشاب کا پینا گوارا کرے گا؟ ہرگز نہیں۔ اور عبادات اور مذہبی رسومات اور عیدین میں کفار کی مشابہت کی ممانعت اشارات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ وکثیرہ سے ثابت ہے جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ''اقتضاء الصراط المستقیم'' میں بالتفصیل ان تمام آیات اور روایات کو بیان کیا ہے۔

اور معاشرہ اور عادات اور قومی شعائر میں تشبہ مکروہ تحریمی ہے، مثلاً کسی قوم کا وہ مخصوص لباس استعمال کرنا جو خاص ان ہی کی طرف منسوب ہو اور اس کا استعمال کرنے والا اسی قوم کا ایک فرد سمجھا جانے لگے، جیسے: نصرانی ٹوپی یعنی ہیٹ، اور ہندوانہ دھوتی، اور جوگیانہ جوتی، یہ سب ناجائز اور ممنوع ہے اور تشبہ میں داخل ہے بالخصوص جب کہ

بطور تفاخر یا انگریزوں کی وضع بنانے کی نیت سے پہنی جائے تو اور بھی زیادہ گناہ ہے، جوگیوں اور پنڈتوں کی وضع قطع اختیار کرنے کا جو حکم ہے وہی انگریزی وضع قطع اختیار کرنے کا حکم ہے۔

اور علی ہذا کافروں کی زبان اور ان کے لب ولہجہ اور طرز کلام کو اس لیے اختیار کرنا کہ ہم بھی انگریزوں کے مشابہ بن جائیں اور ان کے زمرہ میں داخل ہو جائیں تو بلا شبہ یہ ممنوع ہوگا، ہاں؛ اگر انگریزی زبان سیکھنے سے انگریزوں کی مشابہت مقصود نہ ہو؛ بلکہ محض زبان سیکھنا مقصود ہو کہ کافروں کی غرض سے آگاہ ہو جائیں اور ان سے تجارتی اور دنیاوی امور میں خط وکتابت کرسکیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔

جیسے کوئی ہندی اور سنسکرت اس لیے سیکھے کہ ہندؤوں اور پنڈتوں کی مشابہت ہو جائے اور ہندو مجھے اپنا وطنی بھائی سمجھیں اور اپنے زمرہ میں مجھے شمار کریں تو بلا شبہ اس نیت سے ہندی زبان سیکھنا ممنوع ہوگا، اور اگر فقط یہ غرض ہو کہ ہندؤوں کی غرض سے آگاہی ہو جائے اور ان کے خطوط پڑھ لیا کریں تو ایسی صورت میں ہندی زبان سیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اور ایجادات اور انتظامات اور اسلحہ اور سامان جنگ میں غیر قوموں کے طریقہ لے لینا جائز ہے، جیسے: توپ اور بندوق اور ہوائی جہاز اور موٹر اور مشین گن وغیرہ وغیرہ، یہ درحقیقت تشبہ بھی نہیں ہے، شریعت اسلامیہ نے ایجادات کے طریقے نہیں بتلائے، ایجادات اور صنعت اور حرفت کو لوگوں کی عقل اور تجربہ اور ضرورت پر چھوڑ دیا؛ البتہ اس کے احکام بتلا دئے کہ کونسی صنعت اور حرفت جائز ہے؟ اور کس حد تک جائز ہے؟ اور کس طریق سے اس کا استعمال جائز ہے؟ اسلام میں مقاصد کی تعلیم ہے،

غیر مقاصد کی تعلیم نہیں۔ طبیب جوتا بنانے کی ترکیب نہیں بتاتا اور نہیں سکھاتا، ہاں؛ یہ بتلاتا ہے کہ جوتا اس طرح مت سلوانا کہ اس کی میخیں ابھری ہوئی ہوں جس سے پیر زخمی ہو جائے۔ اسی طرح اسلام ایجادات نہیں سکھاتا، ہاں یہ بتلاتا ہے کہ ایجاد ایسی نہ ہو کہ جس سے تمہارے دین میں خلل آجائے یا جان کا خطرہ ہو، یہ ان ایجادات کا حکم ہے کہ جن کا بدل مسلمانوں کے پاس نہیں۔ اور جو ایجادات ایسی ہو کہ جس کا بدل مسلمانوں کے یہاں بھی موجود ہو تو اس میں تشبہ مکروہ ہے، جیسے: حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فارسی کمان کے استعمال سے منع فرمایا، اس لیے کہ اس کا بدل مسلمانوں کے پاس عربی کمان موجود تھی اور دونوں کی منفعت برابر تھی، صرف ساخت کا فرق تھا۔ اسلام میں تعصب نہیں؛ غیرت ہے، پس جو چیز مسلمان کے پاس بھی ہے اور کفار کے پاس بھی ہے تو صرف وضع قطع کا فرق ہے تو ایسی صورت میں اسلام نے تشبہ بالکفار سے منع کیا ہے کہ اس میں علاوہ گناہ کے ایک بے غیرتی تو یہ ہے کہ بلاوجہ اور بلاضرورت اپنے کو دوسری قوموں کا محتاج اور تابع بنائیں؛ مگر آج کل مسلمانوں میں غیرت نہیں رہی کہ یہ اپنے گھر سے بے خبر ہو کر؛ بلکہ یوں کہیے کہ اپنے گھر کو آگ لگا کر دوسروں کی عادات اور معاشرت کا اتباع کرنے لگے۔ ہاں؛ نئی ایجادات اور جدید اسلحہ کا بدل مسلمانوں کے پاس موجود نہیں، مسلمانوں کے لیے ان نئی ایجادات اور جدید اسلحہ کا استعمال اپنی ضرورت اور راحت اور دفع حاجت کے لیے جائز ہے؛ مگر شرط یہ ہے کہ اس کے استعمال سے نیت اور ارادہ کافروں کی مشابہت کا نہ ہو، محض اپنے فائدہ کے لیے جدید اسلحہ اور نئی ایجادات کا استعمال شرعاً جائز ہے، مگر تشبہ بالکفار کے ارادہ اور نیت سے ان کے استعمال کو شریعت پسند نہیں کرتی۔ (سیرت مصطفیٰ: ۳/۳۹۹)

امداد الاحکام میں ہے:

تشبہ بالکفار کی چند صورتیں ہیں:

① فطری امور میں مشابہت، مثلاً کھانا، پینا، چلنا، پھرنا، سونا، لیٹنا، صفائی رکھنا وغیرہ؛ یہ مشابہت حرام نہیں۔

قال فی الدر: فإن التشبه بهم لا يكره فی كل شئ؛ بل فی المذموم وفيما يقصد به التشبه كما فی البحر اه قال الشامی تحت قوله لا يكره فی كل شئ: فانا ناكل ونشرب كما يفعلون اه(۱/۶۵۲)

② عادات میں مشابہت، مثلاً: جس ہیئت سے وہ کھانا کھاتے ہیں اسی ہیئت سے کھانا یا لباس اس وضع پر پہننا، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر ہماری کوئی خاص وضع پہلے سے ہو اور کفار نے بھی اس کو اختیار کر لیا ہو خواہ ہمارا اتباع کر کے یا ویسے ہی، اس صورت میں یہ مشابہت اتفاقیہ ہے اور اگر ہماری وضع پہلے سے جدا ہو اور اس کو چھوڑ کر ہم کفار کی وضع اختیار کریں یہ ناجائز ہے، اگر ان کی مشابہت کا قصد بھی ہے تب تو کراہت تحریمی ہے، اور اگر مشابہت کا قصد نہیں ہے؛ بلکہ اس لباس و وضع کو کسی اور مصلحت سے اختیار کیا گیا ہے تو اس صورت میں تشبہ کا گناہ نہ ہوگا، مگر چوں کہ تشبہ کی صورت ہے اس لیے کراہت تنزیہی سے خالی نہیں۔

قال هشام: رأيت على ابی يوسف نعلين مخسوفين بمسامير، فقلت: أترى بهذا الحديد بأساً؟ قال: لا، قلت: فسفيان وثور بن يزيد كَرِهَا ذلك؛ لأن فيه تشبهاً بالرهبان فقال: إن رسول الله كان يلبس النعال التی لها شعرة وانها من لباس الرهبان فقد اشار إلى أن صورة المشابهة فيما تعلق به صلاح العباد لا يضر فان الارض مما لا يمكن

قطع المسافة البعيدة فيها إلا بهذا النوع اھ قلت: وفعله عليه السلام محمول على بيان الجواز اذا كان بدون القصد

ترجمہ: ہشام کہتے ہیں کہ میں نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے پیروں میں (لوہے کی) کیل لگی ہوئی جوتیاں دیکھیں تو میں نے دریافت کیا کہ کیا آپ اس لوہے (کے استعمال) میں کوئی حرج سمجھتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں، میں نے عرض کیا کہ سفیان اور ثور بن یزید تو اس کو مکروہ کہتے ہیں کیوں کہ اس میں راہبوں کے ساتھ تشبہ لازم آتا ہے، تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تو بالوں والی جوتیاں پہنتے تھے، حالاں کہ وہ بھی تو راہبوں کی پوشش ہے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے اشارۃً یہ بات بتلادی کہ جن چیزوں سے لوگوں کا فائدہ اور بھلائی وابستہ ہو ان میں صورۃً تشبہ مضر نہیں ہے، اور زمین کی مسافت کو طے کرنے کے لیے تو یہ طریقہ ناگزیر ہے۔ اھ۔

میں کہتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل مبارک (تشبہ کا) قصد وارادہ نہ ہونے کی صورت میں (تشبہ) کے جواز کے بیان پر محمول ہے۔

مگر چوں کہ آج کل عوام جواز کے لیے بہانے ڈھونڈتے ہیں، ان کا قصد تشبہ ہی کا ہوتا ہے؛ اس لیے اکثر احتیاط کے لیے عادات میں بھی تشبہ سے منع کیا جاتا ہے خواہ تشبہ کا قصد ہو یا نہ ہو۔

③ ان امور میں تشبہ جو کفار کا مذہبی شعار یا دینی رسم اور قومی رواج ہے جیسے زنار وغیرہ پہننا یا مجوس کی خاص ٹوپی جو ان کے مذہب کا شعار ہے، اس میں تشبہ حرام؛ بلکہ بعض صورتوں میں کفر ہے، عالمگیریہ وغیرہ میں اس کی تصریح ہے۔ (امداد الاحکام ۱/۲۸۶)

مذکورہ بالا تفصیل کو مدنظر رکھ کر تجزیہ کیجئے کہ:

ظہرانہ یا عشائیہ یا باربکیو کا طریقۂ کار کفار کے مذکورہ طریقوں میں سے کسی سے بھی مشابہت نہیں رکھتا۔

اگر بالفرض وہ کفار بھی اپنے مذہبی یا قومی اور رفاہی امور کی انجام دہی میں یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں تو ان کے ساتھ صرف یہ صورۃً مشابہت ہے اور صورۃً مشابہت ہوجانے میں اگر نیت درست ہو تو مضر نہیں جیسا کہ امداد الاحکام کی مذکورہ عبارت میں یہ جملہ گزرا۔ فقد أشار إلى أن صور المشابهة فيما تعلق به صلاح العباد لا يضر. یعنی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ کفار سے صورۃً مشابہت ہونے میں بندوں کے مصالح وابستہ ہوں تو اسے اختیار کرنا دینی اعتبار سے مضر نہیں، اس کی گنجائش ہے۔

گویا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے معاشرہ کے بے شمار مسائل کو حل کر دیا، اگر صورۃً بھی کفار سے مشابہت کو ممنوع قرار دیا جائے تو بڑا حرج لاحق ہوگا اور اس سے بچنا بظاہر ناممکن ہے، چند مثالیں ملاحظہ کریں:

① کفار شادی کے موقع پر یا کسی اور تقریب کے وقت اپنے مندوبین کے لیے ظہرانہ یا عشائیہ کا انتظام بڑی بڑی ہوٹلوں میں کرتے ہیں، تو کیا کوئی مسلمان اپنی کسی تقریب میں اس طرح کرے تو صورۃً مشابہت کی وجہ سے اسے ممنوع قرار دیا جائے گا؟ ہرگز نہیں۔

② کفار اپنے مذہبی امور کی انجام دہی کے لیے گھر گھر جا کر چندہ کرتے ہیں اور مستقل فنڈ قائم کر کے مذہبی امور کو انجام دیتے ہیں، تو کیا کوئی ادارہ یا کوئی مسلم، دینی

امور کی انجام دہی کے لیے گھر گھر جا کر چندہ کرے تو نا جائز کہا جائے گا؟ بالکل نہیں۔

③ غیر مسلم اپنے مخصوص رسائل، لٹریچرس وغیرہ کے ذریعہ سماجی امور کی انجام دہی کے لیے فنڈ کا مطالبہ کرتے ہیں اور اس بنیاد پر بڑی بڑی رقوم جمع کرتے ہیں، تو کیا کوئی دینی ادارہ ملی وسماجی امور کے لیے چندہ کی اپیل کرے تو کفار سے مشابہت کی وجہ سے اسے حرام کہا جائے گا؟ نہیں اور بالکل نہیں۔

② مذکورہ بالا طریقہ اختیار کرنے سے ہمارے اسلاف کے طریقۂ کار کی خلاف ورزی لازم نہیں آتی۔ سیرۃ المصطفی کی عبارت میں یہ جملہ گزر چکا کہ ''اسلام میں مقاصد کی تعلیم ہے، غیر مقاصد کی تعلیم نہیں''۔ یعنی وسائل کی تعلیم اسلام کے مقاصد میں داخل نہیں، مثلاً شریعت کا حکم ہے: ﴿وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلاً﴾ ترجمہ: ''اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا اس گھر کا جو شخص قدرت رکھتا ہو اس کی طرف راہ چلنے کی''۔

لہٰذا جو بھی ''زاد اور راحلہ'' پر قدرت رکھتا ہو (دیگر شرائط کے ساتھ) اس پر حج فرض ہے، اب فریضہ کی انجام دہی کے لیے کونسا طریقۂ کار اختیار کرے، پیدل چل کر جائے، یا بائی روڈ گاڑی پر جائے، یا آبی جہاز سے جائے، یا ہوائی جہاز سے جائے، شریعت نے اس کی پابندی لازم نہیں کی، جس کے لیے جو صورت اختیار کرنا ممکن ہو کرے۔

ہمارے اسلاف کے دور میں دینی اداروں کی امداد کے جو مناسب طریقے ان کے لیے آسان تھے انہوں نے اختیار کیے، ہمارے دور میں دینی مفاد جس میں زیادہ ہوگا، ہم اختیار کریں گے، یہ نہیں کہ انہوں نے جو طریقے اختیار کر رکھے تھے اس سے

سر موانحراف کیے بغیر ہم بھی وہی مخصوص طریقہ مخصوص صورت وشکل کے ساتھ اختیار کریں گے تو ہی ان کی اتباع کا حق ادا ہوگا، اس مخصوص صورت کی بجائے دوسری مناسب صورت کو اختیار کرنا اکابر کے طریقہ کے خلاف ہے، یہ کہنا ایک نوع کا جمود ہے۔

خود حضرات اکابر نے اپنے طرزِ عمل سے یہ بتلادیا ہے کہ ادارہ کی معاونت کا طریقہ مناسبِ زمانہ اختیار کرنا چاہیے، اس کی ایک مثال اکابر ہی کے کلام سے پیش کی جاتی ہے۔

ابوداؤد شریف میں ہے: عن أيوب عن عطاء قال: اَشْهدُ عَلٰى ابن عباس وشهد ابن عباس على رسول الله ﷺ أنه خرج يوم فطر فصلى ثم خطب ثم اتى النساء و معه بلال، قال ابن كثير: أكبر علم شعبة فأمرهن بالصدقه فجعلن يلقين ...... عن ابن عباس بمعناه قال: فظن أنه لم يسمع النساء فمشى إليهن وبلال معه فوعظهن وأمرهن بالصدقة فكانت المرأة تلقى القرط والخاتم فى ثوب بلال(ابوداؤد:۱۶۲)

"الدر المنضود" میں اس حدیث کے ذیل میں لکھا ہے:

مضمون حدیث یہ ہے کہ آپ ﷺ نے نماز (عید) کے بعد خطبہ اولاً مردوں کو دیا، عورتیں عیدگاہ میں چوں کہ علیحدہ اور ایک طرف تھیں، وہاں تک خطبہ کی آواز نہیں پہنچتی تھی؛ اس لیے آپ ﷺ مردوں کی جگہ سے منتقل ہو کر جس جانب عورتیں تھیں وہاں تشریف لے گئے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ (آپ کے خادم) ساتھ تھے، آپ ﷺ ان کے سہارے چل رہے تھے، آپ ﷺ تو خطبہ دینے میں مشغول تھے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کپڑا اچھار کھا تھا (کیوں کہ آپ ﷺ خطبہ میں صدقہ کی ترغیب بھی دیتے تھے) عورتیں اس میں اپنے پہننے کے زیور، کان کی بالی، ہاتھ اور پاؤں کی انگوٹھی، غرضیکہ جس

کے پاس جو تھا وہ اس کپڑے پر ڈال رہی تھی۔ ہمارے شیخ (حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ) فرمایا کرتے تھے کہ اہل مدارس جلسوں میں جو چندہ کرتے ہیں اس کی اصل یہ حدیث ہے۔ (الدر المنضود ۲/ ۴۵۷)

دیکھئے: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں عورتوں نے فقراء کے لیے جو صدقہ دیا تھا اس کو دورِ حاضر کے مدارس کے اجلاس میں کیے جانے والے چندہ کی اصل قرار دیا جا رہا ہے؛ حالاں کہ صورۃً بچند وجوہ دونوں میں فرق ہے:

فرق اول: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور کا چندہ عید کے روز کیا گیا تھا، مدارس کے اجلاس عموماً شعبان میں منعقد ہوتے ہیں، اس میں چندہ کیا جاتا ہے۔

فرق ثانی: دورِ نبوت کا چندہ عورتوں سے مخصوص اجلاس میں کیا گیا تھا، دورِ حاضر کے اجلاس میں مردوں سے چندہ کیا جاتا ہے۔

فرق ثالث: دورِ نبوت میں چندہ کی جنس عورتوں کے زیورات، کان کی بالیاں، انگوٹھیاں وغیرہ تھیں، یہ سونا یا چاندی کی جنس سے تھے، دورِ حاضر کے اجلاس کا چندہ عموماً نقود یا اناج وغیرہ کی اجناس پر مشتمل ہے۔

بایں ہمہ دورِ نبوت کے چندہ کو دورِ حاضر کے چندہ کی اصل قرار دیا جا رہا ہے۔

اکابر کا یہ عمل بتلا رہا ہے کہ چندہ کی نوعیت شکل وصورت زمان ومکان کے اعتبار سے الگ الگ ہوا کرتی ہے۔

آپ نے استفتاء میں تحریر فرمایا ہے: ''ٹکٹ دے کر کھانا وصول کرتے ہیں'' یہ طریقہ بھی ہمارے اکابر کے طریقہ کے مناسب ہے۔

۱۳۳۹ھ میں ام المدارس دار العلوم دیوبند کے منصب اہتمام کے لیے حکیم الاسلام

حضرت قاری محمد طیب صاحب کا انتخاب عمل میں آیا، اس کے بعد متعدد اصلاحیں عمل میں لائی گئیں، منجملہ ان کے کھانے کے ٹکٹ ہیں۔

تاریخ دار العلوم دیو بند میں ہے:

قواعد داخلہ کی طرح تقسیم طعام میں بھی مناسب اصلاح عمل میں لائی گئی، اب تک یہ طریقہ رائج تھا کہ طلباء مقررہ وقت پر مطبخ میں پہونچ جاتے تھے اور کیف ما تفق اپنا اپنا کھانا لے آتے تھے، اس میں ازدحام کے علاوہ ایک بڑا نقص یہ بھی تھا کہ یہ پتہ چلنا دشوار ہوتا تھا کہ کس طالب علم نے کھانا نہیں لیا یا کسی نے دو مرتبہ تو نہیں لے لیا، یہ بات محض مقسّم طعام کی قوتِ یادداشت پر منحصر تھی، اس طریقے کو منظم بنانے کے لیے ایلومنیم کے مدوّر ٹکٹ بنوائے گئے، یہ ٹکٹ صبح وشام کے لیے علیٰحدہ علیٰحدہ ہیں، ٹکٹوں پر صبح یا شام کے الفاظ کی صراحت کے علاوہ اختلاف رنگ کے ذریعے بھی ان کو ممتاز کر دیا گیا ہے، ٹکٹوں پر نمبر کندہ ہیں، اور ہر نمبر کے دو ٹکٹ ہوتے ہیں، مطبخ کے رجسٹر میں طلباء کے نام درج ہوتے ہیں اور رجسٹر میں جس نمبر پر نام لکھا ہوتا ہے، وہی نمبر اس طالب علم کے ٹکٹ کا ہوتا ہے، ٹکٹ داخل کرنے پر اگلے وقت کے لیے اسی نمبر کا دوسرا ٹکٹ دے دیا جاتا ہے، مقسّم ٹکٹ کو دیکھ کر کھانا حوالے کر دیتا ہے، اس طریقے سے جہاں طلباء کے لیے راحت وسہولت پیدا ہوگئی ہے، وہیں تقسیم میں بھی ضبط ونظم قائم ہو جانے کے سبب سے دوبارہ کھانا لے سکنے کا اندیشہ باقی نہیں رہا، اس کے علاوہ تقسیم طعام میں اگر کوئی طالب علم غیر حاضر ہو تو بسہولت اس کا پتہ چل جاتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ ایک ہزار طلباء کو گھنٹے بھر میں بآسانی کھانا تقسیم ہو جاتا ہے۔

(تاریخ دار العلوم دیو بند ۱/ ۲۸۳، ۲۸۴)

ہندوستان میں جب تک تبلیغی اجتماعات بڑے پیمانہ پر ہوتے رہے، اکابر کی رائے ومشورہ کے بعد اجتماعات کے تمام امور طے ہوتے تھے، اس میں بھی کھانا کھانے کے لیے ٹکٹ بنانے کا معمول رہا ہے، اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔

آپ نے لکھا ہے: ''ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ بہت سے احباب خام اشیائے خورد وطعام مثلاً مرغیاں، اناج وغیرہ بطور ہدیہ پیش کرتے ہیں'' بطور چندہ خام اشیاء لینا اور دینا حدیث شریف سے ثابت ہے، مشکوۃ شریف کی ایک حدیث مظاہر حق سے نقل کی جاتی ہے:

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ دوپہر کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں حاضر تھے کہ کچھ لوگ - جو برہنہ جسم تھے اور (اپنے ستر چھپانے کے لیے) کمبل یا عباء لپیٹے ہوئے تھے اور گلے میں تلواریں لٹکائے ہوئے تھے- آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے، ان میں کے اکثر لوگ؛ بلکہ وہ سب ہی قبیلۂ مضر کے تھے، (ان لوگوں کو دیکھ کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ مبارک کا رنگ بدل گیا؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں پر فاقہ کا بھی اثر دیکھا تھا (جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت رنج ہوا) چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (مجلس سے اٹھ کر) اپنے حجرۂ مبارک میں تشریف لے گئے (تاکہ ان لوگوں کی مدد کرنے کے لیے کچھ مل جائے تو لا کر دے دیں؛ مگر جب تلاش کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے حجرہ میں کچھ نہیں مل سکا تو) پھر باہر آ گئے (اتنے میں ظہر کا یا جمعہ کا وقت ہو گیا) لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو انھوں نے اذان دی، اور تکبیر کہی، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھ چکے تو (منبر شریف پر کھڑے ہوئے اور) خطبہ ارشاد فرمایا: (اس خطبہ میں پہلے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت ﴿یاایھا

الناس اتقوا ربكم الذی خلقكم من نفس واحدة﴾ آخر آیت ﴿ان الله كان عليكم رقيبا﴾ تک پڑھی، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی جو سورۂ حشر میں ہے:﴿اتقوا الله و لتنظر نفس ما قدمت لغد﴾ (اور پھر فرمایا) ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اگر استطاعت رکھتا ہے تو اپنے دینار میں سے، اپنے درہم میں سے، اپنے کپڑوں میں سے، اپنے گیہوں کے پیمانہ میں سے، اور اپنی کھجوروں کے پیمانہ میں سے (ان مفلوک الحال اور فاقہ زدہ لوگوں کی مدد کے لیے) خیرات کرے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا (جو شخص جو کچھ بھی رکھتا ہو اسی کے بقدر خیرات کرے اور لاکر یہاں دے) اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔ راوی کا بیان ہے کہ (آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر) ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے (دینار یا درہم سے) بھری ہوئی (اتنی وزن دار) تھیلی لاکر پیش کی کہ (اس کے بوجھ سے) ان کا ہاتھ تھک جانے کے قریب تھا؛ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ تھک گیا تھا، پھر ایک کے بعد ایک جو لوگوں نے لالا کر جمع کرنا شروع کیا تو میں نے دیکھا کہ (وہاں) کھانے پینے کی اشیاء اور کپڑوں کے دو (بڑے بڑے) ڈھیر لگ گئے اور پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ اقدس دیکھا جو (خوشی کے مارے) ایسا چمک رہا تھا جیسے سونا چڑھائی ہوئی چیز، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص کہ اسلام میں اچھا طریق رائج کرے تو اس کو اس (اچھے طریق کے رائج کرنے) کا بھی ثواب ملے گا اور ہر اس شخص کے ثواب کے بقدر بھی (مزید ثواب ملے گا) جو اس کے بعد اس اچھے طریق پر عمل کرے گا جب کہ ان عمل کرنے والوں کے ثواب میں کچھ کمی نہیں ہوگی، اور جو شخص کہ اسلام میں کسی برے طریق کو رائج کرے تو اس کو اس (برے طریق کے رائج کرنے) کا بھی گناہ ہوگا اور

ہر اس شخص کے گناہ کے بقدر (مزید) گناہ بھی ہوگا جو اس کے بعد اس برے طریق پر چلے گا جب کہ ان (برے طریق پر چلنے والوں) کے گناہ میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ (مسلم)
(مظاہر حق جدید ۱/ ۲۶۷، ۲۶۸)

حدیث شریف کے الفاظ ’’من طعام‘‘ کی تشریح میں شارح مشکوۃ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: (من طعام) الظاهر أنه هنا حبوب، و لعل الاقتصار عليه من غير ذكر النقود لغلبته یعنی طعام سے مراد (کچا) اناج ہے، اور راوی نے طعام کے ذکر پر اکتفا اس لیے فرمایا کہ نقود کے بالمقابل غلہ زیادہ تھا۔ (مرقاۃ ۱/ ۲۷۷)

ملاحظہ کیجئے: طعام (خام اشیاء) کو بطور چندہ لینا اور دینا حدیث شریف سے ثابت ہے۔

اسی طرح مرغی صدقہ و ہدیہ میں دینا بھی حدیث شریف سے ثابت ہے۔

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: إذا كان يوم الجمعة وقفت الملٰئكة على باب المسجد يكتبون الأول فالأول و مثل المهجّر كمثل الذى يهدى بدنة ثم كالذى يهدى بقرة ثم كبشا ثم دجاجة (الحديث)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازہ پر تعینات ہو جاتے ہیں اور (نماز جمعہ کے لیے) اول وقت آنے والے پہلے شخص کا نام لکھتے ہیں، پھر اس کے بعد جو پہلے آتا ہے اس کا نام لکھتے ہیں، (اور اس طرح یکے بعد دیگرے اول وقت آنے والوں کے نام لکھے جاتے ہیں) اور اول وقت آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو قربانی کے لیے اونٹ مکہ بھیجے، پھر اس کے بعد آنے والے کی مثال اس شخص کی سی

ہے جو قربانی کے لیے دنبہ یعنی مینڈھا مکہ بھیجے، پھر اس کے بعد آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو مرغی صدقہ میں دے۔ (مشکوۃ ص: ۱۲۲، ترجمہ از مظاہر حق جدید ۲/ ۲۷۹)

حدیث بالا میں اس بات کا اشارہ ہے کہ مرغی چندہ میں دی جاسکتی ہے اور اس پر مستقل ثواب کا وعدہ ہے۔

③ سطور بالا میں بتلادیا۔

④ بلاریب ودغدغہ درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد عبد القیوم راجکوٹی، ۱۸/ رجب المرجب ۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح: العبد احمد عفی عنہ خانپوری　　الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سنیچر کی تعطیل میں یہود سے تشبہ ہے

سوال: ہمارے یہاں دینی مکتبوں میں پچھلے چند سالوں سے جمعہ کو تعلیم جاری رکھی جاتی ہے، اور بجائے جمعہ کے سنیچر کو تعطیل رکھی جاتی ہے، ایسا کرنے میں بچوں کی حاضری زیادہ رہتی ہے، یہ عذر پیش کیا جاتا ہے، آیا ذمہ داروں کا یہ فعل یعنی سنیچر کو تعطیل تشبہ بالیہود ہے یا نہیں؟ اس کو باقی رکھنا چاہیے یا بدل دینا چاہیے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شنبہ کی تعطیل یہ یہودیوں کا مذہبی شعار ہے، اس لیے ہمارے دینی مدارس میں شنبہ کو تعطیل کرنے سے ان کے ساتھ تشبہ لازم آتا ہے، اور یوم یہود کی تعظیم کو بھی مستلزم ہے، اس لیے اس کو بدل کر حسب سابق یوم جمعہ کو تعطیل کی جائے۔ (ماخوذ از امداد

الفتاویٰ ۴/۲۶۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۲۸/ جمادی الاخری ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

عاریتاً دی ہوئی کتابوں کی فیس وصول کرنا

(سوال): مدرسے کے کتب خانے سے بچوں کو شروع سال میں جب کتابیں دی جائیں تو ان سے کتابوں کی فیس وصول کرنا کیسا ہے؟ مثلاً عربی اول کی سب کتابیں ایک بچے کو دیں اور بیس روپیہ بہ طور فیس وصول کیے اور یہ رقم کتب کی جلد وغیرہ ضروریات میں استعمال کی جاتی ہے، فتاویٰ ہندیہ شامی اور محمودیہ کی عبارتوں سے عدم جواز معلوم ہوتا ہے۔

ولو استأجر كتبا ليقرأ فيها شعرا كان أو فقها أوغير ذلك لا يجوز ولا أجر له وإن قرأ (عالمگیری ٤٤٩٤، باب:١٦) (فتاویٰ محمودیہ/۲۵۹)

بعض ساتھیوں سے سنا ہے کہ کئی مدارس میں اس طرح فیس وصول کی جاتی ہے، اور کتب خانے والے دارالافتاء سے رابطہ قائم کر کے ہی کرتے ہوں گے؛ اس لیے خلجان ہے کہ ہوسکتا ہے کہ کوئی جزئیہ جواز پر دال ہو۔

(الجواب): حامداً ومصلياً ومسلماً

ایسا کوئی جزئیہ جو جواز پر دلالت کرتا ہو میری نظر سے نہیں گزرا، جن مدارس میں اس قسم کی فیس وصول کی جاتی ہے وہاں کے ذمہ داران سے ہی معلوم فرمالیں۔ اگر اس میں اُس کی تعدی کو دخل ہے تو قیمت یا نقصان وصول کیا جاسکتا ہے ورنہ نہیں۔

والعارية أمانة، إن هلكت من غير تعد لم يضمنها (عالمگیری:٢٦٣٤)
ترک حفظ یا مدت عاریت ختم ہونے کے بعد بھی واپس نہ کرنا، یا اہل مدرسہ نے کتاب کی واپسی کا مطالبہ کیا پھر بھی واپس نہ کیا، اس صورت میں بھی ضمان لیا جا سکتا ہے۔ (تفصیل دیکھیے بدائع الصنائع ۲۱۸/۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

چھوٹی بات پر عہدے سے نکال دینا

سوال: متولیان کرام اور دار العلوم کے مہتمم صاحب حفاظ کرام اور علمائے کرام کو گری ہوئی نظر سے دیکھ کر ایک چھوٹی سی بات پر ان کو اپنے عہدے سے نکال کر اپنے اداروں سے خارج کر دیتے ہیں، تو کیا ان لوگوں سے کتنے مہینے کا معاوضہ لے سکتے ہیں؟ اگر خدانہ خواستہ خادموں کو معاوضہ نہیں دیا تو خادم گورنمنٹ کا سہارا لے سکتا ہے یا نہیں؟ شرعی قانون اس کے بارے میں کیا ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تحقیر کا معاملہ کسی کے ساتھ جائز نہیں ہے، حسب امرأ من الشر أن يحقر أخاه (الحدیث) چہ جائیکہ علما وحفاظ کے ساتھ؛ لیکن اس کے باوجود علما وحفاظ کے لیے بھی ضروری ہے کہ حدود شریعت کے مطابق اقدام کریں، کسی کے ساتھ جذبۂ انتقام میں شریعت کے خلاف کرنے کی ہرگز اجازت نہیں، خاص کر اہل علم کے لیے تو یہ بڑا عیب ہے۔ لا يجرمنكم شنآن قوم على أن لا تعدلوا، اعدلوا هو أقرب

للتقویٰ (القرآن) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مدرسہ کے وقت میں استاذ کا تلاوت یا مطالعہ کرنا

سوال: پڑھانے کا وقت ۷/بجے سے ۱۰ ہے ۷/ سے آدھ گھنٹہ بچوں کو یاد کرنے کا موقع دیتے ہیں پھر اسباق کی سماعت کرتے ہیں تو کیا اس آدھ گھنٹہ میں تلاوت مطالعہ وغیرہ کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

بچوں کو یاد کرنے کا موقع دیا گیا ہے اس کی نگرانی بھی ضروری ہوتی ہے، اگر استاذ کی تلاوت یا مطالعۂ کتاب میں مشغولی کی وجہ سے اس نگرانی میں کوئی فرق نہیں آتا تو گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مدرسہ کے استاذ کو خنزیر کہنا

سوال: درسہ عربیہ وصیت العلوم گوکاک میں یہ پیش آیا، مدرسے میں سارے استاذ مل کر فجر ۹/بجے ناشتہ کر رہے تھے، ناشتہ میں چوہا کی مینگنی آ گیا، اس کو نکال کر رکھ دیا، ناشتہ کے بعد اساتذہ بول دیا ہے کہ: خالہ (باورچی) کو یہ چیز بتادو، میں اس کو بچوں کے ہاتھ میں دیا، بچے خالہ کو دیا، خالہ بولی: یہ مینگنی کس کو آیا ہے؟ بچے استاذ

صاحب کا نام بتادیا، تو خالہ استاذ صاحب کو کہتی ہے: کون کالا (سور؟) یعنی خنزیر کا لفظ حافظ قرآن کو بول دی، یہ لفظ چار پانچ استاذ سن کر خاموش ہو گئے، یہ استاذوں کا خاموش ہونا کیسا ہے؟ اور مدرسہ کے تمام ذمہ دار بھی خاموش ہو گئے ہیں، ان پر بھی کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

مسلمان کو گالی دینا فسق ہے، وسباب المؤمن فسوق (الحدیث) اور سور کہنا ہر گز جائز نہیں ہے، خاص کر ایک دینی مدرسہ میں تعلیم دینے والے استاذ کو ایسا لفظ کہنا حد درجہ محرومی کی دلیل ہے؛ اس لیے واجب ہے کہ استاذ سے ان الفاظ کی معافی طلب کرے، اور آئندہ کے لیے توبہ کرے، اور عہد کرے کہ کبھی ایسے الفاظ نہیں کہے گی۔ مدرسہ کے ذمہ داروں کو چاہیے کہ اس عورت کو سمجھا کر استاذ سے معافی منگوالیں۔ (ماخوذ از فتاویٰ محمودیہ ۱۵۷/۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/رجب ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مدارس میں قرآن خوانی

سوال: درسوں میں کسی کے انتقال کے وقت ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی کرائی جاتی ہے، تمام طلبہ کو ایک جگہ جمع کر کے گھنٹہ آدھ گھنٹہ قرآن پڑھایا جاتا ہے، پھر کوئی استاذ یا ذمہ دار طلبہ کے سامنے اس مرحوم کا تعارف، اس کے کچھ محاسن وغیرہ بیان کر کے اس کے لیے اس موقع پر پڑھے ہوئے قرآن کا ایصالِ ثواب کرنے کی اپیل کرتا ہے، پھر کوئی استاذ دعا کرا دیتے ہیں اور سب آمین کہہ دیتے ہیں۔

اسی طرح بعض جگہوں پر سال کے شروع میں تعلیم کے آغاز کے موقع پر بھی تبرکاً قرآن خوانی کرائی جاتی ہے، اس میں بھی تمام طلبہ کو مکلف کیا جاتا ہے؛ بلکہ اساتذہ کو باضابطہ اطلاع کر کے شرکت کی دعوت دی جاتی ہے، عدمِ شرکت کو ذمہ داران حضرات برا سمجھتے ہیں، یہ باتیں ہر قرآن خوانی میں ہوتی ہے، تو اس طرح طلبہ و اساتذہ کو پابند کر کے اجتماعی قرآن خوانی کرنا اور ایصالِ ثواب کرنا کس حد تک صحیح ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

فی نفسہٖ قرآنِ کریم کی تلاوت ایصالِ ثواب کے لیے یا خیر و برکت کے لیے بلاشبہ بہت اہمیت رکھتی ہے؛ مگر آج کل اسے لوگوں نے رسم بنالیا ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۱/۳۶۲) اگر تاریخ یا دن کی تعیین کے بغیر اور بلا کسی التزام کے کچھ لوگ مل کر قرآنِ پاک کی تلاوت کر کے اس کا ثواب کسی مرنے والے کو بخش دیں، تو اس کی اجازت ہے بہ شرطے کہ اس کو ضروری قرار نہ دیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴/رجب ۱۴۲۲ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مدرسہ کی چرائی ہوئی چیز کی تلافی

سوال: زمانۂ طالب علمی میں میں نے ایک چیز کی چوری کی تھی اب وہ گم یا تلف ہوگئی ہے توبہ کر چکا ہوں تو کیا صورت ہوگی کہ دار العلوم میں رسوائی بھی نہ ہو اور شئ مذکور بھی دار العلوم کو مل جائے کیا اس کی قیمت ادا کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اگر وہ مثلی چیز تھی تو اس کا مثل ورنہ اس کی قیمت مدرسہ میں داخل کروادیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مدرسے کا وقف بورڈ سے امداد لینا

سوال: رکاری وقف بورڈ سے اسلامی مدرسہ میں کسی طرح کی امداد شروع کروائی جائے تعمیری ہو یا مدرسوں کی تنخواہ ہو تو اس بارے میں سرکاری وقف بورڈ کی امداد شروع کروانا کیسا ہے اور یہ رقم مدرسہ میں استعمال کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

وقف بورڈ کو اوقاف کے ذریعہ سے حاصل ہونے والی آمدنی کا مصرف اسلامی مدارس کی تعمیر یا مدرسین کی تنخواہ تجویز کیا گیا تھا تو یہ استعمال درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مدرسے میں غیر مسلم کی رقم لینا

سوال: مدرسہ مذکور کے طلبا کو کھلانے کے لیے ایک کافر کی طرف سے دوسو روپئے موصول ہوئے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس کافر کی طرف سے احسان جتلانے یا اور کوئی غلط فائدہ اٹھانے کا اندیشہ نہ ہو تو قبول کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/رجب ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مدرسہ میں غیر مسلم کے چندہ کا مصرف

سوال: بعض مرتبہ بعض غیر مسلم مدرسہ میں چندہ دیتے ہیں اب اس کو مدرسہ میں کس مصرف میں استعمال کیا جائے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اس سے کسی خاص مصرف کی تعیین نہیں کی ہے تو مدرسہ کے کسی بھی مصرف میں استعمال کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

طالب علم کو حافظ بنانے کے لیے دی گئی رقم کے استعمال کا طریقہ

سوال: ایک آدمی نے ۵۰۰۰ روپئے دیا کہ زید کو حافظ بنانا ہے؛ لہٰذا یہ رقم زید کے اوپر خرچ کی جائے، چناں چہ مدرسہ والوں نے زید کی خوراکی میں پورے پیسے کو کاٹ لیا تو کیا یہ صحیح ہے؟ صحیح صورت کیا ہوگی؟ کس طرح سے اس آدمی کی دی ہوئی رقم زید پر استعمال کی جائے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

زید کی خورا کی فیس اور دیگر اخراجات پر وہ رقم صرف کی جائے گی، بہتر یہ ہے کہ خرچ کرنے کے طریقے کی وضاحت رقم دینے والے کے سامنے کر دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ ذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مکاتب کے اساتذہ کا جماعت میں جانا

سوال: ہمارے شہر میں ماشاء اللہ جماعت تبلیغ (عرف دعوت) کا کام بڑے پیمانے پر ہوتا ہے، چناں چہ شہر کی بارہ تیرہ مسجدوں میں سے گیارہ مسجدوں میں جماعتیں آتی جاتی رہتی ہیں، تقریباً تمام مسجدوں کے ائمہ حضرات بھی - جن میں اکثر علمائے کرام ہیں - اس کام میں لگے ہوئے ہیں، مسجدوں میں اس کے بارے میں بات چیت، بیانات، تعلیم وغیرہ ہوتی رہتی ہے، شہر سے چار مہینے اور چلّے کی جماعتیں اکثر نکلتی رہتی ہیں، مسجدوں کے ائمہ حضرات کے ذمہ امامت کے علاوہ بچوں کو دونوں وقت پڑھانا بھی ہے، اکثر علاقے کے مکاتب میں بچوں بچیوں کی تعداد کے تناسب کے لحاظ سے اساتذۂ کرام کی تعداد کم ہے، مثلاً مکتب میں ساٹھ ستر بچوں پر ایک استاذِ محترم اور بعض میں ایک سو اسّی بچوں پر تین اساتذۂ کرام، ان میں سے ایک رخصت پر یا بیمار، اسکول کے لحاظ سے دو وقت (صبح دوپہر) مکاتب چلائے جاتے ہیں، اکثر مسجدوں کے ائمہ حضرات مہینے میں تین دن جماعت میں جاتے رہتے ہیں، چلّہ بھی ہر سال ترتیباً لگاتے

ہیں، بعض مرتبہ خود ائمہ حضرات ہی کو شوق اور جانے کا ولولہ پیدا ہوتا ہے، بعض مرتبہ اہلِ محلّہ تشکیل کر کے امام صاحبان کو ترغیب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ: مولانا صاحب! آپ کے جانے کی وجہ سے پندرہ بیس ساتھی تیار ہو جائیں گے، اور ان ساتھیوں کو آپ کی محبت میسر آئے گی۔ اس طرح امام صاحبان بادلِ ناخواستہ تیار بھی ہو جاتے ہیں، مالی مشکلات کا حل بھی کسی صاحبِ خیر کی برکت سے ہو جاتا ہے، چناں چہ شہر کی مسجد جامع کے امامِ محترم ہفتہ عشرہ پہلے چار مہینے کی جماعت میں چلے گئے، حالاں کہ چھ آٹھ ماہ قبل آپ محترم چلّہ لگا کر واپس ہوئے تھے، اس مرتبہ پھر جانے کی ہمت اور توکّل بتلایا جاتا ہے۔

ایسی صورتِ حال میں بعض غیر متعصب قسم کے احباب کو تشویش ہونے لگی ہے اور ان کے دماغوں میں چند سوالات پیدا ہونے لگے ہیں کہ کیا امامت کرنا دین کا کام نہیں؟ کیا بچوں کو قرآنِ پاک کی تعلیم دینا دین کا کام نہیں؟ ان معصوموں کو اسلامی معاشرہ کے آداب اور وقتی دعائیں سکھلانا دین کا کام نہیں؟ کیا مسجد میں بعد نماز تصحیحِ اذان واقامت اور کلامِ پاک صحیح کرانا کارِ دین نہیں؟ بیانات کے موقعوں پر اصلاحی بیان کرنا اور معاشرت ومعاملات کی باتیں عوام کو بتلانا دین کا کام نہیں؟ کسی مسئلہ پوچھنے والے کو مسئلہ بتلانا یا اپنے سے بڑوں کی طرف رجوع فرما کر مسئلہ کی تحقیق کر کے مسائل کی تشفی کرنا دین کا کام نہیں؟ ان باتوں کے علاوہ مصلیان کا امام سے مانوس ہونا اور طلبا کا اپنے استاذ سے مانوس ہونا جو مستقل مدتِ قیام کے بعد ہی رونما ہوتا ہے اور انتفاع کے لیے بے حد ضروری ہے، ایسی صورت میں بیرونِ شہر جا کر دعوت کا کام کرنا یا اپنے مقام پر رہ کر دعوت کا کام بصورتِ تعلیم وتعلّم یا درس وتدریس یا تصنیف وتالیف

یا تربیت وتزکیہ کرنا یعنی ہر دو میں سے فی زماننا کونسی صورت وشکل انسب، افضل اور اقدم سمجھی جائے گی؟

جنابِ والا چوں کہ قوم کے ثقہ اہلِ علم حضرات میں سے ہیں؛ لہٰذا جناب ہی ہم لوگوں کی رہبری فرما کر عنداللہ ماجور ہوں گے، واھدنا إلیٰ سواء الصراط۔ امید ہے کہ سوال کرنے کی بدسلیقی اور بے ڈھنگے پن کو معاف فرما کر جواب عنایت فرمائیں گے۔ فقط والسلام

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نوراللہ مرقدہٗ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

تبلیغی جماعت کا اصل مقصد دین کی طلب کا عام کرنا ہے، جس سے مدارس کو طلبہ بھی کثرت سے ملتے رہے اور خانقاہوں کو ذاکرین بھی کثرت سے ملے اور ہر مسلمان کے دل میں دین کی اہمیت پیدا ہو۔ اہلِ مدارس اور اہلِ خانقاہ حضرات کو حسبِ موقعہ تبلیغی جماعتوں کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے، اگر ان میں کوتاہی اور خلافِ اصول چیزیں دیکھیں تو خیر خواہی اور ہمدردی سے ان کو نصیحت کریں، اصلاح فرمائیں اور جماعتوں کے ذمہ ضروری ہے کہ خانقاہوں اور مدارس کا پورا احترام کریں اور اپنی اصلاح کے لیے ان حضرات سے مشورہ لیں اور ان کی ہدایات کو دل وجان سے قبول کریں، ان کو ہرگز ہرگز یہ دعوت نہ دیں کہ یہ حضرات اپنے دینی مشاغل کو ترک کردیں، مدارس اور خانقاہوں کو بند کرکے تبلیغ کے ساتھ نکل کھڑے ہوں، دینی مدارس کا قیام از حد ضروری ہے، ورنہ صحیح علما پیدا ہونے بند ہوجائیں گے اور دین جاہلوں کے ہاتھ میں جاکر کھلونا

بن جائے گا۔ خانقاہوں کا قیام بھی ضروری ہے؛ اس لیے کہ محض کتابیں پڑھنے سے عامتاً تزکیۂ نفس نہیں ہوتا اور بغیر اخلاقِ رذیلہ کی اصلاح کے اخلاص پیدا نہیں ہوتا جو کہ روح ہے جمیع اعمالِ صالحہ کی، تمام اعمال بغیر اخلاص کے ایسے ہیں جیسے بے جان ڈھانچہ ہوتا ہے، اخلاص اکابر اہل اللہ کی صحبت اور ان کی ہدایات پر عمل کی برکت سے حاصل ہوتا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱/ ۴۱۷-۴۱۸)

وہ علما حضرات جو مسلمان بچوں کو دینی تعلیم دینے میں مشغول ہیں ان کا تبلیغ میں اس طرح جانا کہ جس کے نتیجہ میں بچوں کی تعلیم کا نظام مختل ہو جائے درست نہیں، جو حضرات رضا کارانہ طور پر بلا معاوضہ اس نوع کی خدمت انجام دیتے ہوں ان کے لیے بھی اس طرح کرنا درست نہیں تو جو حضرات با قاعدہ عقدِ اجارہ کر کے معاوضہ لے کر یہ خدمت انجام دیتے ہیں ان کے حق میں تو عقدِ اجارہ کے نتیجے میں ان پر عائد ذمہ داری کا نہ ادا کرنا بھی لازم آتا ہے جس کی شرعاً اجازت نہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہٗ تحریر فرماتے ہیں: یہ اصولِ تبلیغ کے بھی خلاف ہے یعنی علم چھوڑ کر تبلیغ میں جانا غلط ہے؛ البتہ تعطیل اور فارغ اوقات میں جانا بہتر ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۴/ ۱۱۵)

اس سلسلہ میں پہلے بھی یہاں دریافت کیا جا چکا ہے جو ماہنامہ ”الاصلاح“ (گجراتی) کے ماہ فروری اور ماہ مارچ ۲۰۰۱ء دو شماروں میں چھپ چکا ہے، اس کو دیکھ لیں، ان شاء اللہ باعثِ تشفی و تسلی ہوگا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد خانپوری، ۱۵/ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

باب ما یتعلق بالمقابر

قدیم قبرستان میں سائیکل کی دوکان کھولنا

سوال: ہمارے یہاں عرصۂ دراز سے بہت ہی پرانا قبرستان ہے، حالیہ وہ قبرستان قطعاً بند ہو چکا ہے، فی الحال ایک مسلمان نے اس پر اپنا قبضہ جما رکھا ہے، اس کو ہموار کرتے ہوئے سائیکل کی دوکان کھول رکھی ہے، اور اس کی آمدنی وہ خود اپنے استعمال میں لا رہا ہے، تو مذکورہ آمدنی کو اپنے استعمال میں لانے کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وہ قبرستان موقوفہ ہے، یعنی اس جگہ کو قبروں کے لیے وقف کیا گیا تھا، تو اب اس پر اس طرح قابض ہو جانا، اور اس جگہ کو دوسرے کام میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے، اور وہ آمدنی بھی حلال نہیں ہے، اور اگر وہ قبرستان مملوکہ زمین میں تھا، تو اس کے مالک کو اختیار ہے کہ اس کو استعمال کرے، اور قبریں ایک دم پرانی ہو چکی ہیں، ان کے مردے گل سڑ کر ختم ہو چکے ہیں، تو مالکِ زمین اس میں دکان بھی بنا سکتا ہے، اور کرایہ پر بھی دے سکتا ہے۔ (تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ۱/۲۴۶)

اور وہ قبرستان موقوفہ یا مملوکہ نہیں؛ بلکہ سرکاری زمین ہے تو سرکار کی اجازت سے اس میں تصرف کر سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/محرم الحرام ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قبرستان کو اسکوٹر رکھنے کی جگہ بنانا

سوال: ہمارے محلہ میں قبرستان بند ہوئے کو (۳۰/۳۵) سال ہوئے ہیں، اس قبرستان کے (۱۰/۱۲) مالک ہیں، ان میں سے ایک نے قبروں کو توڑ کر سپاٹ کر دیا، اور وہاں پر اسکوٹر اسٹینڈ بنایا ہے، اس کو آٹھ سال ہوئے ہیں، غیر مذہب عورت یہ اسکوٹر لگاتی ہے، وہ کمائی جائز ہے یا جائز نہیں؟ ساری کمائی اکیلا کھاتا ہے، کسی بھائی بند کو نہیں دیتا، وہی جگہ پر پرانی شاہی مسجد ہے ''وہ ہماری مسجد ہے''۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر یہ قبرستان وقف شدہ ہے تو ایسا کرنا جائز نہیں، کرنے والا گنہگار ہے، اور تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ اس قبرستان کی حفاظت کا بندوبست کریں۔ (عالمگیری ۲/۴۷۲، ۴۷۱) اور اگر کسی کی ملک ہے تو دیکھا جائے گا اگر اتنا زمانہ گزر چکا ہے کہ اندر کا مردہ گل سڑ کر مٹی ہو گیا ہے، تو اس میں کھیتی کرنا، تعمیر کرنا وغیرہ درست ہے، ورنہ نہیں۔

(تبیین الحقائق ۱/۲۴۶)

مسجد کسی کی ملک نہیں ہوتی وہ اللہ کی ملک ہے، اس کو بند کر دینا اور مسلمانوں کو اس میں نماز پڑھنے سے روکنا حرام اور ناجائز ہے، اس پر بڑی وعید آئی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قبرستان میں مسجد بنانا

سوال: ہم گاؤں والے پرانی مسجد شہید کر کے نئی اور بڑی مسجد تعمیر کرنا چاہتے

ہیں، مگر جس طرف کی جگہ مسجد میں لینا چاہتے ہیں وہاں پر پچاس سے سو سال تک کی پرانی قبریں ہیں، اور دوسری طرف سے بھی جگہ مسجد میں لینے کی کوئی گنجائش نہیں، زید کہتا ہے کہ قبریں پرانی ہیں، اس لیے ان قبروں کی جگہ کھدائی کر کے وہ مٹی اور انسانی عضو قبرستان میں ہی دوسری جگہ دفن کر کے اور قبر کی جگہ کو مسجد میں شامل کر کے نئی مسجد تعمیر کریں، بکر کہتا ہے کہ قبریں پرانی ہو یا نئی قبرستان میں قبر پر یا قبر کی کھدائی کر کے مٹی اور انسانی عضو دوسری جگہ دفن کرنا اور مسجد تعمیر کرنا کسی حدیث سے ثابت نہیں؛ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبرستان اور قبروں پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ براہِ کرم زید اور بکر کی تکرار کا خلاصہ قرآن وحدیث اور شافعی مسلک سے دیجیے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس جانب مسجد میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں وہاں قبریں ہیں، اور آپ کے سوال سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبرستان کا ایک حصہ ہے، اب اگر اس جگہ کو مسجد میں داخل فرمائیں گے تو اس صورت میں مسجد کا قبرستان کے درمیان ہونا لازم آوے گا، اور قبرستان کے درمیان مسجد بنانا مکروہ ہے۔ علامہ بدر الدین زرکشی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

يكره بناء المساجد بين المقابر؛ لأنه نهي عن الصلوٰة في المقبرة، وقد صح: لا تتخذوا قبري مسجدا قال صاحب المغني: وقد روى قتادة أن أنس مرّ على مقبرة وهم يبنون فيها مسجدا، فقال أنس: كان يكره أن يبنى مسجد فى وسط القبور (اعلام الساجد باحكام المساجد:۳۵۶)

اور اس حصہ میں نماز بھی مکروہ ہوگی۔

"تحفة المحتاج" میں ہے:

ویکرہ تنزیها أیضا الصلوٰة في الحمام... (المقبرة) بتثلیث الباء (الطاهرة) لغیر الانبیاءؑ بأن لم یتحقق نبشها أو تحقق وفرش علیها حائل (والله أعلم) للخبر السابق مع خبر مسلم لاتتخذوا القبور مساجد أي أنها كم عن ذلك وصح خبر لاتجلسوا على القبور، ولا تصلوا إلیها، وعلته محاذاته للنجاسة سواء ماتحته أو أمامه أو بجانبه، نص علیه في الأم، ومن ثم لم تفترق الكراهة بین المنبوشة بحائل وغیرها، ولا بین المقبرة القدیمة والجدیدة، بأن دفن فیها أول میت بل لو دفن میت بمسجد كان كذلك، وتنفى الكراهة حیث لا محاذاة وإن كان فیها لبعد الموتى عنه عرفا (۲/۱٦۷ على الهامش)

''شرح مهذب'' میں ہے: أما حكم المسئلة فإن تحقق أن المقبرة منبوشة لم تصح صلوٰته فیها بلاخلاف، إذا لم یبسط تحته شیء، وإن تحقق عدم نبشها صحت بلاخلاف، وهي مكروهة كراهة تنزیه إلخ (۳/۱۵۸)

اور اگر قبرستان کی وہ زمین وقف شدہ ہے، یعنی دفن اموات کے لیے وقف کی گئی ہے، تو اب اس میں مسجد بنانے کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ زمین جس مقصد کے لیے وقف کی گئی ہے، اس کے علاوہ دوسرے کام میں اس کا استعمال کیا جارہا ہے، اور یہ جائز نہیں ہے۔

''تحفة المحتاج'' میں ہے: وفي الانوار: لیس للإمام إذا اندرست مقبرة ولم یبق بها اثر، عارتها للزراعة، أي مثلاً، وصرف غلتها للمصالح، وحمل على الموقوفة الخ (٦/٢٨٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

ملحوظہ: ہمارے دارالافتاء سے فقہ حنفی کے مطابق جوابات دیے جاتے ہیں، آپ

کی طلب پر کتب شافعیہ سے جواب دیا گیا ہے، کسی شافعی مفتی کی تصدیق کے بعد ہی اس کو عمل میں لائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ رجب المرجب ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قبرستان خریدنے میں مرزائی کو شریک کرنا

(سوال): ہمارے یہاں ایک برادری ہے جس میں ایک صاحب مرزائی ہیں، قبرستان کے لیے جگہ خریدنی ہے، کیا مرزائی کو قبرستان کے خریدنے میں شریک کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ یعنی رقم لی جاسکتی ہے یا نہیں؟ علاوہ ازیں مسلمانوں کے قبرستان میں مرزائی کی تدفین عمل میں آسکتی ہے یا نہیں؟ علاوہ ازیں بمطابق رقم کچھ حصہ علیحدہ کرلیا جاوے؛ لیکن قطعۂ اراضی ایک ہی ہے، اس علیحدہ اراضی میں بھی تدفین ہوسکتی ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مطلوب ہے۔

(الجواب): حامداً ومصلیاً ومسلماً

قادیانی مرزائی عقیدہ رکھنے والا شخص کافر ومرتد اور زندیق ہے، ان پر مرتدین کے احکام جاری ہوتے ہیں، مسلمانوں کو ان سے مکمل قطع تعلق کرنا چاہیے، لہٰذا قبرستان کے خریدنے میں ہرگز ہرگز کسی مرزائی کو شریک نہ کیا جائے؛ نیز مسلمانوں کے قبرستان میں مرزائی (جو غیر مسلم ہے) کو دفن کرنا بھی جائز نہیں، قطعۂ اراضی ایک رکھ کر علیحدہ حصہ میں تدفین کی بھی اجازت نہ دی جائے، کیا کسی غیر مسلم کو اس طرح کی اجازت دینا مسلمانوں گوارا کریں گے؟ ہرگز نہیں! اس لیے کہ ایسا کرنے میں مسلمانوں کو دھوکہ

ہوگا، اور وہ اسے مسلمان سمجھ کر اس کی قبر پر فاتحہ پڑھیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۶ھ

موقوفہ قبرستان میں تدفین کے لیے ڈونیشن لینا جائز نہیں

سوال: شہروشارم میں الحمد للہ ایک ہی جماعت اور ایک ہی قبرستان ہے۔ قبرستان کی زمین کو ایک نیک پارسا خاتون مرحومہ نے وقف کیا ہے، تقریباً یہاں ہر میت کے ذمہ داروں کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ قبرستان کے اول حصہ میں ہی یا اس سے پہلے دفن شدہ والد، والدہ، خاوند وغیرہ کی قبر کے پاس میں ہی میت کو دفن کی جائے۔ جس کی وجہ سے انتظام میں الجھن اور کبھی کبھی نزع اور جھگڑے کی صورت بھی پیش آجاتی ہے۔

اس الجھن و جھگڑے سے چھٹکارہ پانے کے لیے قبرستان میں تین ترتیب قائم کر کے تدفین کے لیے بلڈنگ ڈونیشن کے نام سے رقم حاصل کی گئی، اور چوتھی ترتیب بلا ڈونیشن لیے بھی تدفین کی جاتی ہے، کبھی بھی کسی کو کسی ترتیب میں دفن کرنے پر زبردستی نہیں کی گئی۔

یہ صورت جماعت کے انتظامی اقدامات میں سے ایک کارروائی تھی، نہ کہ میت کے گھر سے میت کے دن رقم اینٹھنے کا حربہ، اس طرح سے انتظام کرنے پر ساری الجھنیں دفع اور ختم ہوگئی۔

اب سوال یہ ہے کہ اس طرح سے قبرستان میں جھگڑے سے بچاؤ اور احتراز کی خاطر بلڈنگ ڈونیشن اور بلا بلڈنگ ڈونیشن ترتیب قائم کر سکتے ہیں؟

اور اگر قائم کر سکتے ہیں تو اس وصول شدہ رقم کو بلڈنگ میں (جماعت کی رہائشی

مکانات ودکانات) میں صرف کر سکتے ہیں؟ اس رقم کا مصرف کیا ہے؟
ازراہِ کرم شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب بالصواب سے نواز کر ممنون فرمائیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

جو زمین تدفین کے واسطہ وقف کی گئی، اس میں مردوں کو دفن کرنے کے لیے جو شرائط واقف نے تجویز فرمائی ہیں، یعنی کسی خاص جماعت یا قوم کے لیے ان کی رعایت کرتے ہوئے ان مردوں کو دفن کرنے کے واسطے، ان سے کسی قسم کا معاوضہ لینا شرعاً درست نہیں، آپ نے انتظام میں پیش آمدہ الجھن کو دور کرنے کے لیے ڈونیشن کی جو شکل تجویز فرمائی ہے، وہ درست نہیں، اس قبرستان کے نظم وانتظام کو برقرار رکھنے کے لیے واقف نے جن حضرات کو متولی مقرر کیا ہے، ان کے نظم وانتظام سے متعلق ہدایت پر عمل کرنا مردوں کے اولیاء کے لیے ضروری ہے، اس لیے آپ اپنے تولیت والے اختیارات کی بنیاد پر جو طریقہ نظم وانتظام کو برقرار رکھنے کے لیے اختیار کرنا چاہیں، اس کو آپسی مشورہ سے طے کر کے منظور فرمالیں، اور لوگوں کو بھی چاہیے کہ ان ہدایات کا لحاظ کریں، باقی رہا اس کے لیے ڈونیشن والا طریقہ، تو شرعاً اس کی اجازت نہیں، یہ ایک نوع کی رشوت ہے، جب یہ درست ہی نہیں، تو اب مصرف کا سوال فضول ہے، اس نوع کی رقمیں جن سے وصول کی گئی ہیں ان کو واپس کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: احمد خانپوری، ۱۵/ شوال المکرم ۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ   الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

پرانی قبروں کی بوسیدہ ہڈیوں کے لیے علیحدہ گڑھا نہ کھودا جائے

سوال: بمبئی میں جامع مسجد ٹرسٹ کے ماتحت ایک بڑا قبرستان ہے، جس میں ایک جگہ وہاں کے لوگوں نے ایسی لاوارث نعشوں کی تدفین کے لیے مقرر کی ہے جو حادثات کا شکار ہو جاتے ہیں، اور تجہیز و تکفین کے اعتبار سے ان کا کوئی پُرسانِ حال نہیں ہوتا؛ مگر چوں کہ متعدد مرتبہ ایسا ہونے کی وجہ سے پرانی نعش کا ڈھانچہ اور ہڈیاں ویسے ہی قبروں میں ملتی ہیں، جو دوسری میت کی تدفین کے لیے مانع بنتی ہے؛ نیز وہ ڈھانچے انتہائی کمزور ہوتے ہیں کہ ہاتھ لگاتے ہی فوراً ٹوٹ بھی جاتے ہیں، بہر حال اس کی وجہ سے ان لوگوں نے قریب ہی ایک بڑا گھڑھا کھود رکھا ہے، جس میں ایسے پرانے ڈھانچے اور ہڈیاں اٹھا کر ڈال دیتے ہیں؛ تاکہ آنے والی میت کی تدفین میں آسانی رہے، پھر اس گھڑھے کو مٹی وغیرہ ڈال کر بند کر دیا جاتا ہے، تو اس طرح ڈھانچوں اور ہڈیوں کا اپنی جگہ سے منتقل کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

فتاویٰ محمودیہ میں ہے: اگر قبرستان بہت پرانا ہو، وہاں میت موجود نہیں؛ بلکہ مٹی ہو چکی ہو اس کو کھود کر وہاں دوسری میت کو دفن کرنا درست ہے، اگر پرانی میت کے کچھ ناتمام اجزاء، کوئی ہڈی وغیرہ نکلے تو اس کو اسی قبر میں ایک طرف کو دفن کر دیں، باہر نکال کر نہ پھینکیں۔ (۹/۹۶)

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

اگر قبر اتنی پرانی ہو جائے کہ میت بالکل مٹی بن جائے تو اس قبر میں دوسری میت

کو دفن کرنا درست ہے، ورنہ بلا ضرورت ایسا کرنا منع ہے، اور بوقتِ ضرورت جائز ہے، اور ایسی حالت میں جب میت کی ہڈیاں وغیرہ کچھ قبر میں موجود ہوں تو وہ ایک طرف علیحدہ (اسی) قبر میں رکھ دی جائیں۔ (۹/۹۷)

لا يدفن اثنان فی قبر إلا لضرورة، وهذا فی الابتداء وكذا بعده، قال فی الفتح: ولا يحفر قبر لدفن آخر إلا ان بلی الأول فلم يبق له عظم، إلا أن لا يوجد فتضم عظام الأول ويجعل بينهما حاجز من تراب الخ (درمختار مع الشامي ١/٦٥٩)

شامی میں اس سے آگے حلیہ کے حوالہ سے لکھا ہے:

وخصوصاً ان كان فيها ميت لم يبل، وما يفعله جهلة الحفارين من نبش القبور التی لم تبل اربابها وادخال أجانب عليهم فهو من المنكر الظاهر...... وادخال البعض علی البعض قبل البلاء مع مافيه من هتك حرمة الميت الأول، وتفريق اجزائه فالحذر من ذلك ...... فالاولیٰ اناطه الجواز بالبلاء إذ لا يمكن ان يعد لكل ميت قبر لا يدفن فيه غيره الخ (درمختار مع الشامي ١/٦٥٩)

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ جب تک پہلی میت کے اپنی قبر میں مٹی ہو جانے کا گمانِ غالب نہ ہو وہاں تک اس قبر کو نہ کھولا جائے؛ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ میت کے اپنی قبر میں مٹی ہو جانے کے گمانِ غالب کے بعد کھولا گیا اور اس میں سے اس میت کی ہڈیاں نکلیں تو ان ہڈیوں کو اس قبر میں سے نکالا نہ جائے؛ بلکہ اسی قبر میں ایک کنارہ پر حفاظت سے رکھ دیا جائے، اور اس کے اور میت کے درمیان مٹی ڈال کر آڑ کر دی جائے، اس لیے آپ نے اپنے سوال میں الگ گڑھا کھودنے کی جو صورت بیان کی

ہے وہ درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

قبرستان کی زمین کا تبادلہ

سوال: ہمارے یہاں قبرستان کی ایک قطعۂ اراضی ہے جس میں تدفین نہیں ہوتی ہے؛ بلکہ سالہا سال وہ کرائے پر دی ہوئی تھی، جس میں کرائے دار کھیتی کرتے تھے، ابھی دو سال سے کرایہ دار سے وہ زمین واپس لے لی ہے، اس وقت وہ زمین ویسے ہی پڑی ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ قبرستان کی پوری مملوکہ زمین کے درمیانی حصہ بجانب جنوب جو ہائی اسکول کی مملوکہ زمین ہے، اس میں اسکول کی انتظامیہ اسکول بنانا چاہتی ہے، اسکول کی زمین میں داخل ہونے کے لیے جنوب کی طرف راستہ موجود ہے؛ لیکن کچھ طویل ہونے کی وجہ سے اسکول کی انتظامیہ قبرستان سے راستہ لینا چاہتی ہے، جس سے ظاہر ہے کہ قبرستان کی زمین کا اور مزید نقصان ہوسکتا ہے؛ کیوں کہ راستہ شمال کی طرف سے طلب کر رہے ہیں؛ نیز اسکول کی تعمیر ہونے سے قبرستان کی زمین دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے، اب دوسری تجویز انتظامیہ کی طرف سے یہ ہے کہ زمین کا تبادلہ کرلیا جائے یعنی اسکول کی زمین جو درمیان میں جنوب کی سمت واقع ہے اس کا قبرستان کی مشرقی جانب واقع زمین سے تبادلہ کرلیا جائے، اس صورت میں دو فائدے ہیں: اول یہ ہے کہ قبرستان کی پوری زمین ایک ہو کر اس کا احاطہ کرلینا آسان ہو جائے گا۔ ثانیا: اسکول کو مشرقی جانب سے راستہ بھی دوسرے کی

ملکیت سے ملنا آسان ہوگا اور قبرستان کی زمین محفوظ ہو جائے گی، تو اب دریافت طلب یہ ہے کہ عدم تبادلہ کی صورت میں قبرستان موقوفہ زمین میں سے برائے اسکول راستہ جو تقریباً پندرہ سوفٹ ہوتا ہے دیا جا سکتا ہے؟ ثانی صورت میں تبادلہ کر کے قبرستان کی زمین کو ٹکڑے ہونے سے بچا کر ایک طرف کر کے محفوظ کر لینے کی غرض سے تبادلہ کر لیا جائے تو کیا استبدال کے شرائط میں مذکورہ صورت داخل ہو سکتی ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

آپ کے سوال میں الفاظ متضاد استعمال ہوئے ہیں، قبرستان کو مملوکہ لکھا اور موقوفہ بھی، اگر قبرستان کی زمین وقف شدہ ہے کسی کی ذاتی ملک نہیں ہے تو اس کا تبادلہ جائز نہیں ہے۔ کما ھو مصرح فی کتب الفقہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ ذوالقعدہ ۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

قبرستان کی موقوفہ زمین کو فروخت کرنا

سوال: (۱) زید نے قبرستان کو کچھ زمین وقف کی؛ لیکن زید نے وہ کچھ عرصہ گذرنے پر زمین کو فروخت کر دیا، اور اس زمین کے روپئے سے اسی قبرستان میں نمازِ جنازہ کے لیے مسجد بنوائی ہے، تو کیا زید کے لیے یہ زمین فروخت کرنا اور قبرستان میں مسجد بنانا کیسا ہے؟

(۲) زید نے قبرستان کی زمین کو فروخت کیا، تو زید اس روپئے کو گاؤں کی مسجد میں لگا سکتا ہے یا نہیں؟ یا پورا روپیہ قبرستان ہی میں صرف کرے؟

③ زید اس کے روپئے سے قبرستان میں دو تین دو کانیں بنوانا چاہتا ہے، تو اس روپئے سے دوکان بنوانا درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① زمین جب قبرستان کے لیے وقف کی گئی تو اس کو فروخت کرنا درست نہیں ہے، وہ بیع باطل ہے: إن بیع الوقف باطل ولو غیر مسجد (شامی:۱۱۷۴) اس کو چاہیے کہ جس کے ہاتھ وہ زمین فروخت کی گئی ہے اس سے زمین واپس لے کر قبرستان کے لیے حوالہ کرے، جو روپیہ بطور ثمن ملا اس کا وہ ضامن ہے، اب اتنا روپیہ زمین خریدنے والے کو اپنی جیب سے ادا کرے۔

② قبرستان کی وقف کردہ زمین کا فروخت کرنا درست نہیں۔

③ نمبر ایک میں جواب آگیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری، ۲۳ محرم الحرام ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس بسم اللہ عفی عنہ

موقوفہ قبرستان کے پھلوں کا مفت میں استعمال

سوال: ایسی جائیداد موقوفہ جس کے بارے میں معلوم نہ ہو کہ ہمارے باپ، دادا نے قبرستان کے لیے دیا ہے یا نہیں؟ اور اس کی اولاد بھی یہ بات کہہ رہی ہو کہ ہمیں معلوم نہیں کہ ہم لوگوں کے باپ نے وقف کیا یا نہیں کیا؟ جب کہ ہمارے قبرستان میں کچھ درخت ہے، جس کو باپ دادا کی اولاد نے لے رکھا ہے، اور اس میں مُردے بھی دفن ہوتے ہیں، اور اس درخت کا پھل بھی وہ لوگ کھاتے ہیں، جواب

طلب امر ایں کہ ایسے قبرستان میں مُردے کو دفن کرنا از روئے شرع جائز ہے یا ناجائز؟ اور وہ درخت قبرستان کا ہوگا یا ان لوگوں کا جن کے باپ دادا نے دیا ہے؟ تشفی بخش جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قبرستان کی موقوفہ جائیداد کے پھلدار درخت کے پھلوں کو بیچ کر اس کی آمدنی قبرستان پر خرچ کی جائے، باپ دادا کی اولاد کا ان پھلوں کو مفت استعمال کرنا جائز نہیں ہے، جب وہ قبرستان وقف ہے تو اس میں مُردوں کو دفن کرنا شرعاً درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قبرستان کی گھاس کاٹنا

سوال: قبرستان میں قبروں کے اوپر جو گھانس قد آدم کی مقدار بڑی بڑی فضلہ، بے کار اگتی اس کو آگ لگا کر جلانا کیسا ہے؟ یا کسی مشین کے ذریعہ کاٹنا کیسا ہے؟ آیا ایسی گھانس کو قبروں پر چھوڑے رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب وہ سوکھ جائے تو اس کو کٹوا کر صاف کر لیا جائے آگ لگا کر نہیں۔ اور جب تک وہ ہری ہو اس کو کاٹا نہ جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ

قبرستان کی گھاس کاٹنا

سوال: (۱) قبرستان کی ہری گھاس کافی لمبی ہوتی ہے، اگر اس کو نہ کاٹا جائے تو اتنی لمبی ہو جاتی ہے کہ بسا اوقات اس میں چلنا قبر کا تلاش کرنا مشکل ہو جاتا ہے، اور کبھی سانپ بچھو کا ڈر رہتا ہے، اگر اس کے سوکھنے کا انتظار کیا جائے تو بسا اوقات سڑ جاتی ہے اور جنگل جیسا ہو جاتا ہے اور غیر قوم کے کاٹ کر لے جانے کا بھی اندیشہ رہتا ہے؛ جب کہ کمیٹی کے لیے اس کی حفاظت بھی مشکل ہے تو کیا قبرستان کی گھاس نیلام کر سکتے ہیں؟

(۲) کیا مستعمل قبرستان کو مدت متعینہ کے لیے کرایہ پر دیا جا سکتا ہے؛ تاکہ کرایہ پر لینے والا ہری گھاس کاٹ کر اپنے طور پر فروخت کرے، تاہم وہ عہد کرتا ہے کہ قبر کے اوپر جو ہری گھاس ہوگی اس کو نہ کاٹیں گے، اور اس کے بازو اور دیگر سب ہی جگہ کی کاٹیں گے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

(۱) بلا محنت اور آبیاری کے قدرتاً خود رو گھاس مباح الاصل ہوتی ہے، ہر ایک اس سے نفع اٹھا سکتا ہے، کسی کی ملکیت اس پر نہیں ہوتی، جب تک کاٹ کر قبضہ میں نہ لے لے اس کو بیچ نہیں سکتے، اسی طرح قبرستان کی گھاس بھی مباح الاصل ہے، کسی کی ملک نہیں کہ بیچ سکیں، ہاں کاٹ لینے کے بعد بیچ سکتے ہیں؛ مگر قبرستان کی سبز گھاس کاٹنا منع ہے؛ کیوں کہ مردے اس کی تسبیح کے فوائد سے محروم ہو جاتے ہیں، ہاں خشک گھاس کاٹنے کی ممانعت نہیں۔

نور الایضاح میں ہے: ”وقلع الحشيش والشجر من المقبرة، ولا بأس بقلع اليابس منها“ (۱۴۲) یعنی قبرستان کی سبز گھاس اکھیڑنا اور درخت کو کاٹنا مکروہ ہے، اور ہر دو خشک ہو گئے ہوں تو مکروہ نہیں۔

اگر قبرستان میں راستہ بنانے اور صفائی کی ضرورت سے قبروں کو چھوڑ کر اس کے اردگرد کی گھاس جو پانی سے سڑ رہی ہے کاٹ دی جائے تو مضائقہ نہیں؛ مگر مردوں کے مذکورہ بالا فائدہ کے پیش نظر نہ کاٹنا ہی افضل ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۲/ ۱۸۸، ۱۸۹ ملخصاً)

(۲) قبرستان اگر مسلمانوں مردوں کی تدفین کے لیے وقف ہے تو اس کو کرایہ پر دینا درست نہیں ہے، نیز مستعمل قبرستان کو کرایہ پر دینے سے کیا مقصد ہے؟ اگر اس لیے دیا جا رہا ہے کہ کرایہ پر لینے والا اس کی ہری گھاس کاٹ کر فروخت کرلے تو یہ مقصد تو بغیر اس کے بھی حاصل ہے جیسا کہ جواب نمبر ایک میں واضح کیا جا چکا کہ ہری گھاس جو خودرو ہے مباح الاصل ہے، اور اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ کرایہ پر لینے والے کے علاوہ اور اشخاص کو اس گھاس سے روکا جائے تو کرایہ پر لینے کے باجود ان کو روکنا مباح الاصل ہونے کی وجہ سے درست نہیں ہے؛ بلکہ جو گھاس محنت اور آبیاری کے ذریعہ تیار کی گئی ہے اس کو بھی زمین کرایہ پر لینے کی بنیاد پر حاصل کرنا درست نہیں جب تک کہ مستقل طور پر اس کو فروخت نہ کیا جائے؛ اس لیے کہ زمین کرایہ پر لینے سے اس کے منافع حاصل کئے جا سکتے ہیں؛ جب کہ گھاس منافع کے قبیل سے نہیں؛ بلکہ اعیان کے قبیل سے ہے۔

شامی میں ہے: الاجارة إذا وقعت على العين لا تصح، فلا تجوز على استئجار الآجام والحياض لصيد السمك او رفع القصب وقطع

الحطب أو لسقی ارضها أو لغنمه منها، وکذا اجار المرعیٰ الخ(٥/٤٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ٢٦/ صفر المظفر ١٤١٨ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قبرستان کے درخت اور گھاس وغیرہ کاٹنا

سوال: قبرستان کے درخت کو کاٹ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور ایسے ہی گھاس وغیرہ فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قبرستان کے درخت کا کاٹنا مکروہ ہے۔

وقلع الحشیش والشجر من المقبرة (نور الایضاح) قبر کی سبز گھاس کاٹنا ممنوع ہے، سوکھی گھاس کاٹنے کے بعد فروخت کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد خانپوری، ٢٣ / محرم الحرام ١٤١٤ھ
الجواب صحیح: عباس بسم اللہ عفی عنہ

قبرستان کی زمین میں تعمیر، کھیتی وغیرہ جائز نہیں

سوال: زمین کے مالک تین ہیں، یعنی تھوڑی سی زمین ہے اس میں زید، عمر، بکر تینوں کی ملکیت ہے، اور ان تینوں نے اس زمین کو وقف کر دی مسجد کو، وہ زمین ایسی ہے کہ لوگ کہا کرتے ہیں کہ زمین پہلے قبرستان تھی، آج بھی ایک سو تیرہ سالہ عورت موجود ہے وہ بھی یہی کہتی ہے کہ میں بھی یہی سنتی ہوں کہ یہ قبرستان تھی؛ لیکن اس عورت

نے اور آج تک کسی فرد انسان نے اس زمین پر دفن ہوتے کسی کو دیکھا نہیں اور نہ قبر کے نشانات ہیں، ظاہری طور پر، اور یہ تھوڑی زمین ہے اور دائیں بائیں دوسروں کی زمین ہے کیا ایسی صورت میں جب کہ سنا جاتا ہے کہ قبرستان تھی تو اس زمین کو وقف کرنا جائز ہے؟

اور کیا مسجد کی آمدنی کے لیے اس زمین پر کمرہ بنا کر کرایہ پر دے سکتے ہیں یا ایسے ہی مسجد کا کمرہ بنوا سکتے ہیں؟ اگر نا جائز ہے تو کیا قلت جگہ کی وجہ سے دینی ادارہ قائم کیا جا سکتا ہے (ضرورۃً) اس سلسلہ میں صحیح اور بالتفصیل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

قبرستان کی زمین اگر مملوکہ ہو اور اس کی قبریں اتنی پرانی ہوگئیں ہیں کہ ان کا نام ونشان مٹ چکا ہے، اور ان میں کے مردے بھی مٹی ہو چکے ہیں تو اس میں تعمیر اور کھیتی وغیرہ سب مالک کے لیے اور مالک کی اجازت ورضامندی سے دوسروں کے لیے جائز ہے۔

ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ، کذا فی التبیین (عالمگیری:۱/۱۶۷، تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق:۱/۲۴۶)

اور اگر وہ مملوک نہیں ہے وقف ہے (قبرستان کے لیے وقف ہے) تو چاہے تقادمِ زمان کی وجہ سے وہاں قبروں کا نام ونشان باقی نہ رہا ہو اور لوگوں نے دفن کرنا چھوڑ دیا ہو پھر بھی اس کی وقفیت باطل نہیں ہوگی اور اس کو دفن کے علاوہ دیگر کام مثلاً تعمیر، کھیتی وغیرہ میں استعمال کرنا درست نہیں۔

عالمگیری میں ہے: وسئل ھو ایضا عن المقبرۃ فی القریٰ اذا اندرست ولم یبق فیھا اثر الموتیٰ لا العظم ولا غیرہ ھل یجوز زرعھا واستغلالھا؟

قال: لا، ولهاحكم المقبرة كذا فى المحيط وفى هامشه قوله لا هذا لاينافى ماقاله الزيلعى فى باب الجنائز من ان الميت اذا بلى وصار ترابا جاز زرعه والبناء عليه اھ لان المانع هنا كون المحل موقوفا على الدفن فلا يجوز استعماله فى غيره فليتأمل وليحرر (۲/۴۷۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/صفر المظفر ۱۴۰۷ھ

فسادات کی خبر نہ دینے اور مندر کی تعمیر میں مدد کرنے والے کی قبرستان میں تدفین

سوال: ① چند سال قبل ہمارے گاؤں میں ہندو مسلم فساد ہوا فساد ہونے سے چندروز قبل ایک شخص کو اس بات کا علم تھا باوجود اس نے اپنی قوم کو بتایا نہیں۔

② اسی شخص نے مسلم محلے میں مندر تعمیر کرنے کی اجازت دی، مندر کے پچھواڑے ایک جگہ ہندو قوم بیچنا چاہتی تھی اور اس روپیوں سے مندر تعمیر کیا جانے والا تھا جماعت کی میٹنگ میں تجویز اتفاق رائے سے منظور کی گئی مگر چند مہینوں کے بعد اسی شخص یعنی یونس میاں ساٹھ لیکر نے کچھ روپیوں کی خاطر وہ جگہ مسلم بھائی کو بیچنے لینے کہا جو گاؤں میں ''ہندو مسلم'' فساد کا باعث بن سکتا ہے۔

ہم اس شخص پر فتوی چاہتے ہیں کہ ایسے شخص کو مرنے کے بعد مسلمانوں کے قبرستان میں دفنانا جائز ہے یا نہیں؟ جواب جلد دیجئے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① اس کی یہ حرکت یقینا بڑی شنیع ہے؛ لیکن اس کی وجہ سے وہ کافر نہیں ہوجاتا۔

قال الشيخ الامام ابو محمد بن عبد الله فی كتاب القواعد اذا اردت معرفة الفرق بين الصغيرة وا لكبيرة فاعرض مفسدة الذ نوب على مفاسد الكبائر المنصوص عليها، فان نقصت عن اقل مفاسد الكبائر فهی من الصغائر، وان ساوت ادنى مفاسد الكبائر او ربت عليه فهی من الكبائر ... الى ان قال ... وكذالك لو دل الكفار على عورات المسلمين مع علمه انهم سيستأصلون بدلالته ويسبون حرمهم واطفالهم ويغنمون اموالهم فان نسبته الى هذه المفاسد اعظم من توليه يوم الزحف بغير عذر مع كونه من الكبائر (فتح الملہم ۱/ ۲۵۱)

اس آدمی کو چاہیے کہ توبہ کرے، استغفار کرے۔

② اس کا بھی یہی حکم ہے جو اوپر مذکور ہوا، محض اتنی بات پر اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونے سے منع نہیں کیا جا سکتا ہے۔

ويصلى على كل برو فاجر اذا مات على الايمان للاجماع ولقوله عليه الصلوٰة والسلام: لاتدعواالصلوٰة على من مات من اهل القبلة (شرح العقائد للنسفی ۱۱۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد خانپوری

مسلمانوں کے قبرستان میں شیعہ کی تدفین

سوال: ایک شیعہ فرقہ سے تعلق رکھنے والے کی میت اہل سنت والجماعت کی مسجد میں نماز جنازہ کے لیے لائی گئی، شیعہ فرقہ سے تعلق رکھنے والوں نے اپنے ہی امام کو آگے بڑھا کر نماز جنازہ پڑھی نماز جنازہ اہل اسلام کے عقائد سے علیحدہ تھی اور

اس شیعہ میت کو اہل سنت والجماعت کے قبرستان میں دفنایا گیا اور تدفین بھی شیعہ پر ہوئی کیا شیعہ میت کی نماز جنازہ اہل سنت والجماعت کی مسجد میں شیعہ طریقوں پر ہو سکتی ہے اور کیا؟ شیعہ میت اہل سنت والجماعت کے قبرستان میں شیعہ طریقوں پر دفنائی جا سکتی ہے معلوم کروائیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسجد جماعت میں نماز جنازہ مکروہ ہے چاہے اہل سنت والجماعت کی میت کیوں نہ ہو۔ (امداد الاحکام ۱/ ۳۶۸) شیعہ اثنا عشریہ رافضیہ کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا گیا ہے، اس فرقہ کے کسی فرد کی میت اہل سنت والجماعت کے قبرستان میں دفن نہیں کی جا سکتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسلم قبرستان میں داودی بوہروں کی تدفین

قبرستان ہال میں نماز پڑھنا۔ غیر مسلم کی نعش کی تغسیل وتکفین

سوال: (۱) راندیر میں ایک بہت بڑا قدیم قبرستان ہے جس میں کافی سالوں سے لوگوں نے کسی کو آج تک دفنایا نہیں ہے، کافی پرانی قبروں کے صرف نشان نظر آتے ہیں؛ لیکن اب الحمد للہ اس میں چند احباب نے مل کر بہت بڑا کام کیا ہے، اور لوگوں نے دفن کا سلسلہ از سر نو شروع بھی کیا ہے؛ لیکن کچھ بوہرہ قوم کے لوگ آئے

تھے، ان کا کہنا یہ ہے کہ: ہم لوگ جو ملا آتا ہے اس کو مانتے ہیں؛ لیکن عقائد سب دینی ہیں، جو ایک شیعہ کے ہوتے ہیں، صرف ملا کو نہ ماننے کی وجہ سے ان کو کسی بھی (ان کے) قبرستان میں دفن کرنے کی اجازت نہیں دیتے، ان کا کہنا یہ ہے کہ اگر آپ ہم کو ایک کونے میں جگہ دے دیں تو ہم دفن کر دیں گے؛ ورنہ مجبوری میں کوئی بھی دفن کرنے نہیں دے گا تو ہم کو جلانا پڑے گا، تو کیا ہم ان کو اجازت دے سکتے ہیں؟

② قبرستان میں ہم نے ایک بہت بڑا ہال بنایا ہے، محض اس وجہ سے کہ اس میں جنازہ پڑھائی جاسکے، تو اس جگہ دیگر کوئی نماز پڑھی جاسکتی ہے؟

③ سورت شہر میں ایک کمیٹی بنائی جس کا نام ہے کفن کمیٹی، اس کمیٹی میں اگر کوئی غیر مسلم کی لاش آئی تو ہم کیا اس کو غسل دے کر کفن پہنا کر جلانے کے لیے لے جاسکتے ہیں، یا سامنے ہو کر ان کی لاش لینے کے لیے جاسکتے ہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

① وہ قدیم قبرستان جس میں تدفینِ اموات کا سلسلہ دوبارہ شروع کر دیا گیا ہے اگر وقف ہے تو اس پر وقف کے احکام جاری ہوں گے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اگر وہ مسلمانوں کے اموات کی تدفین کے لیے وقف ہے تو اس میں کسی ایسے میت کی تدفین جو مسلمان نہیں ہے، درست اور جائز نہیں ہے۔ داؤدی بوہروں کے عقائد میں بہت سی ایسی باتیں موجود ہیں جن کی رو سے علمائے اہل سنت نے ان کی تکفیر کی ہے، ان لوگوں کو چاہیے کہ اپنے مردوں کی تدفین کے لیے کوئی زمین مستقل خریدیں، اس میں آپ بھی ان کی مدد کر سکتے ہیں۔

② اگر وہ ہال دیواروں سے بند ہے اور سامنے کوئی قبر (نماز پڑھنے کی صورت

میں) نہیں آتی ہے، تو اس میں دوسری نماز بھی درست ہے؛ لیکن جب کہ اس کی تعمیر نماز جنازہ کے لیے ہوئی ہے تو اس کا مستقل استعمال نماز جنازہ ہی کے لیے ہو، یہ مناسب ہے، گاہے کوئی دوسری نماز پڑھ لی تو اس کی بھی گنجائش ہے۔

③ عمدۃ الفقہ میں ہے: کافر مرد کے لیے مسلمانوں پر غسل کفن دفن فرض نہیں ہے؛ اس لیے کہ غسل میت کی تعظیم اور بزرگی کے لیے واجب ہوا ہے، اور کافر اس کا اہل نہیں ہے؛ لیکن اگر ضرورت ہو، مثلاً کوئی مسلمان اس کا رشتے دار ہو اور اس کا کوئی ہم مذہب نہ ہو، یا وہ نہ لے جائے اور یہ مسلمان بہ وجہِ قرابت غسل وکفن ودفن کرے تو جائز ہے؛ مگر غسل وکفن ودفن میں کسی امر میں سنت کا طریقہ نہ برتے، یعنی نہ اس کو وضو کرائے اور نہ خطمی یا صابون وغیرہ سے صاف کرے، نہ دائیں طرف سے شروع کرے اور نہ کافور وخوشبو وغیرہ اس کے بدن میں ملا جائے، اور نہ نہانے میں عدد کا لحاظ کرے؛ بلکہ نجس کپڑے کو دھونے کی طرح غسل دے اور اس پر پانی بہادے، یہ غسل اس کی طہارت کے لیے نہیں ہوگا...... اور ایک کپڑے میں لپیٹ کر تنگ گڈھے میں دبادیں، اور اگر اس کے ہم مذہب موجود ہوں اور وہ اس کو لے جائیں تو مسلمان اس کو ہاتھ نہ لگائے۔ (۲/۴۹۳)

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ مسلمان کے لیے کافر کی لاش کی تجہیز وتکفین دو شرطوں کے ساتھ درست ہے: پہلی شرط تو یہ ہے کہ اس کے ہم مذہب موجود نہ ہوں، دوسری شرط یہ ہے کہ اس کا رشتہ دار ہو، اگر دونوں میں سے ایک شرط بھی مفقود ہے تو درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۲۰/ذی القعدہ ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

قبر کی حد بندی کرنا

سوال: ایک شخص اس کے والد کی قبر کے چاروں طرف پتھر کے سیل سے حد بندی کرنا چاہتا ہے، یعنی پتھر کے چار کھمبے چار طرف سے لگانا چاہتا ہے، کیا اس کے لیے اس کی گنجائش ہوگی؟ کیا اس طرح کرنے سے قبر کی زمین کو روکنا لازم نہیں آئے گا؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اگر قبرستان وقف کا ہے تو ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۸ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ

قبرستان میں نماز جنازہ کے لیے ایک جگہ متعین کر لینا

سوال: ''یوکے'' میں ایک قبرستان خریدا ہے جو مسلمانوں کی ملکیت کا ہے، اس قبرستان میں اس سے قبل عیسائی لوگ دفن ہوتے تھے، وہاں کے دستور کے موافق ۲۵ سال پورے ہونے پر ایک قبر پر دوسری قبر بناتے ہیں، مسلمانوں نے جب عیسائی لوگوں کا یہ قبرستان خریدا اس کے بعد پورے قبرستان کی مٹی کو بلڈوزر کے ذریعہ کھود کر دوسری جگہ منقول کر دیا گیا، اور دوسری نئی مٹی سے اس قبرستان کو پاٹ دیا گیا ہے، اس قبرستان کے باہر کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں پر صلوۃ جنازہ ادا ہو سکے، صلوۃ جنازہ راستہ پر ادا کرنے کی صورت میں راستہ سے گزرنے والوں کو تکلیف ہوتی ہے؛ اس لیے مسلمان چاہتے ہیں کہ مذکورہ قبرستان کی مملوکہ زمین پر صلوۃ جنازہ ادا کریں، تو اس پر صلوۃ جنازہ ادا کر سکتے ہیں یا نہیں، قبرستان کی جگہ پر صلوۃ جنازہ پڑھنے کے لیے مستقل جگہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

جب یہ جگہ مسلمانوں کی مملوکہ ہے اور پہلے وہاں پر جو عیسائی مردے دفن ہوتے تھے ان کے آثار ونشانات بھی مٹادیے گئے ہیں؛ تو اس کے ایک کونہ میں (قبروں سے الگ) نماز جنازہ کے لیے جگہ بنا سکتے ہیں؛ البتہ اس کے قبلہ رخ دیوار بنالی جائے؛ تاکہ سامنے کوئی قبر نہ رہے۔

وتكره الصلوة في المقبرة؛ الا ان يكون فيها موضع اعد للصلوة لا نجاسة فيه ولا قذارة (طحطاوی علی مراقی الفلاح ۱۹٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ جمادی الاخری ۱۴۱٦ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قدیم قبر پر راستہ بنانا یا اس میں دوسری میت کو دفن کرنا

سوال: ہمارے ٹرسٹ کے زیرِ اہتمام ایک قبرستان ہے، جس میں کئی سالوں سے تدفین کے فرائض برابر انجام پا رہے ہیں۔

چوں کہ مذکورہ قبرستان میں میت بے ترتیبی سے تدفین ہو رہی ہیں اس لیے ٹرسٹ اس کو منظّم طریقے سے تجدید کاری کر رہی ہے؛ تاکہ قبروں کی حرمت بھی باقی رہے اور عوام کے لیے راستے اور لائٹ کا معقول انتظام ہو، جس سے قبرستان کے انتظامات بھی بہ حسن و خوبی انجام پا سکے۔

در پیش مسئلہ یہ ہے کہ تجدید کاری میں کچھ پکّی قبریں یا ایسی جگہ جہاں میت تدفین کی ہوئی ہیں راستہ میں حائل ہو رہی ہیں۔

① جاننا یہ ہے کہ آیا ایسی جگہیں جہاں میت تدفین کی گئی ہے اگر بیچ راستہ میں آرہی ہو تو کیا اس پر راستہ بنایا جا سکتا ہے؟ کیوں کہ لوگوں کی راحت کے لیے راستہ کا معقول مناسب انتظام کرنا بھی نہایت اہم ضروری ہے۔

② تدفین کی کتنی مدت گذرنے کے بعد دوسری میت اسی جگہ تدفین کی جانی چاہیے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

① سوال میں مذکور مقصد کے لیے راستہ بنانا درست ہے، اگر قبریں اتنی پرانی ہیں کہ صرف ان کے نشانات موجود ہیں؛ لیکن میت مٹی بن چکی ہے تو ان پر راستہ بنایا جا سکتا ہے؛ لیکن اگر وہاں کسی بزرگ کا مزار ہے جس کی وجہ سے اس جگہ راستہ بنانے سے فتنہ کا اندیشہ ہو تو اس کا لحاظ ضروری ہے۔

② میتِ اول کی تدفین کے بعد اس پر اتنا زمانہ گذر جائے کہ وہ خاک ہو جائے تو اس کی قبر میں دوسرے کو دفن کرنا جائز ہے، اس کے لیے کسی مدت کی تحدید نہیں، میت اور مقام اور موسم کے اعتبار سے ماہرین اندازہ لگا سکتے ہیں۔ (ماخوذ از احسن الفتاویٰ ۴/۲۴۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

كتاب الهبة

مرض الموت کی تعریف اور ہبہ

سوال: ① ایک شخص چند سالوں پہلے درخت پر سے گر گیا تھا جس کی وجہ سے اس کی کمر کی رگ دب گئی اور کمر کے نیچے کا سارا حصہ شل ہو گیا اب وہ شخص کافی علاج ومعالجہ کے بعد بھی بالکل ویسا ہی ہے کوئی فائدہ نظر نہیں آرہا ہے اور چلنے سے بالکل قاصر ہے البتہ سائیکل کے سہارے سے وہ چلت پھرت کرتا ہے آج بھی نچلا حصہ بالکل شل ہے ظاہر میں بالکل تندرست معلوم ہوتا ہے اور کمر کے اوپر کے اعضا بالکل صحیح سالم ہیں اب وہ شخص ایسی حالت میں انتقال کر جائے تو یہ مرض اس کے لیے مرض الموت شمار ہوگا یا نہیں نیز مرض الموت کی تعریف تحریر فرمائیں۔

② مذکورہ شخص کی ایک بیوی اور ایک نابالغ بچی ہے وہ اپنی ملکیت ان دونوں کو یا ایک کو ہبہ کرنا چاہے تو صحیح ہے یا نہیں؟

③ مذکورہ شخص کی کچھ زمین ایسی بھی ہے جو اس کے بھائیوں کے مابین مشترک ہے اب اگر وہ شخص مشترکہ زمین میں سے اپنا حصہ اپنی بچی یا بیوی کو ہبہ کرے یا بیچ دے تو صحیح ہے یا نہیں نیز بیع کی صورت میں بھائی حق شفعہ کے مدعی ہوں گے یا نہیں خلاصہ یہ کہ یہ بیع قبل التقسیم ہے کیا بیع کی یہ صورت صحیح ہے یا نہیں اگر جواب نفی میں ہے تو جواز کی کوئی صورت نکل سکتی ہو تو تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

①(من غالب حاله الهلاك بمرض أو غيره بأن أضناه مرض عجز به عن إقامة مصالحه خارج البيت) هو الأصح(درمختار مع الشامي) (قوله

عجز به إلخ) فلو قدر على إقامة مصالحه في البيت كالوضوء والقيام إلى الخلاء لا يكون فارا وفسره في الهداية بأن يكون صاحب فراش وهو أن لا يقوم بحوائجه كما يعتاد الأصحاء وهذا أضيق من الأول لأن كونه ذا فراش يقتضي اعتبار العجز عن مصالحه في البيت فلو قدر عليها فيه لا يكون فارا وصححه في الفتح حيث قال: فأما إذا أمكنه القيام بها في البيت لا في خارجه فالصحيح أنه صحيح. اهـ أقول: ومقتضى هذا كله أنه لو كان مريضا مرضا يغلب منه الهلاك لكنه لم يعجزه من مصالحه كما يكون في ابتداء المرض لا يكون فارا. وفي نور العين. قال أبو الليث: كونه صاحب فراش ليس بشرط لكونه مريضا مرض الموت بل العبرة للغلبة لو الغالب من هذا المرض الموت فهو مرض الموت وإن كان يخرج من البيت، وبه كان يفتي الصدر الشهيد ثم نقل عن صاحب المحيط أنه ذكر محمد في الأصل مسائل تدل على أن الشرط خوف الهلاك غالبا لا كونه صاحب فراش اهـ ويأتي تمامه (شامی ۲/۵٦٤)

عبارات بالا سے معلوم ہوا کہ ایسی بیماری جو عام طور پر آدمی کو موت تک پہنچادیتی ہو مرض الموت کہلاتی ہے سوال میں اس آدمی کے مرض کی جو کیفیت بیان کی گئی ہے اس کی وہ بیماری ایک خاص اور کیفیت پر آ کر رک گئی ہے اور پچھلے چند سالوں سے وہ اسی حالت میں ہے اس لیے یہ مرض الموت نہیں کہلائے گی چناں چہ درمختار میں ہے:

والمقعد والمفلوج والمسلول إذا تطاول ولم يقعده في الفراش كالصحيح ثم رمز شح: حد التطاول سنة. انتهى (درمختار) (قوله ثم رمز شح) أي شين وحاء وهو رمز لشمس الأئمة الحلواني وفي الهندية عن التمرتاشي: وفسر أصحابنا التطاول بالسنة، فإذا بقي على هذه العلة سنة فتصرفه

بعدها كتصرفه في حال صحته اهأي ما لم يتغير حاله كما علمت. (شامي ۲/٥٦٥) (وفي القنية إلخ) قال ح: أخذا مماتقدم عن الهندية أن هذا لاينافي ما قبله لأن ازدياده إلى السنة فقط اهولا يخفى ما فيه وفي الهندية أيضا: المقعد والمفلوج مادام يزداد ما به كالمريض فإن صار قديما ولم يزد فهو كالصحيح في الطلاق وغيره كذا في الكافي، وبه أخذ بعض المشايخ، وبه كان يفتي الصدر الشهيد حسام الأئمة والصدر الكبير برهان الأئمة، وفسر أصحابنا إلى آخر ما مر قلت: وحاصله أنه إن صار قديما بأن تطاول سنة ولم يحصل فيه ازدياد فهو صحيح، أما لو مات حالة الازدياد الواقع قبل التطاول أو بعده فهو مريض. (شامي ۲/٥٦٥)

اس لیے اگر اسی حالت میں اس کا انتقال ہو جائے تو اس کو مرض الموت نہیں کہا جائے گا البتہ اگر موت سے پہلے اس حالت میں تغیر واقع ہو اور شخص مذکور کی اس بیماری میں اضافہ معلوم ہو تو اضافہ کے بعد کی حالت مرض الموت قرار دی جائے گی جیسا کہ عبارات بالا میں صراحت موجود ہے۔

(۲) اگر اس کی نیت اس ہبہ سے دوسرے ورثا کو نقصان پہنچانے کی نہیں ہے تو اس کا ہبہ اگر شرعی شرائط کے مطابق ہے تو صحیح ہوگا اور یہ شخص گنہگار بھی نہیں ہوگا اور اگر اس کی نیت دیگر ورثا کو محروم کرنے کی ہو تو اس صورت میں اگر یہ ہبہ شرعی شرائط کے مطابق ہے تو معتبر اور صحیح تو ہو جائے گا لیکن یہ شخص گنہگار رہوگا۔

(۳) مشترکہ قابل تقسیم جائداد کا ہبہ تقسیم سے پہلے درست نہیں البتہ اس کی بیع درست ہے لیکن شرکائے جائداد کو حق شفعہ ملے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۲۹/ذی الحجہ ۱۴۲۳ھ

اپنی حیات میں لڑکوں کو مکان ہبہ کرنا

(سوال): زید کے دو لڑکے اور ایک لڑکی ہے، بحمد اللہ تینوں بچوں کی شادی ہو چکی ہے، لڑکی کو سسرال والوں کی جانب سے رہنے کے لیے ایک مکان (فلیٹ) ملا ہے، جس میں مع اہل وعیال رہتے ہیں۔ زید کے دونوں لڑکے ملازمت کرتے ہیں اور زید کی ملکیت میں تین مکان (فلیٹ) ہیں، زید کی دلی خواہش ہے کہ دونوں لڑکوں کو ایک ایک مکان ہبہ کر دیا جائے؛ تاکہ دونوں کے لیے رہنے کا نظم ہو جائے، شرعاً دونوں لڑکوں کو ہبہ کرنا کیسا ہے؟ اور ہبہ کرنے کی کیا صورت اختیار کی جاوے، اس کو تحریر فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

(الجواب): حامداً ومصلیاً ومسلماً

اپنے لڑکوں کی رہائشی ضرورت پوری کرنے کی نیت سے اور دوسری اولاد کو ضرر اور نقصان پہنچانے کے ارادہ نہ رکھتے ہوئے اگر زید ایسا کرنا چاہے تو شرعاً اس کی اجازت ہے؛ البتہ اگر اللہ تعالیٰ نے وسعت دی ہو تو نقد یا اور کسی طریقہ سے لڑکی کو بھی اس کے برابر دے دے تو مستحسن اور پسندیدہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری، ۱۷/ ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

زندگی میں جائیداد اپنی اولاد میں کمی بیشی کے ساتھ تقسیم کرنا

(سوال): ایک ساٹھ سالہ بیوہ ہے جو صحت مند اور تندرست ہے، وہ اپنی تمام

جائداد اپنی حیاتی میں اپنے پانچ لڑکے اور دو لڑکیوں میں قبضہ کے ساتھ تقسیم کرنا چاہتی ہے؛ البتہ کسی کو اس کی مالی حالت خراب ہونے کی وجہ سے زیادہ دینا چاہتی ہے اور کسی کو کم تو کیا وہ اس طرح کرسکتی ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

تفریق اور ترجیح بلا وجہ شرعی گناہ ہے، یعنی ایک کو نقصان پہنچانا مقصود ہو اور دوسرے کو نفع پہنچانا مقصود ہو، اور کوئی وجہ شرعی اس نفع اور نقصان کی نہ ہو تو ایسا کرنا گناہ ہے، تاہم ایسا کرنے سے ہبہ صحیح ہوجائے گا، یعنی جس کو کم ملا ہے اس کو شرعاً حق نہیں ہے کہ زیادہ والے سے نزاع کرے، اور اگر کوئی وجہ شرعی ہے۔ مثلاً یہ کہ جس کو زیادہ دیتی ہے وہ صالح اور دیندار ہے اور اسی وجہ سے اس کو زیادہ دیتی ہے، اور جس کو کم دیتی ہے وہ بدچلن اور غیر متدین ہے اور اسی وجہ سے اس کو کم دیتی ہے تو ایسا کرنا گناہ نہیں بلکہ جائز ہے۔ (فتاوی محمودیہ ۵/۶۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

اگر زندگی میں ہی مال تقسیم کرنا ہو تو تمام کو یکساں دے

سوال: باپ اپنی حیاتی میں ہی سب تقسیم کرنا چاہتا ہے اور اپنے پاس کچھ نہیں رکھتا تو پھر وراثت کا سوال رہتا ہے یا نہیں؟ ترکہ تو ورثہ ہی میں تقسیم ہوتا ہے، اگر کسی باپ کے چھ بیٹے اور ایک بیٹی ہو اور ماں بھی حیات ہو اور اپنی زندگی میں ہی تقسیم کرنا چاہتا ہو تو اس صورت میں تقسیم کیسے کرے؟ اور اس کا کیا نام رہے گا پھر میراث رہے گی یا نہیں؟ اور باپ نے اب تک بیٹی کو جو دیا ہے وہ شمار ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آدمی اپنی وفات کے بعد جو مال اپنے پیچھے چھوڑ جاتا ہے جس کو اصطلاح شرع میں ترکہ کہتے ہیں، وہ اگر حقوق العباد سے فارغ ہو تو اس میں وراثت جاری ہوگی، اب اگر کسی آدمی نے اپنی زندگی ہی میں اپنا مال تقسیم کردیا اور بوقتِ وفات اس کی ملک میں کچھ بھی نہیں تو پھر وراثت جاری ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، زندگی میں اگر تقسیم کرنا چاہتا ہے تو بیٹا، بیٹی میں تفریق نہ کرے بلکہ ہر ایک کو یکساں دے۔ اس صورت میں باپ بیٹی کو اب تک جو کچھ دے چکا ہے اس کو بھی شمار میں لے۔ (شامی) (فتاویٰ رحیمیہ)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

اولاد کے ہبہ میں برابری ضروری ہے

سوال: غفران کے باپ عمران خان نے اپنے چار پوتوں کو دس دس گنٹھا زمین لکھ دی، ایک پوتے کی پیدائش بعد میں ہوئی، اب غفران خان یہ چاہتے ہیں کہ وہ اپنے چھوٹے بچے عبدالرحمن کو دس گنٹھا لکھ دیں؛ تا کہ سارے بھائی برابر ہوجائیں، جواب طلب امر ایں کہ غفران خان کا عبدالرحمن کو دس گنٹھا زمین لکھ دینا جائز ہے یا ناجائز؟ نیز دو لڑکیاں بھی ہیں: زینب وصفیہ۔ پھر جواب طلب امر ایں کہ عبدالرحمن کو دس گنٹھا لکھنے کی صورت میں باپ اپنی بیٹیوں کو کتنی زمین لکھے، پانچ پانچ گنٹھا یا دس دس گنٹھا؟ کیوں کہ باپ زندہ ہے اور بچوں کو باپ کے اس فعل پر اعتراض بھی ہے، یہ کہتے ہوئے کہ ہم لوگوں کو بھی دس دس گنٹھا ملنا چاہیے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

باپ کے لیے مناسب یہ ہے کہ ہبہ اور عطیہ میں اپنی تمام اولاد کے ساتھ برابری کا معاملہ رکھے، ایک کو دینا اور دوسروں کو محروم رکھنا یا لڑکوں کو دینا اور لڑکیوں کو محروم رکھنا گناہ ہے، اس کے باوجود اگر اس نے کسی ایک کو کچھ دے کر اس کا قبضہ بھی دے دیا تو جس کو وہ دیا گیا ہے، وہ اس کا مالک بن جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/ شعبان المعظم ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

اولاد کو مال ہبہ کرنے میں کمی بیشی کرنا

سوال: باپ زید کے چار لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں نیز ابھی زید کا باپ عمر زندہ ہے لہٰذا عمر نے اپنے چار پوتوں کو ایک ایک بیگھا زمین لکھ دی اس کے بعد زید کو ایک اور لڑکا ہوا دراں حالیکہ ابھی عمر زندہ تھا لیکن عمر نے اپنے اس پوتے کے نام سے زمین نہیں لکھی یہاں تک کہ انتقال ہو گیا اب زید جو باپ ہے وہ چاہتا ہے کہ اس چھوٹے لڑکے کو اپنے نام کی زمین میں سے ایک بیگھا لکھ دے تا کہ سب لڑکوں کے نام سے ایک ایک بیگھا ہو جائے اس نیت سے نہیں کہ چار لڑکوں کو حصہ کم ملے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا زید ایسا کر سکتا ہے دراں حالیکہ مذکورہ چار لڑکوں میں بعض راضی ہیں اور بعض ناراض ہیں اگر زید ایسا کرے تو کیا عنداللہ مجرم نہیں ہوگا اگر مسئلہ مذکورہ کا جواب اثبات میں ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ کیا زید کو اپنی مذکورہ دو لڑکیوں کے نام سے بھی اتنی زمین لکھنی ضروری ہے حال یہ کہ ان دونوں لڑکیوں کی شادی مالدار

گھرانے میں کردی ہے اور وہ خوشحال بھی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مذکورہ میں زید ایسا کرسکتا ہے اور گنہگار نہیں اور لڑکیوں کو زمین دینا ضروری نہیں ہے۔

ان الوالد ان وهب لاحد ابنائه هبة اكثر من غيره اتفاقا او بسبب علمه او عمله او بره بالوالدين من غير ان يقصد بذلك اضرارا لأخرين ولاالجور عليهم كان جائزا على قول الجمهور (تكملة فتح الملهم ۷۱۲)

البتہ یہ یاد رہے کہ زمین کا صرف نام پر کردینا کافی نہیں بلکہ ہر ایک کو دی جانے والی زمین الگ کر کے اس کے قبضہ میں دی گئی تب ھبہ درست ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

اپنی ساری جائداد اولاد میں تقسیم کرنا

سوال: سلیم اور اس کی زوجہ ریحانہ دونوں باحیات ہیں، ان کی تین اولاد ہیں، (دو لڑکے اور ایک لڑکی) یہ چاہتے ہیں کہ اپنی تمام ملکیت کو اپنی اولاد کے درمیان اپنی حیات میں ہی تقسیم کردیں، تو اس کا کیا طریقہ اختیار کیا جائے گا، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ وراثت کے اصول کو سامنے رکھ کر تقسیم کی جائے گی، جب کہ بعض کا کہنا ہے زندگی ہی میں وراثت کے اصول کا نفاذ نہ ہوگا؛ بلکہ والدین اگر اپنی زندگی میں برابر تقسیم کریں یا کمی زیادتی کے ساتھ، تو کیا حکم رکھتا ہے؟ والدین بھی کچھ اپنے پاس رکھ سکتے

ہیں کہ نہیں، بہر حال بحکم شرعی جو بھی حکم ہو آپ اس کی وضاحت مدلل طور پر فرمائیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

آدمی جب تک زندہ ہے، اپنی جائداد اور مملوکات کا خود مالک اور مختار ہے، اس میں ورثا کا کوئی حق نہیں ہے، وراثت موت کے بعد جاری ہوتی ہے، اور اپنی زندگی میں اپنی اولاد کو جو کچھ دے گا وہ وراثت نہیں؛ بلکہ ھبہ ہے، اور ہبہ وعطیہ کے سلسلے میں شریعت مطہرہ کی تاکید یہ ہے کہ عطیہ میں تمام اولاد (چاہے لڑکا ہو یا لڑکی) کے ساتھ یکساں معاملہ کرے، کسی ایک کو دینا اور دوسرے کو محروم رکھنا، یا ایک کو کم اور دوسرے کو زیادہ دینا بلا وجہ شرعی مکروہ ہے، اس لیے سلیم اگر اپنی زندگی میں اپنی اولاد کو اپنی جائیداد دینا چاہتا ہے تو لڑکا اور لڑکی دونوں کو یکساں دے کمی بیشی نہ کرے؛ البتہ کسی شرعی بنیاد پر کمی بیشی کی اجازت ہے، اپنے لیے اپنی ضرورت اور گذر بسر کے بقدر رکھ لینا چاہیے؛ تاکہ کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

لڑکوں کو جائیداد دینے کے بعد واپس لینا

سوال: حاجی عبدالرحیم محمد حسین کے چار لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں، آج سے تقریباً ۲۲/ سال قبل چاروں بھائیوں کو زمین ومکان و پوری جائداد تقسیم کر کے لڑکوں کو دے دی، اور لڑکیوں کے لیے زمین ومکان کے حصوں کے بجائے نقد رقم مقرر کر دی کہ ایک بہن کو چاروں بھائی مل کر ایک ایک ہزار روپے دیدیں، زمین کے چار حصے الگ کر کے ہر ایک لڑکے کو بخشش وقبضہ کل اختیار سپرد کر دیا تھا؛ لیکن جس وقت ۲۲/ سال

پہلے تقسیم کی، اس وقت چھوٹے بھائی عبدالرحمن مدرسہ میں پڑھتے تھے اور شادی بھی نہ ہوئی تھی؛ اس وجہ سے چھوٹے بھائی عبدالرحمن کے حصہ کی زمین والد صاحب نے اپنی تحویل میں رکھی تھی، بعد میں وہ بھی تقریباً ۲۰/ سال پہلے چھوٹے بھائی کے قبضہ اور اختیار میں کردی؛ الغرض سالہا سال سے والد محترم نے اپنی کل جائیداد تقسیم کردی، اور والد ووالدہ کے لیے ایک ہزار روپئے ۲۰/ من اناج، گھی، دودھ وغیرہ کل سالانہ خرچ طے کردیا جس کو سب لڑکے ادا کرتے رہے، اب جب کہ مہنگواری کی بناء پر نقد رقم دودھ وغیرہ بڑھادیا ہے، والد کی زمین چار جگہوں میں تقسیم تھی، عمدہ ہلکی مختلف قسم کی تھی، ان چار جگہوں میں سے ایک جگہ جس کا نام ڈبھاڈوالی ہے، وہ زمین اس وقت ایسے موقع پر تھی کہ وہاں چوری وغیرہ کا خطرہ تھا، اور زمین قیام گاہ سے بہت دور اور اس زمین میں کنواں وغیرہ بھی نہ تھا، اور زمین بھی ناہموار و ناقابل کاشت ہونے کی وجہ سے کوئی بھی بھائی اس حصہ کو لینے کے لیے تیار نہ ہوتا تھا، اب والد صاحب نے چھوٹے بھائی عبدالرحمن کے حصہ کی زمین خود مانگ کرلے لی کہ یہ حصہ چھوٹے کا ہے، اور جو زمین ڈبھاڈوالی تھی جس کو لینے کے لیے کوئی بھائی تیار نہ ہوتا تھا تو والد صاحب نے کہا کہ ان حصوں کو میں جس کو دوں گا ان کو وہاں جانا ہوگا، تو والد صاحب نے عبدالمجید بھائی کو بوڑھی کا آدھا حصہ اور ڈبھاڈوالی کا آدھا حصہ، ساتھ میں بوڑھی کا ایک مکان سپرد کردیا، اور قبضہ تک دے دیا، تقسیم کے وقت عبدالمجید بھائی کے گنے کی کھیتی میں سے کوئی حصہ نہیں دیا تھا جو چاروں کے حصہ میں تھی، اس بناء پر ان کے حصہ میں مکان کردیا تھا، اور ابراہیم بھائی کو بوڑھی کا آدھا حصہ اور ڈبھاڈوالی کا آدھا حصہ سپرد کردیا، اب جب کہ ڈبھاڈوالی زمین میں کنواں کا خرچ کیا اور زمین کو ہموار کرکے اس میں کافی خرچ

کر چکے اور کھیتی کے قابل بنائی، اب والد صاحب نے جو مکان عبد المجید بھائی کو دیا تھا وہ بھی لے لیا، اور بوڑھی کی زمین میں سے وقتاً فوقتاً تھوڑی تھوڑی زمین نکال کے عبد الرحمن بھائی کو دیتے جاتے ہیں، خرچ کے تین چار سال کے بعد والد صاحب نے کہا کہ ان دونوں حصوں میں سے کچھ زمین عبد الرحمن کو اب بھی دینا چاہتا ہوں، تم راضی ہو جاؤ تو دونوں بھائی نے انکار کیا کہ ہمارے پاس زمین عبد الرحمن سے کچھ زیادہ ہے؛ لیکن یہ زیادتی آپ نے ہمیں اس لیے دی ہے کہ ہماری اس زمین میں سب طرح کا خرچ تھا اور قابلِ کاشت نہیں تھی، اور کوئی جانے کے لیے تیار نہیں تھا، اور آپ نے ہم سے دیتے وقت کہا تھا کہ تم لے لو، تم کو اس سے زیادہ دیتا ہوں خرچ کی بناء پر اور پھر میں واپس نہیں لوں گا، پھر بھی والد صاحب دونوں کی ناراضگی پر زمین نکال کے عبد الرحمن کو دیتے جاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ تمھارے پاس زیادہ ہے، تو دونوں نے کہا کہ ایسا ہو تو ہماری زمین عبد الرحمن کو دو، اور ان کی زمین ہمیں دو، اور ہم نے جو خرچ کیا ہے وہ ہمیں مل جائے تو بھی والد صاحب انکار کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ وہ کہاں سے لاوے اور ان دونوں بھائیوں کی بات ٹھکرا دی، جب رشتہ داروں کو شکوہ کیا تو سب کے کہنے پر انھوں نے کہا کہ اب میں مزید نہیں نکالوں گا، اور تمھارے سب کے نام پر کر دیتا ہوں، پھر سرکاری کاغذات ہوئے جس میں عبد الرحمن کے پاس جو ابتداءً حصہ تھا وہ ان کے نام پر کر دیا، اور باقی میں تین بھائیوں کو نند میں رکھ کر اپنے نام پر رکھی، بعد میں لڑکوں نے کہا کہ یہ ناانصافی کیوں ہوئی؟ تو جواباً کہا کہ میں ہوں نا، اس میں سے تمھارے پاس سے کون لے گا، مجھ پر اعتبار رکھو؛ لیکن پھر بھی زمین نکالنا چاہتے ہیں، جس میں دونوں بھائی خلاف ہیں، دونوں بھائی اولاً تقسیم پر جانا چاہتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ہمیں جو زمین

اولادی اس کے بعد آپ نے جو نکالی ہے، یہ سب ناجائز ہے، اور عبدالرحمن کا لینا بھی درست نہیں ہے آپ کا اس طرح نکالتے جانا بھی۔ تو اب کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

باپ نے جب اپنی پوری جائیداد (زمین ومکان) تقسیم کرکے اپنے لڑکوں کو دے دی اور اس پر لڑکوں کا قبضہ بھی مکمل ہو چکا، اب اس کے بعد باپ اس کو ان کے پاس سے واپس لینا چاہتا ہے تو یہ جائز نہیں ہے، اب واپس لینے کا باپ کو حق نہیں ہے۔

درمختار میں ہے: (ويمنع الرجوع فيها) حروف (د مع خز قه) (والقاف القرابة، فلو وهب لذي رحم محرم منه) نسبا (ولو ذميا او مستأمنا لا يرجع) (درمختار مع الشامي ٤/٥٧٨)

البتہ اگر باپ (واھب) اور بیٹا (موھوب لہ) دونوں مل جل کر واپسی پر متفق ہو جائیں تو جائز ہوگا۔

(اتفقا) الواهب الموهوب له (على) الرجوع في (موضع لا يصح) رجوعه من المواضع السبعة السابقة (كالهبة لقرابته جاز) هذا الاتفاق منهما (درمختار مع الشامي: ٤/٥٧٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/صفر المظفر ۱۴۰۸ھ

مشترک چیز کا ہبہ کیا یا قانونی مجبوری سے بخشش پتر لکھا یا رقم کو سونے میں تبدیل کر دیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: ① کیا کوئی شے جب کہ دو لوگوں میں مشترک ہو، تو کیا اسے کوئی ایک

اکیلا فریق بغیر دوسرے فریق کی اجازت کے وہ کسی کو ہبہ کرسکتا ہے؟ زید کا کہنا ہے کہ میرے والد نے ۲۲/ سال قبل مجھے فلاں فلاں شے ہبہ کردی تھی، جب کہ وہ خود اس بات کا اقراری ہے کہ وہ تمام اموال اس کے چچا اور اس کے والد کا مشترکہ مال ہے، صورت مسئلہ میں قابلِ توضیح تین امور ہیں:

اول: ہبہ واقع ہوا یا نہیں اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

دوم: اگر ہبہ نہیں ہوا تو اس مال کو اس کے اصل حق دار کی جانب لوٹا یا جائے گا یا نہیں؟

سوم: وہ رقم جو اس جائیداد کے ذریعہ ۲۲/ سال کے عرصے میں کمائی گئی ہے اس کا کیا کیا جائے گا؟

② مزید یہ کہ کیا کسی قانونی مجبوری کے تحت بخشش پتر لکھنے سے وہ شرعی طور پر ہبہ مانا جائے گا، دراں حالیکہ لکھنے والا حیات ہو اور اس کا کہنا ہو کہ میری ایسی کوئی نیت نہیں تھی صرف قانونی مجبوری کے تحت ایسا کیا گیا، مزید براں یہ کہ وہ اکیلا اس کا حق دار نہ ہو بلکہ وہ شے اس کے اور اس کے بھائی کے درمیان مشترک ہو؟

③ اگر قانونی کاروائی کے ڈر سے کوئی شخص سونا بنا کر اپنی املاک اپنی بیوی کے پاس رکھے، اور بعد میں تقسیم کرنا چاہے تو کیا وہ اس تقسیم کا حق دار نہیں؟

نیز میرے دونوں بیٹے گمراہ کن احوال بیان کر کے؛ نیز حقائق کی پردہ پوشی کر کے فتویٰ طلب کرتے ہیں، کیا انہیں اس طرح فتوے طلب کرنے چاہیے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① مشترکہ چیز میں اپنے دوسرے شریک کے حصہ کو اس کی اجازت کے بغیر ہبہ نہیں کیا جاسکتا، خود اپنا حصہ بھی اگر وہ چیز قابل تقسیم ہے تو تقسیم سے پہلے ہبہ کرنا

درست نہیں، اور اگر کیا تو وہ معتبر نہیں، اگر دوسرے کی چیز کسی کو ہبہ کر دی گئی تو ہبہ درست نہ ہونے کی وجہ سے شے موہوب پر موہوب لہ کی ملکیت ثابت نہیں ہوئی، وہ چیز اصل مالک کو حوالہ کرنا ضروری ہے، اس جائیداد کے ذریعہ سے جو رقم کمائی گئی ہے اس کی تفصیل جب تک معلوم نہ ہو وہاں تک اس کا حکم بتلایا نہیں جاسکتا۔

② اگر کسی قانونی مجبوری کی وجہ سے کسی آدمی نے اپنی جائیداد کا بخشش پتر کسی کے نام کا لکھ دیا؛ لیکن باقاعدہ ہبہ کر کے وہ چیز اس کی ملک اور قبضہ میں نہیں دی گئی تو محض بخشش پتر لکھنے کی وجہ سے وہ دوسرا آدمی جس کے نام کا بخشش پتر لکھا گیا ہے اس کا مالک نہیں بن جاتا، خصوصاً جب کہ وہ چیز مشترکہ ہو۔

③ اگر کسی آدمی نے قانونی مجبوری یا اور کسی مصلحت کے پیش نظر اپنے پاس جمع رقم کا سونا خرید کر یا اپنی جائیداد فروخت کر کے اس سے حاصل شدہ قیمت سے سونا خرید کر اپنی بیوی کے پاس امانت کے طور پر رکھا، تو ایسا کرنے سے وہ بیوی اس کی مالک نہیں بن جاتی بلکہ وہ شخص ہی اس کا مالک ہے بعد میں وہ اپنے اس مملوکہ سونے میں جس قسم کا تصرف کرنا چاہے کر سکتا ہے، چاہے تقسیم کرے، چاہے فروخت کرے، چاہے صدقہ کرے اس کو اختیار ہے۔

آپ کے بیٹوں کا گمراہ کن احوال بیان کر کے اور حقائق کی پردہ پوشی کر کے فتویٰ طلب کرنا جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۱۸/ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ہبہ میں قبضہ کا حکم اور حدیث "لا تصح الهبة الا مقبوضة" کی تحقیق

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو آدھا گھر ہبہ کرلیا، یہ ہبہ سچ مچ تھا، ایجاب وقبول بھی ہوا اور گواہ بھی موجود تھے، واہب، موہوب لہ اور شاہدین؛ سب نے ہبہ نامہ پر دستخط کر لیے؛ لیکن مکان میں شوہر کا سامان موجود ہے۔ فقہ حنفی کی رو سے یہ ہبہ صحیح نہیں ہے؛ لیکن حضرات مفتیان کرام کی خدمت میں گذارش یہ ہے کہ، امور ذیل مدنظر ہوں:

① اس طرح کا ہبہ متعارف ہے، بہت سے لوگوں نے اس طرح کا ہبہ کیا ہے۔

② بڑا مکان بنگلے کا خالی کرنا اور سب قیمتی سامان: فرنیچر (میز، کرسیاں، سوفہ وغیرہ) گھریلو مشینیں (appliances) وغیرہ باہر نکالنا، یا دوسرا مکان کرایے پر لے کر عارضی طور سے سامان کو اس میں جمع کرنا، پھر بیوی کی اجازت سے سارا سامان مکان مذکور میں واپس لے آنا، جس میں بہت خرچہ تکلیف اور کافی وقت صرف ہوگا، یہ سب باتیں مشکل ہے۔

سامان کے نکالنے باہر جمع کرنے دوسری جگہ تلاش کرنے اور پھر پہلے گھر میں لوٹا لینے میں جو واقعی حرج اور دقت ہے، ان سب کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

تخلیہ یہاں محض برائے نام ہوگا، چوں کہ بیوی خوب جانتی ہے کہ سامان اسی گھر واپس لایا جائے گا۔

③ سامان بہت اور بیش قیمت کا ہے، اگر مکان بڑا ہو تو فرنیچر اور گھریلو مشینی

آلات وغیرہ کبھی لاکھوں روپیے کی قیمت کے آتے ہیں۔

④ سامان منتقل کرنے میں ہزاروں روپیے خرچ کرنے پڑیں گے۔

⑤ خالی کرنے اور لوٹا لینے میں نازک سامان ٹوٹ جائے گا، یہ بات کثیر الوقوع ہے۔

⑥ خالی کرنے میں بیوی اور مکان کے سب رہنے والوں کو بڑی دقت اور پریشانی کا سامنا ہوگا، چوں کہ سب گھر والے سامان، فرنیچر، اسٹو، فریج وغیرہ ذاتی استعمال میں لاتے ہیں۔

اس تخلیہ وتسلیم سے سب گھر والوں کو دوسرا مکان عارضی طور پر کافی کرایے میں لینا پڑے گا، اور اس دوران میں دار موہوبہ کے خالی کرنے اور پھر پُر کرنے میں سامان بالکل الٹا سیدھا رکھا جائے گا۔

⑦ بیوی (موہوب لہا) کا اصرار ہے کہ سامان باہر نہ نکالا جائے، طیبِ خاطر سے سامان مکان میں رہنے دینے کی اجازت دیتی ہے؛ کیوں کہ اسے خود روزمرہ کے کام کے لیے سامان کی ضرورت ہے۔

⑧ یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ مکان کوئی معمولی مکان دو چار پائیوں اور چند برتن والا کا نہیں ہے، ایک بڑا بنگلہ ہے جس میں کتب خانہ کئی لاکھ روپیے کی کتابوں پر مشتمل ہے، ساری کتابیں اور دفتر کے سامان نکالنے سے شوہر کے کام میں بڑا خلل واقع ہوگا، جب کہ اسے روزانہ اپنے کتب خانے میں طرح طرح کے کام میں مصروفیت رہتی ہے، ساری کتابیں اور دفتری سامان نکالنے میں بھی ایک آدھ ہفتہ لگ جائے گا، بہت کچھ گڑبڑ ہوگی، اس کا سارا کام درہم برہم ہوجائے گا تاوقتیکہ سامان دفتر اپنی اصلی جگہ لوٹا یا جائے، اور کتب خانے کی از سر نو ترتیب دی جائے جو ہفتوں تک کا کام ہے۔

ان واقعی مشکلات اور دشواریوں کی بنا پر کیا مالکی وحنبلی مذہب کے موافق فتویٰ صادر کرنا جائز ہوگا؟ کہ ہبۂ مذکورہ تام ہوگیا، ان دو مذہبوں میں ہبہ کی صحت کے لیے قبضہ ضروری نہیں ہے۔

مزید براں امور ذیل بھی ذہن نشین رہیں:

① البنایہ میں تصریح ہے کہ، جس حدیث سے احناف قبضے کی شرط پر استدلال کرتے ہیں وہ حدیث منکر اور بے اصل ہے۔

② مسئلۂ مسئول عنہا میں واقعی حرج ہے۔

③ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد کہ: میرا ارادہ تھا کہ ایک رسالہ احکام معاملات میں ایسا لکھوں کہ جن معاملات میں عوام مبتلا ہیں اگر وہ صورتیں کسی مذہب میں بھی جائز ہوں تو اس کی اجازت دے دوں؛ تاکہ مسلمانوں کا فعل کسی طرح سے صحیح ہو سکے۔ مَیں نے احتیاطاً اس کے بارے میں حضرت مولانا گنگوہی سے بھی دریافت کیا کہ: ایسے مسائل میں دوسرے مذہب پر فتویٰ دینا جائز ہے یا نہیں؟ تو حضرت نے بھی اجازت دے دی۔ مولانا بہت پختہ حنفی تھے۔

④ ضرورت کے وقت دوسرے مذہب کے موافق فتویٰ دینا عام قاعدہ ہے۔

⑤ ترکی کتاب ''درر الحکام'' میں یہ جزئیہ ملتا ہے:

لو وهب أحد داره المشغولة بأمتعته، أو مزرعته المشغولة يزرعه، أو تصدق بهما عليه وأشهد علىٰ ذلك كان ذلك صحيحاً. (درر الحکام۲/۳۹۵)

لیکن اس مسئلہ کا پتہ کسی دوسری کتاب میں ہمیں نہیں ملا، اس بنا پر اس کا ماخذ ہمارے علم میں نہیں ہے۔ بينوا توجروا

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فقہ حنفی میں ہبہ کے صحیح ہونے اور مکمل ہونے کی شرائط میں ایک اہم شرط یہ ہے کہ شئ موہوب غیر موہوب کے ساتھ مشغول نہ ہو، یعنی ایسی اشیاء سے خالی ہو جو ہبہ نہیں کی گئی ہیں، مثلاً وہ گھر ہبہ کیا جس میں واہب کا سامان بھرا ہوا ہے، یا کرایہ دار بسا ہوا ہے تو یہ ہبہ صحیح نہ ہوگا۔ (مجموعۂ قوانین اسلامی: ۲۳۴، ۲۳۵)

صورت مسئولہ میں شوہر نے اپنی بیوی کو اپنا آدھا گھر اس طور پر ہبہ کیا ہوا ہو کہ حدود متعین کردی ہو اور موہوب آدھے مکان کو سامان سے خالی کر کے بیوی کو شرعی قبضہ دے دیا ہو تو یہ ہبہ صحیح ہے، اور اگر موہوب حصہ میں شوہر کا سامان موجود ہے تو حنفی فقہ کی رو سے یہ ہبہ صحیح نہیں۔

(ومن وهب شقصا مشاعا فالهبة فاسد) لما ذكرنا، (فان قسمه و سلمه جاز) لان تمامه بالقبض وعنده لا شيوع (هدايه اخيرين:٢٨٨)

رجل وهب دارا فيها متاع الواهب او جوالق او جرابا فيها طعام الواهب وسلم لا يجوز؛ لان الموهوب مشغول بما ليس بهبة.
(فتاوى قاضى خان على هامش الفتاوى العالمكيرية٣/٢٦٨)

آپ نے جن وجوہ کے پیش نظر حنبلی و مالکی مسلک کے مطابق فتویٰ صادر کرنے کی گنجائش طلب فرمائی ہے، صحیح نہیں۔ حضرات فقہاء نے دفعِ حرج کے لیے جن خاص حالات میں دوسرے امام کے مسلک پر عمل اور فتوے کی اجازت دی ہے، جس کی نظیریں کتب فقہ میں موجود ہیں، صورت مسئولہ اس قبیل سے نہیں ہے۔

آپ نے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ملفوظ نقل فرمایا ہے، اس کا حوالہ تحریر نہیں فرمایا، حضرت کے اس ملفوظ میں قید ہے ”جن معاملات میں عوام مبتلاء

ہے" اس کا مفہوم ہے ابتلائے عام ہو، اور ہر کس و ناکس کو اس امر سے واسطہ پڑتا ہو، اور فقہ حنفی میں اس کا کوئی حل نہ ہو تو ایسے شدید اِبتلاء میں دوسرے امام کے مسلک پر فتویٰ کی گنجائش ہے۔ ملاحظہ کیجئے! حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

اور ضرورت شدیدہ اور ابتلائے عام کے وقت حنفیہ کے نزدیک دوسرے ائمہ کے مذہب کو اختیار کر کے اس پر فتویٰ دے دینا بھی جائز ہے؛ لیکن عوام کو خود اپنی رائے سے جس مسئلہ میں چاہیں ایسا کر لینے کی اجازت نہیں؛ بلکہ بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

وذلك لما صرح به العلامة الشامی فی رسالة "شرح المنظومة فی رسم المفتی" وقد مر نصه فی تمهید هذه الرسالة

اور اس زمانہ میں احتیاط اس طرح ہو سکتی ہے کہ، جب تک محقق و متدین علمائے کرام میں سے متعدد حضرات کسی مسئلہ میں ضرورت کا تحقق تسلیم کر کے دوسرے امام کے مذہب پر فتویٰ نہ دیں اُس وقت تک ہرگز اپنے امام کے مذہب کو نہ چھوڑے؛ کیوں کہ مذہب غیر کو لینے کے لیے یہ شرط ہے کہ، اتباع ہویٰ کی بناء پر نہ ہو؛ بلکہ ضرورت داعیہ کی وجہ سے ہو، اور ضرورت وہی معتبر ہے جس کو علمائے اہل بصیرت ضرورت سمجھیں۔ اور نیز یہ بھی ضروری ہے کہ فتویٰ دینے والا ایسا شخص ہو جس نے کسی ماہر استاذ سے فن کو حاصل کیا ہو، اور اہل بصیرت اس کی فقہ میں مہارت تامہ حاصل ہونے پر شہادت دیتے ہوں۔

لما قال الشامی فی عقود رسم المفتی: فان المتقدمين شرطوا فی المفتی الاجتهاد، وهذا مفقود فی زماننا، فلا أقل من أن يشترط فيه معرفة المسائل بشروطها وقيودها التی كثيرا ما يسقطونها ولا يصرحون بها

اعتمادا على فهم المتفقه، وكذا لا بد من معرفة عرف زمانه واحوال اهله والتخريج فى ذلك على استاذ ماهر (ص٤٦بحواله:الحيلة الناجزة ٤٥، ٤٦)

ہبہ بلا قبض میں ابتلائے عام نہیں، اگر ابتلائے عام ہوتا تو ہمارے اکابر کے فتاویٰ میں ضرور تصریح ہوتی، اور بلا قبضہ ہبہ تام ہونے پر فتویٰ ہوتا؛ لیکن اکابر علماء میں کسی نے اس پر فتویٰ دیا ہو یہ بات ہمارے علم میں نہیں، خود حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ملاحظہ کیجیے:

سوال (۴۹۶): بروقتِ تعمیر اور مکان تیار ہونے کے بعد حاجی صاحب مرحوم نے بہت دفعہ کہا کہ: یہ مکان مسماۃ زوجہ ثانیہ کے لیے بنوایا گیا ہے، اور اسی وجہ سے چار سو روپیہ کا زیور مسماۃ مذکورہ کا حاجی صاحب نے فروخت کر کے اس میں لگایا، آیا اس مکان کی میراث جاری ہوگی اور سب وارثوں میں تقسیم ہوگا یا مسماۃ کا ہوگا؟

الجواب: اگر اس کو ہبہ مان لیا جاوے تو ہبہ اس وقت صحیح ہوسکتا ہے جب ہبہ کرنے والا بالکل اس مکان کو اپنی چیزوں سے خالی کر کے موہوب لہا کو قبضہ کرادے۔ اگر ایسا ہوا ہے تو بعد اقامت شہود ہبہ صحیح ہوگا؛ ورنہ نہیں۔

فى الدر المختار: وتتم الهبة بالقبض الكامل ولو الموهوب شاغلا بملك الواهب،لا مشغولا به (الى قوله) فلو وهب جرابا فيه طعام الواهب، او دارا فيها متاع، او دابة عليها سرجه وسلمها كذلك لا تصح وبعكسه تصح

اور زیور اس میں لگانا غایۃ مافی الباب قرینہ ہبہ کا ہوگا؛ مگر ہبہ میں جو شرط ہے وہ دیکھنے کے قابل ہے جیسا اوپر بیان ہوا۔ پس جب تک ہبہ صحیح نہ ہوگا وہ زیور بطور

احسان کے زوجہ کی طرف سے سمجھا جاوے گا۔ (امداد الفتاویٰ ۳/۴۶۹)

نیز ملاحظہ کیجیے: امداد المفتین ۲/ ۸۸۵۔ کفایت المفتی ۸/ ۱۷۲، ۱۷۴۔ عزیز الفتاویٰ ۱/ ۶۴۱ تا ۶۴۴۔ فتاویٰ محمودیہ ۱۶/ ۴۷۰۔ فتاویٰ رحیمیہ ۱۰/ ۲۶۳۔ احسن الفتاویٰ ۷/ ۲۵۳۔ امداد الاحکام ۴/ ۲۹۔ فتاویٰ مفتی محمود ۹/ ۹۱، ۹۲، ۲۶۵۔ کتاب الفتاویٰ ۶/ ۳۲۔

مذکورہ تمام کتب فتاویٰ میں ہبہ تام ہونے کے لیے قبضہ ضروری بتایا ہے۔

آپ نے لکھا ہے: البنایہ میں تصریح ہے کہ جس حدیث سے احناف قبضہ کی شرط پر استدلال کرتے ہیں وہ حدیث منکر اور بے اصل ہے۔

آپ نے ناقص حوالہ دیا ہے، جہاں مذکورہ بات لکھی ہے وہاں آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے استدلال کو احسن کہا ہے۔

البنایہ شرح ہدایہ کی عبارت حسب ذیل ہے:

ولنا قولہ: "لا تجوز الھبة الا مقبوضة" ھذا حدیث منکر، لا اصل له والعجب من الکاکی حیث یقول قبل ھذا الحدیث: "غیر مرفوع؛ بل قول علی وعمر ولم یبین ذلك"، ولیس کذلك؛ بل ھذا الذی ذکره المصنف قول ابراھیم النخعی، رواه عبد الرزاق فی مصنفه، وقال: اخبرنا سفیان الثوری عن منصور عن ابراھیم قال: "لا یجوز الھبة حتیٰ تقبض، والصدقة یجوز قبل ان تقبض" واما قول عمر فھو ما رواه البیھقی من حدیث یزید بن زریع، نا سعید عن قتادة عن یحییٰ بن یعمر عن ابی موسیٰ قال عمر بن الخطاب: لا محال میراث ما لم یقبض والاحسن ان یستدل علیٰ اشتراط القبض فی الھبة بما اخرجه البیھقی من حدیث

عبدالله بن وهب اباما لك ويونس وغيرهما، ان ا بن شهاب اخبرهم عن عروة عن عائشة: أن أبابكر نحلها جداد عشرين وسقا من مال بالغابة، فلما حضرت الوفاة قال: والله يا بنية! ما من الناس احد احب الى بعدى منك، ولا اعز على فقراء بعدى منك، والا انى كنت نحلت من مالى جداد عشرين وسقا، فلو كنت جددته وجزته كان لك ذلك، وانما هو ا خوك واختاك، فاقتسموه علىٰ كتاب الله عزوجل ا لحديث وكذا رواه الطحاوى فى شرح الآ ثار، وقال: حدثنا يونس اخبرنا ا بن وهب أن مالكا حد ثه الى آ خره فهذا ادل دليل على ا شتراط القبض، وبه استدل فى المبسوط واصحاب الشافعى فى كتبهم، قوله: "نحلها" اى وهب لها، والجداد بكسر الجيم من: جددت الشئ اجده بالضم جدا قطعته، وروى جاد عشرين وسقا، قال الخطابى: الجاد بمعنىٰ المجدود، فاعل بمعنىٰ مفعول؛ والوسق ستون صاعا؛ والغابة بالغين المعجمة وبعد الالف باء موحدة محققة، وهو موضع مشهور بالمدينة وفى رواية من ماله بالعالية، وهو ايضا موضع بالمدينة (عينى شرح هداية۳/۵۸۶)

اعلاء السنن میں بارہ آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم نقل کئے ہیں، جس سے صحیح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ہبہ قبضہ کے بغیر صحیح نہیں ہوتا۔ أقول: الآ ثار المذكورة تدل على أن الهبة لا يصح الا مقبوضة، والدلالة ظاهرة لا تحتاج الى التقرير (اعلاء السنن ۱۶/ ۷۱)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث شریف لا تجوز الهبة الا مقبوضة کو بے اصل کہا ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام فقہاء ومحدثین کے نزدیک بے اصل ہو؛ اس لیے کہ احادیث کی تصحیح وتضعیف ایک اجتہادی معاملہ ہے، جس میں علماء کی آراء مختلف ہوسکتی ہیں۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی متقدم کو ایک حدیث بالکل صحیح سند سے پہنچی؛ لیکن ان کے بعد کے لوگ اسے ضعیف قرار دیتے ہیں، ظاہر ہے کہ بعد کے لوگوں کی یہ تضعیف متقدم پر حجت نہیں ہوسکتی۔ (ماخوذ از درس ترمذی ۱/ ۸۳)

اس لیے یہ ضروری نہیں کہ، جس حدیث کے بارے میں علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے منکر اور بے اصل کہا وہ پہلے زمانہ میں بھی بے اصل ہو۔ اسی حدیث کو لے لیجیے، علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۵۵ھ)، جو نوویں صدی کے عالم ہیں، انہوں نے اس کو بے اصل قرار دیا ہے، جب کہ علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۹۰ھ) جو پانچویں صدی کے فقیہ ہیں، صاحب ہدایہ (م ۵۹۳ھ) جو چھٹی صدی کے فقیہ ہیں، ان دونوں حضرات نے حدیث لا تجوز الھبة الا مقبوضة سے ہی قبضہ ضروری ہونے پر استدلال کیا ہے۔

مبسوط سرخسی کی عبارت یہ ہے: وحجتنا فی ذلك ماروی عن النبي ﷺ: لا تجوز الهبة، معناه لا يثبت الحكم وهو الملك. (مبسوط سرخسی ۱۲/ ۵۸)

ہدایہ میں ہے: تصح بالا يجاب والقبول والقبض (الیٰ قوله:) ولنا قوله: لا تجوز الهبة الا مقبوضة (هداية اخيرين: ۲۸۶،۲۸۵)

ایک اور جگہ باب نکاح الرقیق میں ایک مسئلہ کے تحت تحریر فرمایا:

ان الهبة من شرطها القبض بالنص.

لفظ ''نص'' کے ذیل میں حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی تحریر فرماتے ہیں:

ای قوله ﷺ: لا تصح الهبة الا مقبوضة عناية (هدايه اولين، ۳۴۴)

اس لیے بہت ممکن ہے کہ، بعد کے دور میں کسی متہم راوی یا کسی اور سقم کی وجہ سے علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بے اصل کہا ہو۔ بالخصوص آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے جب مضمون

حدیث کی پوری تائید ہورہی ہے؛ اس لیے اس حدیث کو بے اصل نہیں کہا جاسکتا۔

مصنف عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ میں سندو حدیث کا مضمون یہ ہے:

عبدالرزاق عن معمرعن الثوری عن منصورعن ابراھیم قال: الھبة لا تجوزحتیٰ تقبض (مصنف عبدالرزاق۹/۱۰۷)

سند میں ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے مراد ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ ہیں، ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ تابعی ہیں، ان کے اقوال حنفیہ کے نزدیک حجت ہیں بشرطیکہ کسی صحابی کے قول کے معارض نہ ہو۔ بعض مسائل میں حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے اقوال کو اقوالِ صحابہ پر ترجیح دی ہے؛ اس لیے کہ وہ اقاویل درحقیقت ابرہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے نہیں ہوتے؛ بلکہ دیگر کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہوتے ہیں۔

اعلاء السنن میں ہے: اختار ابوحنیفة محجة ابراھیم وصارالزم الناس به وبأقرانه، فاذا وجد فی المسئلة قولا عنه لایخالفه قول صحابی ونحوه اختار قول ابراھیم، وترك به القیاس واحتج به، کما لا یخفیٰ علی من طالع "الآثار" لمحمد رحمه الله، وما ذلك الا لکون اقواله فی الاکثر منسوبة الیٰ احد من السلف صریحا او ایماء؛ بل ربما احتج ابوحنیفة بقول ابراھیم مع وجود قول بعض الصحابة علیٰ خلافه، وذلك فیما علم الامام ان قول ابراھیم فیه ھو قول عبدالله اوعمر اوعلی، ولیس برأی منه، وبالجملة فیکون قول ابراھیم حجة وان لم یصرح به اصحابنا؛ ولکن صنیعھم یدل علیه (مقدمة اعلاء السنن:۸٤)

متقدمین ومتأخرین حنفیہ کی تمام کتب فقہ میں ہبہ تام ہونے میں قبضہ کو ضروری قرار دیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے: جامع الصغیر مع نافع الصغیر ۴۳۵، موطا امام محمد ۳۵۰،

زیادات ۴/۱۱۴۲/۲، قدوری ۱۳۵، ہدایہ اخیرین ۲۸۳، شرح وقایہ ۳/۲۷۹، تبیین الحقائق ۵/۹۱، ملتقی الابحر مع شرحہ ۲/۳۵۳۔

خلاصہ یہ ہے کہ، ہبہ میں قبضہ کا ضروری ہونا نص یعنی حدیث رسول اللہ ﷺ اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔ جو امر نص سے ثابت ہو اس کو حرج کی وجہ سے چھوڑا نہیں جاسکتا، جب کہ زیر بحث مسئلہ میں تو حرج بھی درپیش نہیں۔

وفی الاشباہ ایضا: الفائدۃ الثالثۃ: المشقۃ والحرج، انما یعتبران فی موضع لا نص فیہ، اما مع النص بخلافہ فلا (رسائل ابن عابدین:۲/۱۱۵)

آپ نے سامان ہٹانے کے سلسلہ میں جو دشواریاں تحریر فرمائی ہیں، اس کا حل یہ ہے کہ مکان سے جو سامان نکالنا دشوار ہے اس کے ساتھ ہبہ کردیں، یعنی آپ مکان کا جو حصہ بیوی کو ہبہ کرنا چاہتے ہیں اس حصہ میں جو سامان ہے اس کے ساتھ ہبہ کرکے اتنا حصہ مع سامان کے بیوی کے قبضہ میں دے دیں، بیوی مالک بن جانے کے بعد معمولی قیمت سے سامان آپ کو بیچ دے اور سامان پر قبضہ کے لیے تخلیہ کرادیں؛ بایں طور کہ آپ سامان پر قبضہ کرنا چاہیں تو بآسانی کرلیں، کوئی رکاوٹ نہ ہو، ایجاب وقبول اور تخلیہ کے بعد آپ سامان کے مالک بن جائیں گے اور سامان پر قبضہ بھی ہو چکا، پھر اس سامان کو بیوی سے اس مکان میں رکھنے کی اجازت لے لیں، یا سامان بیوی کو عاریۃً دے دیں، نمبر ۷ کے مطابق بیوی کو اس کی ضرورت بھی ہے؛ اس لیے یہ کام اَور زیادہ آسان ہے۔

دررالحکام میں ہے: المسألۃ الرابعۃ عشرۃ: ھبۃ الشاغل جائزۃ، یعنی لو وھب احد مالہ الشاغل ملکہ جاز؛ لان المظروف یشغل الظرف

فلا يشغل المظروف (الحموی)

مثلاً لو وهب الواهب ما فی داره من اشياء لاحد وسلمها مع الدار له صح ذلك، كذلك لو وهب كل ما فی مكتبته من الكتب لابنه وسلمها مع المكتبة وقبض الاخر الكتب والمكتبة تمت الهبة (علی آفندی)

لو وهب دارا بما فيها من المتاع او وهبه الجوالق بما فيها من المتاع وسلمها الى الموهوب له ثم استحق المتاع فالهبة تامة فی الدار والجوالق؛ لان يد الواهب كانت ثابتة علیٰ الدار والمتاع جميعا حقيقة، فصح تسلمه (الطحطاوی)(درر الحکام شرح المجلة الاحکام،۲ /۳۹٤)

دوسری صورت یہ ہے کہ، وہ آدھا مکان بیوی کو فروخت کردیں، بیع صرف مکان کی کی جائے سامان کی نہیں، بعدہٗ سامان کے ساتھ اتنا حصہ بیوی کو سپرد کردیں پھر مکان کا ثمن بیوی کو معاف کردیں، اس صورت میں مکان پر بیوی کا قبضہ ملکاً ہوگا اور سامان پر امانۃً۔

وفي فتاویٰ أبي الليث: اذا باع دارا وسلمها الى المشتري وفيها متاع قليل للبائع لايصح التسليم حتى يسلمها اليه فارغة، فان اذن البائع للمشتري بقبض الدار والمتاع صح التسليم؛ لأن المتاع صار وديعة عند المشتري، كذا في الذخيرة (فتاویٰ عالمگیری۳/۱۷)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: مشترک کا ہبہ جائز نہیں؛ لہٰذا وہ جس کو دینا چاہتے ہوں زبانی فروخت کردیں اور وہ زبانی قبول کرلے، پھر زرِ ثمن زبانی معاف کردے۔ (امداد الفتاویٰ ۳/۳٦۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد عبد القیوم راجکوٹی، ۲۸/ ذی الحجۃ الحرام ۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سودی آمدنی والے کا ہدیہ لینا

سوال: ایک آدمی کا سودی کاروبار ہے، اس نے کسی کو کپڑا ہدیہ دیا، تو اس کپڑے کو استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اگر اس کی تمام یا اکثر آمدنی سودی ہے، تو یہ ہدیہ لینا درست نہیں ہے؛ البتہ اگر وہ یہ بتلاتا ہے کہ یہ کپڑا حلال طریقہ سے حاصل کیا ہوا ہے، تو لے سکتے ہیں، اور اگر اس کی اکثر آمدنی حلال ہے، تو لینا جائز ہے؛ البتہ اگر معلوم ہو جائے کہ یہ کپڑا حرام طریقہ سے حاصل کیا ہوا ہے، تو لینا جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۶/ ۴۸۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مشترک دکان کے منافع کا ہبہ درست نہیں

سوال: (۱) زید نامی ایک شخص ہے، اس کے پانچ لڑکے اور سات لڑکیاں ہیں، اور زید کے پاس ایک دوکان میں نو آنہ حصہ ہے، اور ایک طبیلہ اور طبیلے کی ضروریات مثلاً جیپ، گاڑیاں اور ٹرک ہے، اور اس کے علاوہ دوسرا بھی سامان موجود ہے، زید نے اپنی حیات ہی میں بڑے لڑکے کے سامنے یہ کہا تھا کہ دوکان کے نو آنہ میں سے ایک آنہ رفیقہ نامی لڑکی کو بخشش کر رہا ہوں، اور بقیہ آٹھ آنے پانچوں لڑکوں کو بخشش کر رہا ہوں، یہ کہنے کے بعد سالانہ نفع جو دوکان کا آتا تھا، اس میں رفیقہ نامی لڑکی کے حصے کی رقم رفیقہ کی الگ فہرست بنا کر اس میں نقل کرتے تھے، اور لڑکوں کا نفع خود زید استعمال کرتے تھے اور اس طرح دو سال تک کیا، تیسرے سال کے درمیان میں زید

کا انتقال ہوگیا، زید کے انتقال کے وقت دوکان حکومت کے کاغذات میں زید ہی کے نام تھی، آیا باقی لڑکیاں اس دکان میں وراثت کی مستحق رہے گی یا نہیں؟

② زید نے طبیلے کے متعلق چوتھے نمبر کے لڑکے کے سامنے یہ کہا تھا: کہ یہ طبیلہ پانچوں لڑکوں کو بخشش کرتا ہوں، اس کے بعد سالانہ نفع لڑکوں کے درمیان تقسیم کرتے تھے، اور یہ طبیلہ زید کے نام پر حکومت کے کاغذات میں نہیں تھا، تو یہ طبیلے میں لڑکیاں وراثت کی حقدار ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو طبیلے کی ضروریات، مثلاً جیپ گاڑیاں اور ٹرک - جو سامان اور دودھ وغیرہ کے منتقل کرنے کے لیے ہے- اس کا کیا حکم ہے مندرجۂ ذیل کے جوابات مطلوب ہیں؟

① زبانی کہہ دینے سے ہبہ صحیح ہوسکتا ہے؟

② لڑکی کے منافع کی رقم الگ فہرست میں درج کردینے سے وہ لڑکی کی ملکیت مانی جائے گی یا نہیں؟

③ لڑکوں کا نفع زید خود استعمال کرتے تھے تو کیا اب وہ نفع ہر ایک کا رہے گا یا اس میں بھی وراثت جاری ہوگی؟

④ جس دکان کے حصوں کو پانچ لڑکے اور ایک لڑکی کے درمیان ہبہ کردیا ہے، وہ زید کے انتقال کے وقت سرکاری کاغذات میں زید کے ہی نام پر تھی، اب اس دکان میں وراثت جاری ہوگی؟ بقیہ لڑکیوں کے درمیان میراث جاری ہوگی یا نہیں؟

⑤ طبیلہ کے ضروریات میں سے ٹرک اور جیپ، گاڑیاں ہیں، جو طبیلے ہی کی ضروریات کے لیے رکھے جاتے ہیں، تو ان چیزوں کو مستقل ملکیت مانیں گے یا طبیلہ کے تابع؟

⑥ قبضہ کا مفہوم کیا ہے؟ مندرجہ بالا امور کے جوابات مع حوالہ عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دوکان میں زید کا حصہ نو آنہ ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ دوکان مشترک ہے، اور مشترک چیز جو قابلِ تقسیم ہو اس کا ہبہ قبل تقسیم جائز نہیں ہے۔

درمختار میں شرائطِ صحتِ ہبہ کے ذیل میں ہے: وشرائط صحتها فى الموهوب: ان يكون مقبوضا غير مشاع الخ (درمختار) (قوله مشاع) اى فيما يقسم كما ياتى (شامي ٤/٥٦٧)

آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں: لانها لاتتم بالقبض فيما يقسم، ولو وهبه لشريكه او لأجنبى لعدم تصور القبض الكامل كما فى عامة الكتب، فكان هو المذهب (درمختار) (قوله فى عامة الكتب) وصرح به الزيلعى وصاحب البحر، منح (شامي: ٤/٥٧٠)

عالمگیری میں ہے: ولا تصح فى مشاع يقسم، ويبقى منتفعا به قبل القسمة وبعدها هكذا فى الكافى (٤/٣٦٧) هبه المشاع فيما يحتمل القسمة لاتجوز، سواء كانت من شريكه، أو من غير شريكه (عالمگیری ٤/ ٣٧٨) ما من جزء من المشاع وان دق إلا وللشريك فيه ملك، فلا تصح هبته ولو من الشريك؛ لان القبض الكامل فيه لا يتصور (شامي ٤/٥٧١)

طبیلہ پانچوں لڑکوں کو مشترکہ طور پر ہبہ کیا تو یہ بھی درست نہ ہوا۔

درمختار میں ہے: وهب اثنان دارا لواحد صح لعدم الشيوع، وبقلبه لكبيرين لا عنده؛ للشيوع فيما يحتمل القسمة (درمختار) (قوله وبقلبه) وهو هبة واحد من اثنين الخ (شامي ٤/٥٧٣)

جب دونوں صورتوں میں ہبہ درست وصحیح نہ ہوا، تو اب یہ دونوں چیز اور ان کے متعلقات بوقت وفات زید ہی کی ملک ہیں، اور زید کی متروکہ دیگر املاک کی طرح ان دونوں میں بھی وراثت جاری ہوگی اور اس کے تمام شرعی ورثاء کو اس میں حقِ وراثت حاصل ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ

ہبہ میں بیوی کو محروم کرنا

سوال: ایک آدمی اپنی زندگی میں ہی مال کو اولاد کے درمیان تقسیم کردیتا ہے، اور مذکر و مؤنث دونوں کو برابر دیتا ہے قبل الموت کو عطیہ شمار کرکے؛ لیکن اپنی بیوی کو کچھ بھی نہیں دیتا ہے، تو اس طریقہ سے بیوی کو محروم کرنا درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اس کا مقصد بیوی کو محروم کرنا ہے تو گنہ گار ہوگا۔

قال رسول الله ﷺ: من قطع ميراث وارثه، قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيٰمة رواه ابن ماجة (مشكوٰة:٢٦٦)

عن رسول الله ﷺ: قال إن الرجل ليعمل والمرأة بطاعة الله ستين سنة، ثم يحضرهما الموت فيضاران في الوصية فتجب لهما النار.
(مشكوٰة:٢٦٥)

(فيضاران فى الوصية) من المضارة أي يوصلان الضرر إلى الوارث بسبب الوصية للاجنبى باكثر من الثلث، أو بأن يهب جميع ماله لواحد من الورثة كيلا يرث وارث آخر من ماله شيئا فهذا مكروه، وفرار عن

حکم الله تعالىٰ، ذكره إبن الملك، وفيه أنه لا يحصل بهما ضرر لأحد اللّٰهم إلا أن يقال معناه فيقصدان الضرر (مرقاة ١٨٤/٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بیوی کو مکان ہبہ کرنا

سوال: ابوبکر کے دو لڑکے عمرو عثمان اور ایک لڑکی ام کلثوم اور بیوی ہے، تینوں اولاد شادی شدہ ہیں، ابوبکر کے پاس چار مکان ہیں، دو مکان تقریباً چار چار لاکھ روپے کے ہیں، مذکورہ دونوں مکان اپنے دونوں لڑکوں کو یعنی عمرو عثمان کو ہبہ کر کے مالک بنا دیا ہے، اور ایک مکان جو تقریباً ڈیڑھ لاکھ کا ہے یہ مکان اپنی لڑکی ام کلثوم کو ہبہ کر دیا ہے، اور ایک مکان جس میں خود رہتا ہے جو تقریباً پانچ لاکھ کا ہے، یہ مکان اپنی بیوی کو ہبہ کرنا چاہتا ہے تو جواب طلب امر یہ ہے کہ اس طرح ہبہ کرنا از روئے شرع جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں ابوبکر جس مکان میں رہتا ہے وہ مکان اگر اپنی بیوی کو ہبہ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے، اس کی نیت کسی کو نقصان پہنچانے کی نہ ہو؛ البتہ اتنا یاد رہے کہ شرعاً ہبہ کے تام اور مکمل ہونے کے لیے قبضہ شرط ہے، اس لیے اس مکان پر سے اپنا قبضہ ختم کر کے بیوی کے قبضہ میں جب تک نہیں دے گا وہاں تک ہبہ تام ہو کر بیوی کی ملکیت اس پر ثابت نہیں ہوگی، اور خود جب تک اس مکان میں رہ رہا ہے اس وقت تک اس کا قبضہ اس پر سے ختم ہوا سمجھا نہیں جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/ رجب ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مدرس کو حسن سلوک کا ہدیہ اور مسجد میں تعلیم کی اجرت

سوال: زید مدرس ہے اور امام بھی، صبح مدرسہ میں بچے پڑھاتا ہے، جس کی تنخواہ ملتی ہے، محلہ کے ایک صاحب کا ایک لڑکا مدرسہ کے وقت میں پڑھنے نہیں آسکتا، لہٰذا ان صاحب نے زید سے کہا میرے بچے کو پڑھانے کا انتظام کریں، زید نے کہا مغرب بعد مسجد میں بھیج دیجیے، میں پڑھا دوں گا، اب زید نے پڑھانا شروع کیا، پندرہ دنوں بعد لڑکے کے والد نے زید کو کچھ رقم دی، جس کو لینے سے زید نے انکار کیا؛ لیکن انھوں نے یہ کہہ کر دی کہ اپنے بچوں کو کھلا دینا، اب وہ ہر مہینہ وہ رقم دیتے ہیں، لیکن چند روز پہلے ایک صاحب نے کہا کہ مسجد میں ٹیوشن پڑھانا جائز نہیں ہے، آپ بتائیں، اس طرح پڑھانے پر جو رقم ملتی ہے اس کا لینا میرے لیے جائز ہے کہ نہیں؟ اگر جائز نہیں تو آج تک رقم لی ہے، اس کا لوٹانا ضروری ہے؟ شرعی حکم بتا کر ممنون فرمائیں؛ تاکہ ناجائز رقم سے حفاظت ہو۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ عقد اجارہ نہیں، اس لیے بچہ کے والد کی طرف سے دی جانے والی رقم اجرت نہیں؛ بلکہ حسنِ سلوک ہے، لہٰذا مسجد میں پڑھا بھی سکتے ہیں، اجرت لے کر مسجد میں پڑھانا درست نہیں ہے؛ لیکن اس صورت میں بھی اجرت حلال ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۶/۴۵۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ ربیع الآخر ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ہبۂ مشاع میں موہوب لہم کو تقسیم کا وکیل بنا دینا

(سوال): ایک شخص نے ۲۵/ بیگہ زمین پانچ آدمیوں کے قبضہ میں دے کر کہا کہ تم آپس میں مل کر برابر تقسیم کر کے لے لو، اور موہوب لہم نے کچھ مدت بعد اس زمین کو تقسیم کیا اور ہر ایک نے اپنا حصہ لے لیا، اور واہب کو بھی اطلاع دی کہ ہم نے آپس میں تقسیم کر کے زمین لے لی ہے، اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ بالا صورت میں ہبہ مشاع ہونے کی وجہ سے ہبہ کے تام وصحیح نہ ہونے کا حکم ہوگا؟ جیسا کہ درمختار میں ہے: لا تتم بالقبض فيما يقسم ولولشريكه، فإن قسمه وسلمه صح، ولو سلمه شائعاً لا يملكه فلا ينفذ تصرفه فيه (كتاب الهبة، ۵۷۰/۴) یا علامہ شامی کی تشریح: (فإن قسمه) أي الواهب بنفسه أو نائبه أو أمر الموهوب له بأن يقسم مع شريكه كل ذلك تتم به الهبة، كما هو ظاهر لمن عنده أدنى فقه، تأمل رملي (شامی، کتاب الهبة ایضاً) کے تحت داخل ہو کر ہبہ کے تام وصحیح ہونے کا حکم ہوگا۔

(الجواب): حامداً ومصلياً ومسلماً

اس آدمی نے جب موہوب لہم کو تقسیم کا وکیل بنا دیا تھا اور اسی اختیار کی بنیاد پر موہوب لہم نے اس زمین کو تقسیم کر کے قبضہ کر لیا اور واہب کو اطلاع دے دی اور واہب نے اس کو منظوری دے دی، تو اب یہ ہبہ بعد تقسیم درست اور تام ہو گیا۔

سئل عمر النسفي عمن أمر أولاده أن يقتسموا أرضه التي في ناحية كذا بينهم وأراد به التمليك، فاقتسموها وتراضوا على ذلك، هل يثبت لهم الملك أم يحتاج إلى أن يقول لهم الأب: ملكتكم هذه الأراضي،

أو يقول لكل واحد منهم: ملكتك هذا النصيب المفرز؟ فقال: لا، وسئل عنها الحسن: فقال: لا يثبت لهم الملك إلا بالقسمة (تکملہ ردالمحتار ۲/۲۵۵)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔　　　　کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ثبوتِ ہبہ کے لیے غیر مسلم کی شہادت

سوال: بھائیوں کا ایک مکان ہے، باپ کے وصال ہونے کے بعد ایک بھائی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ باپ نے صرف مجھ تنہا پر ہی پورا مکان ہبہ کر دیا ہے اور اس پر غیر مسلم گواہ بھی پیش کر رہا ہے؛ لیکن لکھی طور پر کوئی چیز نہیں ہے، صرف زبانی یہ کہہ رہا ہے، اور اسی بنا پر یہی بھائی پورے مکان پر قبضہ جمائے رکھا ہے، باقی بھائیوں کو حق مانگنے پر دینے سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ تو مجھ تنہا پر ہبہ کیا ہوا ہے، اب مسئلہ زیر طلب یہ ہے کہ اس سلسلہ میں دونوں کے دونوں غیر مسلم گواہ معتبر ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں ہبہ کے مدعی بھائی کا دعوائے ہبہ دو غیر مسلم کی شہادت سے ثابت نہیں ہوگا۔

لقوله تعالىٰ ﴿لن يجعل الله للكافرين على المومنين سبيلا﴾ وقال فى الهداية: ولا بد فى ذلك كله من العدالة، اما العدالة فلقوله ﴿ممن ترضون من الشهداء﴾ والمرضى من الشاهد هو العدل ولقوله ﴿واشهدوا ذوى عدل منكم﴾ ولأن العدالة هى المعينه للصدق الخ (ہدایہ ۳/۱۵۶)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ربیع الاول ۱۴۱۸ھ

قبضہ سے پہلے بچھڑیوں کا ہبہ

سوال: زید نے اپنی بھینس کی یک سالہ چار بچھڑیاں اس شرط پر دی ہے کہ فریق ثانی بچہ جننے تک اس کی پرورش کرے، اور جب بچہ جنے تو دونوں فریق اس کی قیمت طے کریں گے اور طے شدہ قیمت کا نصف ایک فریق دوسرے کو دے کر بھینس لے گا۔ اب زید نے اپنے چار لڑکوں کو ایک ایک بچھڑا ہبہ میں دے دیا کہ فلاں لڑکا فلاں کو اور فلاں لڑکا فلاں کو نصف قیمت دے کر جانور لے لے، اور ہر ایک لڑکے نے اپنا حصہ متعین کر دیا؛ لیکن ایک لڑکے نے سوچا کہ یہ صورت صحیح نہیں اور وہ پریشان ہے اور فریقِ ثانی کو اس کی مزدوری دے کر چھڑانا چاہتا ہے مگر فریقِ ثانی اس پر راضی نہیں اور اس بات پر مصر ہے کہ جب جانور بڑا ہوگا تب اس کی قیمت طے کریں گے، مذکورہ مسئلہ میں کیا کیا جائے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زید کی بچھڑیاں بوقتِ ہبہ زید کے قبضہ میں نہیں ہیں؛ بلکہ فریقِ ثانی جس کی پرورش میں وہ دی گئی ہیں اس کے قبضہ میں ہیں اور شرعاً ہبہ تام ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ہبہ شدہ چیز موہوب لہ کے قبضہ میں دے دی جائے، اس لیے صورت مسئولہ میں زید کا یہ ہبہ تام نہیں ہوا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ رجب ۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ادائے قرض میں ہدیۃً زائد رقم دینا

سوال: عمر نے زید سے دو لاکھ روپے بطور قرض لیے اور کہا کہ میں ایک سال کے بعد دو لاکھ کے بدلے میں ڈھائی لاکھ دوں گا، اور کہتا ہے کہ یہ رقم میں اپنی طرف سے بطور ہدیہ دوں گا تو کیا زید کے لیے یہ زائد رقم (پچاس ہزار روپے) لینا جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ سود ہے اس کا دینا اور لینا درست نہیں۔

كل قرض جر نفعا فهو حرام (شامي) عن النبي ﷺ قال: اذا أقرض الرجل فلا ياخذ هدية (رواه البخاری فی تاریخه، هكذا فی المنتقی)

وعن ابی برد بن ابی موسی قال: قدمت المدينة فلقيت عبدالله بن سلام فقال: انك بارض فيها الربوا فاش، فاذا كان لك على رجل حق، فاهدى اليك حمل تبن او حمل شعيرا و حبل قت فلاتا خذه، فانه الربوا (رواه البخاری مشكوة شريف:ص،٢٤٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

تعلیم قرآن پر ہدیہ لینا

سوال: ہم بچوں کو قرآن شریف اور دینی تعلیم دیتے ہیں اور کوئی معاوضہ نہیں لیتے؛ لیکن ان کے والدین محبت سے ہمیں کوئی تحفہ دیں تو ہمیں تحفہ قبول کرنا چاہیے یا نہیں؟ اور بچوں کو تعلیم دینے سے پہلے ہماری اور ان کی کوئی جان پہچان نہیں تھی تو اس صورت میں ہمیں ان کا تحفہ قبول کرنا چاہیے یا لوٹا دینا چاہیے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قرآن سکھلانے اور دینی تعلیم دینے کا معاوضہ لینا جائز ہے، تو ہدیہ لینے میں کیا حرج ہے!؛ البتہ نابالغ بچہ کا ہدیہ لینا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

ناظرہ قرآن ختم پر ہدیہ کا لین دین

سوال: میں ایک مکتب کا مدرس ہوں وہاں یہ رواج ہے کہ جونسا بچہ بچی قرآن شریف ختم کرتا ہے وہ استاذ کو ہدیہ دیتا ہے کوئی کپڑے کے جوڑے کی شکل میں کوئی کلو آدھ کلو حلوہ وغیرہ کی شکل میں اور کوئی کھوپرا وغیرہ کی شکل میں ان کا لینا کیسا ہے ان کا اوران کے والدین کا یہ کہنا ہے یہ تو ایک یادگار رہے اس لیے دیتے ہیں بعض لوگ اس دن دعوت بھی کرتے ہیں تو استاذ قبول کرسکتا ہے استاذ انکار کرے تو اس کے گھر والی کو دے جاتے ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وہ ہدیہ نابالغ کے مال میں سے ہے تو چاہے اس کے ولی کی اجازت سے ہو اس کا لینا درست نہیں اگر ولی اپنے مال میں سے دے رہا ہے اور اس ہدیہ دینے میں کسی رسم یا رواج کی پابندی مقصود نہیں اور دینے والا دلی رضامندی سے دے رہا ہے تو اس کو قبول کرسکتے ہیں اور اگر رسوم ورواج کی وجہ سے دے رہا ہے یا نہ دینے کی صورت میں طعن وتشنیع کا اندیشہ ہے اس لیے باوجود دل نہ چاہنے کے دے رہا ہے تو

اس کو قبول نہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کیا ممتحن اور سفیرِ مدرسہ ہدیہ لے سکتا ہے؟

(سوال): مدرسہ کی جانب سے بندہ بہ طور ممتحن ایک ادارے میں گیا، ادارے والوں نے ایک سو روپیہ ہدیہ میں دیا، اب مناسب و بہتر کیا صورت ہے؟ آیا وہ ہدیہ بندہ اپنی ضرورت میں استعمال کرے یا مدرسے میں جمع کرادے۔ نیز برائے چندہ بیرون جانا ہوتا ہے، کچھ احباب بندہ کو خاص تعلق و رشتے داری کی وجہ سے ہدیہ میں رقم، گھڑی، قلم، کپڑا وغیرہ دیتے ہیں، اس سلسلے میں از روئے شرع بہتر و مناسب کیا صورت ہے؟

(الجواب): حامداً و مصلیاً و مسلماً

اگر امتحان کے لیے آپ کو مدرسہ کی طرف سے بھیجا گیا تھا اور جہاں امتحان کے لیے گئے تھے، ان کی طرف سے ملنے والے ہدیہ کو قبول کرنے کی اجازت بھی دی گئی تھی، تب تو آپ اس کو اپنی ضرورت میں استعمال فرمالیں؛ ورنہ مدرسہ میں داخل کرادیں۔ بیرون ملک چندے کے لیے جانے کی صورت میں وہاں موجود اپنے رشتے داروں اور احباب کی طرف سے ذاتی تعلق کی بنیاد پر جو ہدیہ ملتا ہے، اس کو اپنے استعمال میں لاسکتے ہیں، کوئی حرج کی بات نہیں، اس میں رشوت کا احتمال بھی نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰ رمضان ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

اولاد میں بخشش کی صورت میں شادی کا خرچ وضع کرنا

سوال: ایک آدمی ہے چاند بھائی جن کے پانچ لڑکے اور تین لڑکی ہیں اب وہ اپنی حیاتی میں اپنی ملکیت میں سے بچوں کو وراثت تقسیم کرنا چاہتا ہے۔ چاند بھائی کے پاس پونے دس لاکھ روپئے کی ملکیت ہے اب وراثت میں ہر ایک کو کتنا کتنا روپیہ ملے گا؟ پانچ لڑکوں کو کتنے روپئے اور تین لڑکیوں کو کتنے روپئے ملیں گے اور چاند بھائی کی بیوی کو کتنے روپئے ملیں گے؟ کیوں کہ بچے بہت جھگڑا کرتے ہیں۔ ساتھ میں رہتے ہیں اب باپ چاہتے ہیں وراثت دے کر سب بچوں کو الگ کردیں۔ پھر بچے اپنے آپ کما کر کھائیں گے۔ اب باپ وراثت تقسیم کریں گے تو جن بچوں کی شادی باپ نے اپنے پیسوں میں سے کروائی ہے وہ وراثت تقسیم کرتے وقت شادی شدہ بچوں سے شادی کا خرچ کاٹ کر دیوے یا پوری وراثت دیوے؟ آپ کا جواب آنے کے بعد وراثت تقسیم کر کے بچوں کو باپ الگ کردیں گے۔ باپ کی حیاتی میں وراثت تقسیم ہوتی ہے؟ اگر باپ اپنی حیاتی میں پوری وراثت دے دیوے اور پھر باپ کا چند دنوں کے بعد انتقال ہوگیا تو کیا پھر باپ کی ملکیت میں سے وراثت ہوگی؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

آدمی اپنی زندگی میں اپنی اولاد کو جو کچھ دیتا ہے وہ وراثت نہیں بلکہ ھبہ اور بخشش ہے۔ اس لیے چاند بھائی اپنی زندگی میں جو کچھ دے رہے ہیں اس کو وراثت کہنا درست نہیں ہے۔ یہ عطیہ ہے۔ اگر وہ ایسا کرنا چاہتے ہیں تو اپنی ملکیت و جائداد میں سے اپنی ذاتی ضرورت کے مطابق اپنے لیے نکال لے اس کے بعد جو بچا ہے

اس میں سے آٹھواں حصہ بیوی کو دے اس کے بعد تمام جائداد واملاک کے آٹھ حصے کر کے اپنے پانچ لڑکوں اور تین لڑکیوں کو متساوی طور پر اس طرح دے کہ جس کو دے رہا ہے وہ الگ کر کے اس کے قبضہ میں دے دے صرف زبانی یا تحریر پر لکھ کر دینے سے اگر قبضہ نہیں کرایا ہے تو کام نہیں چلے گا۔ جن بچوں کی شادی کرادی ہے اس وقت ان کو جو دیا تھا موجودہ تقسیم کے وقت غیر شادی شدہ بچوں کو اتنی مقدار زیادہ دیجئے۔ تاکہ برابری قائم رہے۔ اس تقسیم اور عطیہ کے بعد بھی جب چاند بھائی کی وفات ہوگی اس وقت ان کی ذاتی ملکیت میں جو کچھ ہوگا اس میں اس وقت موجود تمام ورثاء کو حق وراثت حاصل ہوگا۔ (شامی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ جمادی الاخری ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ایک زمین کی بخشش کا مسئلہ

دادی کی ماں: مجد الدین بی

دو لڑکیاں: (۱) ہماری دادی (۲) سارابی یعنی دادی کی بہن

سوال: ہماری دادی کی ماں کی زمین تھی۔ وہ زمین گروی دوسروں کو دی تھی۔ وہ زمین ہمارے دادا نے اپنے پیسے دے کر چھڑالی۔ ہماری دادی کی بہن سارابی نام والی کے شوہر کا انتقال ہوا۔ جب ان کی اولاد چھوٹی تھی تو ہمارے دادا نے سارابی اور ان کی ماں یعنی دادا کی ساس اور سارابی کے بچوں کو اپنے گھر لے کر آئے۔ سارابی کے بچوں کی پرورش کر کے ان کی شادیاں تک کئے۔ یہ دیکھ کر ہماری دادی کی ماں یعنی دادا کی

ساس نے اپنی زمین اپنے داماد یعنی ہمارے دادا کے قبضہ میں دے کر دادا کے نام کیا اور یہ وصیت کی کہ اس میں میری دونوں لڑکیوں کا کوئی حصہ نہیں۔ یہ زمین میں نے داماد کو دے دی۔ اس کے بعد دادی کی ماں کا انتقال ہوا۔ اور ہماری دادی کا بھی انتقال ہوا۔ ہماری پھوپھو کا نکاح ہمارے دادا نے سارابی کے لڑکے سے کر دئے۔ یہ دوسرے بچوں کی شادیاں ہونے کے باوجود ہمارا گھر چھوڑنے کو تیار نہیں تھے۔ ہمارے دادا وغیرہ کو بہت تکلیف دینے لگے۔ اواس زمین میں ہمارا حصہ آتا ہے کہ کے جھگڑا کرنے لگے، ہماری ماں نے بچے کی قسم دے کر مجبورا ہمارے دادا کو اپنی زمین میں سارابی کو حصہ دینے پر آمادہ کیا۔ اس کے بعد وہ زمین جس کو کاشت کے لیے دئے تھے وہ اس پر قابض ہو گیا۔ سرکاری دفتر میں اس کا نام یعنی کاشت کار کا نام لکھ دیا گیا۔ وہ زمین کاشت کار چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھا کیوں کہ وہ زمین ۲۵ سے ۳۰ سال تک کاشت کرتا رہا۔ ہمارے دادا اور سارابی نے اس زمین پر روپیہ نکالا اور ہمارے دادا اور چچا نے وہ زمین چھڑوانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ کاشت کار نے نہیں چھوڑی۔

اس کے بعد ہمارے دادا اور سارابی کا انتقال ہوا۔ اس سے پہلے یعنی سارابی کا ایک لڑکا پولس تھا بمبئی میں۔ اس کو کہا گیا کہ پیسے وغیرہ دے کر کوشش کر کے وہ زمین چھڑوالو؛ لیکن اس نے کہا کہ مجھے وہ زمین نہیں چاہیے۔ اس طرح وہ زمین کاشت کار کے قبضہ میں رہی۔ دس سال پہلے ہم نے کوشش کر کے اس زمین پر جو کاشت کرتا تھا اس کے قبضہ میں سے ہم نے پیسے وغیرہ دے کر چھڑایا۔ اس کے دو سال بعد سارابی کا لڑکا جو بمبئی میں پولس تھا وہ اپنا دوبارہ زمین میں حصہ مانگنے لگا۔ تو ہم نے کہا جو بھی ہمارا خرچ ہے وہ دے کر اور ہمارے گھر میں آکر مشورہ کر کے یہ کام کریں گے۔ ایسا ہم

نے دوسروں کے ذریعہ پیغام پہنچایا، لیکن وہ نہیں مانا۔ اور کورٹ میں کیس داخل کیا ہے۔ براہ مہربانی آپ ہم کو بتلائیں کہ وہ اس کے حق دار ہوں گے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

آپ کی دادی کی ماں نے جب وہ زمین آپ کے دادا صاحب کو دے دی، ہبہ کر دی، قبضہ بھی سونپ دیا اور آنے والی نسلوں کو کوئی شک وشبہ نہ رہے اس لیے اپنی وصیت میں بھی یہ کہہ گئی کہ میں یہ زمین اپنے داماد کو دے چکی ہوں۔ اس میں میری لڑکیوں کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اس زمین پر آپ کے دادا کی ملکیت ہو چکی تھی۔ بعد میں سارابی کے لڑکے کا اس زمین میں اپنا حق طلب کرنا درست نہیں ہے۔ وہ پوری زمین آپ کے دادا ہی کی تھی۔ البتہ اگر آپ کی والدہ صاحبہ کے اصرار سے آپ کے دادا نے اس زمین سے کوئی حصہ الگ کر کے سارابی کی اولاد کو بطور ہدیہ دیا ہے۔ اور اس حصہ پر ان کا قبضہ بھی کرا دیا تھا تو اتنی مقدار ان کی ہو جائے گی۔ اور اگر قبضہ نہیں کرا دیا تھا بلکہ زمین کاشت کار کے ہی قبضہ میں رہی تھی اور اب آپ نے کوشش کر کے پیسہ وغیرہ دے کر کاشت کار کا قبضہ چھڑایا ہے تب تو یہ زمین آپ کے دادا ہی کی شمار ہوگی۔ اور ان کے ورثاء کی ملک سمجھی جائے گی۔ اس کے باوجود اگر تمام ورثاء (بشرطیکہ سب عاقل و بالغ ہوں) وہ حصہ سارابی کے لڑکے کو بہ رضا و رغبت دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں۔ لیکن سارابی کا لڑکا زبردستی اپنا حق کہہ کر نہیں لے سکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ شوال المکرم ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

امام، مؤذن اور مدرسین کو ہدیہ دینے کے لیے چندہ کرنا

سوال: مدرسہ کے مدرسین وامام ومؤذن وغیرہ کو سال پورا ہونے پر متولیان مسجد ومدرسہ بستی کے خواص وعوام سے چندہ جمع کر کے ہدیہ کی شکل میں دیتے ہیں۔ امام صاحب خود بھی مدرسہ کی خدمت انجام دیتے ہیں اس طرح کرنا ازروئے شرع صحیح ہوگا یا نہیں؟ بعض افراد کہتے ہیں جائز نہیں ہے اس میں تراویح کے لیے چندہ کرنا ازروئے شریعت منع ہے یہ بات معلوم ہے۔

نوٹ: مدرسین کے لیے ہدیہ جو آپ کی مرضی ہو اس اطلاع سے چندہ کیا جاتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

امام ومؤذن نیز مدرسین مدرسہ کو ہدیہ کے نام سے کچھ پیش کرنے کی غرض سے مقامی عوام وخواص سے چندہ کرنا شرعاً جائز ہے۔ البتہ اس میں چندہ کے حدود کی رعایت ضرور کی جائے۔ یعنی دینے والے پر جبر نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ شوال المکرم ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

شادی کے موقع پر ہدیہ دینا

سوال: شادی کے موقع پر ولیمہ کے وقت جب مہمان کھانے سے فارغ ہوتے ہیں تو ہدیۃً کچھ رقم یا سامان ایک کاتب جو ٹیبل پر قلم کاغذ لے کر بیٹھا رہتا ہے دیتے ہیں جسے وہ لکھ لیتا ہے اور وہ ہدیہ میزبان کو بعد میں دے دیا جاتا ہے، جس سے

بیچارے میزبان کا ولیمہ کا کچھ خرچ باورچی وغیرہ کی اجرت وغیرہ ادا ہو جاتی ہے، تو اس کے متعلق کیا حکم ہے لینا دینا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس کی حیثیت بجز رسم ورواج کے کچھ نہیں، بسا اوقات برادری کے زور یا رسوائی کے خوف سے دیا جاتا ہے، نیز اس میں غیر مسلموں کے ساتھ تشبہ بھی ہے، اس لیے نا جائز ہے۔ لا یحل مال امرءٍ مسلم الا بطیب نفس منه، رواه البیهقی (مشکوۃ:۲۵۵) اگر کوئی آدمی ریاکاری، نام نمود وغیرہ سے بچکر چپکے سے بطور اعانت دیتا ہے، تو شرعاً درست بلکہ مستحسن ہے۔ (ماخوذ از فتاوی محمودیہ: ۸/۲۸۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵؍رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ

كتاب الغصب الضمان

کسی کی زمین غصب کر لینا

سوال: ایک شخص کی زمین چار کٹھہ ہے، اور ایک زمانہ سے چار کٹھہ پر اس کا قبضہ بھی ہے؛ مگر نیا نقشہ میں زمین کا کچھ حصہ کٹ کر دوسرے کی ملکیت ہوگئی ہے، اور وہ بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ زمین اصلاً کسی اور کی ہے، جو میرے حصہ میں آگئی ہے، تو جس کے حصہ میں زمین چلی گئی ہے وہ لڑائی جھگڑا کر کے نقشہ کے مطابق زمین لینا چاہتا ہے، تو شرعاً کیسا ہے؟ جب کہ شہادت اور دلیل سے ثابت ہے کہ جس کا قبضہ ہے، اس کی زمین ہے؛ مگر وہ مانتا نہیں ہے، نقشہ پر عمل کرانا چاہتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نئے نقشہ میں کچھ حصہ زمین چلے جانے سے شرعاً اس کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی؛ اگر وہ صرف اسی بنیاد پر زمین پر قبضہ کرنا چاہتا ہے تو شرعاً غاصب کہلائے گا، ایسے آدمی کے لیے بڑی سخت وعید حدیثِ پاک میں موجود ہے: قال رسول الله ﷺ من أخذ شبراً من الأرض ظلماً فإنه يطوقه يوم القيمة من سبع أرضين متفق عليه (مشکوۃ شریف:۲۵٤) ترجمہ: اگر کسی نے کسی کی ایک بالشت بھر زمین بھی ظلماً لے لی تو قیامت کے دن وہ زمین نیچے سات زمینوں کے ساتھ اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈالی جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵ رشوال المکرم ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مستعمل چپل کا ضمان

سوال: ایک شخص نے دوسرے شخص کے چپل بلا اجازت لیے اور اس نے گم کر دیے، تو کیا وہ چپل کا مالک اس شخص سے اس کا بدلہ لے سکتا ہے؟ اور اس شخص نے بھی اپنے چپل استعمال کئے ہیں، تو کتنی مقدار میں دوسرے شخص سے بدلہ لے سکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں چپل کا مالک اس دوسرے آدمی سے اپنے چپل کی قیمت وصول کر سکتا ہے؛ لیکن چوں کہ جس وقت اس آدمی نے وہ چپل لیے، اس وقت وہ نئے نہیں تھے؛ بلکہ مستعمل تھے، اس لیے ایسے مستعمل چپل کی جو قیمت بازار میں ہوسکتی ہے، وہ اس کے پاس سے وصول کرے۔ (درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ۲/۵۱۹۔ مادہ:۸۹۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کرایہ کے برتن ٹوٹنے پر ضمان

سوال: ہم کرائے پر کھانے کے برتن پلیٹ وغیرہ دیتے ہیں، پلیٹ ٹوٹ جانے میں کیا قیمت پرانی لگائی جائے گی یا نئی؟ ہمیں خریدنا پڑتا ہے، نئی قیمت پر جس سے تجارت میں خسارہ آتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کرائے پر دی گئی چیز کرائے پر لینے والے کے ہاتھ میں امانت ہے، اگر اس کی

طرف سے کسی بھی قسم کی تعدی اور زیادتی کے بغیر ہلاک ہو جائے، تو اس پر اس کا ضمان واجب نہیں ہے۔

البتہ اگر اس کی تعدی اور زیادتی کے نتیجہ میں ہلاک ہوئی تو ضمان واجب ہوگا، اور اس وقت (یعنی جب وہ ہلاک ہوئی) اس کی جو قیمت ہوگی وہ وصول کی جائے گی، یہ یاد رہے کہ وہ چیز اگر مستعمل تھی، تو مستعمل کی جو قیمت موجودہ نرخ سے ہوگی، وہی وصول کی جاسکتی ہے، جدید کی نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ ربیع الآخر ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مودَع کے ترکہ سے ودیعت کا ضمان

سوال: ایک معمر بڑی بی (خاتون) نے بندہ کی اہلیہ صاحبہ کے پاس اپنی کچھ چیزیں بطورِ امانت رکھی تھیں، جو کئی سال ان کے پاس محفوظ رکھیں رہیں، اس دوران میں وہ ان چیزوں کو کبھی لے گئی اور کبھی پھر رکھ گئی، اور یہ میرے علم میں بھی تھا کہ فلاں بڑی بی (خاتون) کی کچھ چیزیں میری اہلیہ صاحبہ کے پاس امانت رکھیں ہیں؛ چوں کہ ان بڑی بی خاتون کا میری اہلیہ صاحبہ کے پاس آنا جانا تھا، علاوہ ازیں ایک بار میری اہلیہ صاحبہ نے مجھ سے تذکرہ کیا تھا کہ فلاں کی کچھ چیزیں میرے پاس امانت رکھی ہیں، یہاں تک کہ ایک دفعہ اس خاتون نے میری اہلیہ صاحبہ سے اپنی چیزوں کو طلب کیا اور دیکھا اور پھر کہا ابھی رکھ لو پھر لے جاؤں گی، چناں چہ انھوں نے پھر ان چیزوں کو بدستِ خود اپنی صندوق میں بحفاظت رکھ دیا تھا، اور مجھ سے بھی بتایا کہ "فلاں کی چیزیں میں یہاں صندوق میں رکھ رہی ہوں" اس کے چند روز بعد پھر ان کی علالت

میں شدت پیدا ہوئی، چوں کہ وہ عرصہ کئی سال سے ایک مرض مہلک میں مبتلا تھیں؛ غرض ان کا انتقال ہو گیا، اور انھوں نے انتقال سے قبل اپنی حالت ہوش وحواس میں ضروری امور کے متعلق اور جو ان کے اوپر کسی کا مطالبہ دین وغیرہ تھا اس کے متعلق ہمیں وصیت اور تاکید کی؛ لیکن ان چیزوں کے متعلق کوئی ذکر نہیں کیا، اور نہ ہمیں وہ یاد آئیں، ان کے انتقال کے بعد ایک روز ان چیزوں کا خیال آیا کہ شاید وہ لے گئی ہوں گی، اس وقت وہ بڑی بی خاتون باہر گئی ہوئی تھی، ان کے انتقال کے ڈیڑھ دو مہینے بعد وہ آئیں، تو میں نے ان سے دریافت کیا کہ تم وہ چیزیں تو لے گئیں تھیں، اس نے کہا نہیں وہ تو انھیں کے پاس تھیں، میں نے اس وقت بھی صندوق کھول کر نہیں دیکھا، اور ان سے کہہ دیا کہ اچھا تو لے جانا، اس خیال سے کہ جب وہ نہیں لے گئی تو وہ صندوق میں محفوظ ہی ہیں، چند روز کے بعد وہ اپنی چیزیں لینے آئیں تو میں نے بغیر کسی تأمل کے اپنی اہلیہ کا صندوق کھولا تو اس میں وہ چیزیں نہیں ملیں، تمام گھر میں اور صندوق، بکسوں میں تلاش کیں؛ لیکن کوئی سراغ ان کا نہیں ملا، اور میں حیران ہو گیا کہ بڑی بی چیزیں نہیں لے گئیں تو اس میں سے کہاں گئیں؟ اگر چہ سرقہ بھی ممکن ہے لیکن مشکل ہے؛ کیوں کہ وہ صندوق ایک مکان کے اندر دوسرے مکان میں محفوظ ہے؛ بہر حال وہ چیزیں غائب اور ضائع ہو گئیں، اور میں نہیں کہہ سکتا کہ ان کو بڑی بی لے گئی یا نہیں، اس لیے آنجناب مندرجۂ بالا بیان پر غور فرما کر اور مندرجۂ ذیل امور پر بھی نظر فرما کر خدا اور رسول کا جو فیصلہ ہو تحریر فرمائیں، آپ کا عین کرم ہوگا۔

(۱) میری اہلیہ مرحومہ نے ان چیزوں کی اپنی بقدر امکان حفاظت فرمائی، اور سب کو معلوم ہے کہ دیانت دار تھیں۔

② نیز ان چیزوں کو میری اہلیہ مرحومہ نے میرے حوالہ اور سپرد نہیں کیا، اور نہ ہی بڑی بی (خاتون) نے میرے حوالہ اور سپرد کیا؛ البتہ میری اہلیہ ان کو میرے علم میں لے آئیں تھیں۔

③ نیز ان چیزوں کو نہ ہی میری آنکھوں نے دیکھا کہ وہ کیا کیا چیزیں ہیں؟ اور کتنی ہیں؟ اور کیسی ہیں؟ میرا تعلق اس سے زیادہ کچھ نہیں رہا کہ میرے علم میں تھا کہ فلاں کی چیزیں میری اہلیہ کے پاس رکھیں ہیں۔

④ نیز میں خدا کو حاضر اور ناظر سمجھ کر بحلف اقرار وعہد کرتا ہوں کہ واللہ باللہ مجھے اس بڑی بی (خاتون) کی چیزوں کا قطعاً کوئی علم نہیں ہے، اور نہ میرے پاس ہیں، اور اگر میں سارق یا خائن ہوں تو اللہ کے یہاں دین دار ہوں گا۔

⑤ ان جملہ امور کی وضاحت کے بعد اگر میں ہی ان چیزوں کا ذمہ دار ہوں اور اس کا تاوان میرے ذمہ واجب ہے، تو میں حتی الامکان اس کو ادا کروں گا، اور خدا کے یہاں اس کا دادخواہ ہوں گا، اس لیے عرضِ خدمت ہے کہ اس مسئلہ صورت مذکورہ کے متعلق خدا، رسول کا جو حکم اور فیصلہ ہو اس کو بغیر خوف لامۃ لائم بیان فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں بڑی بی کی ان چیزوں کا تاوان آپ پر واجب نہیں ہے؛ البتہ آپ کی اہلیہ مرحومہ کے ترکہ سے ان چیزوں کا تاوان ادا کیا جائے گا۔

درمختار میں ہے: ومنه أي من المنع ظلماً موته أي موت المودع مجهلا، فإنه يضمن فتصير دينا في تركته إلا إذا علم أن وارثه يعلمها فلا ضمان (درمختار) ومعنى موته مجهل: أن لا يبين حال الأمانة كما في الاشباه (شامي ٤/٥٥٢)

آپ کی اہلیہ نے جب ان اشیاء کی تفصیل سے آپ کو آگاہ نہیں کیا اور نہ آپ کو تفصیل معلوم تھی، تو گویا مودَع (آپ کی اہلیہ) کی وفات ایسی حالت میں ہوئی کہ اس نے ودیعت سے ناواقف رکھا، اس لیے مودَع کے ترکہ میں سے ودیعت کا ضمان ادا کیا جاوے گا، آپ کی اہلیہ نے آپ کو جو اجمالی اطلاع دی تھی وہ کافی نہیں، جب کہ آپ خود اقرار فرماتے ہیں کہ آپ کی آنکھوں نے ان اشیاء کو دیکھا نہیں، اور وہ کیا کیا اور کتنی ہیں؟ یہ بھی آپ کو معلوم نہیں۔

وفي نور العين: لو مات المودَع مجهلا ضمن، يعني لو مات ولم يبين حال الودية اما إذا عرفها الوارث والمودع يعلم أنه يعرف فمات لم يضمن، فلو قال الوارث أنا علمتها وأنكر الطالب لو فسرها بأن كانت كذا وكذا وقد هلكت صدق لكونها عنده(تكملة شامي:٢/٢٦٨) قال سيدي الوالد رحمه الله تعالىٰ في تنقيحه في جواب سوال: والذي تحرر من كلامهم، ان المودع إن اوصى بالوديعة في مرض موته، ثم مات ولم توجد فلا ضمان في تركته، وإن لم يوص فلا يخلو إما ان يعرفها الورثة او لا، فان عرفوها وصدقهم صاحبها على المعرفة، ولم توجد لا ضمان في التركة، وإن لم يعرفوها وقت موته فلا يخلو اما ان تكون موجود او لا، فان كانت موجود وثبت أنها وديعة، إما ببينة أو اقرار الورثة أخذها صاحبها، ولا يتوهم أنه في هذه الحالة مات مجهلا، فصارت دينا فيشارك اصحاب الديون صاحبها؛ لان هذا عند عدم وجودها، أما عند قيامها فلا شك أن صاحبها احق بها، فان لم توجد فحينئذ هي دين في التركة وصاحبها كسائر غرماء الصحة، وان وجد

بعضها وفقد بعضها فان كان مات مجهلا اخذ صاحبها الموجود ورجع بالمفقود في التركة، وإلا أخذ الموجود فقط، وان مات وصارت دينا فان كانت من ذوات الامثال وجب مثلها وإلا فقيمتها فعليك بحفظ هذا التحرير والله سبحانه وتعالىٰ اعلم (تكملة شامي ۲/۲٦٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ جمادی الاخری ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

نشہ کرنے والے کا مال رضامندی کے بغیر اس کی اولاد کو دینا

سوال: میرا بھائی عبداللہ جن کی عمر ۴۵/ سال ہے، ان کے چار لڑکے ہیں، جس میں ۳ شادی شدہ صاحب عیال ہیں، اور چوتھا لڑکا جوان ہے؛ لیکن شادی نہیں ہوئی، عنقریب ہوجائے گی، بھائی عبداللہ کو ۲۵/ سال سے نشہ کرنے کی عادت ہے، ویسے باہوش وحواس ہیں؛ لیکن نشہ زیادہ کرتے ہیں، کبھی ایک ماہ اچھے ہوجاتے ہیں، اور پھر نشہ کرنے کا دورہ پڑتا ہے، میرے بھائی کا کاروبار کا حساب میرے پاس ہے، اور بہت کنٹرول سے خرچ بھی دیتا ہوں، اس لیے کہ زیادہ دوں گا تو لہولعب میں اڑا دیں گے، تو بچوں کے لیے کمی ہوجائے گی، بمبئی میں میرے بھائی کا ایک روم تھا، اور تھوڑی اور جگہ تھی جسے فروخت کر کے وطن میں اپنے لیے گھر بنانا چاہتے ہیں، یہ رقم جو جائداد فروخت کرنے پر آئی میرے پاس ہے، چاروں لڑکوں میں سے چھوٹے دو لڑکے کرایہ کے مکان میں رہتے ہیں اور نوکری کر کے زندگی بسر کرتے ہیں، جب کہ دو بڑے لڑکے وطن میں رہتے ہیں، چاروں لڑکوں میں سے کسی کے پاس اپنا خود کا گھر نہیں ہے، اور اب بھائی کے پاس بھی گھر نہیں ہے، اور وہ بھائی فی الحال ہمارے

گھر میں مقیم ہیں، دو بڑے لڑکے تقاضہ شدت سے کرتے ہیں کہ ہمیں گھر بنانا ہے، اس لیے باپ کے روپیوں میں سے ہمیں رقم دو، اور ساتھ میں گاؤں کے رشتے داروں کو ملا کر بہت زیادہ دباؤ ڈالتے ہیں، بھائی کے کہنے کے مطابق لڑکوں کا رویہ چوں کہ میرے ساتھ اچھا نہیں ہے، اس لیے میری ملکیت میں سے ایک پیسہ بھی ان لڑکوں کو مت دینا بغیر میری اجازت کے، یہاں پر ایک مولوی صاحب سے میں نے بات کی تھی تو ان کا کہنا ہے کہ مالک کی اجازت کے بغیر ایک پیسہ آپ کسی کو نہیں دے سکتے؛ یہاں تک کہ مالک کے لڑکے ہی کیوں نہ ہو، تمھارے بھائی کی عادتیں بھلے خراب ہوں یہ ان کا ذاتی فعل اور ان کے اعمال ہیں، رہا شریعت کا مسئلہ تو آپ ان کا خرچ بھی نہیں روک سکتے جو جائز ہو ان کی زندگی کے معیار کے مطابق، اور گھر بھی ان کا دینا ہوگا، اگر تمھیں لڑکوں پر رحم آتا ہو تو اپنی جیب میں سے قرض دو یا کچھ بھی کرو؛ لیکن صاحب ملکیت کی اجازت کے بغیر آپ ایک پیسہ بھی نہیں دے سکتے، کیوں کہ آپ اس جائداد کے امین ہیں، ورنہ آپ گنہگار رہوں گے، اب سوال یہ ہے کہ لڑکوں کا روپیوں کے بارے میں مطالبہ اور اصرار شرعاً صحیح ہے؟ اور لڑکوں کے لیے دوسرے رشتہ داروں کا مجھ پر دباؤ ڈالنا شرعاً کیسا ہے؟ مزید برآں برائے کرم یہ بھی مشورہ دیں کہ میں ان حالات میں کیا رویہ اختیار کروں؟ ایک طرف لڑکوں کا مسئلہ ہے، اور دوسری طرف امانت کا سوال ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مولوی صاحب نے آپ کو جو مسئلہ بتلایا ہے وہ بالکل درست ہے، لڑکوں کا آپ سے مطالبہ شرعاً درست نہیں ہے، اور لڑکوں کے اس مطالبہ پر دیگر رشتہ داروں کا آپ

پر دباؤ ڈالنا ناجائز وحرام ہے، اگر آپ نے ان کے دباؤ میں آکر اس رقم میں سے کچھ بھی بلا اجازت مالک اس کے لڑکوں کو دیدیا تو آپ گنہگار ہوں گے، اور آپ پر ضمان بھی واجب ہوگا، اگر آپ ان حالات میں امانت کا تقاضا پورا کرنے سے قاصر ہوں تو وہ امانت مالک کے حوالہ فرمادیں، اور اپنے ذاتی مال میں سے ان لڑکوں کی مدد کرسکتے ہوں تو کریں، ورنہ ان کے لیے دعاء پر اکتفاء فرمائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

پارسل اگر ضائع ہوگیا تو نقصان کا ذمہ دار کون؟

سوال: تاجر نے خریدار کی طلب پر بذریعۂ ٹرانسپورٹ مال روانہ کیا، راستہ میں مال ضائع ہوگیا تو اس نقصان کو تاجر برداشت کرے گا یا خریدار؟ اگر آج کل کے عرف کے مطابق تاجر کے ذمہ نقصان آتا ہو تو مشتری کے لیے تاجر سے اس نقصان کا وصول کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو مال ڈاک یا ریل وغیرہ (مثلاً ٹرانسپورٹ) کے ذریعہ سے روانہ کیا جائے وہ اس کے قبضہ میں سمجھا جائے گا جس نے یہ حکم دیا ہو، پس اگر خریدار نے لکھا کہ فلاں مال ریل یا ڈاک یا ٹرانسپورٹ میں بھیج دو اور ضائع ہوگیا، بائع ذمہ دار نہیں، اس نے گویا مشتری کے وکیل (یعنی ڈاک یا ریل یا ٹرانسپورٹ) کے حوالہ کردیا، اور اگر اس کا یہ حکم نہ تھا، بائع نے خود بھیجا تو نہ یہ روانگی تسلیم مبیع ہے، نہ مشتری (خریدار)

ذمہ دار۔ (عطر ہدایہ ۱۰۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قاصد سے رقم ضائع ہوئی تو ذمہ دار کون؟

سوال: (الف) اگر کسی کو ضرورت ہو تو ہم لوگ روپیوں (رقم) لین دین کا کام (یعنی حوالہ کا کام) کرتے ہیں، جس میں ضرورت مند کو بینک کے ذریعے یا ہاتھوں ہاتھ رقم پہنچائی جاتی ہے؛ چناں چہ اسی طرح اس شخص کے ساتھ ۹۵۰۰۰/ پچانوے ہزار ڈالر سے کچھ اوپر رقم کا لین دین کا معاملہ دبئی میں ہوا، ہمارا آدمی وہاں موجود نہ ہونے کی وجہ سے رقم لینے والے نے یعنی ضرورت مند نے اپنا آدمی بھیجا کہ میرے آدمی کو آپ رقم دیدو وہ میرے اکاؤنٹ میں جمع کر دے گا، اس شخص کے کہنے کے مطابق وہ پوری پوری رقم ہم نے اس شخص کے آدمی کو دیدی، جب وہ آدمی اس کے سیٹھ کے اکاؤنٹ (بینک اکاؤنٹ) میں جمع کروانے گیا تو اس آدمی کے کہنے کے مطابق بینک بند ہو چکا تھا اس آدمی نے اپنے سیٹھ کو فون کے ذریعہ خبر دی کہ بینک بند ہو چکا ہے اب اس رقم کا کیا کرنا ہے؟ سیٹھ نے اپنے اس آدمی کو شام میں دوبارہ بینک کھلنے پر واپس بینک جا کر وہ رقم کو اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرنے کو کہا اس کے بعد وہ رقم بینک میں جمع نہ ہوئی؛ بلکہ اس آدمی نے کہا کہ جب میں دوبارہ بینک میں رقم لے کر جا رہا تھا اس وقت راستہ میں ایک مرسڈیز کار والے نے مجھے لوٹ لیا اور وہ آدمی دبئی چھوڑ کر ہندوستان آ گیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ ۹۵۰۰۰/ ڈالر سے زائد رقم ہم اس سیٹھ کہ جس کے آدمی کو ہم نے دی تھی اس سے وہ پوری پوری رقم واپس لینے کے

حق دار ہیں کہ نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے رقم مطالبہ کرنے والے شخص یعنی (سیٹھ) کے قاصد (یعنی اس کی طرف سے رقم وصول کرنے کے لیے بھیجے گئے شخص) کے ہاتھ میں ۹۵۰۰۰ / ڈالر دے دیے، اس کے بعد اس آدمی کے پاس سے وہ رقم لوٹ لی گئی تو یہ رقم اس سیٹھ کی ہلاک ہوئی سمجھی جائے گی، اور آپ اس سیٹھ کے پاس ۹۵۰۰۰ / ڈالر وصول کرنے کے شرعاً حق دار ہیں، مطلب کہ وہ قاصد سیٹھ کا بھیجا ہوا ہونے کی وجہ سے آپ کا اس کے ہاتھ میں رقم کا دینا ایسا ہی ہے جیسے کہ سیٹھ کے ہاتھ میں دی ہوتی اور اس کے ہاتھ سے لوٹ لی جاتی۔

لوارسل المدین دینه الی الدائن وقبل الوصول الیه تلف فی ید الرسول فان کان رسول المدین، یتلف من مال المدین، وان کا ن رسول الدائن، یتلف من مال الدائن، ویبرأ المدین من الدین (مجلة الاحکام ماده: ١٤٣٤)

واذا تلف الدین الذی ارسله المدین الی الدائن مع رسول وتلف فی ید الرسول قبل ان یصل الیه فاذا کان الرسول رسول المدین، تلف من مال المدین، لان قبض هذا لا یقوم مقام قبض الدائن وتعود خسارته الی المدین ویلزم المدین ان یؤدی الی الدائن الدین، واذا وقع التلف فی ید الرسول بلاتعد ولاتقصیر فلایلزمه شیء انظر الی الفقرة الاخیرة من المادة الآنفة: اما اذا تلف بتعد او تقصیر ضمن المدین الرسول انظر المادة (از: ۷۸۷)

واذا کان رسول الدائن یتلف من مال الدائن، لان قبض هذا قائم

مقام قبض الدائن بناء علیه یبرأ المدین من الدین ولا یلزم الرسول ضمان اذا کان التلف الذی حصل فی یده بلاتعد ولا تقصیر، اما اذا کان التلف بتعدیه او تقصیره ضمنه الرسول للدائن.

(درر الحکام شرح مجلة الاحکام ۳/ ۵۸۶)

اب اگر قاصد کے ہاتھ سے اس رقم کے چلے جانے میں اس قاصد کی کسی کوتاہی کو دخل نہ ہو تو سیٹھ اس سے وصول نہیں کرسکتا، اور اگر اس میں اس کی کوتاہی کو دخل ہے تو سیٹھ یہ رقم قاصد سے وصول کرسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸/ ۵/ ۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

دوسرے کے لیے دی گئی رقم اپنی ضرورت میں خرچ کرنا

سوال: احقر کے ساتھ احقر کا ایک بھائی رہتا ہے جس کی عمر ۱۱/ سال ہے، اور ہم دونوں کا میری والدہ خرچ اٹھاتی ہیں، بندہ یہ پوچھنا چاہتا ہے کہ ہم دونوں ایک مدرسہ میں پڑھتے تھے، وہاں کے مہتمم صاحب نے ایک مرتبہ دونوں کو ۵۰۰/ روپئے دیئے تھے اس تفصیل کے ساتھ کہ دونوں کا آدھا آدھا ہے، اس کی رقم میرے پاس تھی، میں نے اس میں سے کچھ تو اس کی والدہ کو دے دی اور کچھ اس کی ضروریات میں صرف کردی اور کچھ اپنی ضروریات میں خرچ کردی، بندہ پوچھنا چاہتا ہے کہ جو رقم میں نے اپنی ضروریات میں خرچ کی ہے اور جو اس کی والدہ کو دی ہے وہ دونوں مجھ کو ہی لوٹانی ہوگی یا فقط جو میں نے اپنی ضروریات میں صرف کی ہے؟ اور اس کی والدہ رقم لوٹائے یا نہیں؟ اگر رقم لوٹائے تو کس کو دے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ آپ نے جو رقم اپنے استعمال میں لی ہے اس کا تو لوٹانا آپ پر ضروری ہے، اور جو رقم اس کی والدہ کو دی تھی وہ اگر یہ کہہ کر دی تھی کہ یہ آپ کے بچہ کی رقم ہے جو آپ کی تحویل میں دے رہا ہوں تب تو آپ کا ذمہ بری ہو گیا، اور اگر ایسی کوئی صراحت نہیں فرمائی تھی؛ بلکہ اس کی والدہ کو دے دی، جس سے وہ یہ سمجھی کہ آپ اس کو دے رہے ہیں اور اس نے وہ خرچ کر دی تو اب اس کی واپسی کی بھی ذمہ داری آپ پر ہے، اور اس نے خرچ نہیں کی؛ بلکہ ابھی تک وہ رقم اس کے پاس موجود ہے تو آپ واپس لے لیجئے اور مالک کے حوالہ کیجئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

گراج کے باہر گاڑی چوری ہوگئی تو ضامن کون؟

سوال: زید نے اپنی سواری عمر کو درست کرنے کے لیے دی، رات تک عمر نے سواری درست نہیں کی، زید نے اپنی سواری کو بند کر کے عمر کے جائے کار (گراج) کے باہر چھوڑا، عمر کے پاس اندر رکھنے کی جگہ نہیں تھی، زید اپنی سواری کو گھر لے جا کر واپس بھی لا سکتا تھا، رات کو عمر کے جائے کار کے باہر سے زید کی سواری چوری ہوگئی، اس سواری کا کون ضامن ہے زید یا عمر؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں زید نے اپنی سواری درست نہ ہونے کی وجہ سے واپس لے لی تھی، یعنی عقدِ اجارہ فسخ کر لیا اور اپنے قبضے میں لینے کے بعد عمر کے گیرج (موٹر

خانہ) کے باہر رکھی اور چوری ہوگئی، عمر پر اس کا کوئی ضمان نہیں ہے، اور اگر زید نے اپنی سواری واپس نہیں لی تھی، بلکہ گیرج میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے عمر کے کہنے سے گیرج کے باہر بند کر کے رکھی، وہ جگہ محفوظ جگہ تھی، وہاں سے کسی کے اٹھا لینے کا اندیشہ بھی نہیں تھا، اس صورت میں بھی عمر پر ضمان نہیں۔

لأن المتاع أمانة في يده، والأمانةإذا هلكت بغير تعدّ لم يضمنها، كما هو مصرح في كتب الفقه

اور اگر وہ محفوظ جگہ نہیں تھی، پھر بھی عمر نے باہر رکھوائی تو حفاظت میں کوتاہی کی وجہ سے عمر پر ضمان لازم ہے۔

وفی البدائع: لایضمن عنده ما هلك بغير صنعه قبل العمل أو بعده، لأنه أمانة في يده، وهو القياس وقالا: يضمن (إلى قوله) وبقولهما يفتى لتغير أحوال الناس، وبه يحصل صيانة أموالهم اه لأنه إذا علم أنه لا يضمن ربما يدعي أنه سُرق أو ضاع من يده (شامي:٦/٦٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد عبد القیوم راجکوٹی

الجواب صحیح: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

زکوۃ وصدقات کی رقم چوری ہو تو ذمہ داروں پر ضمان کا حکم

سوال: ہمارے یہاں کی مقامی مسجد میں رمضان کے بعد ایک چوری کا حادثہ پیش آیا جس میں مسجد کے مقفل شدہ دفتر میں چھپا کر رکھی ہوئی رقم غائب کردی گئی، یہ رقم زلزلہ میں مبتلا افراد کے لیے جمع کی گئی تھی اور اس میں زکوۃ اور صدقۂ فطر کی بھی رقم

تھی، دفتر کے دروازے پر توڑ کر داخلہ کے کوئی نشان نہ تھے، مسجد میں جمع رقم ہمیشہ دفتر میں رہی ہے اور یہ پہلا ایسا واقعہ پیش آیا ہے، دروازہ پر تالا تھا اور رقم چھپا کر رکھی گئی تھی، اس حادثہ کے بعد مقامی مفتیانِ کرام سے استفتاء کے بعد یہ معلوم ہوا کہ زکوۃ اور صدقۂ فطر کی رقم ہونے کی وجہ سے یہ اعلان ضروری ہے کہ جس نے بھی اس میں اپنی اس طرح کی رقم جمع کی ہو وہ پھر سے اپنی زکوۃ نکالے، یہ اعلان حسبِ ہدایت کر دیا گیا، اس کے بعد ایک نوجوان نے اپنے طور پر یہ فتویٰ شیخ عبداللہ الجدئی سے پوچھا۔ جو المجلس الفقہی الاروبی کے رکن ہیں؛ مگر حنفی عالم نہیں۔ انھوں نے یہ جواب دیا کہ زکوۃ مالِ متعین میں مالک پر ایک ہی مرتبہ واجب ہے؛ اس لیے مذکورہ صورت میں اپنی زکوۃ دوبارہ نہیں نکالنی ہوگی، چوں کہ عامۃ الناس نے ذمہ داران مسجد کو یہ رقم آگے دینے کو سپرد کر دی اور وکیل یا مصرفِ زکوۃ میں رقم دینے سے وہ ادا ہو جاتی ہے۔ ہاں! ذمہ دارانِ مسجد نے رقم کو بینک میں جمع نہ کرائی، اس میں غفلت کی بنا پر وہ ضامن ہوں گے۔ تفصیل طلب امور حسب ذیل ہیں:

① ہماری مسجد حنفی المسلک ہے اس کے مطابق شیخ کا یہ فتویٰ صحیح ہے؟

② کیا ذمہ دارانِ مسجد کی حیثیت وکیل کی ہے؟ اور کیا غفلت کی بنا پر وہ ضامن ہوں گے؟ جب کہ مسجد میں جمع رقم ہمیشہ دفتر میں رہی ہے اور دروازہ پر تالا تھا اور رقم چھپا کر رکھی گئی تھی؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

مقامی مسجد کے ذمہ داران نے زلزلہ میں مبتلا افراد کے لیے جو رقم جمع کی تھی اس میں زکوۃ اور صدقۂ فطر کی رقم بھی تھی، ان رقوم میں مسجد کے ذمہ داروں کی حیثیت وکیل

کی ہے، گویا وہ ذمہ دار حضرات مالکانِ اموال کی طرف سے ان کی زکوۃ یا صدقۂ فطر یا عطیات کی رقوم کو ان کے مصارف تک پہنچانے کا کام کرتے ہیں۔ آدمی کسی کام کے لیے وکیل بنایا جائے اور اس کی انجام دہی کے لیے جو مال اس کے حوالے کیا جاتا ہے وہ مال وکیل کے قبضہ میں امانت کی حیثیت رکھتا ہے اور شرعاً امانت کا حکم یہ ہے کہ وکیل نے یا جس کے پاس امانت ہے اس نے اس کی حفاظت میں اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں کی؛ بلکہ عام طور پر جس طرح اس کی حفاظت کی جاتی ہے اور آدمی اپنے مال کی حفاظت کرتا ہے اسی طرح اس نے اس کی حفاظت کی، اس درمیان وہ مال ضائع ہو گیا مثلاً چوری ہو گیا یا آگ لگنے کی وجہ سے جل گیا تو وہ شخص اس مال کا ضامن نہیں۔

صورتِ مسئولہ میں مقامی مسجد کے ذمہ داروں نے جو رقمیں لوگوں سے وصول کیں، ان میں ذمہ دارانِ مسجد کی حیثیت وکیل ہونے کی وجہ سے امانت دار کی ہے اور ذمہ داروں نے وہ رقم حفاظت کے ساتھ مقفل شدہ دفتر میں چھپا کر رکھی تھی، گویا ان کی طرف سے جس طرح اپنے مال کی حفاظت کا بندوبست کیا جاتا ہے ویسا ہی بندوبست اس جمع شدہ رقم کے لیے کیا گیا تھا اور چوروں نے آکر ان رقوم پر ہاتھ صاف کر لیا تو اس میں ذمہ دارانِ مسجد پر کوئی ضمان نہیں اور وہ گنہ گار بھی نہیں؛ البتہ زکوۃ اور صدقۂ فطر کی وہ رقمیں مستحقین تک نہیں پہنچیں؛ اس لیے دینے والوں کی زکوۃ اور صدقۂ فطر ادا نہیں ہوا اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی آدمی زکوۃ کا حساب کر کے زکوۃ کی واجب شدہ مقدار الگ کر کے اپنے گھر میں رکھے اور چوری ہو جائے یا جیب میں لے کر مستحقین کو دینے جا رہا تھا اور جیب کٹ جائے، بہر حال زکوۃ اور صدقۂ فطر ادا نہ ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنی زکوۃ اور صدقۂ فطر دوبارہ نکال کر مستحقین تک پہنچائیں، ذمہ دار

حضرات اس کا اعلان کریں اور اوپر جو مسئلہ بتایا گیا اس سے لوگوں کو واقف کردیں، ان کی ذمہ داری پوری ہوجائے گی۔ اس کے بعد بھی خدانہ کرے کوئی شخص ذمہ دار حضرات پر خیانت کا الزام عائد کرے تو صبر اور تحمل سے کام لیں، الجھنے کی ضرورت نہیں، امید ہے اتنی تفصیل سے آپ کے دونوں سوالات کے جوابات حل ہو گئے ہوں گے۔

الأمانة غير مضمونة يعني علىٰ تقدير هلاكها أو ضياعها بدون صنع الأمين وتقصيره ولايلزم الضمان يعني اذا هلكت الأما نة أو فقدت أو طرأ نقصان علىٰ قيمتها في يد الأمين بدون صنعه وتعديه وتقصيره في الحفظ لايلزم الضمان على الأمين المذكور سواء أهلكت بسبب ممكن التحرز منه كالسرقة أم بسبب غير ممكن التحرز منه كالحريق الغالب وسواء أهلك مال الأمين مع الأمانة المذكورة أم لم يهلك سواء أشرط الضمان أم لم يشرط.

(راجع شرح المادة ٨٣.درر الحكام شرح مجلة الأحكام ٢٠٢/٤)

الوكالة المال الذي قبضه الوكيل والرسول من جهة الوكالة و من جهة الرسالة أمانة في يدهما. (راجع المادة ١٤٦٣، أيضاً/٤/٢٠٣)

المادة ١٤٦٣:المال الذي قبضه الوكيل بالبيع والشراء وايفاء الدين واستيفائه وقبض العين من جهة الوكالة في حكم الوديعة في يده فاذا تلف بلا تعد ولاتقصير لايلزم الضمان والمال الذي في يد الرسول من جهة الرسالة أيضا في حكم الوديعة.(أيضاً/٣/٥٨٢)

آپ نے شیخ عبداللہ الجد ئی کے جس جواب کا سوال میں تذکرہ کیا ہے وہ اگر تحریری شکل میں ہے تو اس کی نقل اس سوال کے ہمراہ بھیجی جاتی تو اس کو دیکھ کر پتہ چلتا کہ ان کے جواب کی بنیاد کن دلائل پر ہے۔ باقی جواب کا جو خلاصہ آپ نے نقل

کیا ہے جس میں آپ نے یہ لکھا ہے کہ زکوۃ مالِ متعین میں مالک پر ایک ہی مرتبہ واجب ہے اس کا تو کون انکار کر سکتا ہے؛ لیکن جب تک کہ زکوۃ کی وہ رقم مصرفِ زکوۃ یا اس کے وکیل کے قبضہ میں نہیں جاتی وہاں تک زکوۃ ادا نہیں ہو سکتی۔ صورتِ مسئولہ میں ذمہ دارانِ مسجد مصرفِ زکوۃ کے وکیل نہیں؛ بلکہ اربابِ اموال کے وکیل ہیں اور ان کے ہاتھ سے مال کا ضائع ہونا ایسا ہی ہے جیسا خود اربابِ اموال کے ہاتھ سے اتنی مقدار ضائع ہوتی اور جیسا کہ اوپر جواب میں مثال دے کر بتلایا جا چکا کہ اس صورت میں مصرفِ زکوۃ کے قبضہ میں مالِ زکوۃ نہ پہنچنے کی وجہ سے زکوۃ ادا ہوئی نہیں۔

دوسرا اشکال اس جواب میں یہ بھی ہے کہ ایک طرف تو شیخ یہ کہہ رہے ہیں کہ زکوۃ ادا ہو گئی اور دوسری طرف وہ ذمہ دارانِ مسجد کو ضامن قرار دے رہے ہیں، جب ان کے بقول زکوۃ ادا ہو چکی ہے تو ذمہ داران مسجد کو ضامن قرار دینا کیا معنیٰ رکھتا ہے؟

نوٹ: آپ نے سوال میں جو صورتِ واقعہ ذکر کی ہے اس میں ایک جملہ ہے "دفتر کے دروازہ پر توڑ کر داخلہ کے کوئی نشان نہ تھے" اس سے اگر آپ کی مراد یہ ہے کہ اس رقم کے چوری ہونے کا کوئی قرینہ نہیں پایا گیا تو اس صورت میں بات صاف نہیں ہوتی، اگر توڑ کر داخل ہونے کے نشان کے نہ پائے جانے کے علاوہ اور کوئی قرینہ بھی اس حادثہ کے چوری کا حادثہ ہونے کا موجود نہیں تو اس صورت میں ذمہ دارانِ مسجد یا جس کے پاس دفتر کی چابی رہتی ہے اس پر خیانت یا غفلت کا الزام بھی عائد ہو سکتا ہے اور اس صورت میں ضمان بھی واجب ہو سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد عبد القیوم راجکوٹی، ۷/ جمادی الاولی ۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح: العبد احمد عفی عنہ خانپوری		الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کیشیَر کی رکھی ہوئی رقم نہ پائی تو کیا اس پر ضمان ہے؟

سوال: ہمارے یہاں ایک دوکان میں کیشیَر (cashir) تھا وہ حسبِ معمول روزانہ شام کو جب دوکان بند ہونے کا وقت ہوتا ہے پورے دن کا پیسہ تجوری میں رکھتا تھا، اسی دکان کے دوسرے تین کیشیَر بھی اپنے اپنے پیسے رکھتے تھے، اسی طرح ایک روز شام کو اس کیشیَر نے اس دکان کا پورا پیسہ تقریباً ۵۰۰۰۰ (پچاس) ہزار تجوری میں رکھ کر بند کیا؛ مگر دوسرے دن صبح میں جب تجوری کو کھولا گیا تو مذکورہ بالا کیشیَر کے پیسے موجود نہیں تھے، وہ کیشیَر یہ کہتا ہے کہ اس نے حسبِ معمول پیسے اس میں رکھے تھے مگر کوئی گواہ نہیں ہے، اور شک تو یہی ہے کہ اس نے ہی لیا ہے، اگر دکان دار چاہے تو پولیس کے ذریعہ دباؤ ڈال کر اس کے گھر والوں سے پیسے وصول کر سکتا ہے؛ مگر کوئی گواہ بھی نہیں ہے اور وہ کیشیَر کسی حال میں قبول بھی نہیں کرتا ہے تو کیا اس حال میں اس کے گھر والوں پر پولیس کے ذریعہ دباؤ ڈال کر پیسے وصول کر سکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کیشیَر کے قبضہ میں دکان کی رقم امانت کی حیثیت رکھتی ہے، اور امانت کے سلسلہ میں امین کی بات اس کی قسم کے ساتھ مان لی جاتی ہے، صورتِ مسئولہ میں وہ کیشیَر جب یہ کہتا ہے کہ میں نے حسبِ معمول تجوری میں پیسے رکھے تھے تو اس سلسلہ میں قسم کے ساتھ اس کی بات ماننی ہوگی۔

الأجير الخاص أمين، فلا يضمن المال الهالك بيده بغير صنعه الخ (مجلة الاحكام، مادة:٦١٠)

المستأجر فيه أمانة في يد الأجير (درر الحکام ۲/ ۲۳۶)
الا مين يصدق بمينه فى براءة ذمته الخ (مجلة الاحکام ۲۱/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ، ۱۱/ صفر المظفر ۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

چُرائی ہوئی رقم کا حق واپس کرنے کی صورت

سوال: آج سے قریب چالیس برس پہلے کی بات ہے، اس وقت میری عمر صرف پندرہ برس رہی ہوگی، میں اپنے گاؤں کی مسجد میں نماز پڑھنے جایا کرتا تھا، تب ایک بار میں نے مسجد کی طاق سے کچھ چھوٹے پیسہ میرے خیال سے دو تین آنہ ہوگا چرا کر دوکان سے کچھ لے کر کھا گیا، اب اپنی غلطی کا احساس ہوا ہے تو رات دن یہ وہم دل میں رہتا ہے کہ اللہ مجھے کیسے معاف کریں گے؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

اس رقم کا مالک اگر معلوم ہے تو اس کو یا وہ مرگیا ہے تو اس کے ورثاء کو وہ رقم پہنچا دی جائے، اور مالک معلوم نہیں ہے، آپ اتنی رقم کا صدقہ اس کے مالک کی طرف سے کردیجئے، امید ہے کہ اس طرح اس کا حق ادا ہوجائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بلڈنگ گرنے سے پڑوس کے مکان کو نقصان پہنچنے کا مطالبہ

سوال: بندہ شہر احمد آباد کے جوہا پورہ علاقہ میں رہتا ہے، بندہ کا ایک نیا مکان

ہے، سال گذشتہ اس سے متصل ایک نئی عمارت کئی منزلہ تعمیر ہوئی، وہ عمارت تعمیری لائن کے لوگوں کا کہنا ہے کہ بقدر ضرورت سیمینٹ اور لوہا استعمال نہ کرنے کی وجہ سے ۲۶/ جنوری کے زلزلہ میں ایک دم سے گرگئی، اور وہ ہمارے مکان پر گری، اس کی تیزی سے گرنے اور بہت بوجھ کی وجہ سے ہمارا مکان کافی متاثر ہوا، نا قابل استعمال ہوگیا اور تقریباً دس لاکھ روپئے کا نقصان ہے، اس زلزلہ میں ہماری جیسی کسی عمارت کو نقصان نہیں ہوا، تعمیری لائن والوں کا کہنا ہے کہ اس عمارت کے گرنے سے نقصان ہوا ہے اور یہ بڑی بلڈنگ اپنی کمزور تعمیر کی وجہ سے گری ہے تو کیا میں اپنے مکان کے نقصان کی ادائیگی کا مطالبہ اس بلڈنگ والے سے شرعاً کرسکتا ہوں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زلزلہ کی وجہ سے گرنے والی اس عمارت کی وجہ سے آپ کے مکان کو جو نقصان ہوا آپ کو شرعاً اس کے مطالبہ کا حق نہیں ہے۔

هدم بيت نفسه فانهدم به بيت جاره لم يضمن؛ إذ لم يتعد. (جامع الفصولين۲/۸۳)

الأصل: كل موضع كان للواضع حق الوضع فيه برئ على كل حال الخ (أيضاً۲/۸۸)

أوقد ناراً فاحترقت دار جاره لم يضمن، لو أوقد ناراً يوقد مثلها (شح) لم يضمن مطلقاً(أيضا۲/ ۸۹)

مر بنار في ملكه أو ملك غيره فاحرقت ثوبا بشرارة وقعت منها، قال محمد بن الفضل: ضمن إذ لم يتخلل بين حمل النار والوقوع على الثوب واسطة ليكون مضافا إليه؛ حتى لو هبت الريح وألقتها في

الثوب لم يضمن؛ إذ لم يضف إليه(أيضاً ۲/ ۸۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/ ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

دو ٹورس والے کی مشترکہ رقم ضائع ہوگئی تو ضمان کس پر ہے؟

سوال: زید اور عبداللہ دونوں بھی حج ٹور چلاتے ہیں، دونوں نے مل کر یہ طے کیا ہے کہ: اپنے اپنے حجاج خود حاصل کرنے کی کوشش کریں گے اور ہر ایک اپنے حجاج کا رقم کا اور نفع نقصان کا خود ذمہ دار ہوگا، کسی قسم کی کوئی شراکت نہ ہوگی؛ البتہ ایک دوسرے کی معاونت حسب موقع کریں گے۔ چوں کہ عبداللہ کی اپنی آفس تھی اور زید کی کوئی آفس نہ تھی؛ اس لیے دونوں حجاج کرام کی رقمیں عبداللہ کے پاس جمع ہوتی رہی، زید کے حجاج کی رقم زید وصول کر کے عبداللہ کے پاس جمع کرتا رہا، اور ایک دوسرے کی معلومات کے حجاج کی ٹکٹ، ویزا بازار وغیرہ کے لیے اس میں سے خرچ ہوتے رہے، عبداللہ مکہ کی ہوٹل کی بکنگ کے لیے ایک ہفتہ قبل مکہ روانہ ہوگیا، اس کی غیر موجودگی میں زید نے سارے کام انجام دیے، اور واضح حساب کے ساتھ دونوں کے حجاج کی بقیہ رقم لے کر مکہ پہنچا، اور دونوں کی ملی جلی رقم بغیر کسی معاہدہ کے عبداللہ کے پاس جمع کروادی، اتفاق سے منیٰ میں عبداللہ کو احساس ہوا کہ منیٰ میں جو پرس لے گئے تھے اس میں رقم نہیں ہیں؛ لیکن پھر یاد کرنے پر خود اسے معلوم ہوا کہ مکہ میں پوری رکھ کر آیا ہے، مکہ واپس ہونے پر نہ عبداللہ نے زید کی رقم واپس کی اور نہ زید نے اس کا مطالبہ کیا؛ البتہ زید نے مزید ایک رقم ۵۰۰۰ ریال کی بہ طور حفاظت کے

عبداللہ کے پاس رکھوائی تھی وہ واپس لے لی، اور عبداللہ نے اس کے پاس موجودہ دیگر حاجیوں کی جمع کردہ امانتیں انھیں لوٹادی، اور دونوں کے حجاج کی بقیہ رقم بہ طور خرچ کے عبداللہ کے پاس ہی باقی رہی۔ مدینہ جانے سے دو روز قبل عبداللہ نے خود ہی زید کو یاد دلایا کہ تمھارے حجاج کی ۳۲۰۰ر ڈالر جو دوسرے ٹور والے کو ادا کرنے تھے، وہ رقم مجھ سے لے کر ادا کردو؛ لیکن زید نے بتایا کہ اس کو یہ رقم مدینہ میں چاہیے؛ اس لیے مدینہ میں دینا۔ اس کے بعد زید ہوٹل بکنگ کرنے کے لیے مدینہ دو روز قبل ہی چلا گیا، اور عبداللہ دو دن بعد حجاج کے ساتھ مدینہ پہنچا۔ مدینہ میں دو روز تک پرس میں سے پیسے نکالنے کی ضرورت پیش نہ آئی، اور پرس بڑے بیگ میں تالا کے ساتھ رکھا ہوا تھا، اور اس کی عبداللہ کو کوئی خبر نہیں کہ بیگ میں پرس ہے یا نہیں؛ البتہ بڑے بیگ کو تالا لگا کر ہوا دیکھ کر مطمئن ہو رہا، دو دن بعد جب پیسوں کی ضرورت پڑی تو بیگ کھولا، تو اس میں پرس موجود نہیں تھا، زید اور عبداللہ نے بہت کوشش کی؛ لیکن پرس کا پتہ نہ چل سکا، پرس میں جتنی رقم زید کی تھی اس سے تقریباً دوگنی رقم خود عبداللہ کی تھی، عبداللہ نے مدینہ میں ایک حاجی سے بہ طور قرض لے کر وہاں کی ہوٹل کے اور زید کے ایک حاجی کو رقم ۱۶۰۰ر ڈالر ادا کردیے، جب کہ زید کے دوسرے حاجی کے ۱۶۰۰ر ڈالر دینے کے باقی رہے۔ زید کا کہنا ہے کہ اس پوری رقم کا ذمہ دار عبداللہ ہے، اور عبداللہ کا کہنا ہے کہ اس نے شروع سے بہ طور معاونت کے بغیر کسی معاہدہ اور ذمہ داری کے اس کی رقم کا حساب بھی رکھا اور حفاظت بھی کی؛ اس لیے زید کو بھی اس میں بوجھ اٹھانا چاہیے؛ لہٰذا اس مسئلے میں رہبری فرمائیں کہ شریعت کے رو سے دونوں پر رقم ادا کرنے کے بارے میں ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عبداللہ کے پاس زید کی جو رقم تھی وہ بہ طور امانت، تھی اور عبداللہ نے اس کی حفاظت کے لیے وہ صورت اختیار کی جو عرف وعادت میں اپنے مال کی حفاظت کے لیے کی جاتی ہے، اس کے بعد بھی وہ ضائع ہوگئی تو اب عبداللہ پر زید کی اس رقم کا کوئی ضمان نہیں ہے، زید عبداللہ سے اس کا ضمان وصول نہیں کرسکتا۔

وللمودع حفظها بنفسه وعياله كما له..... وعن محمد:أن حفظها بمن يحفظ ماله كوكيله ومأذونه وشريكه معاوضة وعنانا جاز، وعليه الفتوىٰ، ابن ملك واعتمده ابن الكمال وغيره، وأقره المصنف.

(درمختار مع الشامي ٥/٦٦٤)

ذكرالإمام التمرتاشى والإمام الحلواني عن محمد: المودع دفع الوديعة إلىٰ وكيله وهو ليس في عياله، أو دفع إلىٰ أمين من أمنائه ممن يثق به في ماله وليس في عياله أنه لايضمن ؛لأنه لما كان موثوقا به في ماله فكذا في الوديعة .ثم قال:وعليه الفتوىٰ، كذا في النهاية(عالمگيري ٣٣٩،٣٤٠/٤)

زید کے ایک حاجی کی رقم ۱۶۰۰ / ڈالر جو عبداللہ نے ادا کردیے، اگر وہ بھی گم شدہ پرس میں تھی تو عبداللہ پر اس کا ضمان نہ ہونے کی وجہ سے یہ ادائیگی ضروری نہیں تھی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶ / ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

ایکسیڈنٹ کی رقم کا مصرف

سوال: ہمارے یہاں سے قریب ایک گاؤں میں ایک آدمی کی ۸ / سالہ لڑکی کا

ایک گاڑی کے ساتھ ایکسیڈنٹ ہو گیا، اور ایکسیڈنٹ کرنے والا آدمی ہندو تھا، تو اس نے لڑکی کے علاج ومعالجہ کے لیے اس کے والد کو ۸ ر ہزار روپیے دیے، پھر لڑکی کا انتقال ہو گیا، تو اب لڑکی کے والد صاحب کا کہنا ہے کہ: جو رقم اس ہندو نے دی تھی وہ رقم لڑکی کے ایصال ثواب کے لیے کسی مسجد میں یا وضو خانے میں یا پیشاب خانہ بنانے میں استعمال ہو جائے، تو اس رقم کا ایسی جگہ خرچ کرنا صحیح ہے؟ اگر صحیح ہو تو کس نیت سے استعمال کرے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو رقم علاج ومعالجہ کے لیے والد کو دی گئی ہے، ایکسیڈنٹ کرنے والے نے لڑکی کے والد کو اس کا مالک بنادیا ہے، تو اب اس والد کو اختیار ہے کہ اپنے استعمال میں لائے یا لڑکی کے ایصال ثواب کے لیے کسی کار خیر میں دے دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰ ر صفر ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

بیرون سے بھیجی گئی رقم میں بھائیوں کا تصرف

سوال: زید اپنے ماموں کے وسیلہ سے انگلینڈ میں رہائش پذیر ہوا، بعد ازاں ماموں کا خرچہ بھی واپس کیا، اس دوران جو مزدوری کی وہ اپنے بھائی صاحبان کے نام پاکستان بھیجی، بھائیوں نے اس رقم کے ذریعہ اپنے والد کے نام زمینیں، پلاٹ، مکان، وغیرہ خریدے اور تعمیرات مکانات کی۔ اب سوال اس بات کا ہے کہ: زید کی کمائی ہوئی رقم سے جو مکانات اور زمینیں خریدی گئیں ہیں، اس میں اس کے بھائی صاحبان بھی

شراکت دار ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زید نے اپنے بھائیوں کے نام جو رقم بھیجی وہ اگر ان کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر بھیجی تھی تو اس رقم کے مالک بھائی صاحبان ہیں، اور اگر ان کو وکیل بنا کر کسی خاص مصرف میں صَرف کرنے کے لیے بھیجی تھی اور ان لوگوں نے اس کے مطابق زمین خریدی، تب تو اس پر ملکیت زید کی ہے، اور اگر ان بھائیوں نے زید کی مرضی کے خلاف اپنے طور پر زمین خریدی تو اس زمین پر بھائیوں کی ملکیت ہوگی، اور جو رقم انہوں نے صَرف کی اس کے وہ ضامن ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶ر رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ

كتاب الأيمان والنذور

حلال چیز کو حرام کرنے سے یمین منعقد ہو جاتی ہے

سوال: اگر آپس کے کچھ معاملات کی وجہ سے کسی نے اپنے اوپر کسی جائز چیز کو حرام کرلیا مثلاً یہ کہا کہ آج سے یہ مسجد ہمارے لیے اور ہمارے خاندان کے لیے حرام ہے، تو یہ یمین کہلائے گی کہ نہیں؟ کہنے والا شخص انتقال کر گیا ہے بچوں پر وہ چیز حرام ہوئی کہ نہیں بچے اور خاندان والے جانا چاہتے ہیں، تو کونسی شکل اختیار کریں نیز کہنے والا شخص انتقال کر گیا ہے وہ اس یمین سے کیسے بری ہو سکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ یمین ہے۔ لما تقرر ان تحریم الحلال یمین (درمختار)

صورت مسئولہ میں بچوں اور خاندان والوں کے لیے جانے میں کوئی حرج نہیں، کہنے والے کے انتقال کر جانے سے اس کی برأت کا بھی اب کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵ رجب ۱۴۱۳ھ

منت کی نماز میں دو کی بجائے چار رکعت پڑھنا

سوال: کسی نے منت مانی کہ فلاں کام کے بعد دو رکعت نفل پڑھوں گا، اور کام کے بعد اس نے بجائے دو کے چار رکعت پڑھ لی، تو اس کے ذمہ سے ساقط ہوئی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس کا ذمہ بری ہو جائے گا۔ (کما یستفاد من الشامی ۱/ ۴۹۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

لڑکے کی منت میں لڑکی پیدا ہوئی تو کیا حکم ہے؟

سوال: میری لڑکی کا تین بار بچہ پیدا ہو کر انتقال کر گیا، تب میں نے صبح شام اللہ سے بہت دعا کی کہ اے اللہ میری بچی کو ایک بیٹا دے کر اس کی زندگی میں خوشیاں دے دے، تو میں پانچ روزہ رکھوں گا، اللہ کے کرم سے ڈیڑھ سال پہلے اللہ نے ایک لڑکی دی، اب میں اپنا وعدہ پورا کروں؛ کیوں کہ میں نے لڑکا مانگا تھا، اللہ نے لڑکی دی، بڑا کرم ہے اس کا اور آپ سے جواب کی امید کرتا ہوں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے جس شرط پر اپنی منت کو معلق کیا تھا وہ شرط تو پائی نہیں گئی؛ اس لیے کہ لڑکا پیدا نہیں ہوا، اس لیے آپ پر پانچ روزے واجب نہیں ہوئے، اس کے باوجود شکرانے کے طور پر آپ روزہ رکھنا چاہیں تو رکھ سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/صفر المظفر ۱۴۱۳ھ

نذر کا مصرف مسلمان فقیر ہے

سوال: نذر مانی تھی کہ فلاں کام ہو جائے تو اتنے پیسے دوں گا صدقہ، اب کام پورا ہوا تو وہ پیسے مسلمان فقیر کو دے یا کافر کو دے؟ اور للہ سے مراد صدقۂ نافلہ ہے یا دوسری چیز مراد ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نذر کا پورا کرنا واجب ہے، اس لیے اس کا شمار صدقات واجبہ میں ہونے کی وجہ سے مسلمان فقیر کو دینا ضروری ہے، للہ کا اطلاق عرف میں صدقۂ نافلہ اور عطیہ دونوں

پر ہوتا ہے، حسب قرائن مراد متعین ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نذر کی چیز میں تبدیلی کی چند صورتیں

سوال: ہمارے یہاں جب کوئی شخص کسی خطرناک حادثہ یا خطرناک بیماری سے نجات پاتا ہے تو اس طرح نذر مانتا ہے کہ میں جان کے بدلہ میں جان دوں گا یعنی بکری ذبح کر کے غریبوں کو کھلاؤں گا۔

① اب شخصِ مذکور بکری ذبح کر کے کھلانے کے بجائے بکری کی رقم کسی دینی مدرسہ میں دے کر مدرسہ والوں کو وکیل بنانا چاہتا ہے کہ اس رقم سے بکری خرید کر اس کا گوشت طلباء کو کھلا دو، کیا اس طرح کرنا جائز ہے؟

② مدرسہ کے منتظمین بکری کی اس قیمت کو مدرسہ کی دوسری ضروریات میں استعمال کر سکتے ہیں؟

③ اگر دوسری ضروریات میں استعمال نہیں کر سکتے ہیں تو کیا وہ گوشت مستحقِ زکوۃ اور غیر مستحقِ زکوۃ طلبہ سب کھا سکتے ہیں؟ اگر غیر مستحقِ زکوۃ طلبہ نہیں کھا سکتے ہیں تو ایسے گوشت کو کھلانے کی شکل کیا ہونی چاہیے؛ چوں کہ یہاں سب کا کھانا ایک ساتھ تیار کیا جاتا ہے۔

④ کیا بکری کی رقم کسی غریب لڑکی کی شادی کی ضرورت میں استعمال کی جاسکتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① وکیل بنانا درست ہے۔

العبادة المالية كزكوة وكفارة تقبل النيابة عن المكلف مطلقاً عند القدرة والعجز (درمختار على هامش الشامية ۲/ ۲۵۸، ۲۵۷)

② وکیل اس بات کا پابند ہے کہ جس کا وکیل بنایا گیا اس کے خلاف نہ کرے۔

③ غیر مستحق کو کھلانا درست نہیں ہے، مستحق کو مالک بنا کر وہ اپنی مرضی سے تمام کو کھلا سکتا ہے۔

④ منت ماننے والا بکری کی قیمت کا صدقہ کر سکتا ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۷۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قسم سے نکلنے کی صورت اور اس کا کفارہ

سوال: زید کی بہن کا اس کے سسرال والوں سے جھگڑا ہوا ہے، سسرال والوں سے جھگڑا ہونے کی وجہ زید کی بہن کی نند ہے، اب زید نے اپنی بہن کو قسم دی کہ اگر تو اپنی نند کے گھر گئی تو میرا منہ نہ دیکھے گی، زید قسم دینے کے بعد اب بہت پچھتا رہا ہے، اور قسم اتارنا چاہتا ہے، اب اسے کیا کرنا ہوگا کہ بہن کو دی ہوئی قسم اتر جائے، اور بہن اپنی نند کے گھر آجا سکے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زید نے اپنی بہن کو جو قسم دی ہے اس میں اگر جواب کے طور پر بہن نے اس کی بات کو قبول کرتے ہوئے یوں کہا ہو کہ میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ اگر اپنی نند کے گھر گئی تو تمہارا منہ نہ دیکھوں گی، تو ایسا کہنے سے زید کی بہن پر قسم لاگو ہو چکی ہے، اب اگر وہ

قسم اتارنا چاہتی ہے تو اپنی نند کے گھر چلی جائے، اس کے بعد اپنے بھائی زید کا منہ بھی دیکھ لے، اور پھر اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دے، قسم کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو دو وقت کھانا کھلا دے یا دس مسکینوں کو کپڑا جوان کی ستر پوشی کے لیے کافی ہو؛ دے، اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو مسلسل تین روزے رکھے۔

اور اگر زید کے اپنی بہن کو قسم دینے کے باوجود اس کی بہن نے اس کے جواب میں اس کی بات قبول کرتے ہوئے اوپر لکھے ہوئے کے مطابق قسم کے الفاظ نہ کہے ہوں تو اس صورت میں کچھ بھی لازم نہیں آتا؛ اس لیے کہ ایسا کہنے سے قسم نہیں ہوتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ ذی القعدۃ ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

قسم کا کفارہ

سوال: اگر کوئی آدمی قسم کھاتا ہے کہ اگر میری شادی فلاں جگہ نہ ہوئی تو میں شادی نہیں کراوں گا، اور دوسری جگہ شادی کرالی تو اس قسم کا کفارہ کیا ہوگا،؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اس نے یہ کہا تھا کہ میں قسم کھاتا ہوں کہ اگر میری شادی الخ یا یوں کہا تھا کہ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر میری شادی الخ تو ان دونوں صورتوں میں وہ دوسری جگہ شادی کرنے سے اپنی قسم میں حانث ہوگیا، اور اس پر کفارہ واجب ہوگیا۔ (شامی ۳/۵۹)

کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو صبح وشام دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلا دے یا دس مسکینوں کو

ہرایک کوایک جوڑا کپڑا دے، اگر خود غریب اور مسکین ہونے کی وجہ کھانا کھلانے یا کپڑا دینے کی طاقت نہیں ہے تو تین دن مسلسل روزے رکھے۔ (شامی ۳/ ۲۶،۶۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵ رجب ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بچہ کی پیدائش پر بھیک مانگ کر کپڑا پہنانے کی منت

سوال: ایک شخص نے منت مانی کہ اگر فلاں کے یہاں لڑکا ہوگا تو میں مانگ کر کپڑا پہناؤں گی اور پہلے وہی کپڑا بدن پر ہوگا جو مانگ کر لیا جائے بھیک مانگ کر کپڑا پہناؤں گی تو ایسی منت جائز ہے یا نہیں اگر مان لی تو اس کا پورا کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایسی نذر (منت) شرعاً درست نہیں اس لیے اس کو پورا کرنے کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

روزے کی منت کو حالت سفر کے ساتھ مقید کرنا

سوال: کسی شخص نے روزے کی منت مانی اور اس کو سفر کے دنوں کے ساتھ معلق کر دیا اور وہ سفر کی حالت میں روزہ رکھے ہوا تھا اور اتفاقاً کوئی دوست مل گیا اس نے اس کو کھانے پر مجبور کیا تو شہر کے حدود میں داخل ہونے کے بعد اس نے کھانا کھالیا تو کیا

اب وہ روزہ کی قضا کرے یا نہیں نیز سفر کی حالت میں روزہ کی نیت کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نذر میں کسی حالت کی تعیین کرنے سے اس کی پابندی لازم نہیں اس کے بغیر بھی نذر ادا ہو جائے گی۔

(والنذر) من اعتكاف أو حج أو صلاة أو صيام أو غيرها (غير المعلق) ولو معينا (لا يختص بزمان ومكان ودرهم وفقير) فلو نذر التصدق... فلو عين شهرا للاعتكاف أو صوم فعجل قبله عنه صح.

(درمختار مع الشامی ۲/۱۳۷)

اس لیے صورت مسئولہ میں منت کو سفر کے دنوں کے ساتھ مقید کرنے کے باوجود منت کے یہ روزے سفر کے علاوہ یعنی اقامت کے دنوں میں ادا کرنے سے بھی ادا ہو جائیں گے نیز صورت مسئولہ میں روزہ رکھنے کے بعد کھالینے کی وجہ سے وہ گنہگار ہوا اور اس روزے کی قضا ضروری ہے سفر کی حالت میں بھی روزہ رکھنا درست ہے سفر کی حالت روزہ کے منافی نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۲۴/جمادی الاخریٰ ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

قرآن ہاتھ میں لے کر کوئی بات کہنے سے قسم منعقد نہیں ہوتی

سوال: ایک آدمی اگر قرآن کریم پکڑ کر اس طرح اقرار کرے کہ اس کے بعد اگر میں نے یہ کام کیا تو خدا تعالیٰ میری سور کی شکل بن جائے، اور میں اندھی بن جاؤں، اور میرے خاندان کو اللہ تعالیٰ مٹا دے، اس طرح زبان درازی کرے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس طرح قرآن کریم ہاتھ میں لے کر سوال میں مذکور کلمات بولنے سے قسم نہیں ہوگی؛ اس لیے اگر اس نے وہ کام کرلیا ہے تو اس پر کوئی کفارہ واجب نہیں ہے؛ لیکن اپنے لیے اس نوع کے بد دعائیہ کلمات اپنی ہی زبان سے نکالنا یہ مومن کا شیوہ اور طریقہ نہیں، اس سے توبہ اور استغفار کرے اور صدقہ خیرات کرکے ان مصائب سے بچنے کے لیے دعا کا اہتمام کرے، اور آئندہ اس قسم کی حرکتوں سے باز رہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ذوالقعدۃ ۱۴۱۵ھ

کاروبار سے نفع کی رقم میں نذر ماننا

سوال: ایک صاحب کاروبار میں یہ نیت کرتے ہیں کہ اتنے کا مال فروخت ہوا اس پر اتنی رقم نکال کر اپنے عزیزوں، دوستوں اور اپنے اکابر کی خدمت کرے گا شرعاً اس رقم کی حیثیت کیا ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر صیغۂ نذر زبان سے کہا ہے تو وہ رقم نذر کی ہے اعزہ واحباب واکابر میں جو فقیر ہیں ان کو ہی دے سکتے ہیں اور اگر صرف دل میں نیت ہے زبان سے کچھ کہا نہیں تو پھر غنی وفقیر سب کو دے سکتے ہیں۔ اگر حصول ثواب کے لیے دے رہا ہے تو صدقۂ نافلہ ہے اگر دی جانے والی شخصیت کی رضا مقصود ہے تو ہدیہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ

كتاب اللقطة

لقطہ کی تشہیر کا طریقہ

سوال: (۱) میرے والد محترم سرکاری بس اسٹیشن میں آفیسر ہیں، ایک دن جب میں آفس گیا تو میز پر "تفسیر خازن جلد نمبر ایک" کو دیکھا معلومات حاصل کرنے سے پتہ چلا کہ بالکاڈ سے مالا پرم (جہاں مسلمان اور علماء زیادہ ہیں) تک جانے والی بس سے یہ ملی تھی، مزید بتایا گیا کہ آپ کو اس سے فائدہ ہوگا اس لیے ہم نے اس کو یہاں رکھا ہے، والد صاحب اس کو گھر لے آئے یہ لقطہ ملنے کے بعد سے لے کر ابھی تک چار ماہ گزر چکے۔

مذہب شافعی میں مفتی بہ قول یہ ہے کہ: اگرچہ لقطہ کو بغرض حفاظت اٹھایا جائے تب بھی اعلان ضروری ہے۔ مغنی المحتاج ۲ /۵۰۹ میں ہے:

"ومنه اخذ لقطة للحفظ ابدا... فهى امانة... ولم يوجب الاكثرون منه الاصحاب التعريف، والحالة هذه وهى أخذاللقطة للحفظ ابدا؛ لان التبرع إنماأوجبه لماجعل له التملك بعده، ورجح الامام والغزالى وغيرهما وجوبه، وهذا هو المعتمدكماصححه المصنف فى شرح مسلم، وقال فى زيادة الروضة أنه الاقوى المختار"۔

اور تعریف تو ایک سال ہے۔ مغنی ۲/ ۵۱۰ میں ہے: ثم يعرفها فى الاسواق وفى ابواب المساجد عند خروج الناس ونحوهامن المجامع والمحافل ومحال الرجال ومناخ الأسفار... سنة أى منه يوم التعريف... على العادة يعرف اولاً كل يوم طرفى النهارثم كل يوم مرة ثم كل أسبوع

پھر اس کو حقیر میں بھی کیسے شمار کریں گے؛ کیوں کہ مغنی ۲ / ۵۱۲ میں ہے:

والاصح أن الحقيرأی القليل والمتمول، ولايقدر شیءفی الاصح؛ بل هومايغلب علی الظن، أن فاقده لايكثر أسفه عليه، ولايطول طلبه له غالباً… لايعرف سنة؛ بل زمنايظن أنه فاقده يعرض عنه غالباً.

اس میں حقیر کی جو تعریف ہے اس میں اس کتاب کو شامل کرنا مشکل ہے؛ کیوں کہ فاقد کا افسوس کبھی بھی ختم نہیں ہوسکتا ہے کیوں کہ اگر وہ چیز اس کی ملکیت میں ہے تو وہ صرف اس جلد کو خرید نہیں سکتا؛ بلکہ پورا سیٹ خریدنا ہوگا اور اگر کسی سے عاریۃً لیا تھا، تو مسئلہ اور پیچیدہ ہو جاتا ہے۔

جب حال یہ ہے تو پھر اعلان کی کیا صورت اختیار کی جائے؟ اگر کوئی وسائلِ اعلان کا سہارا لیا جائے، تو اس کو خرچہ بہت زیادہ ہوگا، تو اب ہم کیا کریں؟ حضرت والا سے مسلک حنفی کے مطابق رہنمائی کی امید ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اعلان کا طریقہ جیسا کہ کتب فقہ میں مصرح ہے، یہ ہے ایسی جگہیں جہاں لوگ جمع ہوتے ہوں، جیسے کہ بازار یا نمازوں کے بعد مسجد کے سامنے کا حصہ یا دور حاضر میں ہوٹل اور ریسٹورنٹ وغیرہ جگہوں پر اعلان کیا جائے، اسی طرح چھوٹے سے پوسٹر کی شکل میں چھپوا کر مسجد کے دروازوں اور عام جگہوں پر چپکا دیا جائے، اخبار میں دینا چاہے، تو دیا جاسکتا ہے؛ لیکن ضروری نہیں، آپ نے خرچہ کے متعلق جو لکھا ہے وہ اخباروں میں دینے کی صورت میں تو زیادہ آسکتا ہے؛ لیکن چھوٹے پمفلٹ کی شکل میں چھپوانے میں زیادہ مصارف نہیں ہوں گے؛ نیز چوں کہ یہ کتاب بس میں سے ملی ہے، اس لیے سرکاری بس کے تمام اسٹیشنوں پر بھی یہ پوسٹر لگوادیا جائے خاص کر اس

علاقہ میں جہاں سے یہ کتاب ملی ہے، تو انشاء اللہ ذمہ بری ہوجائے گا۔

درمختار میں ہے: وعرف أی نادی علیها حیث وجدها وفی المجامع الی ان علم ان صاحبها لا یطلبها.

اس پر شامی میں ہے: (قوله وفی المجامع) أی محلات الاجتماع کالأسواق وابواب المساجد بحر وکبیوت القهوات فی زماننا.

(درمختار مع الشامي ۳/۳۵۰)

''الفقہ الاسلامی'' میں ہے: والأولیٰ کتابة اعلانات والصاقها علی ابواب المساجد وغیرها فتحققت الغایة المطلوبة من التعریف، وقد أصبح هذا مألوفا فی عصرنا کما یمکن التعریف بالجرائد والصحف الیومیة (الفقه الإسلامي وأدلته ٦/ ٤٨٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مدفون خزانہ کا استعمال

سوال: اگر زمین میں مدفون خزانہ نکلے تو اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر خزانہ کسی کی مملوکہ زمین سے درآمد ہوا ہے، تو اس کو دیدیا جائے، ورنہ جس کو ملا ہے وہ اس کو استعمال کرسکتا ہے؛ بشرطیکہ اس پر اہل اسلام کی علامت نہ ہو، اگر اہل اسلام کی علامت ہے تو وہ لقطہ کے حکم میں ہے، جس کا اعلان کر کے مالک تک یا اس کے ورثاء تک پہنچانا ضروری ہے۔ (درمختار شامی ۲/ ۵۱، ۵۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ٹرانسپورٹ کا لا پتہ مال بحکم لقطہ ہے

سوال: ایک آدمی ٹرانسپورٹ سے مال بھیجتا ہے غلط پتہ پر، اب جس ٹرانسپورٹ آفس پر وہ مال آتا ہے کوئی اس کا چھڑانے والا نہیں ہوتا، بھیجنے والے کا پتہ بھی صحیح نہیں ہوتا، اگر اس کو بھیجا جائے تو کہاں بھیجا جائے؟ اس لیے وہ مال پڑا پڑا خراب ہو جاتا ہے، بہت مرتبہ سڑ جاتا ہے جس کی وجہ سے پھینکنے کی نوبت آجاتی ہے، کیا ایسے مال کو جس کے مالک کا یا چھڑانے والے کا بالکل پتہ نہ ہو، کسی غریب یا مدرسہ وغیرہ میں دے سکتے ہیں؟ برائے کرم جلد سے جلد جواب سے نوازیں۔

نوٹ: مذکورہ بالا مال کو فروخت کر کے اس کو اپنے استعمال میں لے سکتے ہیں کہ نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

یہ مال لقطہ کے حکم میں ہے، اس لیے مقامی اخبارات میں اشتہار دے کر مالک کا پتہ چلانے کی بھی سعی کر لی جائے، اس کے بعد بھی مالک نہ ملے تو کسی غریب کو یا مدرسہ میں دے دیا جائے، اگر اس کو فروخت کیا ہے تو اس کی قیمت بھی غرباء ہی کو دے دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

رقم و زیور کا لقطہ

سوال: راستے میں پڑی ہوئی رقم یا زیور ملے اسے استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

راستہ میں پڑی ہوئی رقم یا زیور کو اس کے مالک تک پہنچانے کی نیت سے اٹھائیں تو درست ہے، اپنے استعمال کی نیت سے اٹھانا جائز نہیں ہے، اور جب مالک تک پہنچانے کی نیت سے اٹھایا تب اس کے مالک کی تلاش اور جستجو ضروری ہے، لوگوں کے مجمعوں میں، بازاروں میں، مساجد کے دروازوں پر اس کا اعلان کرتا رہے، جب اس کے مالک کے ملنے کی طرف سے مایوسی ہو جائے اور غالب گمان ہو جائے کہ اس کے مالک نے بھی اس کی تلاش چھوڑ دی ہوگی تب کسی غریب ومحتاج کو اس کا صدقہ (مالک کی طرف سے) کر دے، اور خود اگر محتاج ہو تو اس کے لیے بھی اس وقت استعمال درست ہو جاتا ہے؛ لیکن مالک مل جائے اور وہ اپنی رقم یا زیور کا مطالبہ کرے تو اس کا بدل ادا کرنا ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم جمادی الاخریٰ ۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

دودھ کی خالی بوتل مالک کو نہ دے سکے تو کیا کرے؟

سوال: ایک مسافر گاڑی میں سفر کر رہا ہے، ایک اسٹیشن پر دودھ وغیرہ کی بوتل خریدی اور قیمت ادا کر دی؛ لیکن ابھی بوتل اس کے پاس تھی کہ گاڑی چلنے لگی اب کوئی صورت بوتل کو مالک تک پہنچانے کی نہیں ہے تو اب اس بوتل کا کیا کرے؟ خود استعمال کرے یا غریب کو دے دے؟ دوسری صورت یہ ہے کہ دودھ کی قیمت دو روپے ہیں مسافر نے دودھ والے کو پانچ روپے دیے اور گاڑی چل دی، اب بوتل مسافر کے

پاس تھی اور دودھ والے سے تین روپے لینے باقی ہے تو کیا یہ تین روپے بوتل کی قیمت بن سکتے ہیں؟ حالاں کہ بیع کا رکن ایجاب وقبول ندارد۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

خود یا کسی دوسرے کے ذریعہ سے مالک تک اس کا پہنچانا ضروری ہے، گاڑی کا چل دینا عذر نہیں ہے؛ البتہ بعد میں بھی مالک نہ ملا تو یہ لقطہ کے حکم میں ہوگی، خود اگر غریب ہے تو استعمال کر سکتا ہے ورنہ صدقہ کر دے البتہ بعد میں مالک مل جانے پر اس نے صدقہ کو منظور رکھا تب ٹھیک ورنہ قیمت ادا کرنی ہوگی۔ (شامی ۳/۳۵۱)

دوسری صورت کا بھی یہی حکم ہے البتہ اس صورت میں مالک کے مل جانے پر اس سے اپنا بقیہ روپیہ وصول کر سکتا ہے۔ (شامی ۳/۳۵۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سونے کا لقطہ ملا کیا کرے؟

سوال: سونے کی ایک چیز بازار میں بھیڑ بھاڑ میں پڑی ملی، میں نے اس کو کچھ دنوں کے بعد سونار کے ہاتھ بیچ دیا، اب اس رقم کو کس استعمال میں لایا جائے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کی ذمہ داری تھی کہ اس چیز کے مالک کو تلاش کر کے وہ چیز اس تک پہنچانے کی کوشش کرتے، اگر تلاش کرتے کرتے اتنی مدت گزر گئی کہ مالک کے ملنے کی طرف سے مایوسی ہوگئی، تو وہ چیز کسی غریب کو بہ طور صدقہ دے دیتے۔ صورت مسئولہ میں

جب آپ نے اس کو بیچ دیا تو اس کی قیمت کا صدقہ کردیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸ر صفر المظفر ۱۴۲۲ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

قرض خواہ کے نہ ملنے کی صورت میں قرض کی ادائیگی

سوال: (۱) میں کچھ عرصہ پہلے سعودی عرب میں کام کرتا تھا اس وقت ایک دوکان دار سے لین دین کا معاملہ کیا گیا تھا چناں چہ اس کا کچھ قرضہ مجھ پر تھا پھر میں انڈیا واپس آگیا دوبارہ جب سعودی عرب جانا ہوا تو اس دوکان کا اور دوکان دار کا کچھ پتہ نہیں، کوشش کے باوجود بھی اس کا پتہ لگا نہیں اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ اس قرضہ کو کس طرح ادا کرے کیا کسی کار خیر میں یہ روپیہ خرچ کرنے سے قرضہ کی تلافی ہوجائے گی کیا یہ رقم فساد کے مظلومین کو دے سکتے ہیں؟

(۲) جس وقت یہ معاملہ ہوا تھا ریال کا بھاؤ کم تھا آج کئی گنا ہے تو کس حساب سے رقم دینی چاہیے اس وقت کا حساب معتبر ہوگا یا آج کا حساب لگایا جائے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) اگر باوجود جستجو اور تلاش کے وہ دوکان دار نہیں ملا تو اب اگر آپ اتنی رقم اس کی طرف سے بہ طور صدقہ فقراء اور مساکین کو دے دیں گے تو امید ہے کہ آپ کا ذمہ بری ہوجائے فساد کے مظلومین اگر مستحق زکوۃ ہیں تو ان کو بھی دی جاسکتی ہے۔

(۲) آپ پر اصالۃً یہ ضروری ہے کہ اتنے ریال ہی فقیر کو دیں اور اگر ان کے بہ جائے روپیے دینا چاہتے ہیں تو جس روز فقیر کو روپیے دیے جارہے ہیں اس روز ریال

کا جو بھاؤ ہو اس کے مطابق دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، یکم شعبان المعظم ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

سفر میں غلطی سے دوسرے کا سامان ساتھ آجائے تو کیا حکم؟

سوال: زید نامی شخص حیدرآباد سے سفر کر رہا ہے معہ اپنے کثیر سامان کے، جب وہ سورت اترا تو اسی کا ایک دوست اس کے سامان کے اتارنے کی مدد کرنے لگا، ان سامان کے ساتھ اس دوست نے کسی دوسرے پاسنجر کا سامان اسی کا سمجھ کر غلطی سے اتار دیا اور ٹرین چلی گئی، معلوم نہیں ہے کہ اس سامان کا مالک کون ہے؟ وہ کہاں رہتا ہے؟ تو اب اس سامان کا کیا کیا جائے؟ اور اس کا کیا حکم ہے؟ اور اگر پہونچانا ہو تو ذمہ دار کون ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دورانِ سفر جو لوگ ٹرین میں ساتھ تھے، ان کا پتہ معلوم ہو تو ان سے تحقیق کر لی جائے، ورنہ اب وہ سامان لقطہ کے حکم میں ہے یعنی کسی غریب محتاج آدمی کو بطور صدقہ دے دیا جائے، جس نے وہ سامان اتارا ہے اس کی ذمہ داری ہے کہ مالک کا پتہ معلوم کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰ رشوال المکرم ۱۴۱۳ھ

لقطہ کا حکم اور سرکاری نیلامی میں اس کو خریدنے کا حکم

سوال: میں نے ایک گودام خریدا، مالکِ گودام کا کچھ مال پڑا تھا، اس سے ہم

بے خبر ہیں کہ وہ کہاں ہے، حکومت کا قانون ہے کہ تین سال تک انتظار کیا جائے، پھر جس نے گودام خریدا ہے، اس کے اختیار میں ہوتا ہے، چاہے تو استعمال کرے یا بیچ کر قیمت لے لے، شریعت اس بارے میں کیا کہتی ہے کہ ہم بیچ کر قیمت استعمال کر سکتے ہیں؟ اگر ہم بیچ کر قیمت غریب کو دے دیں، تو اسی طریقے سے اگر ایسی گودام کا مال ہے کیا ہم اس کو خرید سکتے ہیں؟ جب کہ معلوم ہے کہ یہ مسئلہ اوپری طریقے والا ہے، مال پڑا تھا، جس نے خریدا وہ تین سال بعد بیچ رہا ہے اور قیمت بھی بڑی آسانی والی، کیا ہم ایسا مال خرید سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر مالک کا پتہ نہ چلے کہ وہ کون ہے، تب وہ لقطہ (گری پڑی چیز جو راستہ وغیرہ سے ملتی ہے اس) کے حکم میں ہے، یعنی ایک مدت تک تلاش وجستجو کے بعد اس کا مال صدقہ کر دیا جائے، اس نیت سے کہ اس صدقہ کا ثواب اس مالک کو ملے، اور خود غریب ہو تو وہ خود بھی استعمال کر سکتا ہے۔ بعد میں جب مالک مل آئے تو اس کو بتلا دیا جائے، اگر وہ اس صدقہ کو منظور کر لے تو ٹھیک، ورنہ اس کو اس مال کی قیمت ادا کرنا ہوگی، اور اگر مالک معلوم ہے، تو اس کو تلاش کرنا، اور اس کا پتہ چلانا، آپ پر ضروری ہے، آپ اپنے گھر بیٹھے رہیں، اور یہ سوچیں کہ وہ خود آ کر لے جائے گا، یہ خیال درست نہیں، جب وہ مل جائے اس کو دے دیا جائے، اور اگر اس کا انتقال ہو گیا تو اس کے ورثا کو دے دیا جائے، ایسے گودام کا مال نہ خریدا جائے؛ البتہ اگر حکومت خود فروخت کرتی ہو تو خریدنے کی گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

كتاب الاضحية والصيد والذبائح

قربانی اور زکوٰۃ کا نصاب

سوال: قربانی کے لیے کتنا مال ہونا ضروری ہے؟ کیا زکوٰۃ کی مقدار یا اس سے کم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اپنی حوائجِ اصلیہ اور دَین کو چھوڑ کر بقدرِ نصاب مال اگر موجود ہے تو قربانی واجب ہے، زکوٰۃ میں بھی یہی نصاب ہے؛ البتہ اس میں نامی ہونا ضروری ہے، جب کہ قربانی کے لیے نمو کی قید نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قربانی کس پر واجب ہے؟

سوال: قربانی کس پر واجب ہے؟ جو عورت صاحبِ نصاب نہ ہو؛ لیکن اس کے پاس ضرورت سے زائد برتن کپڑے اور چارپائی وغیرہ ہو اور غیر مستعمل ہو تو اس کے اوپر قربانی واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

وہ مسلمان مقیم جو دو سو درہم (ساڑھے باون تولہ چاندی) یا اس کے برابر قیمت کے ایسے سامان کا مالک ہو جو اس کی حاجاتِ اصلیہ (رہائش کا مکان، پہننے کے کپڑے اور ضروری سامان وغیرہ) سے زائد ہو وہ اس حالت میں ایام قربانی کو پالے تو اس پر قربانی واجب ہوگی۔ (درمختار شامی ۵/۲۱۹)

اس عورت کے پاس ضرورت سے زائد جو اشیاء موجود ہے ان کی قیمت اگر بقدرِ

نصاب ہو تو اس پر قربانی واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قربانی کس پر واجب ہے؟

سوال: پار سال زید نے قرض لے کر کاروبار شروع کیا اسی وقت یہ نیت بھی کرلی تھی کہ میں آئندہ سال بقرعید کو قربانی کروں گا اس نیت کے مطابق وہ امسال قربانی کرنا چاہتا ہے تھوڑا سا قرض باقی ہے، اب تک اس نے جانور خریدا نہیں ہے اس صورت میں شریعت مطہرہ کا حکم کیا ہے؟ اگر وہ کرے تو نفل ہوگی یا واجب ادا ہوگا۔ بلا تاخیر جلد از جلد جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اگر زید کے پاس اس کی ضروریات زندگی اور قرض کی ادائیگی کے علاوہ اتنا سامان موجود ہے جس کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہوتی ہے، یا اتنی رقم نقد موجود ہے، یا اتنی چاندی موجود ہے یا ساڑھے سات تولہ سونا موجود ہے تو اس پر قربانی واجب ہے ورنہ قربانی تو پھر بھی کرسکتا ہے؛ البتہ نفل ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ ذوالقعدہ ۱۴۰۲ھ

قربانی کس پر واجب ہے؟

سوال: اگر کوئی آدمی صاحب نصاب نہیں ہے تو اس پر قربانی فرض ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

جو مسلمان اتنا مالدار ہو کہ اس پر زکوۃ واجب ہو یا اس پر زکوۃ تو واجب نہیں؛

لیکن ضروری اسباب سے زائد اتنی قیمت کا مال واسباب ہے جتنی قیمت پر زکوۃ واجب ہوتو اس پر قربانی واجب ہے، چاہے وہ تجارت کا مال ہو یا تجارت کا نہ ہو، اور چاہے سال پورا گذر چکا ہو یا نہ گذرا ہو۔ مذکورہ بالا نصاب قربانی اور صدقۂ فطر کا ہے، اگر کسی کے پاس یہ بھی نہیں تو اس پر قربانی واجب نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مقروض پر قربانی

(سوال): میرے پاس پچاس ہزار روپیہ قرض ہے، وہ قرض ادا نہیں ہوا ہے، اور میں مہینہ میں ایک ہزار روپیہ کماتا ہوں، تو میرے اوپر قربانی کرنا اور زکوۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب): حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ پر جو قرض ہے، وہ اور آپ کی دیگر حوائجِ اصلیہ کو وضع کرنے کے بعد اگر آپ کے پاس اتنی رقم بچ جاتی ہے جس کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی ہے، اور اس پر ایک سال بھی گزر چکا ہے تو آپ پر زکوۃ واجب ہے، اور اگر اس پر سال نہیں گزرا تو زکوۃ واجب نہیں؛ البتہ قربانی دونوں صورتوں میں واجب ہے، اور اگر اتنی رقم جو ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر نہیں پہنچتی، اور دوسرا کوئی زائد از ضرورت سامان بھی آپ کے پاس موجود نہیں ہے تو قربانی بھی واجب نہیں۔ (شامی جلد دوم) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مرحوم کے لیے قربانی کی چند صورتیں

سوال: زید بدنہ یعنی بڑے جانور کی قربانی کرتا ہے اور اس میں اپنے مرحوم والد اور آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایصال ثواب کی غرض سے اپنی طرف سے دو حصہ رکھتا ہے اور ایصالِ ثواب کی نیت کرتا ہے، تو شرعاً یہ صورت جائز ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

میت کی طرف سے اور میت کے لیے قربانی کر سکتے ہیں اور اس کی چند صورتیں ہیں:

(۱) میت نے وصیت کی ہو کہ میرے مال میں سے میری طرف سے قربانی کر دینا اور وصیت کے مطابق اس کے مال میں سے قربانی کرے تو جائز ہے؛ مگر قربانی کا تمام گوشت وغیرہ حقداروں کو (جو زکوۃ کے مستحق ہیں) صدقہ کر دینا واجب ہے۔

شامی میں ہے:(وعن ميت) أي ضحى عن ميت وارثه بأمره، الزمه بالتصدق بها، وعدم الأكل منها (۲۹۳/۵)

(۲) میت نے وصیت کی ہو یا نہ کی ہو، ان کے عزیز و اقارب یا احباب اپنے پیسوں سے نفل قربانی کر دیں تو درست ہے، اور اس کا گوشت امیر و غریب سب کھا سکتے ہیں۔

وإن تبرع بها عنه له الأكل؛ لأنه يقع على ملك الذابح والثواب للميت (شامي ۲۳۹/۵)

(۳) اپنے مال سے اور نام سے نفل قربانی کر کے اس کا ثواب ایک یا ایک سے زائد میت کو بخش دے، تو وہ بھی درست ہے اور اس کا گوشت بھی امیر و غریب سب

کھا سکتے ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۲/۸۶)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مستقل ایک حصہ رکھ کر اس کی قربانی درست ہے اور اس میں ایصالِ ثواب کی نیت بھی درست ہے۔

والأصل أن كل من أتى بعبادة ماله جعل ثوابها لغيره (درمختار) قوله (لغيره) أي من الأحياء، والا موات بحر عن ا لبدائع قلت: وشمل اطلاق الغير النبي، و لم أر من صرح بذلك من أئمتنا، وفيه نزاع طويل لغيرهم، والذي رجحه الإمام السبكي وعامة المتاخرين منهم الجواز، كما بسطناه آخر الجنائز (شامي۲/۲۵٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ ذوقعدہ ۱۴۱۰ھ

نفقہ کے بقدر زمین کے مالک پر قربانی نہیں

سوال: ایک شخص کے پاس اتنے روپئے تو نہیں ہیں، جن سے قربانی واجب ہو؛ لیکن زمین اس کے پاس اتنی ہے کہ اگر فروخت کر دے تو صاحبِ نصاب ہو جائے، تو ایسے شخص کے لیے قربانی کا کیا حکم ہے؟ جب کہ زمین کی پیداوار ہی ذریعہ معاش ہے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

زمین کی پیداوار صرف اتنی ہے جو اس کے اور اس کے اہل وعیال کے نفقہ کے لیے کافی ہے یا کم ہے تو اس پر قربانی (محض اس زمین کی وجہ سے) واجب نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

سونا چاندی اور زمین کے مالک پر قربانی

سوال: ایک آدمی کے پاس زمین ہے، مال بھی ہے لیکن چاندی سونا نہیں۔ گذارے کے قابل اناج وغیرہ ہے تو اس پر قربانی ہے یا نہیں؟ ایک عورت منکوحہ ہے اور اس کی اپنی ملکیت میں سونا چاندی ہے جو ساڑھے باون تولہ کے برابر ہے دوسری چیزیں نہیں۔ تو اس پر قربانی ہے؟ یا چاندی سونا نہیں مگر اپنے باپ کے یہاں سے چھ یا سات جوڑے کپڑوں کے اور برتن لاتی ہے تو اس پر قربانی ہے؟ اور ایک گھر میں پانچ آدمی ہیں اور پانچوں کماتے ہیں لیکن زمین وغیرہ باپ کے نام پر ہے اور چار بھائیوں میں سے ایک بھائی ڈرائیور ہے، ایک مولوی ہے، دو کھیتی کرتے ہیں اور کوئی الگ نہیں تو سب پر قربانی ہے یا صرف باپ پر ہے اور اگر سب الگ الگ ہو گئے باپ نے زمین تقسیم بھی کر دی ہے تو سب پر ہو گی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس کے پاس جو مال ہے اگر وہ حاجت اصلیہ سے زائد ہے اور اس کی قیمت نصاب کے بقدر ہے تو اس پر قربانی واجب ہے۔

على كل مسلم ذى نصاب فاضل عن حاجته الاصلية وان لم ينم و به تحرم الصدقة و تجب الاضحية.(تنویر الابصار)

اس عورت پر قربانی واجب ہے، اگر ان زائد کپڑوں اور برتنوں کی قیمت بقدر نصاب ہے تو اس عورت پر قربانی واجب ہو گی ورنہ نہیں۔ ان بھائیوں میں سے ہر ایک کی ملک میں حاجت اصلیہ سے زائد بقدر نصاب مال ہے تو ہر ایک پر قربانی واجب

ہوگی یہی حکم باپ کا بھی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/محرم الحرام ۱۴۱۴ھ

مشترکہ کاروبار میں قربانی کس پر واجب ہوگی؟

سوال: ہم چار بھائی ہیں، سارے شادی شدہ ہیں، اور ایک ہی دوکان پر بیٹھتے ہیں، ہماری تقریباً تین لاکھ پر زکوٰۃ، یعنی ساڑھے سات ہزار روپیہ زکوٰۃ نکلتی ہے، ہمارا کاروبار بھی شامل میں ہے اور کھانا پینا بھی شامل میں ہے، ہم پر کتنی قربانی واجب ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دوکان میں جو چار بھائی شریک ہیں، ان میں سے ہر ایک کا حصہ دوکان میں اتنا ہو جس کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہوتی ہو، تو ہر ایک پر زکوٰۃ واجب ہے، اور ہر ایک پر قربانی بھی واجب ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۷/ ۳۱۳-۳۱۴۔ امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸/ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے قربانی اور گوشت کا حکم

سوال: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے قربانی کر سکتے ہیں؟ کیا بغیر وصیت کے قربانی کر سکتے ہیں؟ اس کے گوشت کا کیا حکم ہے؟ بعض لوگ اللہ کے نام سے قربانی کرتے ہیں تو بتاؤ یہ کرنا کیسا ہوگا؟ کیا کوئی غیر مسلم اللہ کا نام لے کر ذبح کرے تو کھانا حلال ہوگا؟ کیا قربانی کا گوشت کافر کو دے سکتے ہیں؟ جب کہ یہ اللہ رب العزت کی

جانب سے مسلمانوں کی ضیافت ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے قربانی کر سکتے ہیں، اور بغیر وصیت کے بھی میت کی طرف سے قربانی کی جاسکتی ہے، ان دونوں قربانیوں کے گوشت کا بھی یہی حکم ہے جو اپنی قربانی کے گوشت کا ہے، قربانی تو اللہ کے نام سے ہی ہوتی ہے؛ اس لیے کہ یہ بھی ایک عبادت ہے، اور یہ عبادت اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی ہے، ذبح کرنے والا مسلم یا کتابی ہونا ضروری ہے، وہ غیر مسلم جو کتابی نہ ہو اس کا ذبیحہ حلال نہیں ہے، چاہے وہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کرے، غیر مسلم ذمی کو قربانی کا گوشت دینا جائز ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۷/ ۴۳۴) یہ اجازت غیر مسلم ذمی کے حق میں تبعاً للمسلم دی گئی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/ ذوالحجہ ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

متعدد احباب کا متعدد اصحاب کے لیے قربانی کرنا

سوال: یہاں کچھ احباب مل کر ایک رقم جمع کرتے ہیں، ان کا ایک امیر ہوتا ہے، وہ یہ طے کرتا ہے کہ ۱۲۵ ؍ رانڈ کا ایک حصہ مقرر کیا جائے، اس میں سے پچیس رانڈ حق خدمت اور اخراجات کے ہوں گے، پھر جو رقم جمع ہوتی ہے ہر سال اس رقم سے ایک سو چالیس قربانی کرتے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، خلفائے اربعہ، امہات المؤمنین، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، صوفیائے کرام، ائمۂ مجتہدین، ائمۂ محدثین اور اپنے مرحوم اکابر کی طرف سے قربانی کرتے ہیں، خصوصاً ان علاقوں میں جہاں مسلمان

غرباء کی آبادی ہے، کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟ اور ان قربانی میں حصہ لینے والوں کو اجر وثواب ملے گا؟ اور اس نفل قربانی کا اجر وثواب کیا ہوگا؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

ہمارے بعض اکابر کے فتاویٰ سے اس کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے: فتاویٰ محمودیہ ۱۴/ ۳۳۹، ۳۳۶۔ ۲/ ۲۸۸۔ فتاویٰ رحیمیہ ۲/ ۹۰۔ امداد الفتاویٰ ۳/ ۵۷۴، ۵۷۳۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ ذوالقعدہ ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مرحوم کی طرف سے قربانی انفراداً

سوال: زید نام کا ایک شخص انتقال کر گیا اور اس کے پیچھے بیٹے اپنے مرحوم باپ کی طرف سے بغیر وصیت کے قربانی کرنا چاہتے ہیں حالاں کہ مرتے وقت زید نے قربانی کی وصیت نہیں کی تھی تو ان کا قربانی کرنا اپنے مرحوم باپ کی طرف سے صحیح ہے یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہو تو مرحوم کے ورثاء اس قربانی سے گوشت کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اگر میت نے وصیت نہیں کی ہے تو ورثہ پر میت کی طرف سے قربانی کرنا واجب نہیں ہے، پھر بھی اگر کوئی وارث بالغ ہو اور اپنے روپئے سے حصہ لے کر یا پورا جانور خرید کر میت کو ثواب پہنچائے تو شرعاً درست ہے، اور اس کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے اور دوسروں کو بھی دے سکتا ہے۔ (شامی ۵/ ۲۲۹)

یہ یاد رہے کہ تمام بیٹے مجموعی طور پر ایک حصہ یا جانور خرید کر باپ کی طرف سے نہیں کر سکتے، ہر ایک یا کوئی ایک انفرادی طور پر کر سکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ ذوالقعدہ ۱۴۰۷ھ

بڑے جانور کی قربانی پورے گھر کی طرف سے

سوال: قربانی گھر کے ۷/ افراد پر واجب ہے، تو کیا ایک جانور لا کر قربانی کرنے سے سب کی طرف سے قربانی ہو جائے گی؟ اور بیٹوں کے مال میں قربانی واجب ہے؛ مگر باپ کا مال نہیں ہے، تو باپ کی قربانی واجب ہے یا نہیں؟ بیٹوں کا مال باپ کا ہو سکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جن پر قربانی واجب ہے وہ سب مل کر جانور خریدیں یا کسی ایک کو خریداری کا وکیل بنا کر خریدیں، تو ادا ہو جائے گی۔ باپ اگر صاحب نصاب نہیں ہے تو چاہے اس کے بیٹے صاحب نصاب ہوں، باپ پر قربانی واجب نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۹ھ

پورے خاندان کی طرف سے ایک بکرے کی قربانی

سوال: کیا احناف کے یہاں ایک بکرا پورے خاندان کی طرف سے قربانی کے لیے کافی نہیں ہے؟ جب کہ اس بارے میں حدیثیں موجود ہیں؛ چناں چہ ترمذی، ابن ماجہ، موطا امام مالک، میں ہے: حضرت عطاء بن یسار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے سنا، کہتے تھے: ہم قربانی کرتے تھے، ایک بکرا

اپنے اور اپنے تمام گھر والوں کی طرف سے، بعد اس کے فخر سمجھ کر ہر ایک کی طرف سے ایک ایک بکرا قربانی کرنا شروع کیا۔ ابوداؤد میں ہے: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بقرعید کے دن عیدگاہ میں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ پڑھ چکے، ایک مینڈھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا گیا، آپ نے اپنے ہاتھ سے اسے ذبح کیا، اور فرمایا "بسم اللہ، اللہ اکبر" یہ میری طرف سے ہے، اور میری امت میں اس شخص کی طرف سے جس نے قربانی نہیں کی۔ مسلم کی روایت میں بھی یہ الفاظ ہیں: ایک مینڈھا پکڑ کر لٹایا، اور فرمایا: محمد اور محمد کی آل کی طرف سے۔ ہماری کونسی دلیل ہے جس کی بناء پر ہم ایک مینڈھا پر ایک قربانی کر سکتے ہیں؟ کیا روایتیں صحیح ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو آدمی صاحبِ نصاب واستطاعت ہو، اس پر اپنی قربانی ضروری ہے، اس پر یہ لازم نہیں کہ وہ اپنی اولاد یا اپنی بیوی، یا دیگر اہلِ خانہ کی طرف سے قربانی کرے، حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کی روایت کا یہی مطلب ہے کہ جو غنی اور صاحبِ نصاب ہوتا تھا، وہ اپنی اولادِ صغار اور اہلِ بیت کی طرف سے مستقل قربانی نہیں کرتا تھا؛ یہاں تک کہ لوگ فخر ومباہات کے طور پر سب اہلِ بیت کی طرف سے مستقل قربانی کرنے لگے؛ حالاں کہ اس کی ضرورت نہیں تھی؛ اس لیے کہ ان پر وجوب بھی نہیں، اس روایت سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ اگر دیگر اہلِ خانہ بھی غنی ہوں، اور صاحبِ نصاب ہوں تب بھی ایک بکری سب کی طرف سے کافی ہو جاوے گی؛ چناں چہ حضرت ابوسریمہ رضی اللہ عنہ کی روایت جو ابن ماجہ میں موجود ہے، اس سے بھی اسی مفہوم کی تائید ہوتی ہے، وہ

فرماتے ہیں: "حملني أهلي على الجفاء بعد ما علمت من السنة كان أهل البيت يضحون بالشاة والشاتين، والآن يخلنا جيراننا" دیکھئے: اس روایت میں الشاۃ کے ساتھ شاتین بھی وارد ہے، اگر یہ بطریقِ اشتراک تھا، تو ایک بکری سے زیادہ کی ضرورت بالکل نہیں تھی، لیکن چوں کہ وجوب کا مبنیٰ یسار ہے جو گھر کے ذمہ دار کو حاصل ہوتا ہے، اور عموماً گھر کا ذمہ دار ایک یا کبھی دو ہوتے ہیں، اس لیے اہل بیت واحد ایک اور دو بکری کی قربانی کرتے تھے، اور دیگر خورد وکلاں کی طرف سے نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ بعد میں یہ چیز فخر ومباہات کے طور پر چل پڑی۔

دوسرا واقعہ جو آپ نے نقل فرمایا ہے، اس میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں تو یہ الفاظ ہیں: "اللّٰهم هذا عني وعمن لم يضح من امتي" (اے اللہ یہ میری طرف سے، اور میری امت میں سے جو قربانی نہ کر پائے اس کی طرف سے) اور حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: "اللّٰهم هذا عن امتي جميعا لمن شهدلك بالتوحيد وشهد لي بالبلاغ" (اے اللہ یہ میری تمام امت جو تیری وحدانیت اور میری رسالت کی مقر ہو، اس کی طرف سے) اس کا مطلب یہ ہے کہ اس قربانی کے ثواب میں سب کو شریک کر لیا گیا، یعنی کوئی آدمی اگر خود قربانی کرے اور اس کے ثواب میں اپنے علاوہ دوسرے کو بھی شامل کر لے، (چاہے وہ دوسرا ایک فرد ہو یا متعدد افراد ہوں) تو یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی جائز ہے، باقی اگر اس کا مطلب یہ لیا جائے جو آپ سمجھ رہے ہیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ قربانی (بہ روایت ابورافع رضی اللہ عنہ) تمام امت محمدیہ کی طرف سے کافی ہوگئی، اور اس کے بعد کسی امتی کو قربانی دینے کی ضرورت ہی نہیں، گویا قربانی کا باب ہی شریعت میں نہیں رہے گا؛ حالاں کہ کوئی بھی

یہ مطلب نہیں سمجھتا، اور اگر یہی مطلب ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قربانی کر دینے کے بعد امت میں قربانی کا طریقہ رائج ہی نہ ہوتا؛ حالاں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس کے بعد بھی برابر قربانی دیتے رہے، دلائلِ احناف تو وہ بھی کتبِ مطولہ میں مذکور ہیں، ایک دو نقل کر دیتا ہوں؛ لیکن ساتھ ہی یہ بھی بتلا دوں کہ کسی مقلد کو دلیل کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہے، کیا آپ نے تمام مسائلِ دین کے دلائل پر واقفیت حاصل فرمالی؟ اگر نہیں تو پھر کیوں ان مباحثوں میں الجھتے ہیں؟ دین کی ناقص معلومات کے ساتھ یہ روش آپ کی دینداری کے لیے مضر ہوگی۔ بہر حال وہ روایات بھی ملاحظہ فرمالیں:

عن ابي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: من كان له سعة ولم يضح، فلا يقربن مصلانا

عن ابن عباس أن النبي ﷺ أتاه رجل، فقال: إن على بدنة وأنا موسر، ولاأجدها،فاشتريها فأمره النبي ﷺأن يبتاع سبع شياه فيذبحن.

عن جابرقال: أمرنا رسول الله ﷺ أن نشترك في الإبل والبقر كل سبعة منا في بدنة؛ لما ثبت أن النبي ﷺ عدل البدنة بسبع شياه، ثم جعل البدنة عن سبعة أنفس، ثبت من كلا الأمرين أن الشاة عن واحد كما لا يخفى، فثبت من النصوص كون الشاة عن واحد من دون حاجة إلى القياس (اعلاء السنن ۱۷/۲۰۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بکرے کی قربانی میں شرکت پر مشتمل ایک مباحثہ کا جواب

سوال: کیا ایک بکرا یا بھیڑ پر گھر کے کل آدمیوں کی طرف سے قربانی کی جا سکتی

ہے؟ زید شافعی کہتا ہے سات آدمی کی طرف سے ایک بیل یا گائے اور ایک آدمی کی طرف سے ایک بکرا قربانی کرنا درست ہے، گھر کے کل آدمیوں کی ایک بکرا یا بھیڑ میں شرکت ناجائز اور غلط ہے، عمر کہتا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قربانی سنت ہے، اور ایک بکرا گھر کے کل آدمیوں کی طرف سے کافی ہے۔ "کتاب الأم" ۲/۱۸۷ پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا ہی لکھا ہے۔ اور امام نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ "روضة الطالبين" ۲/۱۹۸ پر لکھتے ہیں کہ ایک شخص اپنے تمام گھر والوں کی طرف سے ایک بکرا قربانی کرے تو کافی ہوگی اور یہی مطلب ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کا، شافعی مسلک سے زید اور عمر کے تکرار کا تفصیل سے جواب دیجئے۔

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

"شرح المهذب" اور "تحفة المحتاج بشرح المنهاج مع حاشيه عبدالحمید کی "كتاب الاضحية" کا مطالعہ کرنے سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک درباب قربانی احقر جو سمجھا ہے، پہلے وہ عرض کرتا ہوں، اس کے بعد زید وعمر کے مباحثہ پر لکھوں گا، انشاء اللہ۔

اصل مسئلہ سے پہلے بطورِ تمہید ایک بات سمجھئے کہ جس طرح فرض کی دو قسمیں ہیں: فرض عین اور فرض کفایہ؛ اسی طرح سنت کی بھی دو قسم ہیں: سنت عین اور سنت کفایہ۔ فرض عین کا مطلب یہ ہے کہ شخصی طور پر ہر آدمی پر اس کی ادائیگی ضروری ہے، گویا اس کام کا ہر ایک کی طرف سے وجود میں آنا ضروری ہے، مثلاً: پنج وقتہ نمازیں فرض عین ہیں، اب ہر شخص (جو مکلف ہو) کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کو انجام دے؛ جب کہ فرض کفایہ میں مقصود اس کام کا وجود میں آنا ہے، چاہے تمام حضرات

(جن سے اس کا مطالبہ کیا گیا ہے) اس کو انجام دیں یا ان میں سے ایک فرد اس کو انجام دے، مثلاً: نماز جنازہ، کہ مطالبہ تو سب سے لیا گیا ہے، لیکن اگر ایک فرد بھی نماز جنازہ پڑھ لے گا تو شریعت کا مقصود حاصل ہو جاوے گا؛ البتہ ثواب تو صرف اسی کو ملے گا، جس نے نماز پڑھی ہے، لیکن ذمہ داری سب سے ساقط ہو جائے گی، اور اگر سب پڑھیں گے، تو اس صورت میں بھی شریعت کا مقصود حاصل ہو جاوے گا اور ثواب سب کو ملے گا اور کسی نے نہیں پڑھی، تو شریعت کا مقصود فوت ہو جاوے گا، جس کی وجہ سے سب گنہ گار ٹھہریں گے۔ سنت کی دونوں قسموں کو بھی اسی طرح سمجھئے کہ سنتِ عین میں ہر ایک سے مطالبہ ہے کہ اس سنت کو ادا کرے، اب اگر ایک یا بعض افراد اس کو ادا کریں گے، تو باقی افراد پر مطالبۂ سنت باقی رہے گا؛ جب کہ سنت کفایہ میں اگر ایک یا بعض افراد نے ادا کر دیا، تو اصل سنت ادا ہو گئی؛ لیکن ثواب صرف اسی کو ملے گا، جس نے ادا کی ہے، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مہذب ۴/ ۵۹۴ میں جہاں سلام وغیرہ کے مسائل ذکر کئے ہیں، وہاں اس کی تفصیل فرمائی ہے۔

تمہید مذکورۂ بالا کے بعد اب ہمارا اصل مسئلہ سمجھئے: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک گھر والوں پر قربانی سنت کفایہ ہے، چناں چہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ "شرح مہذب" میں فرماتے ہیں: قال أصحابنا: التضحية سنة على الكفاية في حق أهل البيت الواحد الخ (۸/۳۸۴) جس کا مطلب یہ ہوا کہ گھر کے تمام افراد پر سنت ہے، گویا ادائے سنت کے مطالبہ میں تمام شریک ہیں، اب اگر تمام افراد الگ الگ قربانی کریں گے، تو ہر ایک سنت کی ادائیگی کرنے والا سمجھا جاوے گا، لیکن اگر گھر کے تمام افراد میں سے ہر ایک نے قربانی نہیں کی؛ بلکہ کسی فرد واحد نے قربانی کی، تو اس

صورت میں تمام پر سے مطالبہ ساقط ہو گیا، لیکن سنت کا ثواب تو صرف اسی آدمی کو ملے گا، جس نے قربانی کی ہے، اور قربانی ادا صرف اسی کی طرف سے ہوئی، جس نے کی ہے۔

چناں چہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فإذا ضحى حصل سنة التضحية في حقهم، قال الرافعي: الشاة الواحدة لايضحى بها إلاعن واحد؛ لكن إذا ضحى بها واحد من أهل بيت، تأتي الشعار، والسنة لجميعهم، قال: وعلى هذا حمل ماروي أن النبي ﷺ ضحى بكبشين، قال: اللّٰهم تقبل من محمد، و آل محمد قال: وكما أن الفرض ينقسم إلى فرض عين وفرض كفاية، فقد ذكر الأصحاب أن التضحية كذلك، وإن التضحية مسنونة لكل أهل بيت، هذا كلام الرافعي الخ (شرح مهذب ٣٨٤/٨)

"تحفة المحتاج" میں ہے: ومعنى كونها سنة كفاية مع كونها تسن لكل منهم سقوط الطلب بفعل الغير لا حصول الثواب لمن لم يفعل كصلاة الجنازة (٣٤٥/٩)

اس کی مزید وضاحت فرماتے ہوئے محشی رقمطراز ہیں: (قوله سقوط الطلب بفعل الغير) يحتمل أن المراد أصل الطلب، لا الطلب على الاطلاق؛ حتى لو فعلها كل ولو على الترتيب وقعت أضحية وأثيب (٣٤٥/٩)

لیکن اس کے باوجود ایک بکری کی قربانی ایک آدمی کی طرف سے ہوگی، زیادہ کی طرف سے نہیں۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تجزئ الشاة عن واحد، ولا تجزئ عن أكثر من واحد؛ لكن إذا ضحى بها واحد من أهل البيت تأدى الشعار في حق جميعهم الخ (شرح المهذب ٣٩٧/٨)

”تحفہ“ میں ہے: وتجزئ الشاة الضائنة والماعزة عن واحد فقط اتفاقاً لا عن أكثر (تحفة المحتاج ۹/۳۴۹)

اب زید وعمر کی گفتگو کی طرف توجہ دیجئے: زید کا کہنا کہ ایک آدمی کی طرف سے ایک بکرا قربانی کرنا درست ہے، گھر کے کل آدمیوں کی ایک بکرا یا بھیڑ میں شرکت ناجائز اور غلط ہے، اپنی جگہ بالکل درست ہے۔ اس کے بالمقابل عمر کا یہ فرمانا کہ ایک بکرا گھر کے کل آدمیوں کی طرف سے کافی ہے، اس کا مطلب اگر یہ لیا جائے کہ اس سے سنت کفایہ ادا ہو جاوے گی، تو یہ بھی درست ہے۔ اور اگر اس کا مطلب یہ لیا جاوے کہ ایک بکرے میں تمام کی شرکت جائز و درست ہے، تو اس صورت میں غلط ہوگا، اور چوں کہ عمر کا یہ کلام زید کے کلام کے جواب میں ہے، اور زید کے کلام میں شرکت کا مسئلہ چھیڑا گیا ہے، اس لیے عمر کے کلام میں بھی شرکت والا مطلب ہی لیا جاوے گا، اور اس کے کلام کی تغلیط کی جاوے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸/شوال المکرم ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قربانی کے لیے سینگ دار دنبہ بہتر ہے یا بے سینگ کا دنبہ؟

سوال: قربانی میں سینگ دار دنبہ بہتر ہے یا بے سینگ کا دنبہ بہتر ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو دنبہ زیادہ قیمت والا ہو وہ کم قیمت والے کے مقابلے میں بہتر ہے اور اگر قیمت کے اعتبار سے برابر ہوں تو جس میں گوشت زیادہ ہو وہ بہتر ہے۔ (عالمگیری ۵/۲۹۹)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۲۳ رشوال ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

سینگ ٹوٹے جانور کی قربانی

سوال: دریافت یہ کرنا ہے کہ سینگ کتنا ٹوٹا ہوا ہو تو اس کی قربانی درست ہے؟ ہم نے بہشتی زیور کی حصہ ۳ر صفحہ نمبر ۱۳۱ر مسئلہ ۲۴ پر دیکھا تو اس میں تحریر ہے کہ: سینگ اگر پیدائشی نہ ہو اور اگر ہو تو ٹوٹ گئے ہو بہ شرطے کہ جڑ سے نہ ٹوٹے ہو تو اس کی قربانی درست ہے، تو سینگ کے متعلق اس کے ٹوٹنے کی کسی مقدار کی تعیین ہے؟ اگر کسی مقدار کی تعیین ہے تو کتنی ٹوٹی ہو گی تو قربانی درست ہو گی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس جانور کے سینگ نہ ہوں یا ٹوٹ گئے ہوں، یا اوپر کا خول اتر گیا ہو اس کی قربانی درست ہے؛ البتہ سینگ جڑ سے ٹوٹ گئے ہوں یا اکھڑ گئے ہوں اور چوٹ کا اثر دماغ تک پہنچ گیا ہو تو ایسے جانور کی قربانی درست نہیں ہے۔

عالمگیری میں ہے: ويجوز بالجماء التي لا قرن لها، وكذا مكسورة القرن كذا في الكافي، وإن بلغ الكسر المشاش لايجزيه. والمشاش: رؤس العظام مثل الركبتين والمرفقين كذا في البدائع (عالمگیری۵/ ۲۹۷)

شامی میں ہے: فإن بلغ الكسر إلى المخ لم يجز(شامي۵/ ۲۲۷)

بدائع کی عبارت میں (جو عالمگیری اور شامی میں ہے) تصریح ہے کہ: مانعِ جواز وہ شکستگی ہے جو مشاش تک پہنچی ہیں، اور مشاش ہڈیوں کے سروں کو کہتے ہیں جیسے گھٹنے

اور کہنیوں کے جوڑ (یہاں رؤس العظام سے مراد دماغ کی ہڈی کا سرا ہے)، اس سے کم شکستگی مانع جواز نہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ اردو ۶/ ۱۶۱، ۱۶۲)

مزید تفصیل کے لیے فتاویٰ رحیمیہ (۶/ ۱۶۲) کا مطالعہ فرمائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۹/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۹ھ

خنثیٰ جانور کی قربانی اور اس کا کھانا

سوال: ماکول اللحم جانوروں میں جو جانور خنثیٰ ہوتا ہے اس کی قربانی اور اسی طرح عام حالت میں ذبح کر کے کھانا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

ماکول اللحم جانور اگر خنثیٰ ہو تو اس کو ذبح کر کے کھانا جائز ہے، اس کی قربانی جائز نہیں بشرطیکہ وہ خنثیٰ مشکل ہو۔

ولا بالخنثى لان لحمها لا ينضج شرح وهبانية (درمختار) قوله (لان لحمها لا ينضج) من باب سمع، وبهذا التعليل اندفع ما اورده ابن وهبان من انها لا تخلو اما ان تكون ذكرا او انثى وعلى كل تجوز (شامي ٥/ ٢٠٣)

اگر کسی نے اتفاقاً خنثیٰ جانور کی قربانی کر لی اور اس کا گوشت اچھی طرح پک گیا تو وہ قربانی صحیح ہو جائے گی۔ (امداد الفتاویٰ ۳/ ۵۷۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

خنزیر کے دودھ سے پلے ہوئے جانور کی قربانی

سوال: اگر بکری کا بچہ کسی خنزیر کا دودھ پی لے اور اس کے دودھ سے اس بچے کی

پرورش ہوئی ہے تو کیا ایسے بچوں کی قربانی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یعنی جب کہ وہ بچہ ایک سال کا ہو جائے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایسے بچے کو چند روز باندھ دیا جائے اور چارہ کھلا دیا جائے اس کے بعد اس کی قربانی کی جاسکتی ہے۔

الجدی اذا کان یربی بلبن الاتان والخنزیر ان اعتلف ایاما فلا باس لانه بمنزلة الجلالة، والجلالة اذا حبست ایاما فعلفت لا باس بها فکذا هذا، کذا فی الفتاوی الکبریٰ (عالمگیری ۲۹۰/۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

فاسد بیع کے ذریعہ خریدی گئی گائے کی قربانی

سوال: زید اور بکر نے ایک گائے خریدی سالم سے، اور گائے کی قربانی ان دونوں نے کردی، بعدہ علم ہوا کہ زید و بکر کا بیع کرنا فاسد ہے، تو آیا زید اور بکر کی قربانی درست ہوگی یا نہیں؟ مع حوالہ کتب جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں زید اور بکر کی قربانی درست ہوگئی۔

ولو اشتریٰ شاة بیعا فاسدا، فقبضها، فضحی بها، جاز؛ لأنه یملکها بالقبض (بدائع الصنائع ۷۷/۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ صفر المظفر ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بیع فاسد والے جانور کی قربانی کا حکم

سوال: ایک شخص قربانی کا جانور اس طرح خرید تا ہے، بائع سے کہتا ہے کہ: تم میری طرف سے قربانی کر دینا، جتنا گوشت ہو اس کے ساٹھ روپے قیمت کے حساب سے پیسے لے لینا، آیا اس طرح قربانی ادا ہو جائے گی یا نہیں؟ یا یہ صرف گوشت خریدنا کہلائے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس جانور میں سے کتنا گوشت نکلے گا یہ بوقتِ عقد معلوم نہیں ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بوقت عقد ثمن مجہول ہے، اس لیے یہ بیع فاسد ہوئی۔ (لجهالة الثمن كما هو مقرر في الفقه) اس کے بعد مشتری نے تو قبضہ کیا نہیں ہے، اور بائع کو ذبح کے لیے کہہ رہا ہے، اس صورت میں اس کے امر کے بعد بھی بائع کے لیے ذبح درست نہیں ہے۔

فإن الامر وهو المشتري لايصح اعتاقه بنفسه ولا يجوز له الطحن والذبح؛ لكن الظاهر أن المأمور وهو البائع في مسئلة الطحن والذبح لا يجوز له أيضا. (شامی ۱۴۱/۴) اس لیے قربانی ادا نہیں ہوئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵ر محرم الحرام ۱۴۱۵ھ

بٹائی پر دیے گئے جانور کی قربانی

سوال: بٹائی پر دی ہوئی بکری کے بچے کی قربانی بٹائی پر لینے والا شخص کر سکتا ہے یا نہیں؟ نیز بکری کے مالک کے لیے کیا حکم ہے؟ مسئلہ کے مالہ وما علیہ پر روشنی ڈالیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مالک کر سکتا ہے، بٹائی پر لینے والا کرے گا تو قربانی درست نہ ہوگی۔ (فتاوی رحیمیہ

۱۷۹/۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

چوری کیا ہوا جانور خرید کر قربانی کرنا

سوال: قصداً سارق سے مسروقہ جانور خرید کر قربانی کرنا کیسا ہے، بعد قربانی کے علم ہوا تو کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

ایک سال سے کم بالغ بکرے کی قربانی

سوال: ایک بکرا ہے جس کی عمر ایک سال سے کم ہے؛ لیکن وہ بالغ ہے (اتنی عمر میں بکری کو اس سے حمل ٹھہر جاتا ہے) تو کیا ایسے بکرے کی قربانی کرنا صحیح ہے؟ اثبات یا نفی میں جواب مع الدلیل مطلوب ہے، عین کرم ہوگا۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

ایسے بکرے کی قربانی درست نہیں ہے، پورے سال کا ہونا ضروری ہے۔

لا يجوز الجذع من المعز وغيره بلا خلاف، كما في القهستاني (شامي ٥/٢٢٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/ صفر ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

جانور کی عمر میں قمری تاریخ معتبر ہوگی یا شمسی؟

سوال: قربانی کے جانوروں میں ایک سال، دوسال، پانچ سال کی قید قمری تاریخ سے معتبر ہے یا شمسی سے، یوم ووقت کی کمی کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قمری سنین کا اعتبار ہوگا، اور کمی (چاہے ایک دن کی ہو اس) کی گنجائش نہیں ہے؛ البتہ دنبہ سال سے کم ہے؛ لیکن اپنی فربہی کی وجہ سے دیکھنے میں ایک سال کا معلوم ہوتا ہے تو اس کی درست ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

جانور کی عمر کے سلسلے میں کس کی بات معتبر ہوگی؟

سوال: جانوروں کے سال کی کمی زیادتی میں بائع ومشتری کے مابین کس کا قول معتبر ہے، مشکوک جانور کی قربانی ایسی حالت میں کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مشتری کو مالک کی بات پر اعتماد نہ ہو تو نہیں کر سکتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

کتے نے کاٹ لیا ہو ایسی گائے کی قربانی

سوال: اگر کسی گائے کو کتے نے کاٹ لیا ہو، اور ایک سال گزر گیا ہو اور زخم بالکل مندمل ہو چکا ہو، آیا ایسی گائے کی قربانی جائز ہے؟ اور اگر جائز ہے تو اس کا

گوشت کھانے کے کام میں لا سکتے ہیں یا نہیں؟ مفصل جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کتے کا کاٹ لینا ان عیوب میں سے نہیں ہے جن کی بناء پر جانور قربانی کے لائق نہیں رہتا، اس لیے سوال میں مذکور گائے کی قربانی، بشرطیکہ کوئی دوسرا عیب مانع عن الاضحیۃ نہ ہو تو بلا تردد درست ہے؛ نیز جب اس کا زخم مندمل ہو کر سال بھر گزر گیا ہے تو اس کے گوشت میں بھی کوئی مضر مادہ موجود نہیں ہے اس لیے اس کے کھانے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ (ماخوذ از فتاویٰ محمودیہ ۱۷/ ۳۹۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ ذوالقعدہ ۱۴۰۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مینڈھا، بھیڑ اور دنبہ کی جنس ایک ہے یا الگ الگ؟

سوال: تین جانور کے نام ہیں: مینڈھا، بھیڑ، دنبہ۔ گجراتی از اردو ڈکشنری میں تینوں کا معنی یہ لکھا ہے مینڈھا (گھیٹا)، بھیڑ (گھیٹی)، دنبہ (موٹی اور بھاری دم والا مینڈھا) فتاوی رحیمیہ جلد ثالث، اختری بہشتی زیور میں پہلے دو کے بارے میں قربانی کے لیے مکمل ایک سال کا ہونا ضروری لکھا ہے، فتاوی شامی کتاب الاضحیۃ میں بھی مکمل ایک سال کا ہونا ضروری لکھا ہے؛ جب کہ تیسرے کے بارے میں چھ ماہ سے زیادہ کا ہو اور سال بھر کا معلوم ہوتا ہو تو اس کی قربانی کو جائز لکھا ہے، اگرچہ بہشتی زیور میں پہلے دو کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے کہ میں تو ایک سال سے کم ہونے پر ناجائز کہتا ہوں لیکن حکمتاً منع بھی نہیں کرتا ہوں۔ (بہشتی زیور)

حضرت پیری وسیدی وسندی مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فتاوی محمودیہ جلد ۴ میں فتاوی شامی کی کتاب الاضحیہ میں حکم پہلے دو کے بارے میں ایک سال سے کم ہونے پر عدم جواز کا لکھا ہے؛ جب کہ کتاب الزکوۃ میں "الضان من المعز" کی عبارت سے مینڈھا اور دنبہ کے ایک ہونے پر استدلال کر کے تینوں کا حکم برابر لکھا ہے، آخر اس باب میں قول فیصل کیا ہے؟ کیا یہ تینوں جنس کے اعتبار سے ایک ہیں یا الگ الگ؟ اور قربانی کے باب میں تینوں کا حکم ایک ہے یا مفتی عبدالرحیم صاحب دامت برکاتہم کے فیصلے کے مطابق الگ الگ؟ جواب سے نوازیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

میں اس مسئلہ میں جو سمجھا ہوں اس کا خلاصہ پیش کرتا ہوں، عربی زبان میں چار الفاظ استعمال ہوتے ہیں: معز، ضأن، غنم، شاۃ

"معز" کا ترجمہ اردو زبان میں بکری (مذکر ومؤنث)۔ اور "ضأن" کا ترجمہ اردو زبان میں مینڈھا یا دنبہ (مذکر ومؤنث) کریں گے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلا بال والا جانور ہے اور دوسرا اون والا جانور ہے، دوسرے کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک چکتی والا، دوسرا بغیر چکتی کا، غنم اور شاۃ عربی زبان میں معز اور ضأن دونوں پر بولا جاتا ہے بلکہ شاۃ کا اطلاق معز اور ضان کے علاوہ بقر ونعام وغیرہ پر بھی ہوتا ہے۔

المعز... خلاف الضأن من الغنم فالمعز ذوات الشعور منها، والضأن ذوات الصوف (تاج العروس ۸۲/۴ بحذف)

والضأن: خلاف المعز من الغنم، ضأن (ایضاً:۲۹۲/۹) ومنه حديث شفيق مثل قراء هذا الزمان كمثل غنم ضوائن ذات صوف عجاف (ایضا)

الشاة: الواحدة من الغنم تكون للذكر والانثى أويكون من الضأن والمعز والظباء والبقر والنعام وحمر الوحش (تاج العروس۹/۳۹۵)

الضأن ذو الصوف من الغنم (المعجم الوسيط:۵۳۲)

المعز: ذو الشعر من الغنم خلاف الضأن (ايضا:۸۷۷)

الشاة: الواحدة من الضأن والمعز والظباء والبقر والنعام الخ (ايضاً: ۵۰۱)

الغنم: القطيع من المعز والضأن لا واحد له من لفظه (ايضاً:٦٦٤)

کتب فقہ میں ''جذع من الضأن'' کی قربانی کو درست قرار دیا ہے بشرطیکہ وہ اتنا فربہ ہو کہ سال بھر والوں میں چھوڑ دیا جائے تو دور سے تمیز ممکن نہ ہو۔

وصح الجذع ذو ستة اشهر من الضأن ان كان بحيث لو خلط بالثنايا لا يمكن التمييز من بُعْد (درمختار على هامش الشامي۵/۲۲٦)

اس میں ضان کی قید لگائی اس سے معلوم ہوا کہ اگر وہ "جذع من المعز" یعنی بکری کی قسم ہو (چاہے مذکر ہو یا مؤنث) تو اس کی قربانی درست نہیں ہے، چناں چہ تمام ہی کتابوں میں صراحۃً لکھا ہے کہ بکرا یا بکری پورے سال بھر کے ہوں تب ہی اس کی قربانی درست ہوگی ورنہ نہیں ہوگی۔ جذع کی تشریح میں فقہاء احناف تحریر فرماتے ہیں کہ جس پر سال کا اکثر حصہ گذر چکا ہو؛ لیکن اس کی مراد کی تعین میں اختلاف ہے: (۱) صاحب محیط فرماتے ہیں: کہ جو آٹھویں مہینہ میں داخل ہو چکا ہو۔ (۲) خزانہ میں ہے کہ جس پر چھ ماہ سے اوپر کی مدت گذر چکی ہو۔ (۳) اور زعفرانی لکھتے ہیں کہ سات ماہ کا ہو۔ (۴): اور انہی سے آٹھ یا نو ماہ کا قول بھی منقول ہے، چوں کہ قاضی خان رحمۃ اللہ علیہ نے خزانہ والا قول ہی ذکر کیا ہے اس لیے اسی کو ترجیح ہے۔

(قوله صح الجذع) بفتحتين، قهستانى (قوله ذو ستة اشهر) كذا

فی الهدا یة، وفسره فی شرح الملتقی: شرعاً بما اتی علیه أ کثر ا لحول عند الأ کثر، قال القهستانی: وفسر الا کثر فی المحیط بما د خل فی الشهر الشامن، وفی الخزانة: بما اتی علیه ستةأشهر وشی ء، وذکر الزعفرانی: أنه ابن سبعة وعنه ثمانیة أوتسعة و مادونه حمل اه قلت: واقتصر فی الخانیة علی مافی الخزانة الخ (شامي:٥/٢٢٦)

الحاصل ضأن اگراتنا موٹا تازہ ہوکہ سال بھر والے ہم جنسوں میں چھوڑ دیا جائے تو کچھ فرق معلوم نہ ہوتو چھ ماہ سے اوپر کی عمر کا ہونے کی صورت میں اس کی قربانی درست ہونے پر اتفاق ہے۔

اب آگے بڑھنے سے پہلے ایک وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہوچکا ہے کہ عربی زبان میں ''ضأن'' اون والے جانور کو کہتے ہیں (بال والے کو نہیں) اس میں دو قسم کے جانور ہوتے ہیں ایک وہ جس کو پیچھے دم کے پاس گول چکتی ہوتی ہے جس کو عربی زبان میں ''إلیة'' کہتے ہیں، دوسرا وہ جس کو پیچھے دم کے پاس گول چکتی نہیں ہوتی، پہلی قسم ''ذوات الإلیة'' کہلاتی ہے، دوسری قسم ''غیر ذوات الإلیة'' کہلاتی ہے۔حدیث پاک میں ''جذع من الضأن'' کی قربانی کی اجازت ہے، اور لغت میں ضأن کا اطلاق ذوات الصوف (اون والے) پر ہوتا ہے جیسا کہ اوپر تاج العروس اور معجم الوسیط کے حوالوں سے آچکا۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کتاب الزکوۃ میں طحطاوی کے حوالے سے قہستانی کی جو عبارت نقل فرمائی ہے اس میں اس کی تصریح ہے، چناں چہ ''باب زکوٰة الغنم'' میں درمختار کی عبارت ضأناً اور معزاً کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: والضأن

ماكان من ذوات الصوف والمعز من ذوات الشعر، قهستاني. (شامي ۲/ ۲۰)

اس لیے بر بنائے لغت ذوات الصوف کے جذع کی قربانی درست ہونی چاہیے چاہے وہ ذوات الإلية (چکتی والے) ہوں یا غیر ذوات الإلية (بغیر چکتی کے) ہوں۔

فقہاء نے بھی عام طور پر ضأن کی تشریح ذوات الصوف سے کی ہے۔ شامی کی کتاب الزکوۃ کی عبارت ابھی گذر چکی، بحر الرائق میں معراج کے حوالہ سے یہی لکھا ہے: وفي المعراج الضأن جمع ضائن كركب جمع راكب من ذوات الصوف (بحر الرائق: ۲/ ۲۳۳)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق بھی یہی ہے، جیسا کہ اختری بہشتی زیور ۳/ ۳۹ کے حاشیہ میں مرقوم ہے، حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق بھی یہی ہے۔ (دیکھئے کفایت المفتی ۸/ ۱۹۱، ۱۹۲)

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب اجراڑوی رحمۃ اللہ علیہ (مفتی مظاہر العلوم) کی تحقیق بھی یہی ہے جیسا کہ انہوں نے بہشتی زیور کے حاشیہ میں تحریر فرمایا ہے۔ (دیکھئے اختری بہشتی زیور ۳/ ۳۹ حاشیہ نمبر ۴)

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ (مفتی اعظم دار العلوم دیوبند) کی تحقیق بھی یہی ہے۔ دیکھئے: فتاوی دار العلوم عزیز الفتاوی ۱/ ۷۱۸۔

حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی مدظلہم کی تحقیق بھی یہی ہے، دیکھئے: احسن الفتاوی ۷/ ۵۲۳، ۵۲۴۔ حضرت مولانا حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو شامی کتاب الاضحیہ کی عبارت (قوم من الضأن) هو ماله الية (شامي ۵/ ۲۲۶) سے جو شبہ ہوا ہے اس کا جواب مفتی رشید احمد صاحب مدظلہم نے احسن الفتاوی (۷/ ۵۲۳) میں دیا

ہے۔اور خود علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بعد جو لکھا ہے: قید به؛ لانه لا یجوز الجزع من المعز وغیره (شامي ٥/٢٢٦) اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر لفظ ضأن کا وہ معنی مراد ہے جو معز کے مقابلہ میں ہے، اور معز کا اطلاق ذوات الشعر پر ہوتا ہے تو اس کا مقابل ضأن اس جگہ ذوات الصوف کے معنی میں ہے چاہے ذوات الالیۃ ہو یا غیر ذوات الالیۃ، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شامی کی عبارت سے پیدا ہونے والا شبہ دور کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ اردو زبان میں عام طور پر بھیڑ کا لفظ غیر ذوات الالیۃ پر اور دنبہ کا لفظ ذوات الالیۃ پر بولا جاتا ہے، مینڈھا کا لفظ غیر ذوات الالیۃ مذکر مؤنث سینگ والے پر بولا جاتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نوٹ: حضرت مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق آپ نے اپنے سوال میں عدم جواز کی جو نسبت فرمائی ہے باوجود جستجو کے میری نظر سے نہیں گذری؛ بلکہ حضرت قدس سرہ تو یہ تحریر فرماتے ہیں کہ: بھیڑ کی قربانی - ''جب کہ اس کی عمر سال بھر سے کم ہو'' ناجائز ہونا میری کس عبارت سے معلوم ہوا، اس کو بھیج دیجئے''۔ (فتاوی محمودیہ ۳۲۹/۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ ربیع الآخر ۱۴۳۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

دنبہ اور بھیڑ میں فرق

سوال: قربانی کے جانوروں میں دنبہ اور بھیڑ، تو بھیڑ کو گجراتی میں کونسے نام سے موسوم اور یاد کیا جاتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اون والا جانور دو قسم کا ہوتا ہے: ایک وہ جس کو چکتی ہوتی ہے، اس کو عموماً اردو میں دنبہ کہتے ہیں، دوسرا وہ جس کو چکتی نہیں ہوتی اس کو اردو میں بھیڑ کہتے ہیں، گجراتی میں ان دونوں کے لیے کا ''گھیٹا'' کا لفظ بولا جاتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ذوالحجۃ الحرام ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

غیر مملوک گھومنے پھرنے والے جانور کی قربانی

سوال: جو جانور مثلاً گائے، بیل وغیرہ روڈ پر گھومتی رہتی ہے، اور خود چرتی ہے اور اس کو کوئی چراتا نہیں، اب آپ سے دریافت یہ ہے کہ اس کا مالک کون ہوگا؟ ہمارے یہاں بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ چوں کہ وہ خود چرتی ہے اور اس کی کوئی دیکھ ریکھ نہیں کرتا، اس لیے اس کا کوئی مالک نہیں، اس لیے اس کو پکڑ سکتے ہیں اور خود مالک بن سکتے ہیں، تو کیا اس شخص کا یہ کہنا درست ہے؟ اور اگر اس جانور کی قربانی کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور اگر اس جانور کو فروخت کرے اور لینے والا اس جانور کی قربانی کرے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے، جب کہ اس کو جانور کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو؟ اور معلوم ہو تو کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایسا جانور لقطہ کے حکم میں ہے، اس کا مالک تلاش کر کے اسی تک پہنچانا ضروری ہے، اگر باوجود تلاش اور جستجو اور اخبارات میں اشتہار دینے کے اس کا مالک نہ ملے

اور یہ یقین ہو جائے کہ اب اس کو کوئی لینے کے لیے نہیں آئے گا، اس صورت میں مالک کی طرف سے کسی غریب، محتاج کو بطورِ صدقہ دے دیا جائے، خود استعمال کرنا یا کسی کے ہاتھ فروخت کرنا درست نہیں، اگر ایسے جانور کی خود قربانی کرلی یا پانے والے نے کسی کے ہاتھ فروخت کردیا اور اس نے قربانی کی تو یہ قربانی شرعاً درست اور معتبر نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم محرم الحرام ۱۴۲۷ھ

قربانی کا جانور بدلنا

سوال: اگر صاحب نصاب نے ایک جانور بنیت اضحیہ خریدا تو کیا اسی جانور کی قربانی واجب ہے؟ اور اگر اس کی جگہ دوسرے جانور کی قربانی کردے تو گناہ کا مرتکب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

دوسرے جانور کی قربانی کرسکتا ہے؛ البتہ اگر دوسرا جانور قیمت میں پہلے جانور سے کم ہے تو دونوں کی قیمت کا فرق صدقہ کردے۔ (احسن الفتاویٰ ۷/ ۴۸۸ سے ماخوذ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قربانی کے بکرے کو بڑے جانور سے بدلنا

سوال: زید اپنے وطن اقامت میں مقیم ہے۔ وہ صاحب نصاب ہے۔ اس نے ایک بکرا قربانی کے لیے پال رکھا ہے لیکن اب زید چند وجوہ کی بناء پر عید الاضحیٰ

اپنے وطن اصلی میں کرنا چاہتا ہے اور وطن اصلی اتنا دور ہے کہ وہاں یہ جانور رحبانا بڑا مشکل ہے تو کیا زید یہاں پر اس بکرے کو جو اس نے پال رکھا ہے فروخت کر سکتا ہے؟ اور اسی رقم سے اپنے وطن اصلی میں جا کر بڑا جانور (گائے، بھینس وغیرہ) خرید کر اس میں سے ایک حصہ اپنا فرض ادا کر کے باقی چھ حصوں میں جس میں عقیقہ یا نفلی قربانی کر سکتا ہے تو کیا یہ صورت جائز ہوگی؟ اور اس کی قربانی درست ہوگی؟

نوٹ: (بڑا جانور بدرجہ مجبوری خریدنا ہے کیوں کہ زید کے وطن میں بکرا، بکری کی قلت کی بنا پر وہاں وہ گراں ہوتا ہے)۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اپنے ذمہ اس کو نذر مان کر واجب نہیں کیا تو محض قربانی کی نیت سے پالنے کی وجہ سے اس کی قربانی متعین طور پر واجب نہیں ہوئی۔ بلکہ وہ اس کا مالک ہے اس کے لیے جائز ہے کہ اس کو فروخت کر کے عمدہ بڑا جانور خریدے جس میں سات آدمی شریک ہو کر اپنا واجب ادا کر سکیں (فتاوی محمودیہ: ۱۴/ ۳۴۳) اسی طرح باقی چھ حصوں میں عقیقہ یا نفلی قربانی کی نیت بھی کر سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ ذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قربانی کے جانور کے بال کاٹنا

سوال: قربانی کے جانور کے بدن پر بڑے بال ہوں، تو جانور کی تندرستی کے لیے بال چھیل سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

اس کی اجازت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹؍ ذو القعدہ ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

قربانی کے شرکاء گوشت کس طرح تقسیم کریں؟

سوال: یہاں قربانی کے دنوں میں قربانی کے گوشت کے سلسلے میں یہ طریقہ رائج ہے کہ قربانی کے بڑے جانور کے ساتوں شرکاء اپنی رضامندی سے یہ کہتے ہیں: آپس میں جو شریک اپنے لیے جتنا چاہے اتنا لے لیوے اور باقی تمام صدقہ کر دیا جائے، تو کیا اِس طریقے پر صدقہ اور تقسیم کرنا درست ہے یا نہیں؟

نیز ایک ہی فیملی کے سات شرکاء ہو، اس وقت بھی تقسیم ضروری ہے یا بہ قدر ضرورت چار پانچ کیلو گوشت لے کر باقی کو صدقہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

اور اگر ایک فیملی کے چار شریک ہوں اور باقی اجنبی ہوں، تو اس صورت میں برابر سرابر سات حصے کرنا ضروری ہے؟ یا ایک جانب چار وزن کر کے الگ کر دیا جائے اور باقی تینوں کو وزن کر کے علاحدہ کر دیا جائے، یہ طریقہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تقسیم ضروری نہیں ہے؛ لیکن اگر شرکاء آپس میں تقسیم کرنا چاہیں تو وزن کر کے برابر کرنا ضروری ہے، اندازہ اور تخمین سے درست نہیں۔

ایک خاندان کے تمام شرکاء ہونے کی صورت میں بہ قدر ضرورت رکھ کر بقیہ کا

صدقہ کردینا درست ہے۔ مناسب یہ ہے کہ تقسیم اندازہ سے کرنا چاہتے ہو تو ساتھ سر، پائے اور کھال کو بھی ملالیں؛ تاکہ درست ہوجائے۔

ويقسم اللحم وزنا لاجزافا؛ إلا إذا ضم معه من الأكارع والجلد صرفا للجنس لخلاف جنسه (درمختار) (قوله: ويقسم اللحم) انظر هل هذه القسمة متعينة أو لا؟ حتیٰ لو اشتریٰ لنفسه ولزوجته وأولاده الكبار بدنة ولم يقسموها تجزيهم أو لا؟ والظاهر أنها لاتشترط؛ لأن المقصود منها الإراقة وقد حصلت...... وحاصله أن المراد بيان شرط القسمة إن فعلت، لا أنها شرط إلخ (شامي ٥/٢٢٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/شعبان ۱۴۱۲ھ

مشترک قربانی کا گوشت کس طرح تقسیم کرے؟

سوال: گائے کی قربانی جو مشترک ہے، اس کے حصوں کی تقسیم میں وزن کر کے حصہ علیحدہ کرنا ضروری ہے؟ کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر مشترک ہی رکھ کر استعمال یا تقسیم کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں، اور اگر تقسیم کرنا چاہتے ہیں تو تول کر برابر کرنا ضروری ہے، تاکہ ربوا لازم نہ آئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

خود کی قربانی میں گوشت تولنے کی ضرورت نہیں

سوال: زید نے اپنی طرف سے قربانی کی اور گوشت کی تقسیم بغیر ناپ تول کے

اندازے سے کرتا ہے، تو اندازے سے تقسیم کرے یا ناپ کر کرے؟ قربانی کے جانور میں دوسرا شریک بھی نہیں ہے، بکر کہتا ہے کہ بغیر ناپ تول کے صحیح نہیں ہے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

جب اس قربانی میں کوئی شریک نہیں تو زید جس طرح چاہے گوشت کی تقسیم کر سکتا ہے، ناپ تول کی ضرورت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ ذوالقعدۃ ۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کافروں کو قربانی کا گوشت دینا

سوال: قربانی کا گوشت کافروں کو دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر دیا تو قربانی صحیح ہوگی؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

کوئی واقعی مصلحت ہو تو دے سکتے ہیں؛ مگر بہتر نہیں ہے، کیوں کہ مسلمانوں میں غرباء کی کمی نہیں ہے۔ (فتاوی رحیمیہ ۶/ ۱۶۵) قربانی کی صحت گوشت کی تقسیم پر موقوف نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قربانی کے جانور کے کسی عضو کو فروخت کرنا

سوال: اگر بکرے کی سری کو بطور کھانے کے نہ لینے کے لیے تیار ہو تو کیا اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت کو صدقہ کر دے تو کوئی حرج تو نہیں؟ جیسے چرمِ قربانی کو

فروخت کر کے اس کی رقم کو فقراء پر خیرات کیا جاتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مناسب تو یہ ہے کہ کسی کو دے دیا جائے، اس کے بعد چاہے وہ شخص کھانے میں استعمال کرے، چاہے فروخت کرے، لیکن اگر مالک نے خود فروخت کیا تو قیمت کا صدقہ کرنا ضروری ہے۔

ومفاده صحة البيع مع الكراهة وعن الثانى باطل لأنه كالوقف مجتبى (درمختار) (قوله ومفاده صحة البيع) هو قول أبي حنيفة ومحمد بدائع لقيام الملك والقدر على التسليم هداية (قوله مع الكراهة) للحديث الآتي. (شامي ٥/٢٣١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵؍محرم الحرام ۱۴۱۵ھ

ذبح سے پہلے قربانی کی کھال فروخت کرنا

سوال: ایک شخص نے قربانی کا جانور خریدا، قصائی نے فروخت کرتے وقت کہا کہ: تم سے معمولی قیمت لے رہا ہوں، پانچ سو روپے کی تو اس کی کھال ہے، مشتری نے کہا: ٹھیک ہے، پانچ سو روپے کی کھال تمہاری ہوگئی، یہ لو باقی رقم۔ معلوم کرنا یہ ہے کہ ایسی صورت میں قربانی درست ہے یا نہیں؟ دوسرے یہ معلوم کرنا ہے کہ زندہ جانور کی کھال کی اس طرح بیع کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جانور کی بیع کے لیے جو ایجاب وقبول ہوا، اس کے مکمل ہونے کے بعد اس آدمی نے کھال کا سودا کیا، اور وہ رقم جانور کی قیمت میں سے وضع کر کے بقیہ رقم ادا کی،

بہر حال جانور کی بیع درست ہونے کی وجہ سے قربانی تو ادا ہوگئی، اور ذبح سے پہلے قربانی کی کھال کی بیع ناجائز ہے۔ (فتاوی محمودیہ ۱۴/ ۳۴۶)

اور پانچ سو کی جو رقم اس نے قیمتِ جانور میں سے وضع کی تھی چوں کہ وہ چرمِ قربانی کے عوض کے طور پر تھی، اس لیے اس کا صدقہ کرنا ضروری ہے۔

فإن بيع اللحم أو الجلد به أى بمستهلك أو بدراهم تصدق بثمنه. (درمختار علی هامش الشامي ٥/ ٢٣١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵ محرم الحرام ۱۴۱۵ھ

چرمِ قربانی کو مکاتب یا مدارس کی تعمیر میں خرچ کرنا

سوال: ① ہمارے شہر کے اکثر بیشتر مکاتب اور مساجد رمضان میں للہ چندے سے وہ بھی گودھرہ ہی میں چندہ کر کے چلاتے ہیں، اور قریب قریب ہر محلے میں مدرسہ مکتب ہے، اسی میں کا ہمارا مدرسہ فیض عام آٹھ مدرس، دو مسجدوں کے امام اور خدام وغیرہ ہے، خرچہ زیادہ ہے، کبھی تعمیری کام ہوتا ہے تو لوگ دیتے ہیں؛ لیکن بطیب خاطر بہت کم، تو سوال یہ ہے کہ: چرم قربانی کو اراکین مدرسہ کچھ قیمت یا آدھی قیمت سے خرید لیں، بازاری قیمت نہ ہو، اور جو نفع ہو اس کو تعمیر میں لگایا جاوے؟

② یا آپ کے ذہن میں کوئی ایسی شکل ہو وہ تحریر فرمائیں جس سے مکاتب کی تعمیر بھی ہو، اور چرم قربانی جائز جگہ استعمال ہو۔

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

① ② چرمِ قربانی اگر مالک یا اس کے وکیل نے فروخت کر دیا تو اس کی قیمت کا فقراء ومساکین پر تصدق واجب ہے، وہ رقم تعمیر یا مدرسین کی تنخواہ میں خرچ کرنا

جائز نہیں۔ (كما هو مصرح في كتب الفقه) آپ نے جو تدبیر اراکینِ مدرسہ کے ہاتھ کم یا نصف قیمت پر فروخت کرنے کی لکھی ہے اس میں بھی بعض صورتوں میں اشکال رہ جاتا ہے؛ اس لیے مناسب صورت یہ ہے کہ لوگ اپنی قربانی کی کھال اراکین مدرسہ میں کسی کو بعینہٖ دے دیں، چاہے وہ غنی ہو، پھر وہ غنی بہ طریقِ وکیل نہیں؛ بلکہ بہ طریقِ مالک اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت اپنی طرف سے تعمیرِ مدرسہ یا تنخواہِ مدرسین کے لے دے؛ البتہ اس تدبیر کی صحت کے لیے حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے دو شرطیں تحریر فرمائی ہیں جو ان ہی کے الفاظ میں یہ ہیں:

''سو اس کی صحت کے لیے دو شرطیں ہیں: اول یہ کہ دینے والے اسی کو مالک بنانے کی نیت سے دیں، ایسا نہ ہو کہ ایک بار اس طریق کے مشتہر کرنے کو کافی سمجھا جائے؛ کیوں کہ جب تک دینے والے لفظی تصریح نہ کریں کہ ہم خاص تمہیں کو دیتے ہیں، تم مالک ہو، اس وقت تک ظاہر اور غالب عوام کی حالت سے یہی ہے کہ وہ بہ نیت مدرسہ میں صَرف کرنے کے دیں گے، اور اس صورت میں وہ غنی مالک نہ ہوگا؛ بلکہ وکیل ہوگا، جس کی بیع بمنزلہ صاحبِ قربانی کی ہوگی اور پھر تصدق واجب ہوگا، جس کی وجہ سے بجز طلبائے غرباء کے دوسرے مصارفِ مندرجۂ سوال میں صَرف کرنا درست نہیں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ: مالک بھی حقیقۃً بنایا جاوے، صرف حیلہ نہ ہو، جس کی علامت اور امتحان یہ ہے کہ اگر غنی اس کو بیع کر کے اپنے خاص حوائج میں خرچ کرے تو اہلِ عطا کو ناگوار اور گراں نہ ہو، اور اس کی شکایت وخدمت یا دل میں اس سے کدورت وانقباض نہ کریں؛ اور اگر ان دو شرطوں میں سے ایک بھی مفقود ہوگی تو وہ غنی مالک نہ ہوگا؛ بلکہ وکیل ہوگا جس کا حکم بضمنِ بیانِ شرطِ اول گذر چکا ہے۔ خوب

سمجھ لیا جاوے، اور مدرسہ چلانے کی ضرورت سے نامشروع افعال کسی طرح مشروع ومباح نہیں ہو سکتے"۔ (امداد الفتاویٰ ۳/ ۵۳۳، ۵۳۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ ذو القعدہ ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

چرمِ قربانی کی قیمت مسجد میں استعمال کرنا

سوال: کیا متولی کا چرمِ قربانی کی قیمت کو مسجد کے کام، مثلاً مسجد کی مرمت، لائٹ وغیرہ میں خرچ کرنا جائز ہوگا؟ باحوالہ بالتفصیل جواب سے نوازیں کرم ہوگا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

متولی کو جو کھال دی گئی ہے، اگر بطورِ وکالت ہے، (جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے) تب تو متولی اس کی قیمت کو مسجد کے کسی بھی کام میں خرچ نہیں کر سکتا؛ بلکہ اس قیمت کا غریب کو دینا واجب ہے، اور اگر بطورِ تملیک ہے، تب متولی اس کی قیمت کا خود مالک ومختار ہے، چاہے اپنی کسی ضرورت میں استعمال کرے اور اگر چاہے مسجد کے کسی کام میں یا اور کوئی کارِ خیر میں لگائے، یہ کھال متولی کو بطورِ تملیک دی گئی ہے، اس کی علامت یہ ہے کہ متولی اگر اس کی قیمت خود اپنے استعمال میں لائے، تب بھی اس پر اعتراض نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸/ ذو الحجہ ۱۴۱۰ھ

چرمِ قربانی کا مصرف

سوال: ادارہ ہر سال اپنی مالی حالت بہتر بنانے کے لیے چرمِ قربانی جمع کرتا

ہے، اس چرم قربانی کو فروخت کرنے پر حاصل ہونے والی رقم کو کس طرح استعمال کیا جائے؟ اطلاعاً عرض ہے کہ اس ادارہ میں کوئی غریب یا یتیم بچہ نہیں ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

چرمِ قربانی کے فروخت سے حاصل شدہ رقم غرباء ومساکین (یعنی مستحقین زکوٰۃ) کو بطورِ تملیک دیدی جائے، یا اگر ادارہ میں کوئی ایسا شعبہ ہو جس کے ذریعہ غرباء ومصیبت زدہ لوگوں کی امداد کی جاتی ہو، تو اس کام میں لگائیں، مثلاً غریب بیمار کی دوائیاں خریدنے میں، غریب بیوہ عورت کی امداد میں وغیرہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹/صفر ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

چرمِ قربانی کا مصرف

سوال: (۱) چرم قربانی کے مصرف کیا کیا ہیں؟
(۲) کیا متولی، امام، مؤذن کو دینا جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) (۲) قربانی کی کھال امیر، فقیر سب کو دینی جائز ہے، اس کے لیے فقیر ہونا شرط نہیں؛ لیکن اگر فروخت کردی ہے، تو اس کی قیمت کا صدقہ کرنا، یعنی غریب کو دینا واجب ہے، قربانی کی کھال کو خود اپنے کام میں لانا، یعنی ڈول (مصلیٰ) وغیرہ بنانا بھی جائز ہے، مگر کھال یا اس کی قیمت کو کسی اجرت میں دینا درست نہیں، امام (یا مؤذن) عام طور پر اس کو اپنی اجرت میں شمار کرتے ہیں؛ لہٰذا ان کو بھی درست نہیں؛ البتہ اگر

امام کی تنخواہ مستقل ہو اور کھال اس کو نہ دی جاتی ہو، پھر اس کو کوئی دیدے، تو درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۴/ ۳۳۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

چرمِ قربانی کا مصرف

سوال: ① ہمارے محلہ کے مدرسہ میں گاؤں کے لڑکے پڑھتے ہیں، باہر کے طالب علم نہیں ہیں، جن کو کھانا پینا دیا جائے۔

② ہمارے محلہ کے اکثر لڑکے کویت کے سفری ہیں، یہ لڑکے ہر ماہ مدرسین کی تنخواہ کویت سے بھیجتے ہیں، اس کے علاوہ مدرسہ کی چند دکانیں ہیں، اور دو مکان مدرسہ کے نباہنے کے لیے۔

③ ہمارے محلہ میں لوگ اکثر صاحبِ نصاب و خوش حال ہیں۔

④ ہمارے مدرسہ کی کمیٹی کے کچھ ممبران محلہ کی قربانی کی کھالوں کو جمع کر کے بیچ کر اس کی قیمت کو حیلہ کر کے اپنی مرضی کے موافق خرچ کرتے ہیں، اور کمیٹی کے کچھ ممبران اس حیلہ کو ناپسند کرتے ہیں۔

⑤ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ قربانی کی کھالوں کی قیمت میں تملیک شرط ہے، اور یہ قیمت غربا و مساکین کا حق ہے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

قربانی کی کھال قربانی دینے والا اپنے استعمال میں لانا چاہے، مثلاً: اس کا ڈول بنایا یا مصلیٰ بنایا اور کسی کام میں استعمال کیا تو درست ہے، اسی طرح کسی دوسرے کو

دیا، اور اس نے اپنے کام میں استعمال کیا، تو یہ بھی درست ہے؛ لیکن اگر قربانی دینے والے یا اس کے وکیل نے وہ کھال بیچ دی، تو اب اس سے جو رقم حاصل ہوئی اس کا صدقہ کر دینا ضروری ہے، جس میں تملیک شرط ہے، اس رقم کو مدرسین کی تنخواہ میں استعمال کرنا درست نہیں ہے۔ (درمختار مع شامی ۵/۲۳۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ ذوالقعدہ الحرام ۱۴۰۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

چرم قربانی کا مصرف

سوال: قربانی کے چمڑے کا روپیہ مسجد کی تعمیر میں یا فرش مسجد بنا سکتے ہیں؟ اس کا جواب باصواب مدلل عنایت فرمائیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر قربانی کی کھال آپ یا دیگر حضرات متولی مسجد کی ملک کر دیں، پھر ان کو فروخت کر کے متولی نے مسجد میں صرف کر دیا تو درست ہے اور اگر بغیر تملیک کے ان کو فروخت کر کے قیمت تعمیر مسجد میں خرچ کی گئی، تو یہ صورت ناجائز ہے، ایسی صورت میں ان قیمتوں کا صدقہ کرنا لازم ہے، چرم قربانی کو اگر فروخت کر دیا جائے، تو قیمت کا صدقہ کرنا ضروری ہوتا ہے اور اس قیمت کو مسجد میں صرف کرنا درست نہیں ہوتا؛ ہاں اگر صاحب قربانی خود (یا اس کا نائب ووکیل) فروخت نہ کرے؛ بلکہ کسی دوسرے کو مالک بنادے، تو وہ فروخت کر کے جہاں چاہے، قیمت صرف کر سکتا ہے۔ (از فتاوی محمودیہ ۴/۳۳۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ　　کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ ذوقعدہ ۱۴۱۰ھ

چرمِ قربانی وغیرہ کی قیمت تعمیرِ مسجد وغیرہ میں صرف کرنا

سوال: چرمِ قربانی کو محلہ میں جمع کر کے اس کو فروخت کر کے تعمیرِ مسجد کرنا جائز ہے؟ فرش جماعت خانہ کے باہر والا حصہ کو بنانا اس پیسے سے جائز ہے؟ کیا مسجد کی تعمیر کرنا درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

چرمِ قربانی کو جب فروخت کر دیا گیا، تو اس کی رقم کا صدقہ کرنا ضروری ہو جاتا ہے، اس لیے اس رقم سے مسجد یا فرش مسجد کی تعمیر درست نہیں؛ البتہ اگر وہ رقم کسی محتاج فقیر کو دے کر اس کو مالک بنا دیا گیا، اور اس نے اپنی مرضی سے بلا کسی جبر کے وہ رقم تعمیرِ مسجد یا فرشِ مسجد میں استعمال کے لیے دی تو درست ہے۔ (درمختار مع شامی ۲۳۱/۵)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ ذوالقعدہ ۱۴۰۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

چرمِ قربانی سے تعمیرِ مسجد و مدرسہ

سوال: ہمارے علاقہ (مہاراشٹر) کے ایک دیہات میں جماعت کے لوگوں نے ارادہ کیا ہے کہ دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی جائے، اور ایک شخص نے ارادہ کیا ہے کہ میں زمین دوں گا جب کہ ابھی مدرسہ کی بنیاد ہے، نہ طلبہ ہیں اور نہ ہی زمین قبضہ میں ہے، اس سے قبل کہ مدرسہ قائم ہو جائے صرف ارادہ کی بنیاد پر بموقعہ عیدالاضحیٰ متولی یا کسی اور شخص کا اس طرح اعلان کرنا کہ ہم مدرسہ کی بنیاد رکھنے والے ہیں، جس میں

حافظ وقاری اور علماء پیدا ہوں گے، اس لیے تمام گاؤں والے حضرات اپنے اپنے چرم قربانی ہمارے پاس لاکر دے دیں، کسی اور جگہ صرف نہ کریں؛ کیوں کہ ہمیں مدرسہ رجسٹریشن کروانا ہے؛ نیز مدرسہ کی زمین مدرسہ کے نام کروانے کے لیے اور زمین کے احاطہ کے لیے اور تعمیر مدرسہ کے لیے صرف کرنا ہے، اس لیے چرم قربانی ہمارے پاس لاکر جمع کردیں، کیا یہ صحیح ہے؟ علاوہ ازیں کیا رقومات چرم قربانی سے تنخواہ ملازمین ومدرسین دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی کو چرم قربانی دینے کی ایک صورت تو یہ ہے کہ جس کو دیا جارہا ہے وہ چاہے تو اس کھال کو اپنے استعمال میں لائے یا اس کو بیچ کر اس کی قیمت اپنے استعمال میں لائے یا جہاں چاہے صرف کرے، تعمیر مسجد یا مدرسہ میں بھی وہ اس کو خرچ کرسکتا ہے؛ اس لیے کہ وہ خود اس کا مالک ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو چرم قربانی کے فروخت کرنے کا وکیل بنا کر اس کی قیمت فقراء پر صرف کرنے کے لیے کہا جائے، اس صورت میں چرم قربانی کی قیمت کو صدقہ کرنا ضروری ہونے کی وجہ سے وہ شخص جس کو چرم قربانی دی گئی ہے وہ رقم ان فقراء کو ہی دے گا، اس صورت میں وہ رقم تعمیر مسجد یا مدرسہ میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ مدارس عربیہ کے ذمہ داروں کی طرف سے چرم قربانی کے سلسلہ میں جو اپیل کی جاتی ہے، اور اس کی بنیاد پر انہیں جو چرم قربانی دیئے جاتے ہیں، وہاں یہی دوسری صورت ہوتی ہے کہ دینے والوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ذمہ داران مدرسہ چرم قربانی فروخت کرکے اس کی رقم طلبہ پر خرچ کریں، اس لیے صورت مسئولہ میں جب مدرسہ کا اور طلبہ کا وجود نہیں ہے، تو ان حضرات کی طرف سے

چرم قربانی کی اپیل فضول ہے؛ لیکن اس کے باوجود اگر دینے والے مسائل سے واقف ہیں، اور وہ پہلی صورت کو مدنظر رکھ کر خود ذمہ دار حضرات کو چرم قربانی کا مالک بنادیتے ہیں، تو ان حضرات کا لینا درست ہے؛ البتہ اس صورت میں اگر یہ ذمہ دار حضرات اپنی ذاتی ضروریات میں چرم قربانی کی رقم صرف کریں گے تو دینے والوں کو کسی قسم کے اعتراض کا حق نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

طلبہ پر چرم قربانی کی رقم صرف کرنا

سوال: ایک کمیٹی ناظرہ تعلیم کا مدرسہ چلاتی ہے جس میں کچھ طلباء وطالبات قرآن ناظرہ سیکھنے آتے ہیں اور دو استاذ مقرر ہیں۔ کمیٹی نے بقرعید کے موقع پر لوگوں کے گھروں سے چرم وصول کئے مدرسہ کے استعمال کی غرض سے بعد میں معلوم ہوا کہ مسئلہ کی رو سے اس طرح محض تنخواہ کے لیے استعمال نہیں کر سکتے۔ تو اب کمیٹی یہ جاننا چاہتی ہے کہ اس جمع شدہ رقم کو کس طرح مدرسہ کے مصرف میں لائے؟ یا پھر اس رقم کو کہاں ادا کرے اور کیسے استعمال کرے تاکہ غلط مصرف سے نجات مل سکے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس رقم کے حق دار غرباء ومساکین ہیں۔ پڑھنے آنے والے طلباء وطالبات میں غرباء کے بچے ہوں تو اس رقم سے ان کا لباس تیار کراکر ان کو دیا جاسکتا ہے یا ان کے علاوہ کہیں بھی کسی غریب محتاج کو دے دینے سے کمیٹی کا ذمہ بری ہوسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ

چرمِ قربانی کی نقد وادھار قیمت میں کمی بیشی

سوال: ہمارے علاقہ میں چرم خریدنے والوں اور فروخت والوں کے درمیان چرم کے سلسلہ میں بیع وشراء کی ایک نئی صورت جاری ہے، وہ یہ کہ چرم خریدنے والا کہتا ہے اگر آپ چرم کی نقد قیمت اس وقت چاہتے ہیں تو ایک کھال کے بدلہ میں نوے روپئے ملیں گے، اور اگر ادھار چھ ماہ کی مدت سے دیں گے تو ایک کھال کے بدلہ میں ایک سو بیس روپئے ملیں گے، تو کیا اس طرح ادھار نقد کے مقابلہ میں زائد تیس روپئے لینا اور ادھار معاملہ کرنا حلال ہے یا حرام؟ اس لیے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ "كل قرض جر نفعاً فهو ربا" أو كما قال عليه السلام اس حدیث کے تحت یہ زائد تیس روپئے سود تو نہیں ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر بوقت بیع چرم قربانی موجود ہے تو اس کو نقد نوے روپئے میں فروخت کرنا یا خریدنا جائز ہے، اسی طرح ادھار کی قیمت نقد سے زیادہ یعنی ایک سو بیس مقرر کرنا بھی جائز ہے؛ البتہ معاملہ ہونے سے پہلے یہ طے ہو جانا چاہیے کہ بیع نقد ہے یا ادھار، اگر یہ طے نہیں کیا تو بیع فاسد ہوگی، یعنی پہلے مشتری سے یہ طے کر لیا کہ نقد لیتے ہو یا ادھار، اگر اس نے نقد لینے کو کہا تب ایک روپیہ ٹھہرائی، اور ادھار لینے کو کہا تو ستر آنے ٹھہرائے، یہ جائز ہے۔ (امداد الفتاوی ۳/ ۲۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

چرمِ قربانی میں شرط لگانا

سوال: ایک شخص دوسرے سے کہتا ہے کہ میں میری کھال تجھ کو دیتا ہوں، تو لے اور تو اس کو تعمیر مسجد و مدرسہ میں صرف کر، تو کیا اس طرح کا حیلہ شریعت میں جائز ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اس کا جواب آگے آچکا ہے، اس کے ساتھ تعمیر مسجد یا مدرسہ میں صرف کرنے کی شرط لگانا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

چرمِ قربانی کی رقم خود وکیل نے استعمال کرلی

سوال: اگر ایسے غریب نے جو خود زکوۃ و چرم قربانی کا مستحق تھا زکوۃ و چرم قربانی کا پیسہ وصول کیا اس ارادہ سے کہ دوسرے غرباء و فقراء پر خرچ کردے گا، خود استعمال کرنے کا ارادہ نہیں تھا؛ لیکن چندہ کرنے کے بعد وہ خود ہی استعمال کرگیا تو سوال یہ ہے کہ اتنا پیسہ دوسرے غرباء پر بطور جرمانہ اسے بھرنا پڑے گا یا اس کا استعمال کرنا درست ہوگیا؟ گنہگار تو نہیں ہوگا؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اگر اس نے چرمِ قربانی کا پیسہ یہ کہہ کر وصول کیا کہ فلاں مدرسہ کے طلبہ پر صرف کروں گا یا فقراء کی فلاں جماعت پر صرف کروں گا، اس صورت میں اگر وہ رقم اس نے خود رکھ لی تو اس پر ضمان واجب ہے اور ضمان کی وہ رقم اب ان طلباء یا فقراء پر

صرف نہ کرے؛ بلکہ دینے والے کو واپس کرے؛ اس لیے کہ اس صورت میں وہ وکیل ہے اور وکیل اگر حدود وکالت سے تجاوز کرے تو ضامن ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

چرم قربانی فروخت کر کے قیمت تنخواہ وغیرہ میں صرف کرنا

سوال: ہمارے یہاں پورے شہر کی قربانی کی کھالیں اہل انجمن لے لیتے ہیں پھر شہر کے مکاتبِ قرآنیہ کے مدرسین واساتذہ کی تنخواہیں اسی طرح عیدگاہ، قبرستان کی صفائی ستھرائی اور مرمت وغیرہ میں خرچ کرتے ہیں، کیا یہ شکل درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اہل انجمن جو قربانی کرنے والوں کے پاس سے قربانی کے جانوروں کی کھالیں وصول کرتے ہیں، وہ ان کھالوں کے نظم وانتظام میں قربانی کرنے والوں کے وکیل ہیں، اب اگر وہ ان کھالوں کو فروخت کر کے ان کی قیمت حاصل کرتے ہیں تو ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس رقم کو زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ کے مصرف میں خرچ کریں یعنی غربا اور مساکین کو بطورِ تملیک دے کر مالک بنا دیں۔ اس کے بعد وہ حضرات چاہیں تو اپنی مرضی اور اختیار سے سوال میں ذکر کردہ کاموں میں استعمال کر سکتے ہیں، اس رقم کو بلا تملیک براہ راست ان کاموں میں استعمال کرنا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

عالمِ دین کا قربانی کی کھالیں مانگنا

سوال: ہمارے محلہ میں ایک عالم دین صاحب ہیں جو صاحب مال ہیں، اور

ان کے مکانات بھی ہیں، اور ان کا کرایہ بھی آتا ہے، دیگر اولاد بھی عالم ہے، آیا ایسا عالم دین قربانی کی کھالیں محلہ والوں کے پاس سے وصول کرسکتا ہے یا نہیں؟

اور اپنی ذات کو دینے کا اعلان مسجد یا بیرون مسجد کرسکتا ہے یا نہیں؟ حالاں کہ وہ صاحب مال ہیں، برائے مہربانی اس مسئلہ کا جواب جلد از جلد مرحمت فرمائیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

قربانی کا گوشت جن لوگوں کو دینا درست ہے ان لوگوں کو قربانی کی کھال بھی دینا درست ہے؛ البتہ جس طرح گوشت معاوضہ اور حق الخذمت کے طور پر دینا درست نہیں، اسی طرح کھال بھی معاوضہ اور حق الخذمت کے طور پر دینا درست نہیں ہے، اگر وہ عالم صاحب معاوضہ یا حق الخذمت کے طور پر مانگ رہے ہوں تو نہیں دینا چاہیے؛ البتہ بلا معاوضہ یا بغیر حق الخذمت دینے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن ان کو سوال کرنے کی اجازت نہیں ہے، اس پر بڑی وعیدیں آئی ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۶ھ

قربانی کی کھال پڑی پڑی بگڑ گئی

سوال: قربانی کے جانور کی کھال کسی کو نہ دی، نہ اپنے استعمال میں لایا بلکہ پڑی پڑی بگڑ گئی تو اب کیا کرے؟ کیا کھال کی قیمت صدقہ کرنی ہوگی یا کچھ نہ دینا ہوگا؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

کچھ بھی لازم نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/ محرم الحرام ۱۴۱۴ھ

قربانی میں بیوی کے نام کے ساتھ باپ کا نام لگے گا یا شوہر کا؟

سوال: عورت کے نام قربانی ہے تو عورت کے ساتھ باپ کا نام لگے گا مثلاً سعیدہ بنت خالد یا شوہر کا نام لگے گا مثلاً سعیدہ زوجہ زید؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی کا بھی لگا سکتے ہیں، مقصد تعیین ہے جو بہر صورت حاصل ہے، یہ تعیین اگر کسی کا نام لگائے بغیر بھی حاصل ہوتی ہو تو اس کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

اپنی قربانی نہ کی ہو ایسے شافعی کا مرحوم والدین کی جانب سے قربانی کرنا

درج ذیل مسائل کا جواب مسلک شافعی کے مطابق دیجئے:

سوال: (۱) میرے والدین نے مجھ کو قربانی کرنے کی وصیت کی ہے، اس کے مطابق میں صرف مرحومین والدین کی جانب سے قربانی کرنا چاہتا ہوں، اور میں نے ابھی تک اپنی جانب سے قربانی نہیں دی ہے؛ لہٰذا میں اپنے والدین کی جانب سے قربانی دے سکتا ہوں یا نہیں؟ اور اس طرح کی قربانی دینا شرعاً درست ہوگی یا نہیں؟

(۲) فلان ابن فلان اپنے مرحومین والدین کی جانب سے قربانی دینا چاہتا ہے؛ حالاں کہ اس کے والدین نے وصیت نہیں کی ہے کہ وہ ان کی جانب سے قربانی کریں، اور اس فلاں ابن فلان نے اپنی جانب سے ابھی تک قربانی تو نہیں کی ہے؛

مگر وہ اپنی جانب سے صرف اپنے مرحومین والدین کی جانب سے قربانی کرنا چاہتا ہے لہٰذا شرعاً وہ قربانی دے سکتا ہے کیا؟

③ ایک شخص کی اولاد صاحبِ استطاعت ہے، اور وہ اولاً اپنے والدین کی جانب سے قربانی کرنا چاہتے ہیں، (اور والدین حیات نہیں) مگر اس شخص کی اولاد نے ابھی تک اپنی جانب سے قربانی تو نہیں کی ہے، تو اس صورتِ مسئولہ میں یہ اولاد ایسے والدین کے لیے قربانی کا انتظام کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور ان کی قربانی نہ ہوتے ہوئے ان کا اپنے والدین کی جانب سے قربانی دینا شرعاً درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ یاد رہے کہ ہمارے دارالافتاء سے فقہ حنفی کے مطابق فتاویٰ صادر کئے جاتے ہیں، ہم فقہ شافعی کے مطابق فتاوی نہ تو صادر کرتے ہیں اور نہ ہمیں فقہ شافعی کی کتابوں سے مزاولت ہے، اس لیے آپ کے لیے مناسب یہی ہے کہ کسی شافعی المسلک مفتی سے حکم معلوم کریں؛ البتہ آپ کی سہولت کے پیشِ نظر شرح المہذب (علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ) سے آپ کی دریافت کردہ باتوں کا جواب تحریر ہے، کسی شافعی المسلک مفتی سے تصدیق کئے بغیر اس کو آخری نہ سمجھیں۔

① میت کی طرف سے قربانی کرنا جب کہ اس کی وصیت میت نے کی ہے بلا تردد درست ہے، اس لیے جب آپ کے والدین نے وصیت فرمائی ہے تو آپ کا ان کی طرف سے قربانی کرنا صحیح ہے۔

واما التضحية عن الميت فقد اطلق ابوالحسن البعادى جوازها؛ لانها ضرب من الصدقة، والصدقة تصح عن الميت وتنفعه وتصل

اليه بالاجماع، وقال صاحب العدة والبغوى: لا تصح التضحية عن الميت؛ إلا ان يوصى بها، وبه قطع الرافعى فى المجرد (شرح المهذب ۴۰۶/۸)

رہا آپ کا اپنی ذات کا معاملہ تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خوشحال پر قربانی واجب نہیں ہے؛ بلکہ سنتِ مؤکدہ ہے، اور وہ بھی علی الکفایہ ہے، یعنی ایک گھرانے والوں میں سے ایک فرد نے قربانی کردی تو سب کی سنت ادا ہوگئی۔

قال اصحابنا: التضحية سنة على الكفاية فى حق اهل البيت الواحد، فاذا ضحى احدهم حصل سنة التضحية فى حقهم، قال الرافعى: الشاة الواحدة لا يضحى بها الا عن واحد؛ لكن اذا ضحى بها واحد من اهل بيت تأتى الشعار والسنة لجميعهم الخ (شرح المهذب ۳۸۴/۸)

(۲) جب ان صاحب کے والدین نے وصیت نہیں کی ہے، تو ان کے لیے مناسب یہی ہے کہ بجائے والدین کی طرف سے قربانی کرنے کے اپنی طرف سے کرے، اس لیے کہ میت کی طرف سے وصیت نہ ہونے کی صورت میں اس کی طرف سے قربانی درست ہونے کے مسئلہ میں مشائخِ شافعیہ کا اختلاف ہے، ابوالحسن بعادی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک درست ہے، اور صاحبِ عدۃ رحمۃ اللہ علیہ وعلامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک درست نہیں ہے، اور علامہ رافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ (عبارتِ منقولہ بالا) اس لیے اختلافی بات میں پڑنے کے بجائے ایسا کام کیوں نہ کریں جو سب کے نزدیک درست ہو، اور وہ اپنی طرف سے قربانی کرنا ہے۔

(۳) اگر اولاد نے یہ قربانی والدین سے اجازت لیے بغیر ان کی طرف سے کی تو والدین کی طرف سے نہیں ہوئی۔

ولو ضحی عن غیرہ بغیر اذنہ لم یقع عنہ (شرح المهذب۸/۴۰۶)

جب والدین کی طرف سے نہیں ہوئی تو خود قربانی کرنے والے کی طرف سے ہوئی یا نہیں؟ تو یہ اختلافی مسئلہ ہے، بعض مشائخ کہتے ہیں کہ اگر وہ جانور نذر کے ذریعہ متعین کرلیا گیا تھا تو خود قربانی کرنے والے کی طرف سے ہوئی، ورنہ نہیں، اور بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ بہر صورت قربانی کرنے والے کی طرف سے ہوگئی۔

قال اصحابنا واذا ضحی عن غیرہ بغیر اذنہ فان کانت الشاۃ معینۃ بالنذر وقعت عن المضحی، والا فلا، کذا قالہ صاحب العدۃ وآخرون، واطلق الشیخ ابراهیم المروزی انّها تقع عن المضحی.
(شرح المهذب ۸/۴۰۷،۴۰۶)

اس لیے اگر اولاد والدین کی طرف سے قربانی کرنا چاہتی ہے تو ان کی اجازت لے کر کرے، ورنہ اپنی طرف سے کرے کہ اس صورت میں بھی سنت سب کی طرف سے ادا ہو جاتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ ذوالقعدہ ۱۴۰۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سابق سالوں کی قربانی کس طرح کریں؟

سوال: اگر کسی کے ذمہ چند سال مثلاً سات یا چھ سال کی قربانی باقی ہو تو سوال یہ ہے کہ ایک گائے کی قیمت صدقہ کرنے سے سات سال والے کا فریضہ اور گائے کی چھ حصہ کی قیمت صدقہ کرنے سے چھ سال والے کا فریضہ ساقط ہو جائے گا یا ہر سال کے بدلہ میں ایک بکری کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

ہر سال کے بدلہ ایک درمیانی قسم کی بھیڑ یا بکری کی قیمت کا صدقہ کرنا ضروری ہے، بڑے جانور کے ساتویں حصہ یا اس کی قیمت سے بھی کام چلے گا۔ (از کفایت المفتی ۸/۲۳۱، فتاویٰ محمودیہ ۱۴/ ۳۴۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

گائے کی قیمت میں وقتِ ادا کا اعتبار ہے

سوال: گائے یا بکری میں سے جس کی قیمت واجب ہو کس وقت کی قیمت کا اعتبار ہوگا وقتِ وجوب یا وقتِ ادا کا؟ یا آدمی کی حالت کو مدنظر رکھا جائے گا؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

صراحت کہیں دیکھی نہیں، اصول کا تقاضہ یہ ہے کہ وقتِ ادا کا اعتبار کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قربانی سے باقی رقم کا مصرف

سوال: ایک صاحب نے اشتہار دیا جو صاحب قربانی کرنا چاہیں ہم پر رقم بھیج دیں ہم قربانی کریں گے نیت یہ کی کہ جو رقم زائد ہوگی وہ میرا حق اس رقم سے ضرورت مندوں کو بلا سود قرض دوں گا اسی طرح بلا سود قرض کا سلسلہ چلتا رہے گا اپنی ذات میں صرف نہیں کروں گا۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اشتہار دینے والے صاحب درحقیقت قربانی والوں کے وکیل ہیں اس لیے ان

کے واسطے ضروری ہے کہ بچی ہوئی رقم مالکین کو واپس کریں البتہ مالکین نے یہ کہہ دیا ہو کہ اگر کچھ رقم بچ جائے تو وہ آپ کی ہے تو اس صورت میں وہ صاحب اس میں اپنی مرضی سے تصرف کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵ / جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

غائب شخص کی طرف سے بدون اجازت قربانی کرنا

سوال: زید صاحب نصاب ہے، وہ اپنی جانب سے اور اپنے اہل وعیال کی جانب سے قربانی کیا کرتا تھا، فی الوقت اس کے پاس اس کے چند بچے یہاں موجود ہیں، اور چند بچے بیرونِ ملک رہائش اختیار کر چکے ہیں، وہ اپنی قربانی اپنے گھر کرتے ہیں، اور یہ دوسرے باقی ماندہ عیال کی جانب سے یہاں کرتا ہے، اب اگر یہ ان کی جانب سے (جو بیرون ملک رہائش پذیر ہیں) قربانی کرنا چاہے تو اس کو ان کی اجازت لینا ضروری ہے یا نہیں؟ اور یہ ذبیحہ جو ہوگا وہ فرض کی جانب سے ہوگا یا نفل ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قربانی کا جانور غائب کی ملک ہو، اس کی طرف سے اس کی قربانی اس کے امر سے بلا تردد درست ہے، بغیر امر کے بھی استحساناً درست ہے؛ لیکن اگر کوئی شخص اپنا جانور کسی دوسرے کی طرف سے قربانی کردے بغیر حصول ملک بذریعۂ ہبہ وغیرہ، تو اس سے قربانی اس کی ادا نہیں ہوگی۔ یہ تفصیل اس کی قربانی میں ہے جس پر قربانی واجب ہے، اگر محض ثواب پہنچانا مقصود ہو تو ہر شخص اپنا جانور قربانی کر کے جس کو

چاہے ثواب پہنچا سکتا ہے۔ (فتاوی محمودیہ: ۱۱/ ۳۲۸، ۳۲۹ ملخصا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ ذو القعدہ ۱۴۱۴ھ

کیا حاجی کے ذمہ عید الاضحیٰ کی بھی قربانی واجب ہے؟

سوال: حاجی لوگ تو حج میں قربانی کرتے ہیں، تو اس کے لیے وہی قربانی کافی ہے کہ دوسری قربانی گھر میں بھی اولاد کے ذریعہ کرائے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایام نحر میں اگر وہ مقیم اور صاحب نصاب ہوں تو عید الاضحیٰ والی قربانی واجب ہے، اور اگر وہ ان ایام میں مسافر ہوں تو واجب نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ ذو القعدہ ۱۴۱۵ھ

حاجی پر قربانی ہے یا نہیں؟

سوال: حاجی حج کو گئے تو وہاں حج کی قربانی طواف زیارت سے پہلے کرتے ہیں۔ لیکن حاجی کے مال کی قربانی وطن میں کرنی ہوگی یا نہیں کہ حاجی مکہ میں دس کو گئے ہیں اور ستائیس تک مکہ میں رہے پھر عرفات میں گئے، منی میں گئے، مزدلفہ میں گئے پھر مکہ میں طواف زیارت کے لیے آئے تو اس حالت میں قربانی مال کی ہوگی یا نہیں؟ دوسری صورت یہ کہ دس کو مکہ میں گئے پھر آٹھ دن مدینہ گئے اور واپس آ کر حج کیا تو ان دونوں صورتوں میں حاجی پر قربانی ہے یا نہیں؟ یا وہ مسافر ہوگا عرفات، مزدلفہ، منی مکہ میں ہے یا الگ ہے۔ ہمارے یہاں حاجی دونوں صورتوں میں قربانی کرواتے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟ یعنی مال کی قربانی کے بارے میں بات ہے کیا وہ مسافر ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حاجی اگر مسافر ہے تو اس پر اضحیہ واجب نہیں ہوتا اگرچہ غنی ہو مگر جو بسبب اقامت مکہ کے مسافر نہیں رہا بلکہ مقیم ہو گیا تو بہ شرط غنی ہونے کے اس پر اضحیہ یعنی قربانی بھی واجب ہے۔ (زبدۃ المناسک ۲/۱۲۹) دس (انگریزی ماہ کی) تاریخ کو مکہ جا کر وہیں قیام رہا اور ستائیس تاریخ کو منی عرفات جانا ہوا تو مکہ مکرمہ میں حاجی کا قیام پندرہ یوم سے زیادہ ہونے کی وجہ سے مقیم بن گیا اب اگر وہ غنی بھی ہے تو اس پر اضحیہ (عید الاضحیٰ) کی قربانی واجب ہے۔ دوسری صورت میں اگر مدینہ منورہ سے آنے کے بعد مکہ مکرمہ میں پندرہ یوم قیام نہیں رہا تو اس پر اضحیہ واجب نہیں اس لیے کہ وہ مسافر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/محرم الحرام ۱۴۱۴ھ

عورت کا شوہر سے چھپ کر زکوۃ، قربانی کرنا

سوال: کیا بیوی شوہر کی چوری سے زکوۃ اور قربانی دے سکتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بیوی اگر اپنے مال میں سے زکوۃ ادا کر رہی ہے یا قربانی دے رہی ہے تو اس میں شوہر سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں، اس کا یہ تصرف اپنے مال میں ہونے کی وجہ سے شوہر کی اجازت پر موقوف نہیں؛ البتہ اس کو بتلا دینا مناسب ہے، تاکہ غلط فہمی کا باعث نہ ہو، اور اگر شوہر کے مال میں سے دے رہی ہے تو ایسا کرنا جائز نہیں، پھر بھی اس کی قربانی اور زکوۃ ادا ہو جائے گی اور شوہر کی اتنی رقم کا تاوان عورت پر باقی

رہے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد خانپوری، ۱۵/ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

باب الصید والذبائح

جنگل کے جانوروں کا شکار کرنا

سوال: جنگل میں رہنے والے جانور جیسے ہرن، نیل گائے اور خرگوش وغیرہ کا شکار کن حالات میں جائز ہے؟ شریعت نے کون کون سی شرائط عائد کی ہیں؟ کیا ان جانوروں کا شوقیہ شکار شریعت میں درست ہے؟ اکثر یہ جانور چارہ اور پانی کی تلاش میں بھٹکتے رہتے ہیں، چر رہے ہوتے ہیں یا پانی پی رہے ہوتے ہیں یا پھر ماں کے ساتھ بچے بھی ہوتے ہیں، ان حالات میں شکاری تاک کر شکار کر لیتے ہیں، شریعت و سنت کی روشنی میں مفصل جواب سے آگاہ کریں؛ تاکہ دینی رہنمائی ہو سکے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شکار کرنا-خواہ حلال جانور کا ہو خواہ حرام جانور کا-شرعاً مباح اور درست ہے؛ جب کہ اس سے شکاری کی مشروع غرض حاصل ہوتی ہو، مثلاً حلال جانور کا گوشت حاصل کرنا مقصود ہو، یا کسی جانور کے پر یا بال یا کھال یا سینگ یا ہڈی وغیرہ کوئی چیز مطلوب ہو، یا مثلاً دفعِ اذیت ہی مقصود ہو، جیسے بعض آدمی بعض اوقات بندر یا بھیڑیے کا شکار کرتے ہیں۔ اگر صرف لہو ولعب اور اضاعتِ وقت مقصود ہو تو ناجائز ہے۔

وحل اصطياد ما يؤكل لحمه و ما لا يؤكل؛ لقوله تعالىٰ: و اذا حللتم فاصطادوا، مطلقًا من غير قيد بالمأكول اذ الصيد لا يختص بالماكول، و لأن اصطياده سبب الانتفاع بجلده أو ريشه أو شعره أو الاستدفاع بشره، و كل ذلك مشروع اه زيلعى ٦ / ٦١ الصيد مباح أشباه ص / ٢٥ و البسط فى فتح البارى ٩ / ٥٢١ (فتاویٰ محمودیہ ٦ /٣١٩، ٣٢٠) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔**

أملاہ العبد احمد خانپوری، ۱۳ / جمادی الاخری ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

شرعی ذبیحہ کسے کہتے ہیں؟

سوال: عیسائیوں کا ذبیحہ جس پر وہ کسی کا نام نہیں لیتے نہ خدا کا اور نہ کسی اور کا اور ذبح میں حلقوم نہیں کاٹتے اسے اہل کتاب کا ذبیحہ کہہ سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

ذبیحۂ شرعی کے لیے تین شرائط ہیں۔ ۱) ذابح کا مسلمان یا کتابی ہونا۔ ۲) بوقت ذبح اللہ کا نام لینا۔ ۳) شرعی طریق پر حلقوم (سانس کی نالی) مری (کھانے کی نالی) اور خون کی دونوں رگیں کاٹ دینا ان میں سے کوئی ایک نہ پائی جائے تو وہ شرعی ذبیحہ نہیں ہے۔ اگر بوقت ذبح اللہ کا نام عمداً چھوڑا گیا ہے تو وہ ذبیحہ حلال نہیں ہے۔

(قوله تارك التسمية عمدا) بالجر عطفا علىٰ و ثنى اى ولا تحل ذبيحة من تعمد ترك التسمية مسلما او كتابيا (شامی ٥/٢١٠)

عروق ذبح جن کو ذبح شرعی میں کاٹنا ضروری ہے چار ہیں حلقوم یعنی سانس کی نالی، مری یعنی کھانا پانی کی نالی، اور خون کی دو رگیں جن کو عربی میں ودجان کہا جاتا

ہے اب اگر کسی آدمی نے ان چار میں سے تین کو کاٹا تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جانور حلال ہو جاتا ہے۔

و عروق الحلقوم كله او وسطه او اعلاه او اسفله وهو مجرى النفس على الصحيح والمرئى هو مجرى الطعام والشراب والودجان مجرى الدم وحل المذبوح بقطع اى ثلاث منها اذ للاكثر حكم الكل. (در مختار على هامش الشامي ٥/٢٠٧)

فالحاصل ان عند ابى حنيفة و محمد اذا قطع ثلاثا اى ثلاث كان يحل. (تقريرات الرافعي ٢/٣٠٣)

فان قطع كل الاربعة حلت الذبيحة وان قطع اكثرها فكذالك عند ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ قالا لا بد من قطع الحلقوم و المرئى و احد الودجين و الصحيح قول ابى حنيفة لان للاكثر حكم الكل كذا فى المضمرات (فتاوى عالمگيرى ٥/٢٨٧)

عیسائی اگر بہ وقت ذبح عمداً اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتے تو ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

شیعہ، بوہری اور عیسائی کے ذبیحہ کا حکم

سوال: شیعہ بوہری اور عیسائی کا ذبیحہ حلال ہے؟ ہے تو کس وجہ سے اور نہیں ہے تو کس بنیاد پر؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اثنا عشری شیعہ تحریف قرآن کے قائل ہیں، تین چار کے سوا باقی تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو کافر ومرتد سمجھتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد گیارہ بزرگوں کو معصوم، مفترض الطاعۃ اور انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل سمجھتے ہیں، اور یہ تمام عقائد ان کے مذہب کی معتبر اور مستند کتابوں میں موجود ہیں، اور ظاہر ہے کہ جو لوگ ایسے عقائد رکھتے ہوں وہ مسلمان نہیں، نہ ان کا ذبیحہ حلال ہے، نہ ان کا جنازہ جائز ہے۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل ۴/ ۲۱۸)

بوہری بھی تحریف کے قائل ہیں اور جمہور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر کرتے ہیں، اس لیے ان کا بھی یہی حکم ہے، عیسائی اگر صحیح معنی میں اپنے مذہب کا ماننے والا ہے، آج کل کے عیسائی کی طرح دہریہ نہیں ہے؛ نیز اسلام چھوڑ کر عیسائی نہیں بنا ہے۔ (یعنی مرتد نہیں ہے) اور اللہ کا نام لے کر ذبح کرتا ہے اور اپنے ہاتھ سے ذبح کرتا ہے تو اس کا ذبیحہ حلال ہے؛ ورنہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نومسلم کا ختنہ اور اس کا ذبیحہ

سوال: اگر کوئی غیر مسلم مسلمان بن گیا، پکا نمازی بن گیا اور مبلغ بھی بن گیا لیکن اس کی مسلمانی نہ کروائی تو اس آدمی کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے کیا اس کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا کھا سکتے ہیں اس کے ساتھ بیٹھ کر کھا سکتے ہیں کیا ایسے آدمی کو مسلمان کہیں گے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ختنہ (مسلمانی) اسلام کا شعار ہے جب وہ آدمی دل سے اسلام قبول کر چکا پکا نمازی اور مبلغ بھی بن گیا تو اس کو چاہیے کہ ختنہ بھی کروالے لیکن اس کے باوجود اس کا ذبح کیا ہوا جانور اگر اس نے اللہ کا نام لے کر ذبح کیا ہے تو حلال ہے اور اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا بھی درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۲۷ رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

اہل کتاب کے ذبیحہ کا حکم

سوال: ایڈنبرہ میں ایک مسجد عرب کی ہے ان کے امام صاحب لوگوں کو بتلاتے ہیں کہ اہل کتاب کا ذبیحہ ہر حال میں کھانا درست ہے چناں چہ وہ لوگ انگریزوں سے ان کا ذبیحہ کھاتے ہیں تو اہل کتاب کا ذبیحہ ہر حال میں حلال ہے یا کوئی قید ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قرآن وسنت کی تصریحات کے مطابق اہل کتاب سے مراد صرف یہود ونصاریٰ ہیں، یہود ونصاریٰ میں وہ لوگ داخل نہیں جو مذھباً دہریئے ہیں، خدا اور رسول اور آخرت کے قائل ہی نہیں، جیسے آج کل یورپ کے بہت سے قومی عیسائیوں کا حال ہے، کہ محض قومی طور پر وہ مسیحی یا عیسائی کہلاتے ہیں؛ مگر وہ خدا کے وجود کے قائل نہیں، پھر کسی رسول وپیغمبر کے کیا قائل ہوتے، ہاں جو لوگ اللہ تعالیٰ کے وجود کے قائل اور حضرت عیسیٰؑ کو نبی، اور تورات وانجیل کو اللہ کی کتاب مانتے ہیں، وہ اہل

کتاب میں داخل ہیں۔ (جواہر الفقہ ۲/ ۳۷۴)

خلاصہ یہ کہ وہ انگریز اہل کتاب (یہود ونصاری) کے مذہب پر قائم ہے، دہریہ یا منکر خدا نہیں ہے، اور ساتھ وہ غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح نہیں کرتا، اور جانور کو باقاعدہ ذبح کرتا ہے، چوٹ مار کر ہلاک نہیں کرتا، تو اس کا ذبیحہ حلال ہے۔

(ماخوذ از معارف القرآن جلد سوم)

اس سلسلہ میں رسالہ اسلامی ذبیحہ جواہر الفقہ جلد دوم اور فتاوی رحیمیہ ۶/ ۱۷۳ تا ۱۷۸ کا مطالعہ فرمالیجئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

شوافع کے نزدیک ذبح کے شرائط

سوال: مذہب شافعی میں ذبح کے صحیح ہونے میں کیا شرائط ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سانس کی نلی اور کھانے کی نلی کا کٹنا ضروری ہے، اور دونوں رگ گردن کا کٹنا مسنون ہے۔

قد ذكرنا ان مذهبنا اشتراط قطع الحلقوم والمرى بكمالها وان الودجين سنة (شرح مهذب ۹/ ۹۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵ جمادی الاخری ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مشینی ذبیحہ کا حکم

سوال: ① امریکہ میں مرغوں کو کاٹنے کے لیے بڑے بڑے پلانٹ ہیں، جن میں مرغے آٹومیٹک کٹتے ہیں اور صاف ہوتے ہیں، اسی قسم کے ایک پلانٹ سے ایک مسلمان مرغے ذبح کرواتا ہے، اور اس پلانٹ کی تفصیل یہ ہے یہ پلانٹ بہت بڑا پلانٹ ہے، رات دن اس میں مرغے بڑی تیز رفتاری کے ساتھ کٹتے ہیں، یہ مرغے ایک لائن پر الٹے لٹکے ہوئے آتے ہیں اور ایک خاص مقام پر پہنچ کر ایک خودکار مدور چھری سے (جو دائرے کی شکل میں چلتی ہے) ذبح ہوتے ہیں، یعنی ان کا گلا یا اکثر کٹ جاتا ہے اور آگے جا کر خودکار طریقہ سے صاف بھی ہوجاتے ہیں، جب مسلمان مرغ ذبح کرنے کو جاتا ہے، تو فرق یہ ہوتا ہے کہ وہ علامت اور نشانی کے لیے ایک جگہ کپڑا باندھ لیتا ہے؛ تاکہ معلوم ہوسکے کہ اس نشانی کے بعد جو مرغ آرہے ہیں، وہ مسلمان کے ہیں، اور دوسرے مرغوں سے اختلاط نہ ہو، نشانی لگانے کے بعد اس آلے پر ہاتھ رکھ کر جس میں خودکار چھری لگی ہوئی ہے، بسم اللہ اللہ اکبر پڑھتا ہے اور بڑی تیزی سے مرغ ذبح ہوتے ہیں، بسا اوقات ہر مرغ پر پورا فقرہ بسم اللہ اللہ اکبر کا نہیں پڑھ سکتا، لیکن اگر بسم اللہ کو ایک مرغ پر اور اللہ اکبر کو دوسرے پر تصور کیا جائے، تو پھر ہر ایک پر پورا ہوجاتا ہے، یہاں کے دو علماء نے (جو دیوبند، ندوہ اور ازہر کے فارغ ہیں) اس پلانٹ کا معائنہ کیا اور اس کو جائز اور حلال قرار دیا ہے، ان میں ایک فاضل کی رپورٹ - جو انگریزی میں ہے - مع اردو ترجمہ کے استفتاء کے ساتھ منسلک ہے، اس کے علاوہ مفتی محمد فرید صاحب مفتی دار العلوم حقانیہ نے اس ذبح

کو کراہت کے ساتھ جائز قرار دیا ہے؛ البتہ بنوری ٹاؤن دار العلوم کراچی تعلیم القرآن پنڈی اور جامعہ اشرفیہ نے ذبح شرعی نہ ہونے کا فتویٰ دیا، جن کے نقول استفتاء کے ساتھ منسلک ہیں، اس تفصیل کے بعد کیا اس ذبیحہ کو اسلامی ذبح قرار دیا جاسکتا ہے؟

② کیا ذبح اسلامی کے لیے مسلمان یا اہل کتاب ہونے، تسمیہ پڑھنے اور چھری وغیرہ سے مطلوبہ رگیں (مری، حلقوم، ودجین) کاٹنے کے علاوہ، ذابح کا عمل بھی شرط ہے، اگر شرط ہے، تو کیا گھر سے ذبح کے لیے تیار ہو کر چلنا، گاڑی چلا کر جانا اور اس آلے پر ہاتھ رکھنا جس میں خودکار چھری لگی ہوئی ہے، کو عمل ذبح قرار دیا جاسکتا ہے، واضح رہے کہ مشین کا بٹن چلانے کے لیے خود پلانٹ والے دباتے ہیں۔

③ ذبح اختیاری میں تسمیہ مذبوح پر مطلوب ہے نہ کہ آلہ پر، تو اس صورت میں مذبوح پر تو تسمیہ پڑھ لیا جاتا ہے؛ البتہ کاٹنے والی مشین ہے، نہ کہ انسان کے ہاتھ۔

④ فرض کیا جائے کہ ایک چھری مشین سے چلتی ہے یا نصب ہے، اس پر مسلمان مرغ کو پکڑ کر ذبح کرلے تو جائز ہوگا یا نہیں؟ بظاہر تو جائز ہے، اگر یہ جائز ہے تو مندرجۂ بالا مسئلہ کو اس پر کیوں قیاس نہیں کیا جاسکتا؟

آپ حضرات سے گزارش ہے کہ غور وخوض کے بعد جلد جواب عنایت فرمائیں؛ کیوں کہ لوگوں میں اختلاف ہے، بعض کھاتے ہیں بعض نہیں کھاتے، کیا کراہت کے ساتھ اس کا کھانا صحیح ہے؟ اور کراہت سے کون سی کراہت مراد ہے؟

نوٹ: کارخانے کے بارے میں یا اس مسئلہ کے بارے میں مزید وضاحت کی ضرورت ہو، تو براہِ کرم ضرور مطلع فرمادیں، تفصیلات بھیج دی جائیں گی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① یہ ذبح شرعی نہیں ہے۔

② ذبح اختیاری میں ذابح کا فعل (اپنے ہاتھ سے گلا کاٹنا) اور اس کی تحریک کا مؤثر ہونا شرط ہے، صورتِ مسئولہ میں مشینی چھری کو چلانے والی اور جانور کا گلا کاٹنے والی برقی لہر ہے، نہ کہ مسلمان کے ہاتھ کی قوتِ محرکہ اور یہ گلا کاٹنا برقی قوت اور مشین کا فعل ہے، نہ کہ مسلمان کے ہاتھ کی قوتِ محرکہ، باقی اس مسلمان کا گھر سے تیار ہو کر جانا وغیرہ افعال اس کا عمل ضرور ہیں، لیکن عملِ ذبح نہیں ہیں۔

③ صرف مذبوح پر تسمیہ تو کافی نہیں، کیا کوئی مجوسی جانور ذبح کر رہا ہو اور کوئی مسلمان اس جانور کو پکڑے ہوئے تسمیہ پڑھ رہا ہے، تو وہ کافی ہوگا؟ ظاہر ہے جواب نفی میں ہے، اس لیے اگرچہ مذبوح پر تسمیہ پڑھا گیا، مگر عمل ذبح مجوسی نے کیا ہے۔

(ھندیہ ۵/۲۸۷)

④ مشین سے چلنے والی چھری پر آپ نے جو صورت فرض کی ہے، وہی فاسد ہے اور آپ کا قیاس بناء الفاسد علی الفاسد ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ شوال المکرم ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مرغی کو مشین سے ذبح کرنے پر ایک سوال

سوال: مرغی کو ذبح کرنے کے بعد مرغی کا پر نکالنے کے لیے مشین چینل کے ذریعہ اِک ایسے ٹب سے گزارتے ہیں جس میں چاروں طرف باون سے اٹھاون ڈگری

گرم پانی کے فوارے لگے ہوتے ہیں، اس گرم پانی کے فوارے سے بیس یا تیس سیکنڈ میں مرغی کو تر بتر کر دیتے ہیں۔ واضح ہو کہ پانی کا درجۂ حرارت بتانے کے لیے ایک الیکٹرک گھڑی لگی ہوئی ہے جو درجۂ حرارت بتاتی رہتی ہے۔ نیز سو ڈگری درجۂ حرارت پر پانی کھولنے لگتا ہے، پھر وہ بھیگی ہوئی مرغی ایک دوسری مشین میں جاتی ہے، جہاں اس کے سارے پر مشین نکال دیتی ہے، پھر آگے جا کر بذریعۂ مشین اس کی گردن کٹ جاتی ہے، پھر مشین چینل کے ذریعہ مرغی آگے بڑھ جاتی ہے، جہاں تین آدمی کھڑے رہتے ہیں جو مرغی کے پیٹ کی آلائش بذریعۂ مشین نکال دیتے ہیں۔

دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ صورتِ مذکورہ بالا میں اس گوشت کا کھانا حلال ہے کہ نہیں؟ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ مرغی کی اندرونی آلائش کا بیس سے تیس سیکنڈ تک باون سے اٹھاون ڈگری گرم پانی سے تر بتر کرنے میں گوشت پر کچھ اثر نہیں پڑتا، نہ ہی کسی قسم کی بو آتی ہے، کمپنی کے ڈاکٹروں کے کہنے پر یقین نہ کرتے ہوئے ہم نے دو متدیّن اور متشرع اور صوم وصلوٰۃ کے پابند مسلم ڈاکٹروں سے رجوع کیا، چناں چہ ان دونوں ڈاکٹروں نے ذبح کی ہوئی دو مرغیاں ہم لوگوں کے سامنے اسٹو پر پانی کھولا کر اس میں تیس سیکنڈ تک رکھا، اور تیس سیکنڈ کے بعد اسٹو پر کھولائے ہوئے پانی سے باہر نکالا اور پیٹ چاک کر کے آلائش کو باہر نکالا؛ مگر جب گوشت کو دھو کر دیکھا تو معمولی گرم تھا، اور سونگھ کر دیکھا تو مرغی کے اندرونی غلاظت کا اثر اور کسی قسم کی بو نہیں پائی گئی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: اگر

کھولتے ہوئے پانی میں مرغی ڈالی اور اتنی دیر اس کے اندر رکھی کہ اس کے پیٹ کی نجاست گوشت میں سرایت کر جانے کا ظنِ غالب ہو تو یہ نجس ہوگئی اور اس کے پاک کرنے کا بھی کوئی طریقہ نہیں؛ البتہ پانی گرم ہو مگر کھول نہ رہا ہو اور مرغی اس میں بہت دیر تک نہیں رکھی یا کھولتے پانی میں ڈال کر فوراً نکال لی تو اس کا گوشت ناپاک نہ ہوگا۔

قال في شرح التنوير: ويطهر لحم طبخ بخمر بغلي وتبريد ثلاثاً، وكذا دجاجة ملقاة حالة على الماء للنتف قبل شقها، فتح. وفي التنجيس: حنط طبخت في خمر لاتطهر أبدا، به يفتى. وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ: (قوله وكذا دجاجة إلخ) قال في الفتح إنها لاتطهر أبدا، لكن على قول أبي يوسف تطهر، والعلة والله أعلم تشربها النجاسة بواسطة الغليان، وعليه اشتهر أن اللحم السميط بمصر نجس، لٰكن العلة المذكورة لاتثبت ما لم يمكث اللحم بعد الغليان زماناً يقع في مثله التشرب والدخول في باطن اللحم، وكل منهما غير متحقق في السميط حيث لايصل إلیٰ حد الغليان، ولايترك فيه إلا مقدار ما تصل الحرارة إلیٰ ظاهر الجلد لتنحل مسام الصوف؛ بل لو ترك يمنع انقلاع الشعر، فالأولیٰ في السمط أن يطهر بالغسل ثلاثًا، فإنهم لايتحرسون فيه عن النجس، وقد قال شرف الأئمة بهٰذا في الدجاجة والكرش والسميط اهـ وأقره في البحر. (رد المحتار ۱/ ۳۰۹)(احسن الفتاویٰ ۲/ ۹۶، ۹۷)

مندرجۂ بالا شامی کی عبارت میں نجاست کی علّت گوشت میں نجاست سرایت کر جانے کا ظنِ غالب ہے، صورتِ مسئولہ میں جیسا کہ آپ نے تحریر فرمایا ہے ''نجاست سرایت نہیں کرتی'' تو وہ گوشت پاک اور حلال ہے۔ چناں چہ حضرت

مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہم مرغیوں کے ذبح کے لیے سلاٹر ہاؤس میں استعمال کیے جانے والے اس طریقہ پر بحث کرتے ہوئے اس پر وارد ہونے والے اشکال کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

قد يتشكل بعض الناس من هذا الطريق أن هذا الغطس في الماء الحار إنما يقع قبل أن تخرج النجاسات من بطن الدجاج فربما تسرى هذا النجاسات إلىٰ لحم الحيوان بفضل الغليان، وقد ذكر الفقهاء أن مثل هذا الحيوان لايحل أبدا، جاء في الدر المختار: "وكذا دجاجة ملقا حالة على الماء المنتف قبل شقها" وقال ابن عابدين تحته: "قال في الفتح: إنما لاتطهر أبدا، لٰكن على قول أبي يوسف تطهر والعلة -والله أعلم- تشربها النجاسة بواسطة الغليان، ولٰكن هذا الإشكال غير وارد في مسئلتنا؛ لأن درجة الحرارة في هذا الماء لاتبلغ إلىٰ نقط الغليان، حيث تكون أقل بكثير من مائة درجة (منوية) ثم بقاء الدجاج في هذا الماء الحار لا يجوز دقائق معدودة لاتكفي لتشرب اللحم النجاسة، والفقهاء الذين قالوا بنجاسة الدجاج إنما قالو ذٰلك إذا كان الماء بلغ إلىٰ درجة الغليان ويبقىٰ فيه الدجاج مدة تكفي لتشريب اللحم النجاسة، قال ابن عابدين رحمه الله بعد بيان المسئلة المذكورة وعليه اشتهر أن اللحم السميط بمصر نجس، لٰكن العلة المذكورة لاتثبت ما لم يمكث اللحم بعد الغليان زمانا يقع في مثله التشرب والدخول في باطن اللحم، وكل منهما غير متحقق في السميط حيث لايصل إلىٰ حد الغليان ولا يترك فيه إلا مقدار ما تصل الحرارة إلىٰ ظاهر الجلد

لتنحل مسام الصوف بل لو ترك يمنع انقلاع الشعر، وهذا ينطبق تماماً على هذا الماء الحار الذي تمر من خلاله الدجاج في هذا الجهاز، وقد أدخلت يدي في الماء فلم يكن محرقا فضلامن كونه بلغ إلىٰ حد الغليان. (أحكام الذبائح: ۵۱- ۵۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔**

العبد احمد خانپوری، ۵ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ

مشین پر مرغیوں کو ذبح کرنے کا طریقہ

سوال: ......میں ایک فیکٹری ہے جس میں ہزاروں مرغیاں ذبح ہوتی ہیں، صاف صفائی وغیرہ کا معقول انتظام ہے، چند علما کا ایک وفد فیکٹری میں بغرضِ معائنہ گیا تھا، اس وفد میں احقر بھی شریک تھا، تمام کام مشینوں سے انجام دیے جاتے ہیں، میں نے دیکھا کہ ایک مشینی چینل میں مرغیوں کے پر باندھ کر الٹا لٹکا دیا جاتا ہے، چینل چلتی ہوئی آگے جاتی ہے، جہاں ایک باریش مسلمان ذبح کے لیے تیار کھڑا رہتا ہے، وہ بسم اللہ اکبر کہتے ہوئے مرغی کے گلے پر چھری پھیرتا ہے، اسی طرح یکے بعد دیگرے مرغیوں کا سلسلہ چلتا رہتا ہے اور ذبح کی جاتی رہتی ہیں۔ دریافت طلب یہ ہے کہ اس طرح مرغی کا ذبیحہ حلال اور جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی مدظلہم تحریر فرماتے ہیں: اگر حلق پر چھری چلانے کا عمل انسانی ہاتھ سے انجام پاتا ہو بقیہ کام مثلاً کھال الگ کرنا، گوشت کے پارچہ بنانا وغیرہ مشین سے انجام دیے جاتے ہوں اور حلق پر چھری چلانے والا

مسلمان (یا صحیح معنی میں کتابی یہودی جانور کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر پڑھے تو ایسا جانور حلال ہوگا، اگر کوئی دوسرا مانعِ شرعی نہ ہوتو اسے کھانا درست ہوگا۔

(موجودہ زمانہ کے مسائل کا شرعی حل: ۱۲۶)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم مشینی طریقہ پر مرغیوں کو ذبح کرنے کے طریقے میں شرعی طور پر جو خلل اور قابلِ اعتراض امور ہیں ان کی اصلاح کی ہدایت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

عدم استخدام السكين الدوار، وإقامة أشخاص مسلمين أو من أهل الكتاب يتناوبون في ذبح الدجاجات التي --- أمامهم وذٰلك بأيديهم، ومع تسمية الله تعالىٰ علىٰ كل دجاجة وقد ذكرت طريقة التفصيلي وأن ذٰلك معمول به في عدة مذابح كبير طلب من أصحابها المسلمون ذٰلك، ولا يقلل ذٰلك من كمية الإنتاج. (أحكام الذبائح: ٥٣- ٥٤)

کتبہ: العبد احمد خانپوری، ۵ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ

حلال جانور کی سات چیزیں کھانا منع ہے

سوال: مرغا، مرغی کی کون کون سی چیزیں شرعا کھانا جائز نہیں ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سات چیز حلال جانور کی کھانا منع ہیں: ذکر، فرجِ مادہ، مثانہ، غدود، حرام مغز جو پشت کے مہرے میں ہوتا ہے، خصیہ، پتہ، مرارہ جو کلیجی میں تلخ پانی کا ظرف ہے، اور خون سائل قطعی حرام ہے۔ باقی سب اشیاء کو حلال لکھا ہے مگر بعض روایات میں

کڑوے کی کراہت لکھتے ہیں اور کراہت تنزیہیہ پر حمل کرتے ہیں۔ (فتاوی رشیدیہ، ۲/۹۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶ صفر المظفر ۱۴۰۷ھ

حلال جانوروں کی کونسی سات چیزیں حرام ہیں؟

سوال: غدہ (جسے اردو میں غدود کہا جاتا ہے) ماکول اللحم جانور کے ۷/ اجزائے محرمہ میں یہ بھی داخل ہے، اگرچہ اس کی حرمت بطور کراہیت تحریمی کے ہے۔ فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی صاحب نور اللہ مرقدہ کا فتوی یوں لکھا ہے کہ: ''جس سالن کے ساتھ ناجائز عضو کو ملا کر پکایا ہے وہ سالن بھی ناپاک ہو گیا''۔ (فتاوی محمودیہ، باب الذبائح، ۱۷/۳۰۱) احقر اور دیگر اقرباء کے مکان میں تو مرغی وغیرہ کو پکانے سے پہلے غدود کو نکالنے کا الحمد اللہ اہتمام رہتا ہے۔ البتہ تشویش کی بات وہاں پیدا ہوتی ہے جب کہ کسی کے یہاں کھانے کی دعوت ہو، کہ اکثر لوگ ناواقفیت کی وجہ سے غدود کو نکالتے نہیں تو کیا ایسی صورت میں جب کہ وہ غدود نہیں نکالا جاتا ہے، سالن ناپاک ہو جائے گا؟ اور دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا جائے؟ امید ہے کہ حضرت والا اس کا حل ارشاد فرما کر تشویش کو دور فرما دیں گے۔

احقر الوریٰ: محمد سعید متالا غفرلہ

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حلال جانوروں کے اعضائے سبعہ کو کتبِ فقہ میں مکروہ لکھا ہے، اس میں سے ایک ''غدۃ'' بھی ہے جس کا ترجمہ ''غدود'' سے کرتے ہیں، اس سے مراد وہ گانٹھ ہے جو

جانور کے جسم میں کھال اور گوشت کے درمیان پیدا ہو جاتی ہے۔ در مختار کے اخیر میں مسائل شتی (قبل کتاب الفرائض) میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔ ”کرہ تحریما، وقیل: تنزیہا، والأول أوجه، من الشاة سبع: الحیاء، والخصیة، والغدة، والمثانة، المرارة، والدم المسفوح، والذکر الخ“ اس کی تشریح میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (قوله والغدة) بضم الغین المعجمة: کل عقدة فی الجسد اطاف بها شحم، وکل قطعة صلبة بین العصب ولا تکون فی البطن کما فی القاموس.

(شامی ۱۰/۴۷۸ زکریا)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے: خون جم کر گٹھلی کی صورت ہو جاتی ہے اس کو ”غدة“ کہتے ہیں وہی اردو میں ”غدود“ کہلاتا ہے۔ (۱۷/۲۹۷)

مصباح اللغات میں ہے: گوشت کا سخت ٹکڑا جو مرض کی وجہ سے کھال اور گوشت کے درمیان پیدا ہو جاتا ہے۔ (۵۹۲) فیروز اللغات میں ہے: غدود: جسم کے اندر کی گانٹھ، گلٹی عربی میں ”غدة“۔ (۶۸۸)

آپ کو اشکال اس لیے ہوا کہ آپ غدود سے حرام مغز سمجھے؛ حالاں کہ وہ مراد نہیں ہے، دراصل گجراتی زبان کی اصطلاح ہے، گجراتی میں حرام مغز کو ”غدود“ کہتے ہیں اردو میں نہیں۔ (کمامر)

عام کتبِ فقہ میں اعضائے سبعہ کی تفصیل میں یہی سات اعضاء لکھے جاتے ہیں، چناں چہ در مختار کے مسائل شتی میں (کمامر)

ملتقی الابحر میں انہی سات کا تذکرہ ہے:

ویکره من الشاة: الحیا والخصیة والمثانة والذکر والغدة والمرارة

والدم المسفوح (ملتقی الأبحر ۲/ ۳۴۱، مسائل شتیٰ)

بدائع الصنائع ۵ /۶۱، عالمگیری ۵ / ۲۹۰ اور کنز الدقائق مع الزیلعی ۶ / ۲۲۶ میں بھی انہی سات کا تذکرہ ہے۔

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اعلاء السنن میں مستقل باب اس مقصد کے لیے قائم فرمایا: "باب ما یکرہ من الحیوان المزکی" عن مجاھد قال: کرہ رسول اللہ ﷺ من الشاۃ سبعا: المرارۃ، والمثانۃ، والغدۃ، والحیاء، والذکر، والأنثیین، والدم وکان رسول اللہ ﷺ یحب من الشاۃ مقدمھا أخرجہ محمد فی کتاب الآثار (ص۱۱۶)

اس کے حاشیہ پر فرماتے ہیں: "قال العبد الضعیف: والحدیث اخرجہ الطبرانی فی الأوسط عن ابن عمر، والبیھقی عن مجاھد مرسلاً وعنہ عن ابن عباس موصولا کما فی العزیزی (۳/۱۷۱) الخ (اعلاء السنن۱۳۰/۱۷)

صاحب بدائع نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا اثر بطور دلیل ذکر کیا ہے، اس میں بھی انہیں سات اعضاء کا تذکرہ ہے۔ مطلب کہ ان میں حرام مغز کا تذکرہ نہیں ہے؛ اسی لیے حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب تو تحریر فرماتے ہیں حرام مغز نہ حرام ہے نہ مکروہ، یوں ہی بے چارہ بدنام ہو گیا۔ (کفایت المفتی ۸ / ۲۶۲)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عموماً اس کی کراہت کی شہرت ہے وہ کیسے ہوئی؟ تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ طحطاوی علی الدر المختار میں مسائل شتیٰ میں درمختار کی مذکورہ بالا عبارت کی شرح میں علامہ طحطاوی فرماتے ہیں: "وزید نخاع الصلب" (۴/ ۳۶۰) یعنی حرام مغز کا بھی (ان اعضائے مکروہہ میں) اضافہ کیا گیا ہے، اور حضرت مولانا

رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو اعضائے مکروہہ میں شمار کیا ہے۔

فتاویٰ رشیدیہ میں ہے: الجواب: سات چیز حلال جانور کی کھانی منع ہیں: ذکر، فرج مادۃ، مثانہ، غدود، حرام مغز جو پشت کے مہرہ میں ہوتا ہے، خصیہ، پتہ، مرارہ جو کلیجی میں تلخ پانی کا ظرف ہے اور خون سائل قطعی حرام ہے، باقی سب اشیاء کو حلال لکھا ہے؛ مگر بعض روایات میں گردے کی کراہت لکھتے ہیں اور کراہت تنزیہہ پر حمل کرتے ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ کتب خانہ رحیمیہ دہلی ۴/۹۹)

تنبیہ: فتاوی رشیدیہ کا یہی جواب (مع سوال) فتاوی رحیمیہ ۲/ ۲۲۳ میں نقل کیا گیا ہے، فتاوی رحیمیہ کے شروع کے ایڈیشن میں اسی طرح عبارت نقل کی گئی ہے، یعنی غدود اور حرام مغز کو مستقل ذکر کیا ہے؛ لیکن بعد کے ایڈیشنوں میں کسی نے ان اشیا کے ناموں پر نمبر لگائے ہیں غدود پر نمبر ۴ لگا کر اس کے بعد ''یعنی'' لفظ کا اضافہ کیا ہے، یہ تصرف کس نے کیا؟ اور صاحب فتاوی کی اجازت سے کیا؟ یہ معلوم نہیں ہے؛ البتہ اس میں ہمارے گجراتی زبان والی اصطلاح کی کارفرمائی صاف نظر آتی ہے۔اھ

فتاوی محمودیہ ۱۴/ ۳۵۸ میں حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحب نے مجمع الانہر، طحطاوی علی الدر اور زیلعی شرح کنز کی عبارات نقل فرما کر تحریر فرمایا ہے کہ ''عبارات بالا سے معلوم ہوا کہ آٹھ چیزیں ممنوع ہیں، ایک حرام ہے اور باقی مکروہ تحریمی ہیں۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سے اس سلسلہ میں پوچھا گیا۔ سوال وجواب نقل کرتا ہوں:

سوال: حلال جانور کا حرام مغز کھانا درست ہے یا نہیں؟ فقہ حنفیہ کی کتب میں سات چیزیں حلال جانور کی حرام لکھتے ہیں، ان میں حرام مغز کی حرمت کا کہیں ذکر نہیں؛

مگر حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ رشیدیہ جلد دوم ص ۶۸ میں حرام بتاتے ہیں مگر حوالہ نہ دارد، اس لیے حضرات علماء سے برائے اطمینانِ قلب حوالہ مطلوب ہے۔

الجواب: احقر کو بھی باوجود بہت تلاش کے اس کا کوئی حوالہ نہیں ملا (۱) ممکن ہے کہ حضرت مولانا نے اس نص قرآنی سے استدلال فرمایا ہو جس کو حرمت کے بارے میں فقہاء نے بطور قاعدۂ کلیہ استعمال کیا ہے، یعنی قولہ تعالیٰ ﴿یحرم علیکم الخبائث﴾ ضب کی حرمت میں حنفیہ نے اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے (کما صرح به الشامی فی الذبائح ۵ /۲۱۲) اور یہ ظاہر ہے کہ حرام مغز ایک ایسی چیز ہے کہ طبیعت سلیمہ کو اس سے نفرت اور استقذار لازم ہے؛ بہر حال جب تک کتب مذہب میں اس کی حرمت کی تصریح نہ ملے (۲) حنفی کے لیے حرمت میں تامل کی گنجائش ہے، اور عمل میں احتیاط یہی ہے کہ ترک کیا جائے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(فتاوی دار العلوم (امداد المفتیین) دار الاشاعت کراچی ۲ /۹۷۰، ۹۷۱)

بعد میں اس فتوے پر خود حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کا حاشیہ ہے (۱) بعد میں محترم مولانا سعید احمد صاحب (مفتی مظاہر العلوم سہارنپور) مدظلہم نے نظر فرمائی تو اس کا حوالہ انہوں نے بتلادیا بعینہ درج ذیل "صرح به الطحطاوی علی الدر ۵/۳۶ حیث قال: وزید نخاع الصلب" محمد شفیع عفی عنہ ۱۰ /صفر ۱۳۶۶ھ

(۲) چوں کہ اب تصریح مل گئی جیسا کہ حاشیہ نمبر ایک صفحہ ماقبل میں ذکر کی گئی ہے لہٰذا حکم حرمت کا کرنا چاہیے۔ ۱۲ ش۔

حضرت مولانا مفتی محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سات ہی چیزوں کا تذکرہ فرمایا ہے ان میں حرام مغز کا شمار نہیں ہے۔ (دیکھئے آپ کے مسائل اور ان کا حل

۴/ ۲۵۵)احسن الفتاویٰ ۷/ ۴۰۶ میں بھی اشیائے سبعہ میں حرام مغز کا شمار نہیں ہے۔

اشیائے سبعہ کی کراہت کے سلسلہ میں صاحب درمختار نے دو قول نقل کئے ہیں: "كره تحريما، وقيل: تنزيها، والأول أوجه" تحریم والے قول کو راجح بھی بتلایا ہے، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (قوله وقيل: تنزيها) قائله صاحب القنية، فإنه ذكر أن الذكر أو الغدة لو طبخ فى المرقة لاتكره المرقة، وكراهة هذه الأشياء كراهة تنزية لا تحريماه واختار فى الوهبانية ما فى القنية، و قال: ان فيه فا ئدتين: ا حداهما ان الكرا هة تنزيهة، والأ خرىٰ أ نه لايكره أكل المرقة واللحماه نقله عنه ابن الشحنة فى شرحه واقره (قوله والأول أوجه) لما قدمناه من استدلال الإمام بالآية وأيضا فكلام صاحب القنية لايعارض ظاهر المتون وكلام البدائع (شامي ۱۰/۴۸۷)

شرح منظومہ ابن وھبان میں ہے:

وفى غدود والأنثيين مثانة، حيا ذكر ثم المرارة تزبر، كراهة تنزية وقيل بحرمة، لأن الدم المسفوح معها مقرر (شرح منظومة ابن وهبان ۱۵۵)

عبارتِ بالا سے معلوم ہوا کہ اعضائے سبعہ کی کراہت میں دو قول ہیں: (۱) تحریم۔(۲) تنزیہہ۔ اگرچہ عام فقہاء ومشائخ نے تحریم والا قول اختیار کیا ہے؛ لیکن تنزیہ والا قول علامہ ابن وہبان نے منظومہ میں اختیار کیا ہے اور علامہ ابن الشحنہ نے بھی اس کو اختیار کیا ہے؛ نیز علامہ شامی نے صاحب قنیہ کے کلام کو اس پایہ کا نہیں بتلایا کہ وہ متون اور بدائع کا معارض بن سکے، لیکن متون اور بدائع میں حرام مغز کا تذکرہ نہیں ہے، اس کا ذکر صرف طحطاوی علی الدر میں ہے اور وہ بھی صیغۂ تمریض یعنی "زيد"

کے ساتھ، تو اگر حرام مغز کی کراہت کو تنزیہ پر محمول کیا جائے خصوصاً جب کہ عوام الناس کا اس میں ابتلاء ہے اور اس میں بعینہ حرام مغز کھانے سے احتیاط کرتے ہوئے صرف سالن اور شوربہ کی اجازت دی جائے تو کیا حرج ہے؟ ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ذبح کے بعد مرغی کے پَر جھلسنے سے مرغی ناپاک نہیں ہوگی

(سوال): مرغی کو ذبح کے بعد پیٹ چاک کرنے سے پہلے گرم پانی میں جوش دینے سے نجاست اور غلاظت دور کئے بغیر مرغی ناپاک ہو جاتی ہے، اس قسم کا مسئلہ فتاویٰ رحیمیہ ۲/۹۶ پر طحطاوی کے حوالہ سے منقول ہے؛ نیز فتاوی محمودیہ ۵/۱۵۹ پر شامی کے حوالہ سے بھی (درست نہیں ہے) اس قسم کا فتویٰ ہے، ہمارے یہاں اس قسم کا مسئلہ اٹھا ہے جو عام طور سے یہاں رائج ہے کہ مرغی ذبح کے بعد اس کی روئیں ہاتھ سے صاف کرنے کے بعد پھر آگ میں (بقیہ روئیں جو ہاتھ سے صاف کرتے وقت رہ جاتی ہیں) تھوڑی دیر جلاتے ہیں، فتاوی محمودیہ ۵/۱۵۹ پر بھی اس قسم کا مسئلہ ہے؛ لیکن مزید وضاحت کی غرض سے آنجناب کو تکلیف دے رہا ہوں، امید ہے اطمینان پیدا کریں گے۔

(الجواب): حامداً ومصلیاً ومسلماً

مرغی وغیرہ پرندوں کو ذبح کر کے سرد ہونے کے بعد بڑے بڑے پر اکھاڑ کر جو چھوٹے چھوٹے پر جسم پر رہ جاتے ہیں ان کو جھلس لیا جاتا ہے، (جیسا کہ ہمارے دیار میں رواج ہے) اس کا حکم یہ ہے کہ اس جھلسنے سے مذبوح ناپاک نہیں ہوگا، اس لیے کہ

یہ جھلسنا معمولی ہوتا ہے، جس کا اثر صرف چمڑی تک رہتا ہے، اندر نجاست تک اس کا اثر نہیں پہنچتا اور جوش دادہ مرغی کے ناپاک ہوجانے کی جو علت تشرّبِ نجاست بیان کی گئی ہے، وہ یہاں مفقود ہے، اس لیے وہ پرندہ پاک اور حلال ہے۔ (حاشیہ امداد الفتاویٰ ۱/۱۳۸ از مفتی سعید مدظلہم) فتاویٰ محمودیہ ۵/۱۵۹ میں دوسری صورت کو جو حلال و درست بتلایا ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے۔

جوش دادہ مرغی کا مسئلہ شامی میں موجود ہے: وكذا دجاجة ملقاة حالة على الماء للنتف قبل شقها فتح (درمختار) قوله (وكذا دجاجة الخ) قال في الفتح: إنها لا تطهر أبداً؛ لكن على قول أبي يوسف تطهر، والعلة والله أعلم تشربها النجاسة بواسط الغليان الخ (شامی ۱/ ۲۲۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ذبح کے بعد گرم پانی میں ڈالے ہوئے مرغ کا کیا حکم ہے؟

سوال: آج کل عام طور پر مرغ ذبح کرنے کے بعد اسے گرم پانی میں ڈالتے ہیں تاکہ اس کے پَر آسانی سے نکل آئیں اور بعض مرتبہ آگ پر جھلسایا جاتا ہے، تو کیا اس طرح کرنے سے گوشت ناپاک ہوجائے گا، اگر گوشت ناپاک ہوجاتا ہو تو کیا گرم پانی میں تین مرتبہ دھونے سے وہ پاک ہوجائے گا؟ آج بالعموم بڑے شہروں کی تمام ہوٹلوں میں ذبح کے بعد گرم پانی میں ڈالی ہوئی مرغیاں ہی ہوتی ہیں، اور وہ حضرات جن کا گھر بار بمبئی میں نہیں ہے، وہ ہوٹل ہی میں کھانا کھاتے ہیں تو کیا عام ابتلاء کی وجہ سے کچھ رعایت ہوسکتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر کھولتے ہوئے پانی میں مرغی ڈالی اور اتنی دیر اس کے اندر رکھی کہ اس کی پیٹ کی نجاست گوشت میں سرایت کر جانے کا ظن غالب ہو، تو یہ نجس ہوگی اور اس کے پاک کرنے کا بھی کوئی طریقہ نہیں؛ البتہ اگر پانی گرم ہو مگر کھول نہ رہا ہو اور مرغی اس میں بہت دیر تک نہیں رکھی یا کھولتے پانی میں ڈال کر فوراً نکالی تو اس کا گوشت ناپاک نہ ہوگا۔ (احسن الفتاوی ۲/۹۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کتے کی کاٹی ہوئی مرغی حلال ہے؟

سوال: کسی مرغی کو کتے نے پکڑ لیا ہو اور مرنے سے پہلے پہلے ذبح کردی تو اس کا کھانا کیسا ہے؟ اور جس جگہ سے پکڑا ہے اس جگہ کو دھو کر کھانا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست ہے، جہاں کتے کا منہ لگا ہے اس کو دھو لیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ذوالقعدہ ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

باب العقیقة

عقیقہ میں ولیمہ کا حصہ

سوال: ہمارے یہاں شادی ہے اور ہم اپنے بچوں کا (دو لڑکوں کا) عقیقہ کرنا

چاہتے ہیں، ہمارا ارادہ عقیقہ میں بڑا جانور ذبح کرنے کا ہے؛ لیکن پورے سات حصے عقیقہ کے نہیں، صرف چار حصے ہیں، بڑا جانور ذبح کر کے چار حصے عقیقے کے نکال کر بقیہ تین حصے جو عقیقہ کے نہیں وہ شادی کے کھانے میں استعمال کریں، تو کیا ایسا کر سکتے ہیں؟ اور کیا عقیقہ میں اس طرح جانور ذبح کرنا (کہ چار حصے عقیقہ کے ہوں، اور تین نہ ہوں) کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر ولیمہ مسنونہ ہے، تو عقیقہ کے جانور میں ولیمہ کا حصہ رکھا جا سکتا ہے، اور اس کی وجہ سے عقیقہ باطل نہیں ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ ۴/ ۳۱۳ سے ماخوذ) اگر محض گوشت خوری کی نیت سے بقیہ حصے رکھے ہیں تو عقیقہ باطل ہو جاوے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بڑے جانور میں دو کا عقیقہ

سوال: یا دو لڑکوں کی طرف سے پورا (بڑا) جانور ذبح کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بڑے جانور میں دو بچوں کا عقیقہ درست ہے۔ (فتاوی محمودیہ ۴/ ۳۲۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قربانی میں عقیقہ کا حصہ

سوال: بالغ ہونے سے قبل قربانی کر سکتے ہیں جب کہ اس کا عقیقہ نہیں ہوا

ہے؟ کیا بلوغ کے بعد عقیقہ کر سکتے ہیں؟ گائے، بیل اور اونٹ پر کتنے بچوں کا عقیقہ ہوگا؟ کیا اس کا حکم قربانی کی طرح ہے؟ اگر قربانی کے دنوں میں کسی نے گائے ذبح کرنے کا ارادہ کیا، اس میں اس کے تین حصے ہوں، باقی کی جانب سے عقیقہ ہوسکتا ہے؟ کیا عقیقہ کے گوشت کے تقسیم کا حکم قربانی کے گوشت کی طرح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نابالغ کی طرف سے اس کا باپ اپنے مال میں سے قربانی کرے یہ مستحب ہے، واجب نہیں ہے۔ (شامی ۵/ ۲۲۲) قربانی کا درست ہونا عقیقہ ہونے پر موقوف نہیں ہے، اس کا عقیقہ نہ ہوا ہو تب بھی اس کی طرف سے قربانی درست ہے، بلوغ کے بعد بھی عقیقہ کیا جاسکتا ہے، بڑے جانور میں سات حصے عقیقہ کے بھی رکھے جاسکتے ہیں، قربانی کے جانور میں عقیقہ کے حصہ کی نیت بھی کرسکتے ہیں، یعنی مثلاً: تین حصے قربانی کے ہیں اور بقیہ چار حصوں میں عقیقہ کی نیت کریں، یہ بھی درست ہے، عقیقہ کے گوشت کی تقسیم کا وہی حکم ہے جو قربانی کے گوشت کا ہے۔ (احکام عقیقہ مالابدمنہ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایک ہی جانور میں قربانی اور عقیقہ کرنا

سوال: کیا جائز ہے ایک جانور پر قربانی وعقیقہ بیک وقت کرنا؟ اگر جائز ہے تو عام فہم زبان میں جواب مع الدلیل مطلوب ہے، عین کرم ہوگا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر بڑے جانور میں جس میں شرکت کی اجازت شریعت کی طرف سے ملی ہوئی

ہے، (مثلاً: اونٹ یا گائے میں) اگر شریک ہونے والے حضرات میں سے ایک نے قربانی کی نیت کی ہے، اور دوسرے نے عقیقہ کی نیت کی ہے تو درست ہے، اس لیے کہ ان تمام کا مقصود اللہ تعالیٰ کا تقرب ہے، اگر چہ جہتیں مختلف ہیں، قربانی بھی تقرب الی اللہ کی غرض سے کی جاتی ہے، اور عقیقہ بھی اسی مقصد کے لیے ہوتا ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے: إن الجهات وإن اختلفت صورة فهي في المعنى واحد؛ لأن المقصود من الكل التقرب إلى الله عز شانه، وكذلك إن أراد بعضهم العقيقة عن ولد وُلِد له من قبل، لأن ذلك جهة التقرب إلى الله عزشانه بالشكر على ما أنعم عليه من الولد (٥/٧٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ صفر ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

انتقال کئے ہوئے بچہ کا عقیقہ

سوال: ایسا چھوٹا بچہ جو پیدا ہونے کے دو چار دن بعد ہی یعنی سات دن کے پہلے انتقال کر گیا، اس کا عقیقہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ یعنی سنت، مستحب، جائز ناجائز وغیرہ، اور بصورتِ جواز عقیقہ کے لیے کونسا دن منتخب کیا جائے؟ کیوں کہ عام طور پر عقیقوں میں ساتویں دن کا لحاظ کیا جاتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

عقیقہ مستحب ہے، ساتویں روز عقیقہ کیا جائے۔

شامی میں ہے: يستحب لمن ولد له ولد، أن يسميه يوم اسبوعه،

ويحلق رأسه، ويتصدق عند الأئمة الثلاثة بزنة شعره فضة أو ذهبا، ثم يعق عند الحلق عقيقة الخ. (شامي ٥/٢٣٦)

بچہ پیدا ہونے کے بعد ایک دو دن میں انتقال کر جائے تب بھی اس کا عقیقہ کر سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ یہ عقیقہ قبول ہوگا۔ (کتاب المجموع للنووی ۸/۴۴۸)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایضاً

سوال: جو لڑکا سات دن کے بعد ہفتہ دو ہفتے مہینہ دو مہینے یا سالوں کے بعد؛ حتی کہ بلوغ کے بعد انتقال کر گیا اور اس کا عقیقہ نہ ہوا ہو، اس کا عقیقہ کرنا کیسا ہے؟ یعنی سنت، مستحب، جائز ناجائز وغیرہ کیا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اس کا بھی عقیقہ ہو سکتا ہے۔ (ایضاً) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/شعبان ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بذریعۂ گوشت عقیقہ کرنا

سوال: زید اپنے نو پوتوں کا عقیقہ کرنا چاہتا ہے، جس میں زید کو اٹھارہ بکروں کی ضرورت ہے، زید نے عمر نامی گوشت فروش سے کہا کہ میرے یہاں پوتوں کا عقیقہ ہے، تم مجھے اٹھارہ بکروں کا گوشت کس حساب سے دو گے؟ عمر نامی گوشت فروش نے

کہا کہ کھال، منڈی، پائے کے علاوہ میں آپ کو اٹھارہ بکروں کا گوشت پچھتر روپئے فی کیلو کے حساب سے دوں گا، زید نے کہا کہ ہمارے یہاں عقیقہ ہے، بایں وجہ ہمیں گوشت کے ساتھ کھال، پائے، منڈی سب چاہیے، عمر نے کہا کہ اس صورت میں جب کہ آپ کو گوشت کے ساتھ کھال، منڈی، پائے سب چاہیے تو سو روپئے فی کیلو کے حساب سے اٹھارہ بکروں کا گوشت کھال، منڈی، پائے سمیت دوں گا؛ لیکن کھال منڈی پائے کا وزن نہیں ہوگا، صرف گوشت کا وزن ہوگا سو روپئے فی کیلو کے حساب سے، دریافت طلب بات یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں عقیقہ کی ادائیگی ہو جائے گی یا نہیں؟ اور عقیقہ یا قربانی میں بعد الذبح جانور کی قیمت صورت مسئولہ کے اعتبار سے طے اور اداء کی جاسکتی ہے کہ نہیں؟ اس سلسلہ میں شریعت کا موقف مدلل واضح فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

نوٹ: عمر اٹھارہ بکروں کو عقیقہ کی نیت سے خرید لے گا اور عقیقہ ہی کی نیت سے ذبح وغیرہ ہوگا۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

صورتِ مسئولہ میں زید نے عمر نامی گوشت فروش کے ساتھ معاملۂ بیع گوشت کا کیا ہے؛ بکروں کا نہیں، چناں چہ اس کے الفاظ یہ ہیں ''تم مجھے اٹھارہ بکروں کا گوشت کس حساب سے دوگے؟''

اولاً: گوشت کی بیع اس طرح درست نہیں ہے، اسی طرح کھال، منڈی، پائے کی بیع درست نہیں ہے۔

ولو باع الجلد والكرش قبل الذبح لا يجوز، فان ذبح بعد ذلك

ونزع الجلد والكرش وسلم لا ينقلب العقد جائزا، كذا في الذخيرة.
(عالمگیری ۳/۱۲۹)

ثانیاً: عقیقہ جانور کا ہوتا ہے، گوشت کا نہیں؛ اس لیے کہ عقیقہ میں اراقۂ دم مطلوب ہے، گوشت مقصد نہیں ہے۔ اور اگر صورت مسئولہ میں یہ فرض کرلیا جائے کہ معاملۂ بیع بکروں کا ہے اور گوشت کا تذکرہ تو تعیین قیمت کے لیے کیا گیا ہے تب بھی یہ درست نہیں، اس لیے کہ بوقت عقد یہ معلوم نہیں ہے کہ بکرے میں کتنا کیلو گوشت ہے؟ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بوقت عقد ثمن مجہول رہے گا، اور جہالت ثمن مفسد بیع ہے، اور یہ چیز صحت عقیقہ سے مانع ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

عقیقہ میں نام لینا ضروری نہیں

سوال: جس کی طرف سے عقیقہ کیا جارہا ہو اس کا نام لینا دعا پڑھتے وقت ضروری ہے؟ کیا بغیر نام لیے ہوئے جانور ذبح کرتے وقت دل سے نیت کرلینا کہ فلاں کی طرف سے عقیقہ ہورہا ہے کافی نہ ہوگا؟ نیز ذبح کے وقت صاحب عقیقہ کا وہاں موجود رہنا ضروری ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس کی طرف سے عقیقہ کیا جارہا ہے اس کا نام لینا ضروری نہیں ہے صرف نیت کرلینا بھی کافی ہے۔ البتہ اگر عقیقہ کرنے والا باپ یہ دعا پڑھے تو اچھا ہے: "اللّٰهم هذا عقيقة ابنی فلان دمها بدمه ولحمها بلحمه وعظمها بعظمه

وجلدها بجلده وشعرها بشعره اللهم اجعلها فداء لابنی من النار"۔

(مالا بدمنہ رسالہ عقیقہ)

بوقت ذبح عقیقہ کرنے والے باپ کا وہاں موجود ہونا اچھا ہے ضروری نہیں۔

لان العقيقة كالاضحية كما صرح به الفقهاء۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۶/ جمادی الاول ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

عقیقہ کے گوشت کے مستحقین

سوال: عقیقہ کے گوشت کے کون لوگ مستحق ہیں؟ بعض علاقوں میں گوشت شادی میں کھلا دیا جاتا ہے۔ اور بعض علاقوں میں اجتماع میں وہ گوشت استعمال کیا جاتا ہے مگر ساتھ ساتھ کھانے کا پیسہ لیا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ پیسہ گوشت کا نہیں بلکہ مرچ وغیرہ جو سامان گوشت میں ڈالے جاتے ہیں ان کا وصول کیا جاتا ہے۔ اور گوشت بغیر پیسے کے تو کیا اس طرح کی تاویل درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مستحب است کہ سر جانور عقیقہ بہ حجام و یک ران بہ قابلہ یعنی دائی جنائی و یک ثلث گوشت بہ فقراء بدہند و باقی خود خورند یا بہ اعزا یا احباب تقسیم نمایند (یعنی) مستحب ہے کہ عقیقہ کے جانور کی سری حجام اور ایک ران دائی جنائی کو اور ایک تہائی گوشت فقراء کو دے دیں اور باقی خود کھائیں یا رشتہ داروں یا دوستوں میں تقسیم فرما دیں۔ (حوالہ بالا) جس کھانے کا پیسہ لیا جاتا ہو اس میں عقیقہ کا گوشت استعمال کرنا درست نہیں۔

قیمت تو پورے کھانے کی وصول کی جاتی ہے یہ تاویل درست نہیں ہے۔ ایک مرتبہ تجربہ کے طور پر صرف مرچ مصالحہ ہی دیں کیا لوگ کافی سمجھیں گے؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۶/ جمادی الاول ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

عقیقہ اور اس کے گوشت کا حکم

سوال: زید کو ایک لڑکی ہوئی وہ اپنی لڑکی کا عقیقہ کرنا چاہتا ہے اور عقیقے کے لیے لڑکی کے واسطے صرف ایک بکرا ہے، اور زید چاہتا ہے کہ میں تین بکرا کروں چوں کہ قبیلہ اور خاندان بہت بڑا ہے اس لیے ایک بکرا سے کام نہیں چلتا اب مسئلہ طلب یہ ہے کہ تینوں بکرے یا دو بکرے عقیقے کے ہی نام سے ہوگی یا علیحدہ علیحدہ اور اگر علیحدہ ہے تو پھر کس نیت سے کرنی چاہیے؟ خیرات کی نیت سے یا کھانے کی نیت سے؟ اور اگر خیرات کی نیت سے کریں تو پھر وہ حق غریبوں کا ہوتا ہے، اس لیے ذرا تفصیل سے وضاحت فرمادیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

لڑکی کے عقیقہ میں ایک بکری یا بکرا ذبح کیا جاتا ہے، اگر چاہے تو گائے یا اونٹ (بڑا جانور) بھی ذبح کرسکتا ہے، خاندان کے تمام ہی افراد کو گوشت پہنچانا یا تمام کی دعوت کرنا ضروری نہیں ہے، بہتر یہ ہے کہ جانور میں سے جو گوشت نکلے اس کا ایک تہائی اپنے گھر کے لیے رکھے ایک تہائی رشتہ داروں کے گھر بھیجے اور ایک تہائی غربا اور مساکین کو دے عقیقہ میں نام آوری مقصود نہیں ہونی چاہیے حکم شریعت کی بجا آوری

پیش نظر ہو، اس لیے سادہ طریقہ سے ایک بکرا ذبح کر کے عقیقہ کی فضیلت حاصل کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶؍رجب ۱۳ ۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مرحوم اولاد اور بالغ اولاد کا عقیقہ کرنا

سوال: مرنے والی اولاد کی طرف سے عقیقہ کر سکتے ہیں؟ اگر کوئی بلوغ کو پہنچا مگر کیا نہیں، ہم چاہتے ہیں اس کی طرف سے عقیقہ کریں، تو کیا اس کی طرف سے عقیقہ کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

گنجائش دی گئی ہے، استحباب ثابت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵؍ذوالقعدہ ۱۴ ۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

تبلیغی اجتماع میں عقیقہ کا گوشت دے کر ٹکٹ کم قیمت میں دینا

سوال: چھوٹے بڑے تبلیغی اجتماعات میں کھانے کا ٹکٹ قیمتاً ہوتا ہے، اور اس میں ذمہ دار حضرات اگر عقیقہ کا گوشت مل گیا تو ٹکٹ کی قیمت کم رکھتے ہیں، تو کیا اس طرح سے عقیقہ کا گوشت استعمال کر سکتے ہیں؟ مثلاً اگر ایک وقت کا کھانا دس روپے کا ہوتا ہے، اگر اس میں عقیقہ کا گوشت مل گیا تو دو تین روپے ٹکٹ پر کم کر دیتے ہیں، تو از روئے شرع اس کی صحیح شکل کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کھانے کا جو ٹکٹ ہوتا ہے، عرف اور معاملہ کے اعتبار سے وہی پورے کھانے کی قیمت سمجھا جاتا ہے، اگر چہ دام رعایتی انداز سے مقرر ہوتے ہیں، پھر بھی معاملہ یہی ہوتا ہے کہ جو کھانا دیا جارہا ہے اس کی یہ قیمت ہے۔ جب معاملہ کی نوعیت یہ ہے تو عقیقہ کا گوشت استعمال کرنے کی صورت میں گویا اس کی بھی قیمت وصول کی گئی؛ اس لیے براہِ راست عقیقہ کا گوشت استعمال کرنے سے احتراز کرتے ہوئے عقیقہ کا وہ گوشت منتظمین میں سے ایک دو افراد کو شخصی طور پر دیا جائے، اس کے بعد وہ حضرات اپنی طرف سے وہ گوشت برائے استعمال دیں، یا معمولی قیمت میں فروخت فرما کر بعد میں وہ قیمت بھی اسی میں استعمال کے لیے دے دیں، یا خود رکھ لیں، یا معاف کردیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کیا عقیقہ کی نیت سے عقیقہ واجب ہوجاتا ہے؟

سوال: عقیقے کی نیت کرنے سے عقیقہ کا جانور واجب ہوجاتا ہے؟ اس کی بھی وضاحت کریں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عقیقہ کی نیت کرنے سے وہ واجب نہیں ہوجاتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

قربانی کی نیت سے پالے ہوئے جانور کا عقیقہ کرنا

سوال: والدہ محترمہ ایک خصی بنیتِ قربانی پال رکھتی ہیں، اب مذکورہ خصی کا عقیقہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

محض نیت کی وجہ سے ضروری نہیں ہوگیا، اس کا عقیقہ بھی ہوسکتا ہے۔ (ایضاً ۲/ ۸۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

ولیمہ میں قربانی یا عقیقہ کا گوشت کھلانا

سوال: شادیوں کے مواقع پر بطور ولیمہ قربانی یا عقیقہ کا گوشت کھلانا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

چوں کہ بوقت نکاح عموماً دعوت کھانے والے ہدیہ بھی پیش کرتے ہیں؛ بلکہ بعض مقامات پر ضروری سمجھا جاتا ہے، اب اگر اس میں قربانی یا عقیقہ کا گوشت کھلایا گیا، تو اس پر عوض کا شبہ ہوتا ہے، اس لیے ایسے مواقع پر احتراز ضروری ہے، ورنہ فی نفسہٖ جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

كتاب القضاء والقصاص

ایک فریق کی عدمِ موجودگی میں دوسرے فریق کی بات سننا

سوال: زید ایک ادارہ کا زندگی بھر (Life long) ٹرسٹی ہے، ادارہ نے زید کو چندہ وصول کرنے پر بعوض اجرت متعینہ ماہانہ مقرر کیا، چندہ دینے والے زید کے سامنے بحیثیت ٹرسٹی اور چندہ وصول کرنے والے ادارہ کے متعلق چند اشکالات کرتے ہیں اور اطمینان بخش جوابات طلب کرتے ہیں، زید نے دوسرے ٹرسٹیوں کے سامنے چندہ دینے والوں کے اشکالات کو پیش کیا اور جواب دینے کی درخواست کی؛ تاکہ چندہ دینے والوں کو مطمئن کیا جائے، جب دوسرے ٹرسٹیوں نے جواب دینے کی طرف توجہ اور دھیان نہیں دیا تو زید نے وہی اشکالات لکھ کر ٹرسٹیوں کو پیش کیا، اس پر ٹرسٹی حضرات ناراض ہو گئے اور خط واپس لینے کو کہا، جب زید جواب دینے پر مصر ہوا تب ٹرسٹیوں نے جواب دینے کے لیے زید کی موجودگی میں اشکالات پڑھنے اور اس پر غور کرنے کی تقریباً تین مجلسیں قائم کیں، آخری مجلس میں زید نے دوسرے ٹرسٹیوں سے گذشتہ مجلس کی ذکر کردہ باتوں کا اختصار (Minutis) طلب کیا، زید کو ٹرسٹیوں کے اشکالات پر صحیح طور سے غور کرنے پر اور ان کے طریقۂ کار پر اطمینان نہیں ہوا، اور وہ مجلس سے نکل گیا، اس ادارہ کے دستور العمل میں ایک دستور یہ ہے کہ اگر کسی ٹرسٹی کا عمل اور طریقہ ادارہ کے حق میں مضر ہے تو اس کو معزول کیا جا سکتا ہے، لہٰذا ٹرسٹیوں نے زید کو ٹرسٹی سے معزول کیا، ٹرسٹی کے عہدہ سے معزول کرنے سے قبل زید کو بتایا گیا کہ جب تک یہ آپس کا نزاع اور اشکالات کے جوابات نہ دیئے جائیں، آپ تین ماہ تک چندہ وصول نہیں کر سکتے، زید کو جب ٹرسٹی کے عہدہ سے معزول ہونے کی اطلاع

ملی تو اس نے فیصلہ سے نااتفاقی کا اظہار کیا، اور چوں کہ اس ادارہ کے دستور العمل میں ایک دستور یہ ہے کہ اگر ادارہ کے متعلق کوئی نزاع ہو تو جمعیۃ العلماء حکم ہوں گے، ان کا فیصلہ آخری اور نافذ ہوگا، جب یہ نزاع کچہری میں پہنچا، جج نے دستور العمل کے مطابق جمعیۃ العلماء کی طرف نزاع سلجھانے کے لیے محول کیا، جمعیت نے دونوں فریق کو آنے کا وقت دیا، ایک فریق یعنی مدعی زید آیا اور مدعی علیہ یعنی دوسرے ٹرسٹی نہیں آئے، نہ آنے کا عذر یہ تھا کہ وہ جمعیت کی غیر طرف داری کو تسلیم نہیں کرتے، جمعیت کے احباب حضرات میں سے تین احباب تو مدعی علیہ ہی کے منتخب کئے ہوئے تھے، جمعیت کے احباب نے اس ادارہ کے دستور العمل کے مطابق مدعی کی باتیں سنیں اور دو آدمی جو اس ادارہ کے اس وقت کے ٹرسٹی تھے اور جو شرعی شہادت کے لوازمات کو پورا کئے ہوئے تھے، ان کی شہادت سنی، اور مختلف سوالات بھی کئے، ان کے جوابات بھی زید مدعی کے الزامات سے ملتے جلتے ہی تھے، ان گواہوں کا کہنا ہے کہ زید کا طریقہ یعنی اشکالات کا لکھ کر ٹرسٹیوں کے سامنے پیش کرنا، چندہ دینے والوں کو کہہ دینا، یہ سب ادارہ کے حق میں مفید تھا؛ کیوں کہ ان کو بھی ادارہ کے متعلق کافی خلجان تھا، اب زید مدعی کے چند سوالات پیش ہیں:

(۱) ان کو دوبارہ ٹرسٹی بنایا جائے؟

(۲) پچھلے سالوں کا چندہ وصول کرنے کی اجرت دی جائے؟ ان کا دعویٰ ہے کہ ادارہ کے مفاد کے خاطر ایک کام کرنے گیا اور نوکری اسی وجہ سے چھوٹ گئی۔

(۳) مدعی زید کے وکیل کا خرچہ زید کا تھا، دعویٰ ہے کہ مدعی علیہ نے اس کو بلا وجہ اس خرچہ میں ڈالا، لہٰذا مدعی علیہ اس پورا خرچہ کا ذمہ دار ہے۔

سوال یہ ہے کہ ایک فریق کی عدم موجودگی میں دوسرے فریق کی بات سننا صحیح تھا یا نہیں؟ اگر صحیح تھا تو زید مدعی کے مذکورہ مطالبات میں سے کونسے مطالبہ کا فیصلہ دیا جائے؟ برائے کرم ہر سوال کا جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

ایک فریق کی عدمِ موجودگی میں دوسرے فریق کی بات سن کر فیصلہ تو نہیں دیا جاسکتا؛ البتہ ایک مقدمہ کے حقائق سے واقفیت حاصل کرنے کی غرض سے اگر دوسرے فریق کی بات سن بھی لی تو یہ کوئی گناہ نہیں ہے، مدعیٰ علیہم نے جب جمعیۃ العلماء کے فیصلہ کنندگان کے سامنے حاضر ہونے سے انکار کردیا تو جمعیت کے پاس قوتِ نافذہ تو ہے نہیں، اس لیے ذمہ دارانِ جمعیت کو چاہیے کہ حکومت کے جس جج نے یہ نزاع جمعیت کی طرف محول کیا ہے، اس کے پاس مقدمہ کے کاغذات اس ریمارک کے ساتھ بھیج دے کہ ایک فریق (مدعیٰ علیہم) حاضری سے انکار کرتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ایک فریق کی بات سن کر فیصلہ کرنا

سوال: جناب عالی ہمارے یہاں دو جماعتوں میں اختلاف ہے، وقت کا ایک چودھری (پردھان حاکم) ایک جماعت کی سن کر دوسری جماعت کے کسی فرد کی شکل دیکھے بغیر ایک طرفہ فیصلہ کرسکتا ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائیں کہ ایسا فیصلہ چودھری (پردھان حاکم) جائز کر رہا ہے یا ناجائز؟ ایسے چودھری (پردھان

حاکم) کو ماننا جائز ہے یا نہیں، اور ایسے چودھری (پردھان حاکم) کی بات پر عمل کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

فیصلہ کا طریقہ یہ ہے کہ مدعی اور مدعی علیہ دونوں حاکم کے سامنے پیش ہوں، اور دونوں کی سننے کے بعد حاکم اپنا فیصلہ صادر کرے، اصول شرعی کے خلاف صادر شدہ فیصلہ درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۳۰؍ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ایک پلاٹ کے تنازع میں کس کی بات معتبر ہے؟

سوال: ڈاکٹر صاحب کی خالہ زاد بہن کے شوہر کا نام سمیع اللہ ہے، خالہ زاد بہن کا نام کوثر، ڈاکٹر صاحب کی سگی بہن کا نام رانی ہے، خالہ زاد بہن کوثر کا اب انتقال ہو چکا ہے، سمیع اللہ کا کہنا ہے کہ اس نے پلاٹ بہن رانی کی شراکت سے خریدا تھا، شراکت میں آدھے حصے کی قیمت اٹھارہ ہزار ریال ادا کی تھی، یہ شراکت ۱۹۸۴ء میں ہوئی تھی، بھائی سمیع اللہ کا کہنا ہے کہ اس نے ڈاکٹر صاحب سے دس ہزار ریال کی رقم قرض حسنہ کے طور پر لی تھی، ڈاکٹر صاحب کے پاس اس کی تحریر ہے، اور اس پر بھائی سمیع اللہ کے دستخط ہیں، ڈاکٹر کے ایک چھوٹے بھائی کا بیان ہے کہ انہوں نے اس تحریر کو ڈاکٹر صاحب کے پاس دیکھا اور پڑھا تھا، بھائی سمیع اللہ کا کہنا ہے کہ ۱۹۹۴ء میں انہوں نے پلاٹ کے حصہ کی رقم ۱۸/ ہزار ریال ادا کی تھی، اور ۱۹۹۹ء میں وہ صرف دس

ہزار ریال میں کیسے بیچ سکتے ہیں؟ کیوں کہ قیمت خرید سے بہت کم ہے، ڈاکٹر صاحب کی بہن رانی نے یہ پورا پلاٹ ۲۰۰۴ء یا ۲۰۰۵ء کے شروع میں اچھی قیمت پر بیچ دیا، اور سمیع اللہ کو ان کے حصہ کا ۸۰ رفیصد ادا کر دیا یعنی فروخت کرنے کے بعد رقم کا ۸۰ رفیصد جو سمیع اللہ کا حصہ بنتا تھا وہ دے دیا، بھائی سمیع اللہ نے ڈاکٹر صاحب کو دس ہزار ریال واپس کر دیئے ہیں، ڈاکٹر صاحب مطالبہ کر رہے ہیں کہ ان کو منافع میں آدھا حصہ ملنا چاہیے، اس لیے کہ یہ پلاٹ آدھا حصہ دس ہزار ریال میں میں نے خریدا تھا، ڈاکٹر صاحب کی تحریر چار صفحوں پر مشتمل اس وضاحت کے ہمراہ ہے، پلاٹ کی قیمت ڈاکٹر صاحب نے پہلے دس ہزار ریال لکھے اور دوسری جگہ پر مزید دو ہزار ریال لکھے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قیمتِ خرید طے نہیں ہوئی، اس کو لکھا بھی نہیں گیا، اور اس پر گواہ بھی نہیں ہیں، ڈاکٹر صاحب اپنی بہن رانی سے خفا ہیں کہ پلاٹ کو فروخت کرنے کے بعد منافع کا آدھا حصہ ڈاکٹر صاحب کو ملنا چاہیے، ڈاکٹر صاحب کی بہن رانی کا کہنا ہے کہ منافع کی آدھی رقم کا حصہ دار سمیع اللہ ہے، جواب تحریر فرمائیں کہ بیع منعقد ہوئی؟ مزید ڈاکٹر صاحب کی بہن رانی کی ذمہ داری بھی تحریر فرمائیں کہ پلاٹ بیچنے کی رقم کا حصہ صرف شریک کو ادا کرنا ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے سوال کے طور پر جو تحریر بھیجی ہے، اس میں متنازع فیہ معاملہ سے متعلق ایک فریق یعنی ڈاکٹر صاحب کے کسی کے نام لکھے گئے طویل خط کے اس معاملہ سے متعلق چند اقتباسات کی زیراکس ہے، اس سلسلے میں دوسرے فریق سمیع اللہ کی اپنی کوئی تحریر سوال میں موجود نہیں، ہاں اس کے بیان کا ضروری حصہ مزید معلومات کے

نام سے منسلک کئے گئے الگ الگ کاغذ پر موجود ہے، بہر حال دونوں فریق یعنی ڈاکٹر صاحب اور سمیع اللہ صاحب کی باتوں سے اتنا تو صاف طور پر معلوم ہوا کہ جس پلاٹ کے حصہ کی ملکیت کے متعلق دونوں میں نزاع ہے، وہ اصالۃً سمیع اللہ نے ڈاکٹر صاحب کی بہن رانی کی شراکت میں خریدا تھا، خود ڈاکٹر صاحب بھی اس حصہ پر سمیع اللہ کی ملکیت کو تسلیم کرنے کے بعد آگے اس بات کے مدعی ہیں کہ انہوں نے پلاٹ کا یہ حصہ سمیع اللہ سے خریدا، بہر حال ابتداءً اس حصۂ پلاٹ پر سمیع اللہ کی ملکیت ایک ثابت شدہ حقیقت ہے، اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کا اس کو خریدنا اور سمیع اللہ کا اس حصۂ پلاٹ کو ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ بیچنا متنازع فیہ ہے، چوں کہ ڈاکٹر صاحب مدعی ہیں؛ اس لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اس دعوی کے ثبوت میں شرعی شاہد پیش کریں، اگر وہ شہادتِ شرعیہ سے اپنے دعوی کو مزین کرتے ہیں تب تو ان کی بات مانی جائے گی ورنہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ

گاہک سے مقدمہ کا خرچہ وصول کرنا

سوال: کوئی گاہک تاجر کو بقایا قرضہ ادا نہیں کرتا، اس تاجر نے کورٹ میں مقدمہ دائر کردیا، اور مقدمہ میں فیصلہ یہ ہوا کہ قرض دار قرضہ کی رقم، مع سود اور مقدمہ کے خرچ کے، ادا کردے، تو سود تو خیر لینے کا کوئی سوال نہیں ہوتا؛ مگر سوال یہ ہے کہ گاہک کی بدمعاملگی اور خلاف عہدی کی وجہ سے تاجر کو مقدمہ میں خرچ کرنا پڑا اور تکلیف اٹھانی پڑی تو مقدمہ کا خرچ گاہک سے وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب کسی کو اپنے حق کی حفاظت کے لیے بجبوری نالش کرنا پڑے اور فریق مخالف کی طرف سے بالکل مخاصمانہ کارروائیوں کی وجہ سے بہت سے مصارف برداشت کرنا پڑیں، تو اس صورت میں خرچہ کا روپیہ لینا، بہت سے علماء کے نزدیک (ومنہم مولانا رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ) جائز ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۳/ ۱۲۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹/ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ایک ملک کا دوسرے پر حملہ اور مختلف قسم کے نقصانات کے معاوضے

سوال: اگست ۱۹۹۰ء میں عراق نے کویت پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کیا، اور اسے عراق کا انیسواں صوبہ قرار دیا، کویت کی کرنسی کو عراق کی کرنسی کے ہم پلہ قرار دیا۔

اس دوران کویت میں مختلف ممالک کے لوگ تجارت، ملازمت وغیرہ کرتے تھے، ان میں بعضوں کی اچھی خاصی تجارت تھی یا ملازمت بہت ہی اچھی تھی تو اس جنگ کے سبب یا تو ان کی تجارت اور املاک مکمل یا اکثر ضائع ہوگئی یا ان کی ملازمت چلی گئی۔

دنیا کے ۲۸/ ملکوں نے مل کر امریکہ کی قیادت میں عراق پر شدید حملہ کے بعد کویت کو عراق کے قبضہ سے چھڑایا اور عراق کو شکست ہوئی، نتیجۃً عراق کو اقوامِ متحدہ اور امریکہ کی جو شرط ہوا سے ماننا پڑا، منجملہ ان شرائط میں سے ایک شرط یہ تھی کہ اس جنگ میں امریکہ یا کسی بھی ملک کا یا کسی بھی فرد کا چاہے وہ کسی بھی ملک کا باشندہ ہو،

اس کا جو بھی نقصان ہو اس نقصان کا مکمل جرمانہ عراق سے وصول کیا جائے گا، اور اس شرط کے مطابق امریکہ/ اقوامِ متحدہ نے عراق کے تیل کے کنوؤں کا مکمل کنٹرول اپنے پاس رکھا، اقوامِ متحدہ جہاں کہے وہیں بیچنا ہوگا، اس تیل کو بیچ کر اس نقصان کا انجبار کیا جائے گا، اور عراق کو اس کی ضرورت کے مطابق رقم ملے گی، جب مکمل انجبار ہو جائے گا تو ان کنوؤں سے اپنے کنٹرول سے دست بردار ہو جائے گا۔

اس کے بعد امریکہ نے ان ممالک میں جہاں کے لوگ کویت میں مقیم تھے، ان ملکوں میں وہاں کی حکومت کے ذریعہ ان حضرات کے درمیان کچھ فارم تقسیم کئے، اس میں جس کا جو بھی نقصان ہو اس کی تفصیل لکھ کر اس ملک میں طے کردہ محکمہ تک پہنچائی گئی، ہمارے علم کے مطابق تین قسم کے فارم تقسیم ہوئے:

(۱)A فارم۔ (۲)C فارم۔ (۳)D فارم۔

A فارم: اس فارم میں جو لوگ وہاں مقیم تھے ان کی اپنے نام وغیرہ کی تفصیل مندرج کرنی تھی، اس فارم والوں کے لیے امریکہ/ اقوامِ متحدہ نے ایک رقم ہی طے کر دی ہے کہ جو لوگ وہاں مقیم تھے ان کو اتنی رقم ہر حال میں دی جائے گی۔

D'C فارم: اس فارم میں وہاں جو لوگ مقیم تھے ان کے مالی نقصان یا ذہنی کوفت کی بناء پر یا ملازمت چلی جانے کی بناء پر ایک مدت تک بے کار رہنے کا جو بھی کلیم/ مقدمہ کرنا ہو اس فارم میں مندرج کیا جاتا۔

اس موقع پر جہاں لوگوں نے اپنے نقصان کی تفصیل لکھی وہیں پر اپنے نقصان سے کئی گناہ زیادہ اکثر لوگوں نے لکھا، اس کے بعد جب یہ فارم امریکہ اور اقوامِ متحدہ کے پاس پہنچے تو اس نے جس نے جتنا نقصان لکھوایا تھا وہ مکمل منظور فرما کر (ہندوستان

کا) حکومتِ ہند کو سپرد کردیا، جو جستہ جستہ ہر ایک بینک کے قوانین کے مطابق مل جائے گا، اس موقع پر مندرجۂ ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں امید ہے کہ اس کا حل از روئے شرع مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

① ایک مسلم اگر کسی دوسرے مسلم ملک پر حملہ کرکے اس پر غلبہ پاکر قبضہ کرلے تو کیا قابض اس مقبوضہ ملک کا مالک ہوگا یا غاصب؟

② قابض ملک سے مقبوضہ ملک کا یا وہاں کے ملکی یا غیر ملکی باشندوں کا جو مالی نقصان ہوا چاہے اس کی فوج نے یا دوسروں نے جو وہاں مقیم تھے انہوں نے لوٹا ہو یا وہ مالکان غیر ملکی اپنی املاک اپنے ملک مثلاً ہندوستان سفر کی مشقت کی بناء پر وہاں چھوڑ کر چلے آئے، تو اب اس کا مالی جرمانہ اس سے یعنی عراق سے لے سکتے ہیں یا نہیں؟

③ بعض حضرات نے C اور D فارم کے مطابق اپنا نقصان بہت لکھوایا ہے؛ حالاں کہ ان کا نقصان اس سے بہت کم ہوا ہے یا بالکل ہوا ہی نہیں تو ایسے لوگ ان پیسوں کو لے سکتے ہیں یا نہیں؟

نوٹ: اگر ان پیسوں کو مسترد کردیں، تب بھی یہ رقم بظاہر واپس پہنچنے والی نہیں؛ بلکہ مقامی ذمہ دار یا ملکی ذمہ داروں کی نذر ہو جائے گی تو اس کا حل کیا ہے؟

④ کیا اپنے مالی نقصان کے برابر رقم لے سکتے ہیں؟

⑤ اگر لے سکتے ہوں تو اپنے نقصان سے زائد رقم کا کیا مصرف ہوگا؟ اور اگر نہیں لے سکتے تو پھر اس رقم کا مصرف کیا ہوگا؟

⑥ بعض حضرات نے اس موقع پر جو ذہنی کوفت اور پریشانی ہوئی اس کا بھی مقدمہ کرکے اس کا تاوان لکھوایا ہے تو کیا اس معاوضہ کو لے سکتے ہیں؟

⑦ جنگ سے پہلے کویتی دینار کی ہندوستان میں زرتبادلہ کی شرح ۷۵ / فیصد روپئے تھی؛ لیکن عراق کے قبضہ کے بعد اس کا نرخ ۵ / یا دس روپئے تک ہو گیا، بہت سے لوگوں کے پاس وہ کرنسی موجود تھی؛ مگر اپنی ضرورت کی وجہ سے انہوں نے اسی شرح پر بیچ دی تو یہ زرِتبادلہ کا جو نقصان انہیں برداشت کرنا پڑا ہے مالی نقصان میں محسوب کیا جائے گا؟

⑧ بعضوں کی تنخواہ بہت زائد تھی دوبارہ جنگ کے بعد میں یا تو وہ ملازمت نہ رہی یا ملازمت تو رہی؛ مگر شرحِ تنخواہ وہ نہ رہی؛ بلکہ اس سے کم ہوئی تو کیا وہ لوگ اپنی تنخواہ اور ملازمت کے بدلہ کوئی مالی معاوضہ لے سکتے ہیں؟

⑨ بعض لوگ آج تک دوبارہ وہاں نہیں جا سکے تو کیا انہوں نے جو کلیم کیا ہے جس میں اپنے نقصان سے زائد رقم لکھی ہے اس میں سے آج تک کی تنخواہ کے حساب سے رقم لے سکتے ہیں؟

⑩ وہ حضرات جو وہاں گئے تھے وہ تقریباً لاکھ روپے ویزا کے خرچ کر کے گئے تھے، ان میں سے بعض حضرات تو ابھی پہنچے تھے، ایک دو دن یا ہفتہ عشرہ یا مہینہ دو مہینہ ہوئے تھے؛ غرض کہ اپنی ویزا سے فائدہ ابھی اٹھا بھی نہ پائے تھے تو کیا اسے مالی نقصان میں شمار کیا جائے گا؟

⑪ بعض حضرات کو وہاں گئے ہوئے کئی سال ہوئے تھے، اور بہت کچھ کمایا بھی، کیا وہ حضرات ویزا کا خرچ لے سکتے ہیں؟

⑫ بعض حضرات ان کو جو رقم ملنے والی ہے اس میں سے کچھ حصہ مدارس میں دینا چاہتے ہیں، کیا مدارس اس رقم کو لے سکتے ہیں؟ کس مصرف میں؟

⑬ اگر از روئے شرع پیسہ نہ لے سکتے ہوں؛ بلکہ صدقہ کرنا ہو تو بعض وہ حضرات جن کو پیسے ملنے والے ہیں وہ خود ہی بہت مقروض ہیں تو کیا وہ اپنے قرض کے بقدر رقم لے سکتے ہیں؟

⑭ معلوم ہوا کہ یہ ساری رقم اقوامِ متحدہ نے حکومتِ ہند کو آج سے تین سال قبل ادا کر دی ہے، اور ان تین سالہ مدت کا سود بھی حکومت ہند ادا کر رہی ہے تو اس سلسلہ میں سوال یہ ہے کہ حکومتِ ہند جو سود دے رہی ہے اس رقم کو ہم سود قرار دیں گے یا پراویڈنٹ فنڈ کی طرح ہوگا؟

⑮ اقوامِ متحدہ نے بھی وہ رقم مع سود ادا کی ہے یعنی جنگ کے بعد جتنے بھی سالوں کے بعد حکومتِ ہند کو سپرد کی وہ سود کے ساتھ دی ہے تو اس کا حل کیا ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کتبِ فقہ میں ایک مسلمان ملک دوسرے ملک پر حملہ آور ہو کر اس پر قابض ومسلط ہو جائے اور بعد میں اس کا یہ قبضہ اور تسلط بہ زور وقوت ختم کر لیا جائے، اس کے بعد حملہ آور ملک سے جان ومال کے ضمان کا مسئلہ صراحتاً مذکور نہیں ہے؛ البتہ کفار کے تسلط وقبضہ کی صورت میں جان ومال کے ضمان کا مسئلہ اور اسی طرح باغیوں کے تسلط وقبضہ کی صورت میں جان ومال کے ضمان کا مسئلہ صراحتاً مذکور ہے، اور اس کی جو علت بتلائی گئی ہے اس کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کا حکم بھی معلوم ہو سکتا ہے، اسی سلسلہ کی عباراتِ فقہیہ نقل کی جاتی ہیں:

(۱) وإذا قتل رجل من أهل العدل باغيا فأنه يرثه فإن قتله الباغي، وقال: قد كنت على حق وأنا الأن على حق ورثه، وإن قال قتلته وأنا

أعلم انی علی الباطل لم یرثه وهذا عند أبي حنیفه ومحمد، وقال ابویوسف: لا یرث الباغی فی الوجهین وهو قول الشافعی.

وأصله أن العادل إذا اتلف نفس الباغی أو ماله لا یضمن ولا یأثم؛ لأنه مامور بقتالهم دفعا لشرهم، والباغی إذا قتل العادل لا یجب الضمان عندنا ویأثم، وقال الشافعی فی القدیم أنه یجب، وعلی هذا الخلاف إذا تاب المرتد وقد اتلف نفسا أو مالا.

له: انه اتلف مالا معصوما أو قتل نفسا معصومة فیجب الضمان اعتبارا بما قبل المنعة ولنا:اجماع الصحابة رواه الزهری، ولأنه أتلف عن تأویل فاسد والفاسد منه ملحق بالصحیح إذا ضمت إلیه المنعة فی حق الدفع کما فی منعة أهل الحرب وتأویلهم، وهذا لأن الأحکام لابد فیها من الالزام أو الالتزام، ولاالتزام لاعتقاد الإباحة عن تأویل ولاالزام لعدم الولایة لوجود المنعة، والولایة باقیة قبل المنعة وعند عدم التأویل ثبت الالتزام اعتقادا بخلاف الإثم لأنه لا منعة فی حق الشارع الخ.(هدایه اولین:۶۱۰، ۶۱۱)

فتح القدیر کے حوالے عبارت بالا کے بعض اجزاء کی تشریح پیش کی جاتی ہے:

(وأصله) أي أصل هذا الخلاف فی (أن العادل إذا اتلف نفس الباغی أو ماله لا یضمن) عندنا (ولا یأثم لأنه مامور بقتالهم دفعا لشرهم) وهذا بالاتفاق، (والباغی إذا قتل العادل) بعد قیام منعتهم وشوکتهم (لا یجب الضمان) علیه (عندنا) وبه قال احمد والشافعی فی قوله الجدید، ولو قتله قبل ذلك اقتص منه اتفاقا، وکذا یضمنون المال (وقال الشافعی فی القدیم یضمن) وبه قال مالك...

والحاصل: أن نفى الضمان منوط بالمنعة مع التأويل، فلو تجرد المنعة عن التأويل كقوم غلبوا على أهل بلدة فقتلوا واستهلكوا الأموال بلاتأويل ثم ظهر عليهم أخذوا بجميع ذلك، ولو انفرد التأويل عن المنعة بأن انفرد واحد أو اثنان فقتلوا وأخذوا عن تأويل ضمنوا إذا تابوا أو قدر عليهم.(فتح القدير٤/٤١٤)

(٢) وأما بيان حكم اصابة الدماء والأموال من الطائفتين، فنقول: لا خلاف فى أن العادل إذا أصاب من أهل البغى من دم أو جراحه أو مال استهلكه انه لا ضمان عليه، وأما الباغى إذا اصاب شيئا من ذلك من أهل العدل فقد اختلفوا فيه:

قال: اصحابنا أن ذلك موضوع الخ(بدائع الصنائع:١٤١/٧) والمعنى فى المسئلة ما نبّه عليه الصحابة وهو أن لهم فى الاستحلال تأويلا فى الجملة وإن كان فاسداً؛ لكن لهم منعة والتأويل الفاسد عند قيام المنعة يكفى لرفع الضمان كتأويل أهل الحرب. (ايضاً)

(٣) وأصله أن ما تلف بين أهل العدل والبغى من نفس أو مال فلا ضمان فيه على واحد من الفريقين؛ لكن يأثم الباغى، وقال الشافعى فى القديم يجب على الباغى ضمان النفس والمال، وفى الجديد لاضمان عليه اه.(حاشية الشلبى على تبيين الحقائق ٣/٣٩٥)

(٤) وما أتلف أهل البغى من أموالنا ودمائنا حالة الحرب فإنهم لايضمنون إذا تابوا وزالت منعتهم وكذلك ما أتلف المرتدون من أموالنا ودمائنا حالة الحرب فإنهم لايضمنون إذا اسلموا وما أتلفوا قبل القتال من أموالنا ودمائنا إذا كان لهم منعة لا يضمنون؛ ولكن

ماكان قائما يرد على أصحابه إذا تابوا، وإن اعتقدوا تملكها بتأويلهم الفاسد وقد اتصل بهذا التأويل منعة، وكذلك أهل العدل لا يضمنون ما اصابوا من دمائهم واموالهم الخ (فتاوى عالمگیری ۲/۲۸٤)

(٥) قلت: فتحصل من هذا كله: أن أهل البغي إذا كانوا كثيرين ذوي منعة وتحيزوا لقتالنا معتقدين حله بتأويل سقط عنهم ضمان ما اتلفوا من دم أو مال دون ماكان قائما ويضمنون كل ذلك إذا كانوا قليلين لامنعة لهم أو قبل تحيزهم أو بعد تفريق جمعهم الخ. (شامي ۳/۳٤۲)

عباراتِ بالا سے امورِ ذیل مستفاد و معلوم ہوئے:

① کفار کو بذریعۂ لشکر و فوج اگر قوت و شوکت حاصل ہے اور وہ اہلِ اسلام پر حملہ کریں اور ان کے اس حملہ کے نتیجہ میں جان و مال کی تباہی واقع ہو تو بعد میں جب ان پر اہلِ اسلام کو غلبہ حاصل ہو، اس وقت کفار سے ہلاک شدہ جان و مال و جائیداد کا ضمان و نقصان نہیں لیا جائے گا۔ (دیکھئے عبارت ۱، ۲)

② باغیوں کو بھی اگر لشکر و فوج و اسلحہ کے ذریعہ قوت و شوکت حاصل ہے، اور وہ اہل عدل و حق پر حملہ آور ہوں تو ان کا بھی یہی حکم ہے۔ (دیکھئے عبارت بالا ۱، ۲، ۳، ۴، ۵)

③ مذکورہ بالا دونوں احکام کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ حملہ آور فریق اپنے اس اقدام (حملہ) کو مبنی برحق سمجھ کر ایسا کر رہا ہے چاہے اس کے اس گمان کی بنیاد کمزور اور باطل ہے؛ لیکن جب وہ لشکر و فوج اور اسلحہ سے لیس ہونے کی وجہ سے اس کو قوت و شوکت حاصل ہے تو ان پر ضمان واجب نہیں ہوگا۔

عراق نے کویت پر جو حملہ کیا اس کا یہ اقدام درست تھا یا غلط؟ اس بحث میں الجھے بغیر اتنی بات تو مسلم ہے کہ بذریعۂ لشکر و فوج و اسلحہ اس کو قوت و شوکت حاصل

ہونے کے ساتھ وہ خود اپنے اس اقدام کو مبنی برحق سمجھ رہا تھا، اس لیے اس جنگ میں ہلاک شدہ جان و مال وجائیداد وغیرہ کا ضمان اس پر واجب نہیں ہے۔

آپ کے مرسلہ سوالات کی بنیاد ہی ضمان کی وصولیابی پر ہے، جب ضمان ہی واجب نہیں تو تمام سوالات کی بنیاد ہی ڈھے گئی، علاوہ ازیں سوالات کے ضمن میں مندرج بعض نقصانات وہ ہیں جن کا کوئی مالی ضمان یا تاوان نقصان کنندہ پر نہیں آتا مثلاً کسی کی ملازمت کا چلا جانا یا ذہنی کوفت ہونا یا کرنسی کی قیمت گر جانے سے اس کا معاوضہ کم ملنا، کسی کا یہاں سے ویزا لے کر مصارفِ سفر برداشت کر کے وہاں پہنچنا اور وہاں ان حالات کے پیش آنے سے اس کا اپنے ویزا ٹکٹ وغیرہ پر کئے گئے مصارف سے کما حقہ یا بالکلیہ فائدہ اٹھا نہ پانا وغیرہ ان تمام امور پر لیا جانے والا تاوان صرف مالی جرمانہ ہے، اور اسلام میں تعزیر بالمال جائز نہیں ہے، اس سلسلہ کے نصوصِ قرآن وحدیث وفقہ آپ پر مخفی نہیں، اس لیے اس کو پیش کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

درمختار معہ شامی کتاب الحدود باب التعزیر ۳/ ۱۹۵، بحر الرائق ۵/ ۴۱، زیلعی شرح کنز ۳/ ۲۰۸ معہ حاشیہ شلبی۔

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی مدظلہم تحریر فرماتے ہیں:

”تعزیر بالمال باتفاقِ ائمۂ اربعہ رحمہم اللہ ناجائز ہے“۔ (احسن الفتاویٰ ۵/ ۵۶۲)

رقم کی واپسی کی صورت میں اس کے نہ پہنچنے کا جو شبہ آپ نے ظاہر فرمایا ہے اس کا علاج تو بہت سہل ہے، آپ پہلے عراقی سفارت خانہ سے رابطہ قائم فرما کر اپنے عزم وارادہ کا اظہار کیجئے کہ ہم بایں وجوہ یہ رقم واپس کرنا چاہتے ہیں؛ اس لیے کیا صورت اختیار کریں؟ اس کے جواب میں جو تدبیر وصورت بتلائی جائے اس پر اطمینان ہونے

کی صورت میں اس کے مطابق عمل کیجئے؛ ورنہ براہِ راست حکومتِ عراق سے بھی رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے، دورِ حاضر میں یہ کام دشوار نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قتل کا موجب

سوال: مجھ سے ایک مسلم کا قتل ہوگیا، اب اس کی تلافی کے لیے کیا شکل ہے؟ تاوان دینا ہوگا تو وہ کیا ہے؟ اور خطا وعمد کے کیا احکام ہیں؟ اور غیر مسلم کے قتل میں کیا ہے؟ تمام سوالات کے جواب دے کر ہمارے اوپر احسان فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر قتل عمد ہے تو اس میں قصاص واجب ہے؛ البتہ اگر مقتول کے اولیاء دیت لے کر قصاص چھوڑ دیں تو قصاص سے نجات مل سکتی ہے، قتل خطا اگر ہے تو اس میں دیت کے ساتھ کفارہ بھی واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

خلافِ قانون تیز رفتاری سے کسی کی موت اور دیت کا حکم

سوال: زید اپنے دوست کے ساتھ سواری تیز چلانے میں مقابلہ کر رہا تھا، سواری بہت تیز چلی اور زید کے قبضہ سے باہر تھی سواری الٹ گئی اور شدید نقصان ہوا، زید کے ساتھ سواری میں عمر تھا اس حادثہ میں اس کا انتقال ہوا، عمر کی بیوی ہندہ – زید

سے جو باحیات ہے- دیت کا مطالبہ کر رہی ہے، برائے کرم بتائیں کہ یہاں جنوبی افریقہ میں دیت کے متعلق کیا مسئلہ ہے؟ نیز یہ قتلِ شبہ عمد ہے یا خطا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں زید نے اپنی کار کی رفتار ٹریفک قوانین کے خلاف زیادہ رکھی جس کے نتیجہ میں یہ حادثہ پیش آیا اور عمر کی موت واقع ہوئی تو زید اس کا ذمہ دار ہے، اور اس پر عمر کی دیت واجب ہے۔

فإن كان سائق السيارة متعديا فى سيره بمخالفة قواعد المرور مثل أن يسوق السيارة بسرعة غير معتادة في مثل ذلك المكان أو لم يلتزم بخطه فى الشارع وما إلى ذلك من قواعد المرور الأخرى فلاخفاء فى كونه ضامنا؛ لأن الضرر إنما نشأ بتعديه والمتعدى ضامن فى كل حال.

(بحوث فى قضايا فقهية معاصرة:۳۱۱)

یہ قتلِ خطا کی صورت ہے؛ اس لیے اس میں دیت اور کفارۂ قتل واجب ہونے کے ساتھ گناہ بھی ہے، جس سے توبہ لازم ہے۔

وموجبه الكفارة والدية على العاقلة والإثم دون إثم القتل.

(درمختار على هامش الشامي۵/۳۴۳)

دیت اگر سونے کی صورت میں ادا کی جارہی ہے تو دس ہزار درہم ہوگی، اور کفارہ میں مسلسل دو ماہ کے روزے رکھنا ضروری ہے۔

ألف دينارمن الذهب أو عشرة آلاف درهم الورق، وكفارتها عتق قن مؤمن فإن عجز عنه صام شهرين ولاء ولا اطعام فيهما. (تنوير الابصار)

زید اگر اہلِ عجم میں سے ہے تو دیت اس کے مال میں واجب ہوگی اور تین سال میں اس کی ادائیگی کی جائے گی۔ ولا عاقلة للعجم وبه جزم في الدرر، قاله المصنف لعدم تناصرهم .... قلت: وحيث لا قبيلة ولا تناصر فالدية في ماله (درمختار على هامش الشامي: ٥/٤١١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کسی پر چوری کا الزام لگانا

سوال: ایک عالم صاحب کے تین بیل کی چوری ہوگئی، کافی جستجو کے بعد صحیح چور کی شناخت اور شرعی گواہ کے ساتھ سراغ نہ لگ سکا، اب عالم صاحب نے گاؤں کے چودھران وممبران مدرسہ سے مطالبہ کیا کہ مجھے بیل چاہیے، ممبران مدرسہ نے ایسے دو آدمی ان میں سے اول کا نام اسحاق میاں اور دوسرے کا نام احمد میاں کے سر تھوپا کہ تم چوری کرتے تھے، جہاں سے ہو عالم صاحب کی بیل لا کر دو؛ ورنہ تم دونوں کو سزا اور جرمانہ عائد کیا جائے گا، مذکورہ دونوں آدمی صحیح معنی میں پہلے چوری کرتے تھے، اب چند سال سے تائب ہوگئے ہیں، اور یہ دونوں آدمی لاعلمی کا اظہار کرتے ہیں، یہی نہیں بلکہ قرآن اٹھا کر کہتے ہیں کہ ہم جانتے بھی نہیں کہ کون لے گیا، چہ جائیکہ عالم صاحب کی بیل چرانا؛ لیکن ممبران کمیٹی اور عالم صاحب نے ان دونوں کی باتوں کا اعتبار نہیں کیا، صرف شبہ کی بنیاد پر زبردستی ان دونوں سے بیل کی قیمت وصول کی، واضح ہو کہ تینوں بیل کی قیمت پانچ ہزار، اور ان دونوں سے جرمانہ سمیت لگا کر دس ہزار لیا گیا، اب سوال یہ ہے کہ اس طرح دباؤ ڈال کر ایک غریب انسان سے ظلماً روپیہ وصول کرنا

جائز ہے؟ وہ بھی زیادتی کے ساتھ، اگر جائز ہے تو کس بنیاد پر؟ جب کہ مذکورہ دونوں آدمی بیل چُرانے سے منکر ہیں، قرآن وحدیث، فقہ وفتاوی کے عربی حوالجات مع مفصل جواب دیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی کے خلاف لگائے گئے الزام کے ثبوت پر یا تو شرعی گواہ موجود ہوں، اور وہ شرعی طریقہ سے گواہی دیں، یا جس پر الزام عائد کیا گیا ہے وہ خود اس کا اقرار کرے، یا مسئلہ جب شرعی قاضی کے سامنے پیش ہو اور مدعی گواہ پیش کرنے سے عاجز ہو اور مدعی علیہ سے یمین کا مطالبہ کرے اور مدعی علیہ یمین سے انکار کرے، مذکورہ تین صورتوں کے علاوہ اور کوئی صورت شرعاً نہیں ہے، صورتِ مسئولہ میں عالم صاحب اور ممبران کمیٹی کا سوال میں مذکور دونوں آدمیوں سے بیل کی قیمت اور جرمانہ وصول کرنا شرعاً درست نہیں ہے، صریح ظلم اور ناجائز ہے، ان کو چاہیے کہ وصول شدہ رقم اصل مالکان کو واپس کردیں، اور اپنی اس شنیع حرکت پر ان سے معافی بھی مانگیں؛ ورنہ کل روز قیامت کا محاسبہ بڑا سخت ہوگا۔ ﴿فسيعلم الذين ظلموا اى منقلب ينقلبون﴾ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مرحوم والد کے قرض کی معافی کا دعویٰ

سوال: زید (ابن) کے ذمہ عمر (والد) کا قرض ہے، عمر کے انتقال پر زید کے

بھائی بہن بہ طور میراث زید سے قرض کی ادائیگی کا مطالبہ کرر ہے ہیں، زید کا دعویٰ ہے کہ والد صاحب نے ان کی حیات میں معاف کردیا، زید کی والدہ کو عمر نے یہ بات اپنی حیات میں کہی، والدہ اب یہ خبر ورثاء کو دے رہی ہے، کیا والدہ کی خبر معتبر ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زید دعویٰ کرتا ہے کہ والد صاحب نے اپنی زندگی میں مجھے دیا ہوا قرض معاف کردیا تھا، اور اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں اپنی والدہ کو پیش کرتا ہے، جو یہ کہتی ہے کہ عمر (والد زید) نے یہ بات (زید کو دیے گئے قرض کی معافی کی) مجھے اپنی زندگی میں کہی تھی، تو یہ زید کے عویٰ کے ثبوت کے لیے کافی نہیں ہے۔

ونصابها لغيرهما من الحقوق سواء كان الحق مالا أوغيره كنكاح ......رجلان أو رجل وامرأ تان.(درمختار علی هامش الشامية ٤١٣/٤) (لا تقبل الشهادة) الفرع لأصله وبالعكس(تنوير الأبصار)

البتہ اس صورت میں اگر زید کے بھائی بہن، زید کے دعویٰ کو تسلیم نہیں کرتے اور زید قرض کی معافی کے اپنے دعوے پر ثبوت شرعی پیش نہیں کرسکا، تو زید کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے بھائی بہن سے قسم لے، اگر وہ قسم کھا کر یہ کہتے ہیں کہ زید پر والد کا جو قرض تھا وہ انھوں نے معاف نہیں کیا، تو زید کو چاہیے کہ ان کے حصہ کا قرض ادا کردے۔ اگر بھائی بہن کو والدہ کی خبر کی صداقت کا غالب گمان ہے تو ان کو قسم نہیں کھانا چاہیے، اسی طرح زید کے دعویٰ کی صداقت کا غالب گمان ہے تو بھی قسم نہ کھائیں اور اپنا مطالبہ ترک کردیں، اور اگر بھائی بہن کا غالب گمان یہ ہے کہ زید اپنے دعوے میں جھوٹا ہے تو قسم کھانے کی گنجائش ہے۔

وفي البزازية من القضاء: إذا شك فيما يدعىٰ عليه ينبغي أن يرضىٰ خصمه ولايحلف، احترازا عن الوقوع في الحرام، وإن أبىٰ خصمه إلا حلفه إن كان أكبر رأيه أن المدعي حق لايحلف،وإن كان أكبر رأيه أنه مبطل ساغ له الحلف. انتهىٰ (الأشباه والنظائر ص:٦١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۵/رجب ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

چوری کا ایک مسئلہ

سوال: احتشام الحق جس کی عمر ساڑھے تیرہ سال کی ہے اور نویں کلاس پڑھتا ہے اس کی دوستی ایک دوسرے ہم جماعتی طالب علم مسمی محمد اکرام ولد ماسٹر محمد شریف کے ساتھ ہوگئی اسی نسبت سے گھر میں آمدورفت شروع ہوگئی کچھ ہی عرصہ بعد محمد اکرم کے والد نے احتشام الحق پر یہ الزام لگایا کہ میرے مکان سے تم نے ایک ہزار روپیہ چوری کیا ہے اسی الزام کی خاطر بغیر گواہوں کے بہ جائے احتشام کے والد یا متعلقہ اساتذہ کو خبر دینے کے اپنے مکان میں بلاکر کمرہ کی چٹخنی بند کر کے زدوکوب کیا اور ایک تحریر لکھوائی جس کو دینے سے ماسٹر محمد شریف فی الحال کتراتا ہے احتشام الحق کا کتابوں والا بیگ بھی چھین لیا کہ جب تم میرا ایک ہزار روپیہ دوگے تب ہی اپنی کتابیں لیتے جانا۔

تحریر میں بچہ اتنا بتلاتا ہے کہ یہ لکھوایا کہ اگر تم یہاں سے بھاگ جاؤ یا تم خودکشی کرلو یا کچھ بھی ہوجائے تب بھی میں ایک ہزار کی رقم تمہارے والد سے وصول کرلوں گا چند دنوں بعد پھر راستے سے احتشام الحق کو یوں کہا کہ تمہارا پڑھائی کا نقصان ہوتا ہے اپنا کتابوں والا بیگ لیتے جاؤ جب گھر میں داخل ہوا تو مزید دھمکی اور مار پٹائی

دوبارہ شروع کی بچہ کی دوسری مرتبہ سائیکل بھی ضبط کرلی۔

واضح رہے کہ بچہ کو اپنے ہم جماعتی ساتھی محمد اکرم کے ساتھ رہنے کی بنا پر مکان میں موجود ٹی وی کی بھی عادت ہوگئی تھی جس کی وجہ سے یہ پورا قصہ اپنے والدین سے پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا تاکہ ٹی وی دیکھنے کے الزام میں والد مجھے نہ مارے اور موصوف ماسٹر صاحب سے مار کھاتا رہا اور نہ ہی ماسٹر نے چوری ہونے کی بنا پر بچہ کے والد کو خبر دی مقامی پنچایت میں مقدمہ رکھا بات اس پر رک جاتی ہے کہ بچہ کو قسم آتی ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر ماسٹر محمد شریف کے پاس اپنے دعویٰ کے ثبوت میں شرعی گواہ موجود ہیں تو پنچایت اس کے مطابق شرعی طریقے سے فیصلہ کرے اور اگر ان کے پاس شرعی گواہ موجود نہیں اور احتشام الحق جس پر چوری کا الزام لگایا گیا ہے بالغ ہے تو اس پر قسم عائد ہوتی ہے اور اگر وہ بالغ نہیں تو اس پر قسم عائد نہیں ہوتی پنچایت اس صورت میں مقدمہ خارج کردے اور ماسٹر محمد شریف کو آئندہ بچہ کی مار پٹائی کی اجازت ہرگز نہ دی جائے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۵؍رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

زنا کا ثبوت اور تعزیری کارروائی۔فوٹو حجت شرعیہ نہیں

سوال: (۱) بیانات کی روشنی میں لڑکا اور لڑکی کے اقرار یا گواہوں کے بیانات سے زنا کا ثبوت ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر ثبوت ہوتا ہے تو موجودہ ہندوستان میں زنا کی

سزا کیا ہے اور اگر زنا کا ثبوت نہیں ہوتا ہے تو کیا گواہوں کے بیان سے لڑکا اور لڑکی کے باہمی تعلقات سے فحش و بے حیائی کا ثبوت ملتا ہے؟ اگر جماعت مسلمین فحش و بے حیائی کے سدباب کے لیے تعزیری کاروائی کرنا چاہیں تو کیا یہ حق جماعت مسلمین (پنچائت) کو پہنچتا ہے اگر جواب اثبات میں ہے تو موجودہ حالت میں مؤثر تعزیری کاروائی کیا ہوسکتی ہے؟

(۲) اگر پنچایت لڑکے کے ولی کی ناراضگی کے باوجود دباؤ ڈال کر دونوں کا نکاح کردیں تو یہ حق پنچائت کو شرعاً حاصل ہے؟ کیا تعزیر میں یہ صورت بھی آسکتی ہے؟

(۳) اگر مذکورہ لڑکی کو کوئی شخص زانیہ کہہ دے تو ایسا شخص شرعاً قاذف کہلائے گا؟ اور اس صورت میں ہمارے ملک میں قاذف کی سزا کیا ہوسکتی ہے؟

(۴) کچھ لوگوں نے لڑکا اور لڑکی کی فوٹو برآمد کیا ہے۔ فوٹو میں لڑکا لڑکی کے کاندھے پر ہاتھ رکھے ہوئے ہے۔ فوٹو شرعاً حجت ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو گواہوں کے بیانات کے لیے مؤید ہوسکتا ہے یا نہیں؟ ہر پہلو کے دلائل کو بھی تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) زنا کا ثبوت کسی کے کہنے سے نہیں ہوتا۔

ویثبت بشهادة اربعة رجال فی مجلس واحد فلو جاؤوا متفرقین حدوا بلفظ الزنا لا مجرد لفظ الوطء والجماع ویثبت ایضا باقراره صریحا صاحیا ولم یکذبه الاخر الخ (در مختار علی هامش الشامیة ۱۵۶،۱۵۸/۳)

بے حیائی کا ثبوت بھی گواہوں کے بیان سے نہیں ہوتا البتہ لڑکی کے بیان میں مس حرام، خلوت حرام وغیرہ کا اقرار ہے لیکن لڑکا انکار کرتا ہے اس لیے بغیر شہادت

لڑکے پر الزام قائم نہیں ہوسکتا اور تعزیری کاروائی کا نشانہ بھی صورت مسئولہ میں لڑکا ہی ہے۔ فحش و بے حیائی کے ارتکاب پر تعزیری کاروائی کی جاسکتی ہے۔

وعزر كل مرتكب منكر الخ هذاهو الاصل فى وجوب التعزير كما فى البحر عن شرح الطحاوى و ذكر فى البحر ان الحاصل وجوبه باجماع الامة لكل مرتكب معصية ليس فيها حد مقدر كنظر محرم ومس محرم و خلو محرم الخ(شامي:۳/۱۹۹، البحر الرائق:٥/٤٦)

تعزیری کاروائی کی دو حالتیں ہیں پہلی عین اس حالت میں جب کہ کوئی شخص قبیحہ میں ملوث ہو اس تعزیری کاروائی کا ہر مسلمان کو حق ہے۔ اور یہ اس وقت نہی عن المنکر کہلائے گی۔ دوسری یہ کہ آدمی اس قبیحہ سے فارغ ہو چکا ہو۔ اب تعزیری کاروائی کرنے کا حق صرف حاکم کو ہے۔

ولم يذكر المصنف من يقيمه قالوا لكل مسلم اقامته حال مباشرة المعصية اما بعد الفراغ منها فليس ذالك لغير الحاكم الخ (بحر الرائق ٥/٤٥)

جماعت مسلمین کو تعزیری کاروائی کرنے کا حق پہنچتا ہے یا نہیں اس سلسلہ میں کوئی صراحت کتب فقہ میں نظر سے نہیں گذری۔ البتہ بائیکاٹ والی کاروائی کی اجازت ہمارے اکابر کے کلام میں موجود ہے اور یہ ایک مؤثر اقدام بھی ہوسکتا ہے۔

(۲) اگر لڑکا اس نکاح کو منظور کر لیتا ہے تو شرعاً نکاح صحیح اور نافذ ہوجائے گا چاہے لڑکے کا ولی ناراض ہی ہو۔ البتہ اس اقدام کو تعزیر میں داخل کرنا اس لیے سمجھ میں نہیں آتا کہ تعزیر مجرم کی ہوتی ہے اور لڑکا اس کا مقر نہیں ثانیاً وہ مقر ہو تو پنچایت کا یہ اقدام اس کے حق میں سزا نہیں بلکہ عین خواہش قرار دیا جائے گا۔ (کما ھو الظاھر)

③ مذکورہ لڑکی کو زانیہ کہنے والا قاذف ہے لیکن ہمارے ملک میں حد قذف کے اجراء کا سوال نہیں اس لیے کہ اجرائے حدود امام المسلمین کا حق ہے۔

اما الذی یعم الحدود کلھا فھو الامامۃ وھو ان یکون المقیم للحد ھو الامام او من ولاہ الامام (بدائع ۷/ ۵۷)

④ فوٹو حجت شرعیہ نہیں اس لیے کہ اس میں تزویر ممکن ہے ویسے بھی حجت شرعیہ شہادت اور اقرار میں منحصر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ صفر المظفر ۱۴ ۱۴ھ

اجیر کی گواہی مستاجر کے حق میں درست نہیں

سوال: ① بیع نامہ پر مشتری کے ملازمین کے دستخط بطور گواہ ہیں، اور محکمہ مال اس بیع نامہ کے مطابق مشتری کے وارثان کے نام انتقال کیا ہے۔

② متوفی شخص کے دو برادران تھے جو زندہ، اس نے بھی اپنا نصف حصہ مشتری بالا کو فروخت کیا ہے۔

نوٹ: عدالتِ محکمہ مال نے درست جان کر دونوں بائعوں کا اسٹامپ تسلیم کیا ہے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

① ملازمین کی حیثیت اجیر خاص کی ہے، تو ان کی شہادت مستاجر کے حق میں قابل قبول نہیں ہے۔

أما الاجیر الوحد وھو الذی استأجرہ میاومۃ أو مشاھرۃ أو مسانھۃ بأجرۃ معلومۃ لاتقبل استحساناً کذا فی الخلاصۃ (عالمگیری ۳/۴۷۰)

(۲) برادران کا اپنے حصہ میں تصرف بیع درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷ شوال المکرم ۱۴۱۳ھ

كتاب الحظر والاباحة

لباس اور زینت کے مسائل

علما کی ٹوپی کی انگریز کی ٹوپی سے مشابہت اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمامہ

سوال: بعض لوگ اصرار کے طور پر کہتے ہیں کہ آج کل جو علماء لمبی ٹوپی پہنے ہوئے ہوتے ہیں یہ انگریز کی ٹوپی ہے، مسلمان کو یہ ٹوپی نہیں پہننا چاہیے، اس کا تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول زیادہ تر عمامہ پر رہا یا ٹوپی پر، اور ٹوپی لمبی یا گول اور عمامہ کا رنگ اور مقدارِ مسنونہ سے مطلع فرماویں تو عین نوازش ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

انگریز عموماً ہیٹ کا استعمال کرتے ہیں، کسی انگریز کو علماء پہنتے ہیں ایسی ٹوپی پہنتے نہیں دیکھا گیا، یہ امر مشاہد اور بدیہی ہے اس کا انکار مکابرہ ہے؛ بلکہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ٹوپی کو بطور سترہ استعمال فرمایا ہے۔ اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ لمبی ہوگی ورنہ سترہ کا کام کیسے دے سکتی ہے؟

وكان ربما نزع قلنسوته فجعلها سترة بين يديه وهو يصلي (الدعامة:٣٦)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمامہ ٹوپی کے ساتھ (یعنی نیچے ٹوپی اور اوپر عمامہ) استعمال فرماتے تھے، بغیر ٹوپی کے صرف عمامہ اور بغیر عمامہ کے صرف ٹوپی کا استعمال بھی ثابت ہے۔

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ "زاد المعاد فی هدی خیر العباد" میں رقم طراز ہیں:

كانت له عمامة تسمى السحاب كساها عليا فكان يلبسها ويلبس

تحتها القلنسوة وكان يلبس القلنسوة بغير عمامة ويلبس العمامة بغير قلنسوة. (۱/ ۷۰مطبوعه محمديه)

البتہ آپ ﷺ نے عمامہ ٹوپی کے ساتھ استعمال فرمانے کی تاکید فرمائی ہے۔

اخرج ابوداؤد والترمذی والطبرانی فی الکبیر عن رکانة بن عبدیزید مرفوعاً "فرق مابيننا وبين المشركين العمائم على القلانس" ولفظ رواية الترمذی "ان فرق" الخ بزيادة ان فی اوله. (الدعامة:۳۵)

البتہ اس کے بعض راوی متکلم فیہ ہیں؛ اس لیے یہ روایت ضعیف ہے۔ (كما فصله في الدعامة نقلا عن الترمذی والسخاوی)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ولا بأس بلبس القلانس وقد صح انه ﷺ كان يلبسها. (۳۳/۵)

ٹوپی کی گولائی یا لمبائی کے سلسلہ میں کوئی صراحت نہیں دیکھی؛ البتہ بعض ضعیف روایتوں سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ٹوپیاں اس طرح کی بنی ہوئی تھیں کہ سر کے ساتھ لگی چپکی رہتی تھیں۔

اخرج ابن عساكر عن عائشة قالت: كان رسول الله ﷺ يلبس قلنسوة بيضاء لاطئة. واخرج الدمياطی عنها ايضاً قالت: كانت له كمة بيضاء بطحاء.(الدعامة:۴۰)

واخرج الترمذی عن ابی كبشة الانماری قال: كانت كمام اصحاب رسول الله بطحاً.... بطحا معناه منبطحة و غير منتصبة ای لاصقة بالرأس غير مرتفعة. (ايضاً:۴۱)

آپ ﷺ سے سیاہ عمامہ پہننا بسند صحیح ثابت ہے، اور ابوداؤد کی ایک روایت

میں زرد رنگ کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ (ایضاً ۸۶، ۹۳) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سفید عمامہ پہننا صحیح روایتوں سے ثابت نہیں ہے؛ لیکن سفید لباس کے سلسلہ میں جو قولی روایات ہیں ان کے پیشِ نظر علماء نے سفید عمامہ کو افضل بتلایا ہے۔ (ایضاً ۸۳)

عمامہ کے طول وعرض کے سلسلہ میں روایتیں درجۂ ثبوت کو نہیں پہنچی ہیں۔

وقال فی شرح المواهب: مانصه قال الحافظ فی فتاواه: لا یحضرنی فی طول عمامة النبي ﷺ قدر محدود. وقد سئل عنه الحافظ عبدالغنی فلم یذکر شیئا وقال السیوطی لم یثبت فی مقدارها حدیث (ایضاً ۸۱)

وفی الفتاوی الحدیثیة لابن حجر المکی لم یثبت فی طولها وعرضها شی ء الخ.(حاشیة بذل المجهود ۱۶/۴۰۰ طبع بیروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۰۶ھ

عورت کا شرعی لباس

سوال: عورت کا شرعی لباس جو حضور اصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت تھا، کیا تھا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عورت ایسا لباس پہنے جو اس کے تمام بدن کو ڈھانپتا ہو اور غیروں کے ساتھ تشبہ لازم نہ آتا ہو، یہی لباس اس کے حق میں شرعی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

عورتوں کے لیے کلی والا کرتہ پہننا کیسا ہے؟

سوال: عورتوں کا لباس جو چاک کھلی ہوتی ہے لیکن ستر پوشی مکمل ہوتی ہے، گھیر

زیادہ ہوتا ہے، اور بالکل ڈھیلا ڈھالا لباس ہوتا ہے، تو کیا یہ جائز ہے؟ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ کلی والے بند لباس سنت ہے، اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ مردہ کا کفن کلی والا منع ہے، تو زندہ کا پہننا کیسے ثابت ہوا؟ تو کیا ان کا سنت کہنا صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

لباس کے متعلق کسی خاص وضع اور تراش کی شریعت نے پابندی نہیں لگائی؛ البتہ خواتین کے لباس کی حدود مقرر کی ہیں، ان سے تجاوز نہیں ہونا چاہیے، پس جو لباس ان شرعی حدود میں ہوگا وہ شرعی لباس کہلائے گا، ورنہ خلافِ شرع ہوگا، وہ حدود یہ ہیں:

(الف) خواتین کا لباس اتنا چھوٹا، باریک یا چست نہ ہو کہ جس سے ان کی جسمانی ساخت واعضاء ظاہر ہوجائیں جسے چھپانا واجب ہے؛ بلکہ ان کا لباس ایسا ہونا ضروری ہے کہ جس سے مکمل طور پر ستر پوشی ہو۔

(ب) خواتین لباس میں کافروں اور فاسقوں کی نقالی اور تشبہ اختیار نہ کریں۔

(ج) خواتین مردانہ لباس نہ پہنیں الخ۔

(عورت کے لباس اور پردہ کے شرعی احکام ۲۰، ۲۱)

اس لیے آپ نے اپنے سوال میں جس لباس کے متعلق دریافت کیا ہے وہ جائز اور شرعی لباس ہے۔

مردہ کا کفن تو سلا ہوا ہوتا ہی نہیں، اس لیے اس میں کلی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

عورتوں کے لیے ساڑی پہننا کیسا ہے؟

سوال: ساؤتھ انڈیا جیسے: کرناٹک، تامل ناڈو، کیرالاان ملکوں میں عورتوں کے ساڑی پہننے کا رواج ہے، ساڑی کے ساتھ کرتا پہننے سے ستر بالکل چھپ جاتا ہے؛ لہٰذا ایسی صورت میں ساڑی پہننا کیسا ہے؟ اور خیر القرون میں صحابی عورتوں کا لباس کیسا تھا؟ آگاہ فرمائیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

جس علاقہ میں ساڑی غیر مسلم عورتوں کا مخصوص لباس نہ ہو؛ بلکہ مسلمان عورتیں بھی ساڑی پہنتی ہوں وہاں ساڑی پہننا جائز ہے؛ بشرطیکہ ستر کھلا نہ رہتا ہو، صحابیہ عورتوں کا لباس کرتا یا چادر ہوتا تھا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ساڑی پہننا

سوال: اور اس وقت دیکھا گیا کہ دیہات میں عورتیں ساڑی پہنتی ہیں، اور برقع ہوتا ہی نہیں ہے، تو کیا مسلمان عورتوں کو ساڑی پہننا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو کس صورت میں جائز ہے، خلاصہ لکھیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

جہاں مسلمان عورتوں کے اپنے لباس میں ساڑی داخل ہو، وہاں جائز ہے، جہاں مسلمانوں میں ساڑی مروج نہ ہو، صرف غیر مسلم عورتوں کے لباس میں داخل ہو

وہاں مکروہ ہے۔ (کفایت المفتی ۹/۱۶۱)

یادرہے کہ یہ حکم اس ساڑھی کا ہے جو پورے جسم کو ساتر ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ ذوالقعدہ ۱۴۰۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

لبس السواد جائز

(سوال): ماتقولون أيها العلماء العظام في المسئلة الآتية؟

فإن رجلاً من أهل العرب يقول: فإن العمامة السوداء والمنديل كلاهما مكروه في الإسلام؛ لأن الشيعة كثيراً يستعملون اللباس السوداء، خاصة في العشرة الأولىٰ من المحرم، وذلك شعارلهم، وبذلك أفتوا أهل العرب بكراهيتهما، ويستدلون بقوله عليه السلام: "من تشبه بقوم فهومنهم"۔

فأجاب أحد من علماء العجم:

وهما كيف يكرهان في الإسلام؟ وأهل العرب كيف يحكمون بكراهيتهما؟ لأن النبي عليه الصلوة والسلام قد استعمل العمامة السوداء، في ذلك أحاديث كثيرة موجودة على إباحته، كما أخرج الترمذي (باب ما جاء في العمامة السوداء) حدثنا محمد بن بشار حدثنا عبدالرحمن بن مهدي عن حماد ابن سلمة عن أبي الزبير عن جابر قال: دخل النبي ﷺ مكة يوم الفتح وعليه عمامة سوداء، وفي الباب عن عمروا بن حريث وا بن عباس وركانة وحديث جابرا حديث حسن صحيح. (۲۰۷/۱)

فكيف يكرهون هما مع وجود الدلائل الكثيرة على إباحته؟ وإن أساس مذهب الشيعة وأصولهم مبني على شهواتهم الباطلة وعقائدهم الفاسدة، وبذلك أفتوا جميع علماء العجم والعرب على كفرهم. فأجيبوا بالوضاحة؟ وبينوا شق الحق؟ فلكم الأجر عند الله أجرا عظيماً.

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

عند علمائنا الحنفية لبس السواد جائز؛ بل مندوب قال النسفي في الكنز: ندب لبس السواد وارسال ذنب العمامة بين الكتفين إلى وسط الظهر.اھ. وا ستدل عديه شارحه الزيلعي: لأن محمدا ذكر في "السير الكبير" في باب الغنائم: حديثاً يدل على أن لبس السواد مستحب (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق للزيلعي٦/٤٤٨)

وفي الدر المختار: ندب لبس السواد الخ، قال محشيه العلامة إبن عابدين الشامي:(قوله: و ندب لبس السواد) لأن محمدا الخ، فذكر عبارة الزيلعي بتمامها. (شامي٥/٥٣٣)

قال القاري في شرح الشمائل فى شرح حديث جابر: دخل رسول الله ﷺ مكة يوم الفتح وعليه عمامة سوداء واستدل بعض العلماء بهذا الحديث على جواز لبس السوداء.(جمع الوسائل في شرح الشمائل١/١٦٥)

و قال بعد سطر: وفي شرح الزيلعي عن علماء أنه يسن لبس السواد لحديث فيه السيوطي جزءاً في لبس السواد وذكر فيه أحاديثا وآثاراً (١/١٦٦)

وقال أيضاً وقد لبس السواد جماعة كعلي يوم قتل عثمان و غيره كالحسن كان يخطب بثياب سواد وعمامة سوداء أو عصابة سوداء،

وا بن ا الزبير كان يخطب بعما مة سوداء ومعاو ية فإ نه لبس عما مة سوداء وجبة سوداء وعصابة سوداء وعبدالله ا بن حذاء وعمار كان يخطب كل جمعة بالكو فة و هو أمير ها وعليه عما مة سوداء وا بن المسيب كان يلبسها في العيدين وابن عباس كان يعتم بها. (١٦٦/١)

ما رأيت فتوى أهل العرب في هذا الباب، لو فرض أنهم أفتوا بذلك فلعلهم على مسلك الإمام أحمد بن حنبل لأنه كان يكره السواد لكونه شعار الظلمة في وقته كما في (اقتضاء الصراط المستقيم لابن تيمية:٤٠)

نعم ينبغي أن يحترز عن لبس السواد في العشرة الأولى من المحرم فى بلاد فيها الشيعة وأما في غيرها من البلاد التي لا أثرلهم فيها فلا بأس به. فقط والله تعالىٰ أعلم.

كتبه: العبد احمد عفى عنه خانفورى، غرة ربيع الاول ١٤١٧ھ

الجواب صحيح: عباس داؤد بسم الله عفى عنه

راجستھان میں رائج چند زیورات کا حکم

سوال: (١) ہمارے یہاں مغربی راجستھان میں تمام مسلم سندھی برادری کی عورتیں اپنے دونوں پیروں میں ایک مخصوص قسم کا زیور پہنتی ہیں، اور یہ زیور ہمارے یہاں رائج ہے، عالم، صالح، جاہل ہر ایک کے گھر میں پہنا جاتا ہے، ہم اس کو اپنی زبان میں ”کڑی“ کہتے ہیں، یہ شوہر کی جانب سے بیوی کو منگنی کے بعد یا شادی کے وقت پہنایا جاتا ہے، اور یہ شوہر کی ملکیت سمجھا جاتا ہے اور اس زیور کو ٹخنوں کے اوپر پہنا جاتا ہے، اور چاندی کا بنایا جاتا ہے، اس کی شکل کھلے حلقے کی طرح ہے، جس کی درمیانی شکل ہلال کی طرح ہے، اور ہر دونوں سروں پر نصف گول دائرہ ہے جن کے

ملانے پر مکمل گول ماہِ کامل بن جاتا ہے، اور یہ ۴۰، ۴۵ تولہ سے لے کر ۷۰، ۸۰ تولہ وزنی بنایا جاتا ہے، اس زیور کے اندر مندرجہ ذیل خصوصیتیں پائی جاتی ہیں جن کی بناء پر استفتاء کیا گیا ہے۔

(۱) شوہر یا شوہر کے اہل پر اس قدر دباؤ ہے کہ اس کو مجبوراً رسم ورواج کے مطابق یہ زیور بنانا پڑتا ہے، یعنی بے حد پابندی ہے۔

(۲) یہ زیور ہمارے یہاں کے ہندوؤں میں سے اعلیٰ قوم جیسے راجپوت، وشنوئی، جاٹ وغیرہ اکثر قدیم زمانہ سے پہنتے چلے آرہے ہیں، اور ان کے یہاں بھی یہ زیور رسماً ضروری ہے، اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ راجپوتانہ راج اور حکومت میں راجپوت قوم گھٹیا اور نیچ قوم کو یہ زیور نہیں پہننے دیتے تھے، اور اپنے اعلیٰ قوم کے لیے اور سندھی اعلیٰ قوم کے لیے مخصوص سمجھتے تھے، اور اب یہ بات خصوصیت والی نہیں ہے، ہر قسم کی قوم پہنتی ہے اور ہماری مسلم سندھی برادری ہے، یہ رواج انہی راجپوتوں سے سیکھا ہے؛ جب کہ سندھی مسلم کی مختلف برادریاں ہیں، ان میں اکثر کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ راجپوت قوم سے نکل کر مسلمان ہوئے ہیں، اور یہی بات ہمارا نسب محفوظ کرنے والی پیشوا قوم بھاٹ بھی کہتی ہیں، اور یہی بات قرینۂ قیاس ہے کہ ہم نے انہی سے یہ رواج لیا ہے، جیسا کہ ہندوستانی مسلم ہندوانہ رسم ورواج سے متأثر ہوئے ہیں، چہ جائے کہ مسلم سندھی برادری یا دوسری مسلم برادری کا یہ رواج ہو، اور ہندوؤں میں خاص کر راجپوتانہ میں جہاں اس حکومت تک راجپوتوں کی مکمل راٹھوڑی رہی ہے، اور اثر ورسوخ رہا ہے ناممکن ہے، اور اس کا تاریخی ثبوت بھی نہیں ملتا ہے، اور یہی بھاٹ، ہندو راجپوت اور مسلم راجپوت کا نسب نامہ برابر لکھتے ہیں؛ نیز یہ بات

اور واضح ہوجاتی ہے کہ ہم اپنے آبائی راجپوتوں کی رسم کے مطابق عمل کررہے ہیں کہ جو سندھی مسلم نہیں ہے، جیسے تیلی قوم اور چیڑ و وغیرہ، وہ ہمارے یہاں یہ زیور نہیں پہنتے ہیں، اور نہ ہی ان کو راجپوت مسلمان کہا جاتا ہے۔

(۳) ہمارے معاشرے میں یہ زیور قرض لے کر؛ بلکہ بعض مرتبہ سودی قرض لے کر بنانا پڑتا ہے۔

(۴) ہمارے معاشرے میں اس زیور کے بالکل اتارنے پر شوہر کے مرنے اور بیوی کے بیوہ ہونے کی بدشگونی لیتے ہیں، جیسا کہ ہمارے یہاں کے ہندوؤں میں بھی ہے، اور چوں کہ یہ زیور شوہر کے مرنے کے بعد ہی اتارا جاتا ہے، اس لیے یہ بدشگونی لیتے ہیں۔

(۵) اس زیور کو شادی کے وقت بری کے ساتھ دکھلا کر پیش کیا جاتا ہے، اور عورتیں پہن کر بعض مرتبہ فخر کرتی ہیں۔

(۶) اور یہ زیور چوں کہ ٹخنے کے اوپر پہنتی ہیں، اس لیے کشف ستر یعنی بے پردگی ہوتی ہے، بعض عورتیں تو ایسے لباس پہنتی ہیں کہ وہ ٹخنوں کے اوپر ہی رہتا ہے، ایسی عادت ہے۔

(۷) یہ زیور شوہر یا شوہر کے اہل کی جانب سے دیا جاتا ہے، اور شادی کے بعد وہ شوہر ہی کی ملکیت سمجھی جاتی ہے؛ لیکن ملکیت کے باوجود بیوی کے پیر سے کڑی ہمیشہ کے لیے نکال نہیں سکتا ہے؛ البتہ کمی بیشی کر سکتا ہے، اب اگر یہ پہنانے کا احسان ہے، تو اس احسان کے کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے اور پہنانا پڑتا ہے۔

(۸) اس زیور کے بارے میں کسی عالم نے ابھی تک کوئی واضح حکم نہیں لگایا ہے

کہ یہ ناجائز ہے یا جائز ہے، حرام ہے یا مکروہ؛ البتہ ہمارے معاشرے میں عالم، صالح، جاہل ہر قسم کا آدمی اپنی بیوی کو پہناتا ہے، اور اس رواج پر عمل کرتا ہے، اور غالب گمان ہے کہ واضح حکم آنے کے بعد بھی لوگ کرتے رہیں گے اور پہنانے پر برقرار رہیں گے، اس اصرار اور برقراری کا کیا حکم ہے؟ یہ ہے ہمارے معاشرے میں پہنا جانے والا زیور "کڑی" اتنی ساری خصوصیات والا ہے؛ لہٰذا کس علت اور اصول کی بناء پر کیا حکم لگے گا؟ واضح طور پر بیان فرمائیں؛ نیز یہ زیور کڑی اتنا عام ولابدی ہے کہ "اشربوا حبھا" کا معاملہ ہے، اس کے چھڑانے کی کوشش بڑی بدنامی کا باعث ہے، اس لیے کیا کوئی جواز کی صوت نکل سکتی ہے؟ اور وہ شکل ایسی ہو کہ اس میں رسم ورواج کا اتباع نہ ہو اور کوئی قباحت بھی نہ پائی جائے۔ اور بعض لوگوں نے ایک شبہ ظاہر کیا کہ کڑی مذکورہ زیور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانۂ مبارک میں پہنا جاتا تھا، کیا یہ صحیح بات ہے؟ اگر ثبوت بالفرض ہے تو اب ان حالات میں ان خصوصیات کے ساتھ اس زیور کا کیا حکم ہے؟

(۲) ہمارے یہاں بعض مسلمان قوم کی عورتیں گول گول بیر کی شکل میں ایک زیور پہنتی ہیں، جس کو راجستھانی زبان میں "بوریو" کہتے ہیں، یہ بھی چاندی کا بنایا جاتا ہے، اور جس قوم وبرادری میں یہ رائج ہے وہ اس کو رسم ورواج کے مطابق بناتے ہیں؛ البتہ آہستہ آہستہ کافی مسلم برادریوں سے چھوٹ گیا ہے اور معیوب سمجھا جاتا ہے، یہ بھی شوہر کی طرف سے بیوی کو دیا جاتا ہے، اور منگنی یا شادی کے وقت دینا ضروری ہے، اس کو پہن کر نماز پڑھنا دشوار ہے؛ کیوں کہ وہ سر کے مانگ میں گوندھ کر پیشانی پر رکھا جاتا ہے، یہی زیور "بوریو" اکثر ہندو برادریوں میں رسم ورواج کے مطابق ضرور دیا جاتا ہے، اور بعض ہندوؤں کے یہاں "بوریو" کی جگہ "ٹیکا" پہنا

جاتا ہے، تو اس کا صریح حکم بیان فرما کر ممنون فرمائیں۔

③ اسی طرح ناک میں پہننے کے لیے دو قسم کے زیور "لونگ"، اور اس سے چھوٹی چیز "حلکی" ماں کی جانب سے بیٹی کو شادی کے وقت دینا ضروری ہے، یہی رسم ورواج ہے، اور یہ شوہر کے مرنے تک پہنے گی، اس کے بعد اتارنا ضروری ہے، یہ دونوں زیور "لونگ اور حلکی" سونے کے بنائے جاتے ہیں، یہ بھی بنوانا ضروری ہے، ورنہ لعن طعن اور ملامت کے ذریعہ مجبور کیا جاتا ہے، یہ بھی ہمارے یہاں کے تمام ہندوؤں میں- جو یہاں کے باشندے ہیں- رائج ہے، اور رسماً ضروری ہے، اس کا بھی وضاحت کے ساتھ حکم بیان فرمائیں، عین کرم ہوگا۔

④ اور ایک زیور "ہنسلی" جو تمام پسلیوں سے اونچی اور چھوٹی پسلی کی شکل میں اسی پر پہنی جاتی ہے، اسی لیے اس زیور کا نام "ہنسلی" رکھ دیا گیا ہے، یہ بھی چاندی کا بنایا جاتا ہے، اور گلے کے اندر اعلیٰ پسلی پر پہنی جاتی ہے، اور یہ بھی شوہر رسم ورواج کے مطابق یا شوہر کی اہل کی جانب سے لانی ضروری ہے؛ البتہ بعض آدمی نیک طبقے وغیرہ کے ہوں تو لانے میں مطالبہ نہیں کرتے، اور جہاں لانا ضروری ہے وہاں چاہے مانگ کر لائے، پھر تھوڑے دنوں کے بعد یہ اتار کر ذاتی لائے، یا بھاری ہو تو گلے میں چاہے نہ ڈالے؛ لیکن ضرور لانا ہے، اس زیور کو شادی کے بعد عام طور سے نہیں پہنتی ہیں، اصل اس کی یہ ہے کہ یہ منگنی کی علامت ہے اور یہی چیز ہمارے یہاں کے ہندوؤں میں ہے، اس کا بھی واضح حکم بیان فرمائیں۔

⑤ ہمارے معاشرے میں "کڑی" "کلیہ" اور بعض برادریوں میں "بوریؤ" اور تمام برادریوں میں "لونگ" یا "حلکی" اور اکثر میں "ہنسلی" ضروری سمجھ کر پہنتے ہیں اور

پہننا بھی ضروری ہے، بالکل اسی طرح یہی زیوات مذکورہ ہندو اقوام میں رسماً ضروری ہیں۔

ان زیورات کے علاوہ بہت سے زیور ایسے ہیں جو ہندو بھی پہنتے ہیں اور ہماری قوم میں بھی پہنے جاتے ہیں؛ لیکن ضروری کسی کے یہاں بھی نہیں ہے، گنجائش پر ہے، تو ایسے زیورات کا کیا حکم ہے؟ مثلاً ایسے زیورات: بازو بند، کنگن، کڑوایا، چمکچوڑی، دُڑی، کاتریا، چوڑے وغیرہ یہ سب ہاتھ میں پہنے جاتے ہیں، ان کا کیا حکم ہے؟ اسی طرح انگلیوں اور ہتھیلیوں میں ہتھوکلا، اور گلے میں تمنیا سونے کا، اور کنٹھلا، مادلیا چاندی کے ہوتے ہیں، اور کان میں بالیاں، پیتے، لچھیاں، جھونبڑ، جھٹیلے وغیرہ۔

الحاصل: ہمارے معاشرے میں اس معاملہ میں ہندو معاشرہ سے فرق اور دوری نہیں ہے، رہن سہن ملتا جلتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ قدیم زمانے سے آج تک اسلامی معاشرہ میں کس وضع اور کونسی شکل وصورت کے زیورات رائج تھے؟ اور شریعت مطہرہ کونسے زیور جائز قرار دیتی ہے؟

کیا کان کی بالی، کنگن، ہار، انگوٹھی، پازیب پہننا جائز ہے؟ اور ان کا دورِ نبوی میں ہونے کا ثبوت ملتا ہے؟

نیز تشبہ مع الکفار کا کیا معیار ہے؟ زیورات میں تشبہ مانع ہے یا نہیں ہے؟ تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① جو لباس کفار یا فساق یا مردوں کے ساتھ مخصوص ہو عورتوں کو استعمال کرنا ناجائز ہے، جو مشترک ہے، اس کا استعمال جائز ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۶/ ۳۷۴)

آپ نے سوال میں تصریح فرمائی ہے کہ ''اب یہ بات خصوصیت والی نہیں ہے،

ہر قسم کی قوم پہنتی ہے" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ زیور کفار کا قومی یا مذہبی شعار نہیں ہے، اس لیے اس کا پہننا درست ہے، باقی اس سلسلہ میں دوسرے جو امور آپ نے تحریر فرمائے ہیں، وہ سب قابل اصلاح ہیں۔ (مثلاً شوہر یا اس کے اہل پر اس کے بنانے کی پابندی وغیرہ)۔

② اگر وہ زیور ایسا ہو کہ اس کو پہن کر سجدہ صحیح طریقہ سے نہ ہو سکتا ہو، تو اس کا پہننا جائز نہیں ہے۔

③ بحیثیت زیور اس کا استعمال جائز ہے، رسم کی پابندی ممنوع ہے۔

④ اس کا حکم بھی نمبر تین کی طرح ہے، محض ہندوؤں میں اس کا استعمال تشبہ کے لیے کافی نہیں ہے، جب تک کہ ان کی خصوصیت یا ان کا قومی یا مذہبی شعار نہ ہو۔

⑤ زیور ہو یا دوسرا لباس، ہر ایک کے سلسلہ میں شریعت کا ضابطہ وہی ہے جو شروع جواب میں ذکر کیا گیا ہے، شریعت نے زیور کی کسی مخصوص وضع کی تعیین نہیں فرمائی ہے، ہر زمانہ میں رائج زیور کی شرط مذکور کے ساتھ اجازت دی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴/شوال المکرم ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

عورت کے لیے مانگ نکالنا کیسا ہے؟

سوال: عورت اپنے بال کس انداز سے رکھے؟ بیچ کی مانگ نکال کر بالوں کے دو حصے الگ الگ کر سکتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عورت کے لیے بھی مانگ نکالنا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مہندی لگانا

سوال: مرد اور عورت دونوں کا مہندی لگانا جائز ہے یا نہیں؟ بعض مردوں کو ہاتھوں اور پیروں کے نیچے شادی کے موقع پر دیکھا تو کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ہاتھ اور پاؤں پر مہندی لگانا عورت کے لیے جائز ہے، مرد کے لیے نہیں۔

لا ينبغي أن يخضب يد الصبي الذكر ورجله؛ إلا عند الحاجة، ويجوز ذلك للنساء كذا في الينابيع. (عالمگیری ۵/۳۵۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

باہر جانے کے لیے کالا خضاب کرنا

سوال: ایک آدمی ڈاڑھی کا کالا خضاب اس وجہ سے کرتا ہے کہ باہر ملک جانے کی اجازت ملے، ادھیڑ عمر کا ہے اگر کالا خضاب نہیں کرے گا تو بوڑھا معلوم ہوگا، اور باہر جانے کی اجازت نہیں ملے گی، کیا ایسا شخص کالا خضاب کر سکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سیاہ خضاب مکروہ ہے۔ ویکرہ بالسواد. (درمختار علی ہامش الشامی ۵/۲۹۹)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سیاہ خضاب لگانا مکروہ ہے

سوال: بازار میں مختلف قسم کے سفید بالوں کو رنگنے کی مختلف چیزیں ملتی ہیں، جن میں مہندیاں تو عام ہیں، البتہ کچھ کلر بھی دستیاب ہیں، جن کلروں میں سے بعض پر لکھا ہوا ہوتا ہے ڈارک بلیک (۱۲ نمبر) اور بعض کلروں پر لکھا ہوا ہوتا ہے ڈراک براؤن (۳۰ نمبر) وغیرہ، ان کلروں میں سے ڈراک براؤن (۳۰ نمبر) والے خضاب کے جواز کے متعلق ڈابھیل کے ایک قاری صاحب نے حضرت مفتی احمد صاحب دامت برکاتہم کے حوالہ سے یہ بات کہی کہ اس کو لگا سکتے ہیں، اور یہ بات پھیلتی ہوئی مختلف علاقوں تک پہنچ گئی ہے، اور کچھ افراد نے اس کو لگانا بھی شروع کر دیا ہے، دراصل یہ ایک کمپنی کے دو پیسٹ (سفید، ڈراک اور براؤن) ہیں، جنہیں ہم پلہ ملا کر کنگھی سے بالوں میں لگانا ہوتا ہے، اور دس منٹ چھوڑے رکھنا ہے، دس منٹ کے بعد وہ اپنا سیاہی نما اثر چھوڑتا ہے، کیا یہ خضاب لگانا جائز ہے؟ حالاں کہ اس کمپنی کا دعویٰ ہے، نیز تجربہ کاروں کا تجربہ بھی ہے کہ:

(۱) یہ پیسٹ صرف دس منٹ ہی میں بالوں کو رنگین کر دیتا ہے، ہم نے اس کلر کو ہاتھ پر لگا کر تجربہ کیا تو معلوم ہوا کہ اس کا جرم نہیں بنتا۔

(۲) اگر یہ کلر کپڑے یا رومال پر لگ جاتا ہے تو وہ اپنا گہرا دھبہ چھوڑ دیتا ہے جو بمشکل نکلتا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

① کیا یہ کلر لگانا ہر کسی کے لیے ہر حال میں جائز ہے؟

② کیا سیاہ کلر لگانے والوں کو اور ڈائی کروانے والوں کو اس کلر کی طرف رہنمائی کرسکتے ہیں؟

③ کیا اس کلر کے جواز کی صورت میں ڈائی کرنے والوں کے لیے ڈائی کے جواز کی راہ تو ہموار نہیں ہوجائے گی؟

④ کیا یہ کلر سیاہ خضاب کے حکم میں داخل ہوگا؟

ملحوظہ: اس کلر کے اجزائے ترکیبیہ معلوم کرنے کے لیے بعینہ یہ کلر پیشِ خدمت ہے۔ امید ہے کہ شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر امت کی رہبری فرمائیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بالوں کو رنگنے کے لیے مختلف اشیاء ہیں، جیسے مہندی، ہیر ڈائی، رنگ وغیرہ، جس چیز کے استعمال کے نتیجہ میں بال کا رنگ کالا ہوجاتا ہو اس کا استعمال ناجائز ہے، کالے رنگ کے علاوہ جیسے بھورا، سرخ، زرد، سبز یا مائل بہ سرخی ہوجائے تو استعمال کی اجازت ہے، بشرطیکہ وہ رنگ تہ دار نہ ہو، اور پانی پہنچنے سے مانع بھی نہ ہو، اگر اس کے استعمال کے نتیجہ میں تہ جم جاتی ہو یعنی پَرت چڑھ جاتی ہو جسے آئل پینٹ اور نیل پالش وغیرہ سے پرت چڑھ جاتی ہے تو وضوء، غسل درست نہ ہوگا۔

(ولا يضُرُّ بقاءُ أثر) كلون وريح. (درمختار مع رد المحتار، باب الأنجاس، ۵۳۷/۱)

وقيل ان صلباً منع وهو الأصح (در مختار) قال الشامي: صرح به فى

شرح المنیة: وقال لامتناع نفوذ الماء مع عدم الوضوء والحرج.
(رد المحتار، مطلب فی أبحاث الغسل، زکریا ۲۸۹/۱)

بالوں میں سیاہ رنگ کا خضاب لگانا جائز نہیں، حدیث شریف میں اس پر سخت سے سخت وعید آئی ہے۔

فتاویٰ رحیمیہ سے ایک سوال وجواب نقل کیا جاتا ہے:

سوال: سر کے بال جوانی میں سفید ہو جائیں تو سیاہ خضاب لگانا کیسا ہے؟

الجواب: سیاہ خضاب لگانا سخت گناہ ہے، احادیث میں اس پر وعید آئی ہے، ایک حدیث میں ہے:

عن ابن عباس رضی الله عنهما عن النبی ﷺ قال: یکون قوم فی آخر الزمان یخضبون بهذا السواد کحواصل الحمام لا یجدون رائحة الجنة. رواه أبوداؤد (مشکوة: ۳۸۲)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آخری زمانہ میں کچھ لوگ ہوں گے جو سیاہ خضاب لگائیں گے، جیسے کبوتر کا سینہ، ان لوگوں کو جنّت کی خوشبو بھی نصیب نہ ہوگی۔

دوسری حدیث میں ہے:

عن جابر قال أتی النبی ﷺ بأبی قحافة یوم الفتح ورأسه ولحیته کالثُّغامة بَیاضاً وقال النبی ﷺ: غیّروا هذا بشیٔ واجتنبوا السواد. (أیضاً)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں: کہ فتحِ مکہ کے دن ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں لایا گیا، ان کے سر اور ڈاڑھی کے بال ثُغامہ کے مانند بالکل سفید تھے، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ اس سفیدی کو کسی چیز سے

بدل دو، اور سیاہ خضاب سے احتراز کرو۔

اس حدیث میں سیاہ خضاب سے بچنے کا صراحتاً امر فرمایا ہے، لہٰذا اس سے بالکل احتراز کیا جائے، اس کا استعمال جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۵/ ۴۸۷)

فتاوی رشیدیہ میں ہے:

بالوں کو خضاب کرنا کسی چیز سے سوائے سیاہ کے سب قسم درست ہے۔

(تالیفاتِ رشیدیہ ص/ ۴۸۲)

باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ میں ہیں: مسلمان کو مہندی لگانا درست ہے، مگر سیاہ خضاب کرنا منع ہے۔ (باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ ص/ ۳۷۸)

امداد الفتاویٰ میں ہے:

سوال: بعض ایسے اشخاص جن کے عقد میں نوعمر اور جوان عورتیں ہیں محض بخیالِ رغبتِ زوجہ سیاہ خضاب کرتے ہیں، یہ فعل اُن کے لیے کیسا ہے؟ اگر ممنوع ہے تو ایسے لوگوں کو رغبتِ زوجہ کے لیے کونسی تدبیرِ شرعی کرنی چاہیے؟

الجواب: اگر یہ مصلحت قابلِ تحصیل ہوتی تو خضابِ اسود کے ممنوع ہونے کے پھر کوئی معنی ہی نہ ہوتے۔ (تتمہ ثانیہ: ۵۳، امداد الفتاوی ۴/ ۲۱۴، ۲۱۵)

سوال: خضاب لگانا کیسا ہے؟

الجواب: خضاب سرخ بالاتفاق جائز؛ بلکہ مستحب ہے، اور سیاہ خضاب جہاد میں ہیبتِ دشمن کے لیے بھی جائز ہے، اور محض زینت کے واسطے مختلف فیہ ہے، عامۂ مشائخ کا قول کراہت ہے، اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے جائز رکھا ہے، لیکن احتیاط اور راجح نہ کرنا ہے۔

اتفق المشايخ أن الخضاب فى حق الرجال بالحُمْرة سُنّةٌ وانه من سيماه المسلمين وعلاماتِهم وأما الخضابُ بالسِّواد فمن فعل ذلك من الغُزاة لِيكون أُهيب فى عين العدُوِّ فهو محمودٌ منه،اتفق عليه المشايخُ ومن فعل ذلك لِيزيِّن نفسَه للنساء أو لِيحبب نفسه اليهن فذلك مكروهٌ، وعليه عامَّةُ المشايخ،وبعضُهم جوَّزُواذلك من غيركراهةٍ، ورُوِى عن أبي يوسف أنه قال: كما يُعجِبُنى أن تَتَزَيَّنَ لى يُعجِبُها أن أتزَيَّن لها. كذا فى الذخيرة.(عالمگیری٤/١٣٩، امداد الفتاوی٤/٢١٤،٢١٣)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ضعیف یا مؤول ہے۔(امدادالاحکام ۴/۳۴۸)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں: صحیح روایات ہوتے ہوئے ضعیف یا مؤول روایت پر عمل کرنا بلاضرورتِ شرعیہ ناجائز ہے۔

قدَّمْنا أن الواجبَ على المفتى المقلّدِ أن يأ خُذ من الأقوالِ والرواياتِ ما صَحَّحَها أصحابُ الترجيح .وأما ما يُوجدُ فى كُتُب الفقه من أقوالٍ وروا ياتٍ ضعيفةٍ صرّح أصحابُ الترجيح بضعفها أو علِم ضعفها بعباراتهم ضِمناً والتزاماً فلايجوز العملُ عليها والافتاءُ بها.

(أصول الافتاء وآدابه:١٩٧)

امدادالاحکام میں ہے: فتویٰ اسی پر ہے کہ سیاہ خضاب جائز نہیں۔(۴/۳۴۷)

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

سوال: عمر نے اپنی زوجہ کے مرنے کے بعد ایک بیوہ پچیس سالہ سے عقدِ ثانی کیا، اب وہ عورت اصرار کرتی ہے کہ تم اپنی ڈاڑھی کو سیاہ خضاب لگاؤ، ایسی حالت میں عمر کو سیاہ خضاب لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: شامی میں ذخیرہ سے نقل کیا ہے کہ عورتوں (کو خوش کرنے) کے لیے سیاہ خضاب کرنا مکروہ ہے۔

وان ليزيّن نفسه للنساء فمكروه، وعليه عامّة المشايخ، وبعضهم جوّزه بلا كراهةٍ، ورُوِي عن أبي يوسف أنه قال: كما يعجِبُني أن تتزيَّن لى يعجبُها أن أتزيَّن لها. (رد المحتار، كتاب الحظر والاباحة، فصل فى البيع ٥١٨/٩، فتاویٰ دارا لعلوم ديوبند٢٤٢/١٦، فتاویٰ حقانيه ٤١٢/٢)

آپ کے مسائل اور اُن کا حل میں ہے: بالوں کو کالا کرنا ناجائز ہے، مرد کے لیے بھی اور عورت کے لیے بھی، خواہ کسی دوائی سے کرے۔ (۳۸۰/۸)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے کالے خضاب کی تفصیل کرتے ہوئے خلاصہ کے طور پر لکھا ہے:

والحقُ أن أحاديثَ المنع عن السواد واضحةٌ مطلقةٌ وليس فيها ما يَخُصُّها بارادة الغَشِّ والخَداع، ولذلك اختار عامّةُ المشايخ المنعَ. قال فى العالمگيرية: ومن فعل ذلك ليزيّن نفسه للنساء وليحبب نفسه اليهن فذلك مكروه، وعليه عامّة المشايخ، ومثله فى رد المحتار، وهو الذى اختاره والدى فى جواهر الفقه عملاً بالاحتياط.

(تكملة فتح الملهم، باب استحباب خضاب الشيب بصُفْر أو حُمْر، وتحريمُه بالسواد٨٩/٤)

یعنی کالے خضاب کی ممانعت والی احادیث واضح اور مطلق ہیں، ان میں تخصیص (قصدِ خدع وغیرہ کے ذریعہ سے) کرنے کی کوئی وجہ نہیں، اسی وجہ سے اکثر مشائخ نے کالے خضاب کو ممنوع قرار دیا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: جو شخص اپنے آپ کو عورتوں کے لیے مزیّن اور محبوب بنانے کے لیے کالا خضاب استعمال کرے تو یہ مکروہ

ہے۔عام مشائخ اسی کے قائل ہیں، ردالمحتار میں بھی اسی قول کومختار قرار دیا گیا ہے۔ یہ وہی بات ہے جس کو میرے والد ماجد (حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ) نے احتیاطاً اختیار فرمایا ہے۔انتہی۔

ملحوظہ: تصریحِ بالا سے معلوم ہوا کہ ممانعت کا حکم جوان، بوڑھوں سب کو شامل ہے، جوان کے حق میں یہ کہنا کہ سفید بال ہونا ایک عیب ہے، اور ازالۂ عیب شرعاً جائز ہے، یہ بھی مطلق احادیث میں ایک نوع کی تخصیص ہے۔

جواہر الفقہ میں ہے: کیسے ہوسکتا ہے کہ حدیث کی ممانعت اور سخت وعید کے باوجود یہ حضرات (صحابہ رضی اللہ عنہم) اس کے خلاف کرتے؛ اسی لیے احتیاط عمل اور فتویٰ میں یہی ہے کہ خالص سیاہ خضاب غیر غازی کے لیے مکروہ ہے۔(جواہر الفقہ ۷/ ۱۷۰)

آپ نے استفتاء کے ساتھ دو کلر بھیجے ہیں اور لکھا ہے اس خضاب کے جواز کے متعلق ڈابھیل کے ایک قاری صاحب نے حضرت مفتی (احمد خانپوری) صاحب دامت برکاتہم کے حوالہ سے یہ بات کہی ہے کہ اس کو لگا سکتے ہیں۔انتہی بلفظہٖ۔

مذکورہ دونوں امر کی تفصیل یہ ہے:

① مرسلہ استفتاء حضرت مفتی صاحب مدّ ظلہم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو حضرت نے فرمایا:

”مجھے یاد نہیں کسی نے پوچھا ہو اور یہ بھی فرمایا کہ کالے خضاب کے جواز کا میں کیسے فتویٰ دے سکتا ہوں؟ جب کہ اس کی ممانعت واضح اور صریح ہے۔“

اور یہ بات بالکل واقعی اور محقّق ہے، حضرت نے اس موضوع پر گجراتی اور اردو میں کئی جوابات تحریر فرمائے ہیں، سارے جوابات میں کالے خضاب کو ناجائز لکھا ہے۔

دیکھیے: مطبوعہ محمود الفتاویٰ گجراتی (۲/ ۴۸۷)۔ محمود الفتاویٰ جلدِ ششم میں ہے:

سوال: مسئلہ یہ ہے کہ بال بہت چھوٹی سی عمر میں سفید ہونا شروع ہو گئے تھے، جب میری شادی ہوئی تھی تب بھی میں بالوں میں سیاہ خضاب لگاتا تھا، شادی کے بعد میں تبلیغی جماعت میں گیا تھا، اس کے بعد میں نے سنت طریقے پر ڈاڑھی رکھ لی، یہ بات رخصتی سے پہلے کی ہے، میری بیوی نے کہا تھا: کہ ڈاڑھی مت رکھو، لیکن میں نے کہا تھا: کہ میں ڈاڑھی نہیں نکال سکتا ہوں، پھر اس نے کچھ نہیں کہا، لیکن رخصتی کے بعد اس نے کہا: کہ تمہارے بال جلد سے جلد سے سفید ہو جاتے ہیں، تم اس طرح کرو کہ سیاہ خضاب لگایا کرو، کیوں کہ یہاں کینیڈا میں دو، تین بار اس طرح ہوا کہ ہم شاپنگ کرنے گئے تو وہاں دکان دار ہمارے رشتہ کو غلط سمجھے، اس وقت مجھے بھی اور بیوی کو بھی شرمندگی ہوئی، اس کے بعد سے میں مسلسل سیاہ خضاب لگاتا ہوں، کیوں کہ میری عمر ۳۳/ سال ہے اور بیوی کی عمر ۲۷/ سال ہے، میں آپ سے معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ سیاہ خضاب لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ اور خضاب لگانے سے غسل ہوتا ہے کہ نہیں؟

الجواب: حدیث میں سیاہ خضاب لگانے کی ممانعت آئی ہے، اس لیے سیاہ خضاب کو علماء نے مکروہِ تحریمی قرار دیا ہے، آپ اگر خضاب لگانا چاہتے ہیں تو سیاہ کے علاوہ استعمال کر سکتے ہیں، اگر خضاب لگانے کی وجہ سے صرف بالوں کا رنگ بدلا ہے تو اس خضاب کے ہوتے ہوئے بھی غسل اور وضو درست ہے، اور اگر ایسا خضاب لگایا جس کی وجہ سے صرف رنگ نہیں بدلا؛ بلکہ بالوں پر اس خضاب کی پَرت چڑھ گئی تو غسل اور وضو درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کئی سال سے حضرت مفتی صاحب دامت فیوضہم کی سورت: نشاط کالونی، مسجدِ

انوار میں سنیچر کے روز ریاض الصالحین کے درس کی مجلس جاری ہے۔

ریاض الصالحین کی حدیث شریف "واجتنبوا السواد" (رواہ مسلم) "سیاہ رنگ سے بچو" کی تشریح کرتے ہوئے حضرت مفتی صاحب مدظلہم فرماتے ہیں:

آج کل "کالی مہندی" کے نام سے ایک خضاب آتا ہے، اس کو بنانے والے بھی عجیب ہیں کہ اس کو نام ہی "مہندی" دے دیا؛ تاکہ کسی کو زیادہ تحقیق کی ضرورت ہی پیش نہ آئے، اور سب یہی سمجھیں کہ مہندی ہے، حالاں کہ وہ ایک کیمیکل ہے جس کو "کالی مہندی" کا صرف نام دے دیا ہے۔ اس کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر وہ واقعتاً مہندی ہو اور اس سے رنگ کالا آتا ہو تب بھی اس کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔

آج کل بالوں کو رنگنے کے لیے ہیر ڈائی آتی ہے، اس سے بھی اگر صرف رنگ آتا ہے، جیسے مہندی کا رنگ آتا ہے تو اس میں بھی کالے کو چھوڑ کر باقی رنگ جیسے بھورا، سرخ رنگ کو استعمال کرنے کی اجازت ہے؛ بشرطیکہ وہ صرف رنگ ہی ہو، یعنی اس کو لگانے سے رنگ ہی آتا ہو؛ لیکن اگر وہ اتنا گاڑھا ہو جس کی وجہ سے بالوں پر پَرت چڑھ جاتی ہو، جیسے آئل پینٹ میں ہوتا ہے تو اس صورت میں پھر وضو اور غسل درست نہیں ہوگا، جیسے عورتیں نیل پالش لگاتی ہیں جس میں ناخن پر باقاعدہ پڑ جم جاتا ہے تو اس صورت میں نہ ان کا غسل ہوگا اور نہ وضو ہوگا؛ بلکہ خدانخواستہ اگر ایسی حالت میں انتقال ہو گیا تو ناخنوں پر نیل پالش لگی ہوئی ہونے کی وجہ سے ان کا غسل بھی نہیں ہوگا، اور جب غسل نہیں ہوگا تو نماز بھی نہیں ہوگی، اس لیے کہ مردہ کو جب تک غسل نہ دیا جائے اس پر نماز پڑھانا جائز نہیں ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ عورتوں کے ناخنوں پر اگر نیل پالش لگی ہوئی ہو تو اس کو کھرچا جائے، اگر کھرچا نہیں جائے گا ان کا

غسل ہی درست نہیں ہوگا، لہٰذا اس سے بچنے کی ضرورت ہے۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیاہ خضاب سے منع فرمایا، ابوداود شریف میں روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بعض لوگ ایسا خضاب استعمال کریں گے جیسے کبوتر کے پوٹے ہوتے ہیں، وہ لوگ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھیں گے۔ کبوتر کے پورے جسم کا رنگ تو الگ ہوتا ہے، لیکن گلے کے نیچے کے حصہ کا رنگ سیاہ ہوتا ہے، اسی لیے علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ کالا خضاب استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ (حدیث کے اصلاحی مضامین ۱۴/ ۹۳، ۹۴)

لہٰذا یہ بات دوٹوک کہی جاتی ہے کہ جامعہ ڈابھیل کے دارالافتاء سے کسی نے کالے خضاب کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا، اگر کوئی مفتی صاحب کی طرف غلط نسبت کر کے خالص کالا خضاب استعمال کرتا ہے تو اس کے فعل کا وہ خود ذمہ دار ہے۔

② مرسلہ کلر کے استعمال کی ہدایات میں بہ زبان ہندی لکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

(۱) آسان اور زود اثر طریقہ: مردوں کے بالوں کے موافق خاص تیار کی گئی کنگھی کے اوپر (Non drip cream) ''نان ڈریپ کریم'' لگا کر بالوں میں کنگی کریں، دس منٹ میں سفید بالوں کو کالا کر دے۔

(۲) فطری رنگ کا نکھار: اس کی نئی ترکیب آپ کو دیتی ہے ایسا فطری رنگ جو آپ کے سفید بالوں میں گھل کر کامل طور پر سیاہ رنگ کی تہ چڑھ جاتی ہے، ایسا جاندار رنگ جو زیادہ وقت تک آپ کے بالوں کا ساتھ دیتا ہے۔ (ترجمہ پورا ہوا)

تصریحِ بالا کے مطابق اس کلر میں کوئی اور شرعی قباحت نہ ہو تو بھی دو وجہ سے اس کا استعمال ناجائز ہے:

(۱) اس سے بال کالے ہو جاتے ہیں۔ جس کے عدمِ جواز کے دلائل سطورِ بالا میں گذر چکے۔

(۲) اس کے استعمال کے نتیجہ میں بالوں میں تہ جم جاتی ہے جو پانی پہنچنے سے مانع ہے، لہٰذا وضو اور غسلِ جنابت صحیح نہ ہوگا۔

آپ کے استفتاء میں قائم کردہ سوالات کے جوابات حسبِ ذیل ہیں:

① اس کے استعمال سے بال سیاہ ہو جاتے ہیں، لہٰذا ناجائز ہے۔

② سیاہ کلر لگانا مکروہ اور ناجائز ہے، لہٰذا اس کی طرف رہنمائی کرنا بھی ناجائز ہے۔﴿ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان ﴾(المائدۃ) ترجمہ: اور گناہ اور ظلم میں تعاون نہ کرو۔ (آسان ترجمۂ قرآن ۱/ ۳۲۳)

③ سوال مبہم ہے۔

④ سطورِ بالا میں کمپنی کی ہدایات پر تبصرہ آچکا، اس کا جواب واضح ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہٗ: العبد عبد القیوم راجکوٹی، ۱۶/ جمادی الثانی ۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: العبد احمد عفی عنہ خانپوری   الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

کالی مہندی لگانا

سوال: موجودہ زمانہ میں مختلف قسم کی بالوں کو کالا کرنے والی دوائیں نکلی ہیں، ان میں ایک کالی مہندی ہے، اس کو لگانے کا کیا حکم ہے؟ آیا اس کے لگانے کی وجہ سے اس مہندی کی ہلکی پرت بالوں پر جمع ہو جاتی ہے، جو پانی کے بالوں تک پہنچنے سے

مانع ہوتی ہے، مسح کرتے وقت، ایسے ہی غسل کرتے وقت، تو اس قسم کی مہندی لگا کر نماز پڑھنے والے شخص کا وضو و غسلِ جنابت صحیح ہوا یا نہیں؟ اور فی نفسہ اس کے استعمال کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اگر اس کے لگانے سے واقعی طور پر ایسی پرت چڑھ جاتی ہے جس کے نتیجہ میں پانی بالوں تک نہیں پہنچ پاتا تو اس کے لگے ہوئے ہونے کی حالت میں اس آدمی کا وضو اور غسل جنابت درست نہیں ہوگا۔

ویشترط لتصحیح الوضوء زوال ما یبعد ایصال المیاہ.(درمختار)

اور جب یہ پانی کے بدن تک پہنچنے سے مانع ہے، اور اس کے نتیجہ میں وضو یا غسل درست نہیں ہوتا تو اس کا استعمال جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، مؤرخہ ۲۷/ذو القعدۃ ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مردوں عورتوں کے لیے مہندی کا استعمال

سوال: (۱) عورتوں کے لیے مہندی کا استعمال (معروف مہندی جو سرخ ہوتی ہے) کیسا ہے؟ اور مرد کے لیے سر اور داڑھی پر لگانا آیا سنت ہے یا کوئی اور درجہ ہے؟

(۲) لڑکوں کو ہاتھ اور پیر پر استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

(۱) عورتوں کے لیے مہندی کا استعمال ہاتھ پاؤں میں جائز؛ بلکہ مطلوب ہے،

حدیث پاک میں ایسی عورت کو تنبیہ فرمائی گئی ہے جس کی ہتھیلیاں مہندی سے رنگی ہوئی نہیں تھیں۔

عن عائشة أن ہند بنت عقبة قالت: يا نبي الله! بايعني، قال: لاأبايعك حتى تغيرى كفيك كأنهما كفا سبع.(أبو داؤد شريف:۲/۵۷۴)

مردوں کے لیے سرخ خضاب، خالص مہندی کا یا کچھ سیاہی مائل جس میں کتم شامل کیا جاتا ہے، مسنون ہے، سیاہ خضاب مکروہ ہے۔

اتفق المشايخ رحمهم الله تعالىٰ أن الخضاب في حق الرجال بالحمرة سنة وأنه من سيماء المسلمين وعلاماتهم وأما الخضاب بالسواد .... من فعل ذلك ليزين نفسه للنساء وليحبب نفسه إليهن فذلك مكروه. (عالمگیری ۵/۳۵۹)

② بچوں میں لڑکوں کے ہاتھ پاؤں کو مہندی سے رنگنا مکروہ ہے۔

ولا ينبغي أن يخضب يدى الصبي الذكر ورجله. (عالمگیری ۵/ ۳۵۹)

شامی میں ہے: ويكره للإنسان أن يخضب يديه ورجليه وكذا الصبي؛ إلا لحاجة بناية ولا بأس للنساء.(۵/ ۲۵۶) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔**

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، مؤرخہ ۲۷/ ذوالقعدہ ۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

جانگیہ پہننا

سوال: جانگیہ پہننا کیسا ہے؟ جس کو انگریزی میں (underwear) کہتے ہیں، ایک مفتی صاحب نے کہا ''کفایہ'' نام کی ایک کتاب ہے جس میں اس کے

بارے میں یوں لکھا ہے کہ یہ پہننا ناجائز اور حرام ہے، اور اس بارے میں وہ حدیث بھی بیان کرتے ہیں کہ شرمگاہ کو آزاد رکھو کہ اس سے قوت باہ میں اضافہ ہوتا ہے، اور اس زمانے کے اندر کسی کو یوں کہا جائے کہ نہ پہنو تو یوں کہتے ہیں کہ ہم تو حفاظت کے لیے پہنتے ہیں، تو کیا اس کی حفاظت کی اور کوئی صورت ہے؟ اور وہ صورت جائز ہے؟ اور کیا یہ اس طرح سے جانگیہ (انڈر ویر) پہننا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے؟ اور سنت کیا ہے؟ اور کیا اس کے پہننے سے نماز صحیح ہوگی؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا انڈر ویر پہننا ثابت نہیں ہے، کوئی آدمی اپنی ضرورت کے پیش نظر پہننا چاہے تو شرعاً اجازت ہے، اور اس کی وجہ سے نماز میں کراہت نہیں آتی، مفتی صاحب کی جو بات آپ نے تحریر فرمائی اس کا مکمل حوالہ تحریر فرمائیں تو اس سلسلہ میں کچھ بتلایا جا سکتا ہے۔

شریعت نے تو ستر عورت کا مکلف بنایا ہے، جب پائجامہ یا لنگی کے ذریعہ ستر عورت حاصل ہے تو اس کے بعد ضروری نہیں کہ انڈر ویر بھی ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

چڈی پہننا کیسا ہے؟

سوال: اس زمانہ میں مرد لوگ پائجامہ کے اندر چڈی انڈر ویر پہنتے ہیں، کیا یہ دور صحابہ میں ہوتا تھا، تو آج کے زمانہ میں اس کو پہننا کیسا ہے؟ جائز یا ناجائز؟ اور اگر جائز ہے تو اولیٰ کیا ہے اور سنت کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صحابہ رضی اللہ عنہم کے لباس میں اس کا تذکرہ نہیں ملتا، ضرورت کے وقت پہننا جائز ہے، سنت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ جمادی الاولی ۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سونے کا دانت لگانا

سوال: سونے کا دانت لگانا مرد اور عورت کے لیے شریعت میں جائز ہے نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اس کی ضرورت چاندی کے دانت سے پوری ہو جاتی ہے، تو سونے کا دانت نہ لگانے میں ہی احتیاط ہے؛ البتہ ائمۂ احناف میں اس مسئلہ میں اختلاف ہونے کی وجہ سے گنجائش ہے۔

وفي التاتارخانية: وعلى هذا الاختلاف إذا جدع أنفه أو أذنه أو سقط سنه، فأراد أن يتخذ سنا آخر فعند الإمام يتخذ ذلك من الفضة فقط، وعند محمد من الذهب أيضاً.(شامي٥/ ٢٥٦)(امداد الفتاوی ۴/ ۱۳۸)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مرد کے لیے چاندی اور لوہے وغیرہ کی انگوٹھی کا استعمال

سوال: مرد کے لیے کتنے گرام چاندی پہننا جائز ہے؟ اور لوہے اور پیتل وغیرہ

کی انگوٹھی مرد اور عورت کے لیے جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مرد کے لیے بطورِ زیور سونے اور چاندی کا استعمال ممنوع ہے؛ البتہ چاندی کی انگوٹھی اگر ایک درہم یا اس سے کم وزن کی ہے تو اس کا استعمال جائز ہے۔

لایتحلی الرجل بذهب وفضة مطلقاً إلا بخاتم ومنطقة وحلية السيف منها أي الفضة.(درمختار)(قوله: منها) أي الفضة لامن الذهب درر وفي الحاوي القدسي: إلا الخاتم قدر درهم. (شامي ٥/٢٥٣)

ایک درہم کا وزن نئے اوزان کے اعتبار سے تین گرام ۱۷۱/ملی گرام ہوتا ہے۔ لوہے پیتل کی انگوٹھی کا استعمال مرد وعورت کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔

ولا يتختم بغيرها كحجر.(درمختار) التختم بالحديد والصفر والنحاس والرصاص مكروه للرجال والنساء.(شامي:٥/٢٥٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

انگوٹھی کا استعمال

سوال: (۱) اگر دو انگوٹھی کی چاندی مل کر ساڑھے چار گرام سے کم ہو تو دو انگوٹھی پہننا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) مرد کے لیے دو انگوٹھی پہننا کیسا ہے؟ جب ہر انگوٹھی کا وزن ساڑھے چار گرام سے کم ہو؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) (۲) قدیم زمانہ میں انگوٹھی مہر لگانے کی ضرورت کے پیشِ نظر استعمال کی

جاتی تھی، چناں چہ حضرت نبی کریم ﷺ نے بھی اس مقصد کے لیے انگوٹھی بنوائی، اس لیے وہ اربابِ مناصب جن کو مہر لگانے کی ضرورت پیش آتی ہے، مثلاً: قاضی، مفتی، حاکم وغیرہ ان کے حق میں انگوٹھی کا استعمال بہتر اور مسنون قرار دیا گیا ہے؛ لیکن جن حضرات کو اس کی ضرورت پیش نہیں آتی ان کے لیے انگوٹھی کا استعمال بعض مشائخ نے مکروہ اور خلافِ اولیٰ بتلایا؛ اگر چہ بہت سے مشائخ نے اجازت دی ہے؛ لیکن ان کے نزدیک بھی عدمِ استعمال بہتر اور پسندیدہ ہے، ہمارے زمانے میں اب انگوٹھی کا استعمال مہر کی ضرورت میں نہیں ہوتا؛ بلکہ اس کے لیے مستقل مہریں بننے لگی ہیں، اب انگوٹھی صرف زینت کے لیے استعمال کی جاتی ہے، اس لیے اس کا حکم عدمِ اولیت کا ہی ہے؛ نیز جو انگوٹھی استعمال کی جائے، اس کے لیے تحدید کر دی گئی ہے کہ اس کا وزن ایک مثقال سے کم ہو، گویا انگوٹھی کے طور پر اتنی مقدار چاندی کے استعمال کی اجازت دی گئی ہے، اس کا تقاضہ یہ ہے کہ دو انگوٹھیاں استعمال کرنا درست نہیں ہونا چاہیے، اگر چہ یہ جزئیہ کسی کتاب میں صراحتاً نہیں ملا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سونے کی ملمّع شدہ گھڑی استعمال کرنا اور سونے کا دانت لگوانا

سوال: راڈو (rado) گھڑی کا پہننا جائز ہے یا نہیں، اس لیے کہ اس میں سونے کا پانی چڑھا ہوا ہوتا ہے، اور بعض کہتے ہیں: سونا بھی کچھ مقدار میں مستعمل ہوتا ہے۔ اسی طرح جو سونے کا دانت لگایا جاتا ہے تو کیا یہ بھی مردوں کے لیے جائز ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

سونے چاندی کا پانی چڑھی ہوئی گھڑی پہننا جائز ہے؛ البتہ احتیاط اولیٰ ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ) اور اگر خالص سونا ہے تو درست و جائز نہیں ہے۔ اور کسی چیز کا دانت بنوانے میں بدبو کا اندیشہ ہے تو اجازت ہے؛ ورنہ نہیں، آجکل مصنوعی دانت کا رواج ہے؛ اس لیے سونے کا نہ بنوائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

چاندی یا دوسرے دھات کی انگوٹھی پہننا

سوال: کتابوں میں پڑھا ہے چاندی کی انگوٹھی پہننا درست ہے تو وزن و مقدار کے حساب سے کتنے گرام تک پہن سکتے ہیں؟ نیز کوئی دوسری دھات کی انگوٹھی بھی پہن سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

مرد کو صرف چاندی کی انگوٹھی ساڑھے تین ماشہ کی مقدار تک درست ہے، اس کے علاوہ کسی دھات کی انگوٹھی مرد کے لیے درست نہیں۔ كذا في الدر المختار (فتاویٰ محمودیہ ۱۱/۲۴۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲؍ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

گھڑی اور چشمہ پر گولڈ پلیٹنگ کا استعمال

سوال: گھڑی یا چشمہ پر گولڈ پلیٹنگ کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اگر سونے کا پترا چڑھایا گیا ہے تو اس کا استعمال جائز نہیں ہے، اور صرف پانی چڑھایا گیا ہو جو مستقلاً جدا نہ کیا جا سکتا ہو تو گنجائش ہے، اجتناب پھر بھی ورع ہے۔
(فتاویٰ محمودیہ ۱۲/ ۳۲۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/ رجب ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

میوزک والی گھڑی پہننا

سوال: میوزک والی گھڑی جو دیوار پر لگاتے ہیں، یا جو ہاتھ میں میوزک والی پہنتے ہیں، اور جو آدھے گھنٹے یا ایک گھنٹے پر بولتی ہے تو ایسی گھڑی دیوار پر لگانا یا ہاتھ میں پہننا جائز ہے یا نہیں؟ آپ حوالہ کے ساتھ لکھ کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

میوزک سننا جائز نہیں ہے، اس لیے ایسی گھڑی جس میں گھنٹہ بجنے سے پہلے میوزک بجتا ہو، استعمال کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

وفي البزازية: استماع صوت الملاهي كضرب قصب، ونحوه حرام، لقوله عليه السلام: استماع الملاهي معصية، والجلوس عليها فسق، والتلذذ بها كفر.أي بالنعمة، فصرف الجوارح إلى غير ماخلق

لأجله كفر بالنعمة، لا شكر فالواجب كل الواجب. الخ (شامي٥/٢٤٦)

البتہ اگر اس میں کوئی تدبیر عمل میں لا کر میوزک کی آواز کو بند کر دیا جائے تو اس صورت میں بلا تردد استعمال درست ہے، یہ یاد رہے کہ گھنٹہ یا الارم کی آواز اور میوزک کی آواز میں فرق ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ رجب المرجب ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

خالص سونا یا سونے کی ملمع کردہ گھڑی اور چشمہ کی فریم استعمال کرنا

سوال: مرد حضرات سونے کی ملمع کاری (سونے کا پانی چڑھا ہوا) کی ہوئی فریم گھڑی وغیرہ پہن سکتے ہیں یا خالص سونے کی فریم (چشمہ) یا گھڑی وغیرہ پہن سکتے ہیں یا اگر صرف سونے کے رنگ کی مشابہت کی فریم یا گھڑی پہنی جاسکتی ہے جس کا کچھ دنوں کے استعمال کے بعد رنگ اتر جائے؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

سونے کی گھڑی یا چشمہ کی فریم کا استعمال جائز نہیں اور اگر صرف اس کا پانی چڑھایا گیا ہے جس کو مستقلاً جدا نہ کیا جاسکتا ہو تو گنجائش ہے بچنا پھر بھی بہتر ہے۔ (ماخوذ از فتاویٰ محمودیہ ۳۲۶/۱۲) اور اگر گھڑی یا فریم کا رنگ سونے کے مشابہ ہے تو اس کا پہننا جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۱۴/ شوال ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

کرتے میں سونے کے بٹن لگانا

سوال: مردوں کے لیے ایسے بٹن کرتے میں پہننا جس پر سونے کا پانی ہو شرعا اجازت ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اگر بٹن کرتے میں گندھے ہوئے ہیں تو یہ کرتے کے تابع ہو کر جائز ہے چاہے خالص سونے کے بنے ہوئے ہوں۔ لا بأس بازرار الديباج او الذهب (در مختار) اگر الگ بنے ہوئے ہیں اور کرتے میں لگاتے ہیں جیسا کہ آج کل عموما ہوتا ہے تو اگر سونے کے ہیں تو جائز نہیں (فتاوی محمودیہ ۱۴/ ۳۶۰)

اور اگر سونے کا صرف پانی چڑھایا گیا ہو جس کو مستقلا جدا نہ کیا جا سکتا ہو تو گنجائش ہے اجتناب پھر بھی ورع ہے۔ (فتاوی محمودیہ ۱۲/ ۳۲۶ ماخوذ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

عورتوں کا پیروں پر مہندی لگانا

سوال: عورتوں کے لیے پیروں پر مہندی لگانے کی اجازت ہے یا نہیں؟ بہ حوالہ جواب کی زحمت لیں گے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اجازت ہے۔ ويجوز ذلك للنساء (فتاویٰ عالمگیری ۳۵۹/۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ

لالی لگانا

سوال: اور لپ اسٹیک (لالی) لگانا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اگر وہ لپ اسٹک ایسا ہو کہ اس کے استعمال سے ایسی تہہ نہ جم جاتی ہو کہ جس کے ہوتے ہوئے وضو اور فرض غسل میں جسم تک پانی نہ پہنچتا ہو بلکہ اس کے ہوتے ہوئے بھی وضو اور فرض غسل میں جلد تک پانی اچھی طرح پہنچ جاتا ہو اور حلال و پاک چیزوں سے بنا ہوا ہو تو اس کا استعمال جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری ۱۸/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

عورت کا کلائی پنڈلی کے بال صاف کرنا

سوال: اور بدن کے بال یعنی ہاتھ پیر وغیرہ کے نکالنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

عورتوں کے لیے کلائیوں اور پنڈلیوں کے بالوں کو صاف کرنا جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری ۱۸/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

نیل پالش لگانا

سوال: ایام حیض میں ناخن پر نیل پالش لگائی جاتی ہے کیا یہ جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نیل پالش کے استعمال کے نتیجے میں ناخنوں پر ایسی تہہ جم جاتی ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے ناخن تک پانی پہنچتا نہیں ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے وضو اور غسل نہیں ہوتا اور جب وضو اور فرض غسل نہیں ہوگا تو وہ عورت پاک نہیں ہوگی اور اس کی نماز بھی ادا نہیں ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری ۱۸؍ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

آئی برو بنوانا اور چہرے کے بارک بال صاف کرنا

سوال: عورتوں کو منہ پر مردوں کو جس طرح مونچھ ہوتی ہے اور ڈاڑھی ہوتی ہے ویسے ہی مونچھ کی جگہ روآنٹی (بال) اور ڈاڑھی کی جگہ روآنٹی (بال) کان کے پاس ہوتے ہیں، اور دونوں ابرؤوں (بھوؤں) کے کنارے یا درمیان کی طرف سے اوپر سر کے بال تک یعنی پیشانی کے آزو باز و دونوں طرف جو روآنٹی (بال) ہوتی ہے تو ان کا نکال سکتے ہیں؟ عورتوں کے رشتہ کے لیے اگر نکال سکتے ہیں تو ہم نے سنا ہے کہ ابرو کے بال کو سر کھا کروانا یعنی ابرو بنوانا حرام ہے، تو پھر پیشانی کے آزو باز و والی روآنٹی (بال) کو نکالتے وقت اگر ابرو کا تھوڑا بال بھی نکالا یا نکل گیا تو حرام نہیں؟۔

پھر تین طرح سے نکالا جاتا ہے: (۱) ویکس، جس میں بال کھینچ کر نکالا جاتا ہے،

(۲) ڈوری سے نکالا جاتا ہے اور (۳) الیکٹرک کرنٹ سے نکالا جاتا ہے جس میں داغ ہونے کا ڈر رہتا ہے۔ اور پہلی دو طرح میں نکالنے کے بعد پھر روآنٹی ہوتی ہے اور پھر اس کو نکالنا پڑتا ہے اس طرح بار بار کرنا پڑتا ہے، اور تیسری طرح میں صرف ایک مرتبہ کرنا پڑتا ہے، پھر دوسری بار روآنٹی نہیں ہوتی؛ لیکن یہ تب کیا جا سکتا ہے جب ایک یا دو یا تین یا ایسے ہی کچھ کم بال ہو، ورنہ زیادہ بال میں نہیں کیا جا سکتا، تو پھر کونسی طرح کرنا چاہیے؟ اگر کرنا چاہے تو آپ مشورہ دیجیے؛ کیوں کہ جس آپا نے میرے پاس یہ مسئلہ دریافت کروانے کے لیے کہا ہے وہ چاہتی ہے کہ ڈوری سے کرے اگر کر سکتے ہوں تو، اور کیا تینوں طرح میں سے کس طرح سے بھی کرنے سے اللہ کی بناوٹ میں تبدیلی ہوتی ہے؟ تو کیا ایسا کر سکتے ہیں؟ مجھ کو کوئی راستہ مناسب نہیں سمجھائیے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کے سوال کے حل کے لیے کتاب میں سے پوری عبارت پیش کی جاتی ہے: ''آج کل خواتین بھوؤں کو خوبصورت شکل دینے کے لیے آئی برو (Eye brow) کے آس پاس چند بال نوچ لیتی ہیں، اس طرح بھنویں خوبصورتی سے گول لکیر سی بن جاتی ہیں، مقصد اس سے محض خوبصورتی اور زینت ہے؛ لیکن ایسا کرنا شرعاً جائز نہیں، کیوں کہ جسم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی امانت ہے، جس میں شرعی اور فطری ضرورت کے بغیر خود ساختہ تبدیلی درست نہیں ہے، اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوبصورتی کے لیے دانتوں کے درمیان فصل پیدا کرنے اور جسم کو گودنے یا گدوانے کو ناجائز، موجبِ لعنت اور اللہ تعالیٰ کی خلقت میں تغیر قرار دیا ہے، اور خواتین کو اپنے جسم سے

بال نوچنے کی ممانعت فرمائی ہے، چناں چہ ابرو کے بال نوچ کر باریک سی لکیر بنالینا اور دونوں بھوؤں کے درمیان فاصلہ کرنا جیسا کہ آج کل اس کا عام فیشن ہے سراسر ناجائز ہے۔ (مشکوۃ شریف: ۳۸۱)

شوہر کی خوش دلی کے لیے بھی ایسا کرنا جائز نہیں؛ البتہ ابرو کے بال اگر بہت بڑھ گئے ہوں تو ان کو کتر کر یا کتروا کر کسی قدر کم کرنا بلا شبہ جائز ہے۔ چہرے کے بال اور روئیں جو پیشانی اور منہ پر ہوتے ہیں ان کو اگر نوچ کر نکالا جائے تو چوں کہ اس میں اپنے جسم کو بلا وجہ اذیت دینا ہے، اس لیے نوچ کر نکالنا مناسب نہیں؛ البتہ اگر کسی پاؤڈر وغیرہ کے ذریعہ صاف کیا جائے تو اس کی گنجائش ہے۔

بعض عورتوں کے چہرے پر ڈاڑھی مونچھ نکل آتی ہیں تو اس کو صاف کرنا نہ صرف جائز بلکہ افضل اور بہتر ہے؛ البتہ ان زائد بالوں کو بھی نوچ کر نکالنے میں چوں کہ بلا وجہ اپنے جسم کو اذیت دینا ہے اس لیے نوچ کر نکالنا مناسب نہیں، کسی پاؤڈر وغیرہ کے ذریعہ صاف کیا جائے تو درست ہے، اگر کسی عورت کے ہونٹوں کے اوپر بال آگئے ہوں تو انہیں زائل اور صاف کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں؛ بلکہ انہیں دور کرنا عورت کے حق میں افضل اور مستحب ہے۔ (فتاویٰ شامی ۶/ ۳۷۳)

البتہ ان زائد بالوں کو نوچ کر نکالنے میں چوں کہ بلا وجہ جسم کو اذیت دینا ہے؛ اس لیے نوچ کر نکالنا مناسب نہیں، کسی پاؤڈر وغیرہ کے ذریعہ صاف کرنا چاہیے۔
(عورت کے لیے بناؤ سنگار کے شرعی احکام ۲۴-۳۴)

جن صورتوں میں بالوں کا نکالنا درست اور جائز قرار دیا گیا ہے ان صورتوں میں بالوں کو نکالنے کے لیے ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس میں جس کے بال نکالے

جارہے ہیں اس کو کم سے کم اذیت وتکلیف ہو؛ اس لیے کہ علاج ومعالجہ کے سلسلہ میں شریعتِ مطہرہ کی طرف سے جو ہدایات دی گئی ہیں ان میں اسی اصول کو مدِ نظر رکھا گیا ہے، اس لیے بالوں کے دور کرنے کے لیے استرہ یا لیزر یا پاوڈر کا استعمال مناسب ہے۔ آپ نے سوال میں جو تین طریقے لکھے ہیں ان میں تیسرا طریقہ الیکٹرک کرنٹ والا تو شرعاً درست نہیں، اس قسم کے علاج سے بھی حدیث میں ممانعت آئی ہے الاّ یہ کہ کوئی شرعی مجبوری ہو اور پہلے دو طریقے بھی اذیت پہونچانے والے ہیں؛ اس لیے ان سے بھی بچنا مناسب ہے، پھر بھی شرعاً اس کی گنجائش ضرور ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد خانپوری، ۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مختلف دھاتوں کے زیور اور انگوٹھی پہننا

سوال: ایلومینیم، پیتل اور (سونے چاندی کے علاوہ) دوسری کسی بھی دھات کی چوڑیاں، انگوٹھی اور کان میں پہننا جائز ہے، اور ان تمام چیزوں کو پہن کر نماز پڑھ سکتے ہیں؟ اور یہ سنا گیا کہ یہ جہنمیوں کا زیور ہے، کیا صحیح ہے؟ خارج نماز پہن سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عورتوں کے لیے سونے چاندی کے علاوہ کسی اور دھات کی انگوٹھی مکروہ ہے؛ البتہ لوہے کی وہ انگوٹھی جس پر چاندی چڑھادی گئی ہو اس کے پہننے میں حرج نہیں۔

(فتاویٰ رحیمیہ ۶/۲۸۰)

حدیث پاک میں لوہے کی انگوٹھی کو جہنمیوں کا زیور کہا گیا ہے۔ (ابوداود شریف)

مختلف دھاتوں سے بنے ہوئے زیورات مثلاً چوڑیاں، ایرنگ وغیرہ عورتوں کے لیے درست ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۴۲۱/۱۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۳/ ذی القعدہ ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

بھنویں بنوانا

سوال: آج کل عورتیں دین داری کا دعویٰ کرتی ہیں اور بھنویں بنواتی ہیں اس کے متعلق شریعت کیا کہتی ہے اور حدیث کی روشنی میں کیا عذاب ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آج کل خواتین بھنوؤں کو خوب صورت شکل دینے کے لیے آئی برو کے آس پاس کے چند بال نوچ لیتی ہیں اس طرح بھویں خوب صورتی سے مناسب لکیر سی بن جاتی ہیں مقصد اس سے محض خوب صورتی اور زینت ہے لیکن ایسا کرنا شرعاً جائز نہیں کیوں کہ جسم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی امانت ہے جس میں کسی شرعی اور فطری ضرورت کے بغیر خود ساختہ تبدیلی درست نہیں ہے اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوب صورتی کے لیے دانتوں کے درمیان فصل پیدا کرنے اور جسم کو گودنے اور گودوانے کو ناجائز موجب لعنت اور اللہ تعالیٰ کی خلقت میں تغییر قرار دیا ہے اور خواتین کو اپنے جسم سے بال نوچنے کی ممانعت فرمائی ہے چناں چہ ابروؤں کے بال نوچ کر باریک سی لکیر بنا لینا اور دونوں بھوؤں کے درمیان فاصلہ کرنا جیسا کہ آج کل اس کا نام فیشن ہے سراسر ناجائز ہے۔ (مشکوۃ شریف ص: ۳۸۱) شوہر کی خوش دلی کے لیے بھی ایسا کرنا جائز

نہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری ۱۸/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مرد و عورت کے لباس اور ادارے کے یونیفارم کے بارے میں چند سوالات

سوال: ① مردوں اور عورتوں کے لیے کس قسم کے لباس پہننا جائز ہیں؟ لباس کا رنگ کیسا ہونا چاہیے؟

② نابالغ لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے کس قسم کے لباس پہننا جائز ہیں؟

③ مسلم ادارہ کے ماتحت چلتی اسکول میں طلبۂ کرام کو کس قسم کے لباس پہننا چاہیے؟

④ اسکول کا مقرر شدہ یونیفارم پہننا جائز ہے یا نہیں؟

⑤ بغیر کسی کی کوئی صلاح اور مشورہ کے مدرسے کے مدرسین کوئی لباس طے کریں، تو آیا یہ لباس پہن کر آنا کیسا ہے؟ تاکید کریں تو کیا حکم ہے؟

⑥ ایک ہی رنگ کے کپڑے مدرسے میں پہن کر آنا کیسا ہے؟ اس کے لیے مدرس تاکید کرسکتا ہے؟

⑦ ٹائی اور چڈی، نیز اِن شرٹ کر کے بچوں کو اسکول میں بھیجنا جائز ہے؟

⑧ مدرسہ (مکتب) کے ٹرسٹی حضرات کیسے ہونا چاہیں؟

⑨ کس قسم کا لباس پہننا سنت ہے؟

⑩ ٹخنوں سے نیچے پاجامہ پہننے والوں کے لیے کیا حکم ہے؟

(۱۱) مستورات کو زیبائش کے لیے کون کون سی چیزیں پہننا جائز ہیں؟
(۱۲) مستورات کے دوپٹے کے بارے میں کیا حکم ہے؟
(۱۳) ٹرسٹی، صدر اور ارکانِ کمیٹی کے مشورہ کے بغیر مدرسے کے بارے میں کسی بھی قسم کا کوئی بھی فیصلہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) ایسا لباس جو فساق وفجار کا شعار نہ ہو، پہننا جائز ہے، زعفرانی زرد یا سرخ یا عصفور میں رنگا ہوا لباس مرد نہ پہنے، اس کے علاوہ دیگر رنگ ناجائز نہیں۔ (تنویر الابصار)
(۲) جواب ۱ر کے مطابق
(۳) ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ لباس میں شرعی حدود کی رعایت کرے، چاہے وہ کسی ادارہ میں ہو۔
(۴) اگر وہ شرعی حدود میں ہے تو پہن سکتے ہیں۔
(۵) کون طے کرتا ہے؟ اس کی وضاحت کیجیے، انتظامیہ شرعی حدود میں رہ کر طے کرے تو جائز ہے۔
(۶) تربیت کی نسبت سے ایسی تاکید کرنا درست ہے۔
(۷) ٹائی غیروں کا شعار ہے، اس سے بچنا ضروری ہے۔ چڈی غیر ساتر ہے، اس لیے جائز نہیں۔
(۸) فتاویٰ رحیمیہ ۲/۱۵۷، ۳/۱۶۴، ۲/۱۶۴ کا مطالعہ کیجیے، تفصیل موجود ہے۔
(۹) جو سنت سے ثابت ہو۔
(۱۰) یہ گناہ ہے، اس پر سخت وعید ہے۔

⑪ جو لباس مخصوص ہے مردوں کے ساتھ اس کا عورتوں کو پہننا ناجائز ہے، جو کفار یا فساق کا شعار ہے وہ سب امور منع ہیں، اِس اصول کو پیش نظر رکھ کر حکم معلوم ہوسکتا ہے۔

⑫ ان کا دوپٹہ ساتر ہونا چاہیے۔

⑬ یہ انتظامی امور ہیں، نظم مدرسہ کے قیام کے لیے جو اصول مقرر کیے گئے ہیں ان کے مطابق انتظام چلایا جائے؛ البتہ شرعی حدود کی رعایت ہر ایک کے لیے ضروری ہے۔ فقط

نوٹ: آپ نے استفتاء رجسٹر A-D سے بھیجنے کا اہتمام کیا؛ لیکن جواب کے لیے ٹکٹ یا جوابی لفافہ نہیں بھیجا جو آپ کا دینی اور اخلاقی فریضہ تھا، غالباً دوسروں پر اعتراض کے جوش میں اپنا فرض منصبی چوک گئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلائے۔ آمین۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۲۸ر رجب ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مسائلِ حجاب

پردہ کا طریقہ

سوال: ایڈنبرہ (سکاٹ لینڈ) کے لوگ سوال کرتے ہیں کہ ہماری عورتیں کپڑے پہنتی ہیں اور اوپر سے نیچے تک ٹھنڈی کا گرم کوٹ کی طرح پہنتی ہیں، اور

منہ پر دوسرا کپڑا ڈال لیتی ہیں تو کیا اس طرح پردہ ہو جائے گا کہ نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ضرورت کے موقعہ پر جب عورت کو گھر سے باہر جانا پڑے، تو اس وقت کسی برقعہ یا لمبی چادر کو سر سے پیر تک اوڑھ کر نکلنے کا حکم ہے، جس میں بدن کا کوئی حصہ ظاہر نہ ہوں، یہ سورۂ احزاب کی آیت سے ثابت ہے: ﴿ یایھا النبی قل لازواجك وبنتك ونساء المومنین یدنین علیھن من جلابیبھن ﴾ یعنی اے نبی آپ اپنی ازواج مطہرات اور بنات طاہرات کو اور عام مسلمانوں کی عورتوں کو حکم دیں کہ اپنی جلباب استعمال کریں، جلباب اس لمبی چادر کو کہتے ہیں جس میں عورتیں سر سے پیر تک مستور ہو جائے (روی ذلك عن ابن عباس) ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے استعمال جلباب کی یہ صورت نقل کی ہے کہ سر سے پاؤں تک اس میں لپٹی ہوئی ہو، اور چہرہ اور ناک بھی اس سے مستور ہو، صرف ایک آنکھ راستہ دیکھنے کے لیے کھلی ہو۔ (از معارف القرآن جلد ہفتم) سوال میں مذکورہ کوٹ سے اگر یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے تو اس کوٹ کے ساتھ منہ اور چہرہ چھپانے کے کپڑے کے استعمال سے اس حکم کی تعمیل ہو جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کیا موجودہ برقعہ شرعی پردہ نہیں ہے؟

سوال: بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ عورتیں لمبا کوٹ پہن کر منہ کھلا باہر نکل سکتی

ہے، یہ ادنی درجہ کا پردہ ہے، اور نیز یہ کہتے ہیں کہ ھندوستان میں جو کالا برقع مکمل ہوتا ہے، وہ کوئی شرعی نہیں ہے؛ بلکہ رواجی ہے قرآن میں چادر کا لفظ آیا ہے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں پردہ کی شکل اور کونسی ھیئت ہے؟ واضح فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قرآن پاک میں لفظ جلابیب آیا ہے، یہ جلباب کی جمع ہے، جو ایک خاص لمبی چادر کو کہا جاتا ہے، اس لیے آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی ضرورت کی بنا پر گھر سے نکلنا پڑے؛ تو لمبی چادر سے تمام بدن چھپا کر نکلیں، اور اس چادر کو سر کے اوپر سے لٹکا کر چہرہ بھی چھپا کر چلیں، موجودہ زمانہ میں جو برقعہ رائج ہے، اس سے یہ مقصد مکمل حاصل ہوجاتا ہے، اس لیے وہ اسی حکم میں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

عورت کا چہرہ پردہ کا حکم رکھتا ہے

سوال: عورت کے لیے جب وہ مکان سے باہر جائے یا غیر محرم کے سامنے آئے تو چہرہ چھپانے کا کیا حکم ہے؟ معارف القرآن میں جو کچھ مکتوب ہے، اس سے بات صاف نہیں ہوتی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عورت کا چہرہ نماز میں پردہ کا حکم نہیں رکھتا؛ مگر غیر محرموں کے سامنے آنے جانے میں پردہ کا حکم رکھتا ہے؛ کیوں کہ چہرہ ہی اصل شئ ہے جو جاذب نظر اور مہیج

جذبات ہے۔(کفایت المفتی ۵/ ۳۸۸)

وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين رجال؛ لا لأنه عورة؛ بل لخوف الفتنة(درمختار على هامش الشامي١ /٢٩٩ كتاب الصلوٰة، باب شروط الصلوة)

وأما في زماننا فمنع من الشابة قهستاني وغيره (درمختار) (قوله: وأما في زماننا فمنع من الشابة) لا لأنه عورة؛ بل لخوف الفتنة، كما قدمه في شروط الصلوٰة (شامي ٥/٢٦١، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔**

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

دینی مجالس وغیرہ میں عورتوں کی شرکت کا حکم

سوال: آج کل یہاں برطانیہ میں عورتوں کو مساجد میں بلانے کا رواج عام ہوتا جارہا ہے، تراویح میں ختم قرآن کے موقعہ پر، مدرسہ کے سالانہ اجلاس کے موقعہ پر، اسی طرح کسی عالم کے وعظ وبیان کے موقعہ پر باقاعدہ اعلان کر کے مسجد میں عورتوں کو بلایا جاتا ہے اور انہیں صحن مسجد میں یا مسجد کے احاطہ میں کسی کمرے میں بٹھلایا جاتا ہے، اکثر عورتیں شوق وذوق سے شریک ہو کر اس میں حصہ لیتی ہیں، یہاں عورتوں کی عام حالت کچھ اس طرح سے ہے کہ ان کا چہرہ کھلا ہوتا ہے، عمدہ لباس زیب تن اور وہ بھی ایسا کہ اس میں سے جسم کی ساخت اور بناوٹ جھلکتی ہے، بعضوں کے چہرے پر نقاب ہوتا ہے اور بعض خواتین فیشنی برقعہ پہنتی ہیں وہ ایسا چست ہوتا ہے کہ اس میں سے جسم کی ساخت جھلکتی ہے، عورتوں کی نظر راستہ چلتے ہوئے لوگوں پر نہ صرف پڑتی ہے بلکہ وہ راہ گزروں کو خوب اچھی طرح دیکھتی ہوئی جاتی ہیں، اگر کوئی جاننے والا ہوتا

ہے تو اس سے سلام علیک کہہ کر خیر خبر بھی دریافت کر لیتی ہیں، اسی طرح راستہ سے گزرنے والے بھی عورتوں کو دیکھتے ہوئے گزرتے ہیں، یہاں اکثر و بیشتر مساجد میں آلۂ نشر لگا ہوا ہے جس کے ذریعہ مساجد میں ہونے والے تمام پروگرام اذان نماز خطبۂ جمعہ وعیدین تراویح علماء کرام کے بیانات وغیرہ نشر کیے جاتے ہیں، اور ان تمام پروگراموں کو سننے کے لیے تقریباً ہر گھر میں ریڈیو (ریسیور) بھی موجود ہے جس کے ذریعہ مساجد سے نشر ہونے والے تمام پروگرام گھر میں بیٹھے ہوئے سنے جا سکتے ہیں، اس کے علاوہ لوگ ٹیپ رکارڈ لے کر مساجد میں آتے ہیں اور مساجد میں ہونے والے پروگرام رکارڈ کر لیتے ہیں، کیا ان تمام سہولتوں کے باوجود پروگراموں میں شریک ہونے کے لیے اس پُرفتن اور بے حیائی کے زمانہ میں عورتوں کو مساجد میں بلانا یا عورتوں کو ان پروگراموں میں شرکت کے لیے مساجد میں جانا شرعاً جائز ہے؟ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ یہاں عورتیں عام طور پر ان کے شوہر کی عدم موجودگی میں جب کہ وہ کام پر ہوتے ہیں بچوں کو اسکول، مدرسہ لے کر آتی جاتی ہیں، بازار سے سودا خرید کر لاتی ہے، شادی بیاہ کے موقع پر دعوت میں شریک ہونے کے لیے ہال میں جاتی ہیں، تو کیا دین کی باتیں سننے کے لیے مسجد میں نہیں جا سکتیں؟ اسی طرح بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ہندو پاک میں سیکڑوں مکاتب و مدارس ہیں، وہاں بھی ہر سال انعامی جلسے ہوتے ہیں، اسی طرح بکثرت دار العلوم ہیں جن میں ختم بخاری شریف کی تقریب منعقد ہوتی ہے، دعا کا اہتمام ہوتا ہے، فارغین طلباء کی دستار بندی ہوتی ہے، علماء کرام کے بیانات مساجد و مدارس اور دار العلوم میں ہوتے ہی رہتے ہیں وہاں کیوں عورتوں کو مدعو نہیں کیا جاتا؟ کیا وہاں عورتوں کو دین کی باتیں سننے کی ضرورت نہیں؟ جب کہ وہاں یہاں کی

طرح سہولتیں بھی نہیں؟ امید ہے کہ مندرجۂ بالا تمام حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے تسلی بخش جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ عورتوں کے مجالس وعظ میں جانے سے متعلق پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''عورتوں کو فقہاءِ حنفیہ نے نماز کی جماعتوں اور عیدین اور مجالس وعظ میں جانے سے منع کیا ہے، اور کتب فقہ میں اس کی تصریح ہے کہ عورتوں کے لیے مجالس وعظ اور جماعت نماز اور عیدین میں جانا مکروہ تحریمی ہے جو حرام کے قریب ہے، اور اس حکم فقہی کی دلیل یہ حدیث ہے جو بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے:

عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: لو أدرك رسول الله ﷺ ماا حدث النساء لمنعهن المسجد، كما منعت نساء بنی اسرائيل، فقلت لعمر او منعن، قالت: نعم. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ اگر عورتوں کی یہ حرکات جو انھوں نے اب اختیار کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ملاحظہ فرماتے تو انہیں مسجدوں میں آنے سے روک دیتے جیسے کہ بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں تھیں، راوی کہتا ہے کہ میں نے عمرہ سے پوچھا کہ کیا بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں تھیں؟ انھوں نے فرمایا ہاں۔ انتہیٰ۔

اس حدیث سے نہایت صاف طور پر یہ بات معلوم ہوگئی کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں ہی عورتوں کی حالت ایسی ہوگئی تھی کہ ان کا گھروں سے نکلنا اور جماعتوں

میں جانا سبب فتنہ تھا، اور اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا و دیگر اکابر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین عورتوں کو جماعت میں آنے سے منع کرتے تھے۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ عمدۃ القاری شرح بخاری میں اس حدیث کے تحت میں جس میں عورتوں کا زمانۂ رسالت پناہی میں عیدین میں جانا مذکور ہے، تحریر فرماتے ہیں:

قال العلماء: كان هذا فى زمنه ﷺ وأما اليوم فلا تخرج الشابة ذات الهىء، ولهذا قالت عائشة رضى الله تعالىٰ عنها: لو رأى رسول الله ﷺ ماحدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بنى اسرائيل، قلت: هذا الكلام من عائشة بعد زمن يسير جدا بعد النبى ﷺ وأما اليوم فنعوذ بالله من ذلك فلا يرخص فى خروجهن مطلقا للعيد وغيره. (عينى شرح بخارى).

ترجمہ: علماء نے فرمایا کہ عورتوں کا عیدین میں جانا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں؛ اس لیے تھا کہ وہ زمانہ خیر و برکت کا تھا، اور فتنہ کا خوف نہ تھا، اور آج کل جوان خوب صورت خوش وضع ہرگز نہ جائیں، اور اسی لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عورتوں کی یہ حرکات ملاحظہ فرماتے تو ان کو مسجد میں آنے سے روک دیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں تھیں۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ مبارک کے بہت تھوڑے دنوں کے بعد کا ہے، اور آج کل تو خدا کی پناہ! پس مطلقاً عورتوں کو عید اور غیر عید میں جانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ انتہیٰ۔

(من المؤلف) جب کہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ میں یوں فرماتے ہیں کہ آج

کل کی عورتوں کے حالات سے خدا کی پناہ، تو پھر ہمارے اس زمانہ میں چودہویں صدی کی عورتوں کا تو ذکر ہی کیا ہے؟

(از احقر احمد) حضرت مفتی اعظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ بات آج سے نوے سال قبل فرما رہے ہیں، جب کہ ٹی، وی کے نتیجہ میں بے حیائی کا وہ سیلاب بھی آیا نہیں تھا جس نے اس وقت سب کو اپنا شکار بنا رکھا ہے تو پھر اس زمانہ کی عورتوں کا حال تو ناقابل بیان ہے۔ فقط۔

اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ عمدۃ القاری میں دوسری جگہ فرماتے ہیں:

ومذهب أصحابنا ما ذكر صاحب البدائع أجمعوا على أنهم لا يرخص للشابة الخروج فى العيدين والجمعة وشىء من الصلاة لقوله تعالىٰ:(وقرن فى بيوتكن) ولأن خروجهن سبب للفتنة، وأما العجائز فيرخص لهن الخروج فى العيدين، ولاخلاف أن الفضل أن لا يخرجن فى صلاة. (عينى شرح بخارى، بدائع ١/ ٢٧٥)

ترجمہ: ہمارے اصحاب یعنی حنفیہ کا مذہب وہ ہے جو صاحبِ بدائع نے ذکر کیا ہے کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جوان عورت کو عیدین و جمعہ بلکہ کسی نماز میں جانے کی اجازت نہیں بوجہ ارشاد باری تعالیٰ ﴿وقرن فى بيوتكن﴾ کے اور اس لیے کہ عورتوں کا گھر سے نکلنا فتنہ کا سبب ہے، ہاں بڑھیا عیدین کے لیے جاسکتی ہے، اور اس میں خلاف نہیں کہ افضل بڑھیوں کے لیے بھی یہی ہے کہ کسی نماز کے لیے نہ نکلیں۔ انتہیٰ۔

اور بدائع میں ہے: ولا يباح للشواب منهن الخروج الى الجماعات

بدليل ماروى عن عمر انه نهى الشواب عن الخروج، ولأن خروجهن إلى الجماعة سبب للفتنة، والفتنة حرام وما أدى الى الحرام فهو حرام.
(بدائع ۱/۱۵۷)

یعنی جوان عورتوں کا جماعتوں میں جانا مباح نہیں اس روایت کی دلیل سے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے جوان عورتوں کو نکلنے سے منع فرمادیا تھا اور اس لیے کہ عورتوں کا گھروں سے نکلنا فتنہ کا سبب ہے، اور فتنہ حرام ہے، اور جو چیز حرام کی طرف پہنچائے وہ بھی حرام ہوتی ہے۔ انتہیٰ۔

اور فتاویٰ ہندیہ معروف بہ ''عالمگیری'' میں ہے: والفتوىٰ اليوم على الكراهة في كل الصلوات لظهور الفساد كذا فى الكافى (فتاوى عالمگيرى ۱/ ۹۳) یعنی اس زمانہ میں فتویٰ اس پر ہے کہ عورتوں کا تمام نمازوں میں جانا مکروہ ہے کیوں کہ ظہورِ فساد کا زمانہ ہے۔

اور بدائع میں ہے: وأما المرأة فلأنها مشغولة بخدمة الزوج ممنوعة عن الخروج الى محافل الرجال لكون الخروج سببا للفتنة، ولهذا لا جماعة عليهن ولا جمعة عليهن أيضا (۱/ ۲۵۸)

عورت کا حکم یہ ہے کہ وہ خاوند کی خدمت میں (شرعاً) لگائی گئی ہے اور مردوں کی مجلسوں میں جانے سے (شرعاً) روکی گئی ہے کیوں کہ عورتوں کا گھروں سے نکلنا فتنہ کا سبب ہے اور اسی لیے عورتوں پر جماعت اور جمعہ نہیں ہے۔

(من المؤلف) ان تمام عبارتوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عورتوں کو نماز پنج گانہ، عیدین اور جمعہ کی جماعتوں میں جانا مکروہ تحریمی ہے اور گھروں سے ان کے نکلنے ہی میں فتنہ ہے، اور یہ ممانعت حضرت عمر، حضرت عائشہ، عروہ بن زبیر، قاسم، یحیٰ

بن سعد انصاری، امام مالک اور ابو یوسف (رضی اللہ عنہم) وغیرہم سے منقول ہے، اور ائمۂ حنفیہ کا بالاتفاق یہی مذہب ہے جیسا کہ عینی اور بدائع کی عبارت سے واضح ہے۔

باوجود یہ کہ نماز پنج گانہ اور عیدین اور جمعہ کی جماعتوں میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں عورتیں جاتیں اور شریک ہوتی تھیں، اور یہ جماعتیں فرائض کی جماعتیں ہیں، اور شعار اسلام میں سے ہیں مگر اختلاف زمانہ اور تغیر حالات کی وجہ سے صحابۂ کرام اور ائمۂ عظام نے عورتوں کو ان جماعتوں سے روک دیا اور ائمۂ حنفیہ نے بالاتفاق عورتوں کو جماعت میں جانے کو مکروہ فرما دیا، تو اس سے ہر سمجھ دار شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب فرائض کی جماعتوں کا یہ حکم ہے تو وعظ کی مجلسوں میں جانا عورتوں کو کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا، اول تو آج کل وعظ کی اکثر مجلسیں اس قسم کی ہوتی ہیں کہ عورتیں تو عورتیں مردوں کو بھی ان میں جانا جائز نہیں، اس وجہ سے کہ اکثر واعظ نام کے مولوی ہوتے ہیں، دو چار اردو کے قصے کہانیوں کی کتابیں دیکھی اور واعظ بن گئے، پھر ان کے وعظ میں سوائے قصے کہانیوں، جھوٹیں سچی روایتوں، من گھڑت باتوں کے اور کیا ہوگا؟ سو ایسے وعظ میں کسی کو بھی جانا جائز نہیں اور بعض واعظ مولوی بھی ہیں؛ لیکن چوں کہ وعظ سے ان کا مقصود دنیا کمانا ہے اور عوام کو خوش کرنا اور اپنا معتقد بنانا؛ اس لیے وہ بھی عام پسند باتوں کے بیان کرنے میں ہی اپنا فائدہ سمجھتے ہیں، اور عوام کو خوش کرنے کے لیے صرف قصے کہانیوں پر وعظ کو ختم کر دیتے ہیں، مجلس وعظ کی گرمی کے لیے اولیاء کرام کے کچھ فرضی واقعات سنا دیے، کچھ بے سند موضوع روایات بیان کر دیں اور اپنا الو سیدھا کر لیا ایسے مولویوں کے وعظ میں بھی جانا مفید نہیں، اور کسی مرد عورت کو ان کے وعظ میں جانا جائز نہیں۔

رہے وہ صرف معدودے چند علماء جو فی الواقع عالم بھی ہیں اور وعظ سے ان کا مقصود بھی تعلیمِ دین اور تبلیغ مذہب اور اشاعت اسلام ہے، دنیا طلبی انہیں مقصود نہیں، ان کا وعظ رطب و یابس قصوں، جھوٹی سچی روایتوں سے خالی اور پاک ہوتا ہے تو ایسے وعظ میں صرف مردوں کو حاضر ہونا جائز ہے عورتوں کو نہیں، کیوں کہ جب فرائض کی جماعتوں میں عورتوں کا جانا مکروہ اور ناجائز ہے تو مجلس وعظ میں جانا بدرجۂ اولی مکروہ اور ناجائز ہوگا؛ چناں چہ فقہائے کرام نے اس کی تصریح فرمادی ہے، اور متعدد معتبر فتاویٰ فقہاء حنفیہ میں یہ مضمون بصراحت موجود ہے جو ناظرین کے اطمینان کے لیے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

ولا یحضرن الجماعات لقوله تعالیٰ: ﴿وقرن فی بیوتکن﴾ وقال ﷺ: صلاتها فی قعر بیتها افضل من صلاتها من دارها، وصلاتها فی صحن دارها افضل من صلاتها فی مسجدها، و بیوتهن خیر لهن الی قوله قال المصنف فی الکافی: والفتویٰ الیوم علی الکراهة فی الصلاة کلها لظهور الفساد ومتی کره حضور المسجد للصلاة فلأن یکره حضور مجالس الوعظ خصوصا عند هؤلاء الجهال الذین تحلوا بحلیة العلماء أولی ذکره فخر الاسلام. (البحر الرائق ۱/ ۳۸۰)

ترجمہ: اور عورتیں جماعتوں میں نہ جائیں بوجہ ارشاد باری تعالیٰ ﴿وقرن فی بیوتکن﴾ کے، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورت کی نماز کوٹھڑی کے اندر اس نماز سے اچھی ہے جو گھر کے صحن میں ہو، اور صحن کی نماز اس نماز سے اچھی ہے جو مسجد میں ہو، اور ان کے گھر ان کے لیے بہتر ہے الی قولہ مصنف یعنی صاحب کنز الدقائق نے ''کافی'' میں فرمایا کہ آج کل فتویٰ اس پر ہے کہ عورتوں کا تمام نمازوں میں جانا

مکروہ ہے بوجہ ظہور فساد کے، اور جب کہ مسجد میں نماز کے لیے جانا مکروہ ہوا تو وعظ کی مجلسوں میں جانا اور بالخصوص ان جاہل واعظوں کی مجلسوں میں جنھوں نے علماء کی سی صورتیں بنا رکھی ہیں بدرجۂ اولیٰ مکروہ ہے، یہ فخر الاسلام نے ذکر کیا ہے۔ انتہیٰ۔

اور علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ ''شرح کنز'' میں تحریر فرماتے ہیں: ولا يحضرن اى النساء سواء كن شواب او عجائز الجماعات لظهور الفساد، وعند ابى حنيفة للعجوز ان تخرج فى الفجر والمغرب والعشاء، وعندهما فى الكل، وبه قالت الثلاثة، والفتوىٰ على المنع فى الكل، فلذلك أطلق المصنف ويدخل فى قوله الجماعات الجمعة و الاعياد والاستسقاء ومجالس الوعظ ولا سيما عند الجهال الذين تحلوا بحلية العلماء وقصدهم الشهوات وتحصيل الدنيا. (عینی شرح کنز:۳۹)

ترجمہ: یعنی عورتیں خواہ جوان ہوں یا بوڑھیاں جماعتوں میں نہ جائیں کیوں کہ ظہورِ فساد کا زمانہ ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بوڑھیوں کے لیے فجر اور مغرب اور عشاء میں جانے کی اجازت مروی ہے، اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہ سے تمام نمازوں میں جانے کی، اور اسی کے ائمۂ ثلاثہ قائل ہیں، اور آج کل فتویٰ اس پر ہے کہ تمام نمازں میں جانا جوان عورتوں اور بوڑھیوں دونوں کو منع ہے، اور مصنف کے قول الجماعات میں جمعہ اور عیدین اور استسقاء اور وعظ کی مجلسیں بھی داخل ہیں بالخصوص ان جاہل واعظوں کی مجلسیں جو علماء جیسی صورتیں بنا لیتے ہیں اور مقصود ان کا خواہشات نفسانی کو پورا کرنا اور دنیا کمانا ہے۔

اور ''الدر المختار'' میں ہے: (ويكره حضورهن الجماعة) ولو لجمعة وعيد ووعظ (مطلقا) ولو عجوزا ليلا (على المذهب) المفتى به لفساد

الزمان. (فی التنویر وشرحہ۲/۳۰۷)

یعنی عورتوں کا جماعت میں جانا خواہ جماعت جمعہ کی ہو یا عید کی یا وعظ کی مکروہ ہے خواہ جانے والی بوڑھی عورت ہو یا رات کو جائے مذہبِ مفتی بہ کی بنا پر اور یہ حکم بوجہ ظہور فساد زمانہ کے ہے۔ انتہیٰ۔

(من المؤلف) بحر الرائق، عینی شرح کنز الدقائق اور در المختار کی عبارتوں سے صراحۃً یہ بات ثابت ہوگئی کہ عورتوں کو مجالس وعظ میں جانا مکروہ اور ناجائز ہے، اور بالخصوص ایسے واعظوں کی مجلسوں میں جن کا مقصود دنیا کمانا ہے یعنی اگر واعظ جاہل یا دنیا کمانے والا ہو تو اس کی مجلس میں تو قطعاً ناجائز ہے، اس میں تو کلام ہی نہیں، عالموں اور اچھے واعظوں کی مجلس وعظ میں جانا بھی فساد زمانہ کی وجہ سے مکروہ اور ناجائز ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ "مرقات شرح مشکوۃ" میں تحریر فرماتے ہیں: ویمکن حمل النھی علی عجائز متطیبات او متزینات او علی شواب و لو فی ثیاب بذلتھن لوجود الفتنة فی خروجھن علی قیاس کراھة خروجھن الی المساجد. (مرقات۱/۴۷۰)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو زیارت قبور سے جو منع فرمایا ہے تو اس ممانعت کو ان بوڑھیوں پر جو خوشبو لگا کر نکلیں یا زینت کر کے نکلیں، یا جوان عورتوں پر خواہ وہ معمولی لباس میں نکلیں محمول کر سکتے ہیں کیوں کہ ان کے گھر سے نکلنے میں ہی فتنہ ہے، اور یہ ممانعت ان کے مسجدوں میں جانے کی کراہت پر قیاس کی جاتی ہے۔ انتہیٰ۔

(من المؤلف) اس عبارت سے اور اسی طرح پہلی عبارتوں سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوگئی کہ عورتوں کا گھر میں سے نکلنا اور جماعتوں میں شریک ہونا

موجبِ فتنہ ہے اور ممانعت کا حکم اس فتنہ سے بچنے کے لیے ہے، زیارت قبور، جمعہ، عیدین، وعظ، استسقاء سب اسی حکم میں داخل ہیں، اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ جوان عورتیں خواہ بناؤ سنگار کر کے نکلیں یا معمولی حالت میں؛ بہرحال ان کا نکلنا ناجائز ہے، اور اگرچہ بعض روایتوں سے بوڑھیوں کے لیے نماز فجر ومغرب وعشاء میں جانا بشرطیکہ زینت اور بناؤ سنگار کر کے نہ جائیں جائز معلوم ہوتا ہے؛ لیکن قول مفتی بہ یہ ہے کہ بوڑھیوں کو جانا بھی جائز نہیں جیسا کہ علامہ عینی کی ''شرح کنز'' میں اور ''در المختار'' کی عبارت سے بصراحت ثابت ہوتا ہے، اور جب کہ ان عوارض کا لحاظ کیا جائے جو سوال میں مذکور ہیں کہ مجلس وعظ میں خوش الحانی سے اشعار پڑھے جاتے ہیں اور مضامین عشقیہ کے اشعار سنائے جاتے ہیں تو ایسے وعظ میں عورتوں کے جانے کا حکم ایسا نہیں ہے جس میں کسی ذی علم کو کچھ بھی تردد اور تامل ہو سکے۔

عن انس رضی الله عنه قال: كان للنبي ﷺ حاد يقال له: انجشة وكان حسن الصوت، فقال له النبي ﷺ: رويدك يا انجشة! لا تكسر القوارير، قال قتادة: يعني ضعفة النساء. متفق عليه.(مشکوٰۃ:۴۱۰)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک حُدی خواں تھا اس کا نام انجشہ تھا، اور وہ خوش آواز تھا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے انجشہ! ٹھیرو کہیں شیشیاں نہ توڑ دینا، قتادہ فرماتے ہیں: شیشیوں سے آپ کی مراد عورتیں ہیں۔ انتہیٰ۔

اس پر مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: أمر رسول الله ﷺ انجشة أن يغض من صوته الحسن وخاف الفتنة عليهن من

حُداه لأن يقع من قلوبهن موقعا لضعف عزائمهن سرعة تأثرهن.

(لمعات كذا فى حاشية المشكوٰة)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے انجشہ کو حکم فرمایا کہ اپنی آواز کو پست کردے، اور آپ ﷺ کو خوف ہوا کہ کہیں یہ عورتوں کے دلوں میں کھُب نہ جاوے اور فتنہ واقع ہو کیوں کہ عورتوں کا استقلال کمزور ہوتا ہے اور ان کے دلوں میں ایسی باتوں کا اثر بہت جلد ہوتا ہے۔

(من المؤلف) اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرت ﷺ نے ایک خوش آواز شخص کو زور سے شعر پڑھنے سے صرف اس لیے منع فرمادیا کہ عورتیں ساتھ تھیں، اور اندیشہ تھا کہ اس کی خوش آوازی کی وجہ سے عورتوں کے دلوں میں کسی قسم کی بدخیالی پیدا ہوجائے اور اس کی خوش آوازی سے متأثر ہوکر فتنہ میں پڑجائیں۔

پس جب کہ آپ ﷺ کو اپنے زمانے کی عورتوں پر جو ہر طرح آں حضرت ﷺ کے فیض سے مشرف تھیں، یہ اندیشہ ہوا کہ خوش آوازی سے وہ بگڑ نہ جائیں تو پھر آج کل کی عورتوں کا کیا ٹھکانہ ہے، پس جس طرح مردوں کے لیے غیر محرم کا گانا سننا حرام ہے، اسی طرح عورتوں کو مردوں کا گانا سننا حرام ہے، اور کسی طرح عورتوں کو ایسے وعظ میں جانا جائز نہیں جہاں خوش آوازی سے اشعار پڑھے جاتے ہوں اور گایا جاتا ہو۔

رہا یہ امر کہ مجالس وعظ میں اگر عورتوں کے لیے کسی خاص طرف پردے کا انتظام کردیا جائے تو پھر عورتوں کو وعظ میں جانا جائز ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عورتوں کا گھروں سے نکلنا ہی مکروہ ہے، اور اس نکلنے میں ہی چوں کہ فتنے کا احتمال ہے؛ اس لیے اکثر فقہاء نے خروج کو ہی ناجائز قرار دیا ہے کیوں کہ جب عورتوں کے

لیے جماعت نماز یا وعظ وغیرہ کے لیے گھر سے نکلنے کی اجازت ہو جائے، اور وہ نکلنے لگیں تو اب ہر وقت اس کی تحقیقات کرنا بہت مشکل ہے کہ آیا وہ مسجد میں ہی گئی اور وعظ میں ہی حاضر ہوئی یا اور کہیں چلی گئی، اور گھر آ کر نماز یا وعظ کا بہانہ کر دیا، نیز فقہاء کا یہ حکم کہ عورتوں کو جماعات نماز و وعظ و جمعہ وعیدین میں جانا ناجائز ہے کیوں کہ یہ باعث فساد ہے صراحۃً ان روایات سے معلوم ہو چکا جو اوپر لکھی گئی ہیں، اب غور طلب امر یہ ہے کہ اسباب فتنہ کیا ہیں؟

(۱) عورت گھر سے نماز یا وعظ کے بہانے سے نکلے اور اپنی خباثت نفسانی سے کسی اور جگہ چلی جائے اور گھر والے یہ سمجھیں کہ نماز و وعظ میں گئی ہے۔

(۲) جماعت نماز و مجلس وعظ میں جا کر مردوں کی نظریں اس پر پڑیں گی اور اس لیے اندیشہ ہے کہ کسی غیر مرد کا کسی عورت سے ناجائز تعلق نہ ہو جائے۔

(۳) عورت کی نظر غیر مردوں پر پڑے گی اور اس لیے احتمال ہے کہ عورت کا کسی غیر مرد پر دل آ جائے اور نتیجہ برا ہو۔

یہ تین احتمال ہیں، ان میں سے پہلا احتمال تو اس طرح رفع نہیں ہو سکتا کہ مجلس وعظ میں ان کے لیے پردے کا انتظام کر دیا جائے کیوں کہ فتنہ کا احتمال تو نفس خروج عن الدار کو لازم ہے۔۔۔ بلکہ اس کا علاج اگر ہے تو یہ ہے کہ عورت کے گھر سے نکلنے کے وقت سے اس کی واپسی تک کوئی معتبر شخص جو اس کی حرکات و سکنات کو دیکھتا رہے اس کے ساتھ رہے، اور ظاہر ہے کہ یہ کوئی نہیں کرتا اور نہ اس قدر نگہداشت ان تمام عورتوں کی ہو سکتی ہے جو بصورت نماز یا وعظ میں جانے لگیں گی، اور یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے عورتوں کو جانے ہی سے منع کیا ان کی نظر زیادہ تر اسی احتمال پر تھی اور عورتوں

کے حالات بھی اس کے مقتضی ہیں، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے یہ الفاظ "ماحدث النساء" بھی اسی کی تائید کرتے ہیں کیوں کہ انھوں نے بدنیتی پیدا کرنے اور ٹٹی کی اوٹ شکار کھیلنے کی نسبت عورتوں کی جانب کی ہے، اور روایت "يتخذنه دغلا" کا مفہوم بھی یہی ہے یعنی اگر عورتوں کو اجازت خروج عن الدار کی دے دی جائے گی تو وہ اسے اچھا خاصہ بہانہ بنالیں گی اور اس کی آڑ میں اپنی خواہشیں پوری کریں گی، ورنہ اگر اس احتمال کی رعایت فقہاء کو مدِ نظر نہ ہوتی تو یہ بات آسان بھی تھی کہ مساجد میں عورتوں کی نماز کے لیے پردے کی جگہ بنادی جاتی اور عورتوں کو جماعت میں شرکت اور وعظ کی مجلس میں حاضری سے فقہاء منع نہ کرتے؛ لیکن کسی فقیہ نے کسی کتاب میں یہ ترکیب نہیں لکھی کہ مسجد میں عورتوں کے لیے ایک پردے کی جگہ بنادو اور ان کو جماعت میں آنے دو، اس سے صاف ظاہر ہے کہ انھوں نے نفس خروج کو موجب فساد سمجھ کر گھر سے نکلنے کو ہی منع فرمادیا اور اسی وجہ سے اکثر فقہاء کی عبارت میں اس مقام پر خروج کے ہی لفظوں سے اس مسئلہ کو ذکر بھی کیا گیا ہے۔

نیز مندرجہ ذیل حدیث سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے۔

عن ابن مسعود رضی الله عنه عن النبي ﷺ قال: المرأة عورة فاذا خرجت استشرفها الشيطان. (رواه الترمذی)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عورت سرتاپا پردہ کی چیز ہے، جہاں وہ گھر سے نکلی اور شیطان اس کی تاک میں لگا۔ انتہیٰ۔

یہاں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورت کے گھر سے نکلنے ہی کو محل فتنہ قرار دیا، اور فرمایا کہ شیطان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے کہ خود اسے بہکا کر کسی نامناسب جگہ لے

جائے یا کسی مرد کو بہکا کر اس عورت کی طرف لے آئے اور فتنہ برپا کردے، اور اس روایت پر مکرر نظر ڈالیے جو بحر الرائق کی عبارت میں ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ رسولِ خدا ﷺ نے عورت کی اس نماز کو جو کوٹھری کے اندر پڑھے صحن کی نماز سے بہتر، اور اس نماز کو جو صحن مکان میں پڑھے مسجد کی نماز سے بہتر فرمایا ہے یہ کیوں؟ صرف اس لیے کہ عورت اپنے مکان اور اپنے حیزِ استتار و اطمینان سے جس قدر دور ہوتی جائے گی اسی قدر احتمال فتنہ قوی ہوتا جائے گا، اسی لیے اخیر میں احتمال آں حضرت ﷺ نے ''وبیوتھن خیر لھن'' فرمادیا یعنی ان کے گھر ان کے لیے بہتر ہے، پس ثابت ہوگیا کہ عورتوں کا گھر سے نکلنا ہی محلِ فتنہ ہے؛ اس لیے مجلسِ وعظ میں پردے کی جگہ مقرر کرنا کچھ مفید نہیں، اور نہ اس کا جواز پر کچھ اثر ہے ورنہ لازم ہے کہ مساجد میں پردہ کی جگہ مقرر کر کے ان کو نمازوں میں حاضر ہونے اور جماعت میں شریک ہونے کی اجازت بھی دے دی جائے اور یہ کسی کتاب سے ثابت نہیں۔

اب دوسرے احتمال پر نظر ڈالیے کہ غیر مردوں کی نظریں عورتوں پر پڑیں گی سو اگرچہ بظاہر یہ وہم ہوسکتا ہے کہ مجلسِ وعظ میں پردے کا انتظام کردینے کی صورت میں یہ احتمال مرتفع ہوجاتا ہے؛ لیکن حقیقت شناس خوب جانتے ہیں کہ مجلسِ وعظ کا پردہ اس احتمال کو بھی رفع نہیں کرسکتا، اکثر ایسی بے احتیاطیاں عمل میں آتی ہیں کہ غیر مردوں کی نظر عورتوں پر پڑ جاتی ہیں، اور ایسے مجمعوں میں شریک ہونے والے حضرات اس کی تصدیق کرتے ہیں، اگر ہم تسلیم بھی کرلیں کہ مجلس وعظ کا پردہ عورتوں پر غیر مردوں کی نظر پڑنے سے مانع ہوتا ہے تاہم تیسرا احتمال کہ عورتوں کی نظر مردوں پر پڑے اس پردے سے کسی طرح مرتفع نہیں ہوتا، عورتیں پردے میں سے تمام مجلس کے لوگوں کو

جھانکتی تاکتی ہیں، اور آج کل کی عورتوں میں یہ مرض ایسا عام ہے کہ شاید دو چار فیصد عورتیں ہی اس سے مستثنیٰ ہوں تو ہوں ورنہ اتنی بھی نہیں، پس یہ احتمال فتنہ اس پردے سے جو مجلسِ وعظ میں عورتوں کے لیے کیا جاتا ہے کسی طرح مرتفع نہیں ہوتا بلکہ حقیقت پوچھیے تو یہ پردہ کرنا اصل میں عورتوں کو غیر مردوں کے تاکنے جھانکنے کا موقع دینا ہے، اس بات سے کوئی شخص واقف کار بروئے ایمان وانصاف انکار نہیں کرسکتا، اور یاد رہے کہ جس طرح مردوں کو غیر عورتوں پر نظر ڈالنا حرام ہے اسی طرح عورتوں کو غیر مردوں کا دیکھنا حرام ہے، اس کے لیے حدیث ذیل ملاحظہ ہو:

عن ام سلمة رضی الله عنها أنها كانت عند رسول الله ﷺ وميمونة اذاقبل ابن ام مكتوم فدخل عليه فقال رسول الله ﷺ احتجبا منه، فقلت: يا رسول الله! اليس هو اعمى لا يبصرنا، فقال رسول الله ﷺ: افعميا وان أنتما ألستما تبصرانه. (رواه احمد والترمذی وابوداؤد کذافی المشکوٰة)

ترجمہ: ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میمونہ رضی اللہ عنہا اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا دونوں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھیں کہ عبداللہ بن ام مکتوم نے جو نابینا تھے آنے کا ارادہ کیا، آپ نے ان دونوں بیبیوں سے فرمایا کہ پردہ کرو! ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ یہ تو نابینا ہیں ہمیں نہیں دیکھیں گے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم دونوں تو نابینا نہیں ہو تم تو انھیں دیکھو گی۔

اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہو گیا کہ عورت کو بھی غیر مرد پر نظر ڈالنا حرام ہے، جب ہی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں بیبیوں کو پردہ کرنے کا حکم دیا۔

وكان اصحاب النبی ﷺ يَسُدُّون الثقب والكوى فی الحيطان

لئلا تطلع النساء على الرجال ورأى معاذ امرأته تطلع فى كوة فضربها فينبغي للرجل ان يفعل كذلك ويمنع امرأته عن مثل ذلك. (مجالس ابرار: ٥٦٣)

اور رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کا یہ طریقہ تھا کہ دیواروں کے سوراخ بند کر دیا کرتے تھے تا کہ عورتیں مردوں کو نہ جھانکیں اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو دیکھا کہ ایک جھروکے سے جھانک رہی تھی تو ان کو مارا، پس مردوں کو چاہیے کہ ایسا ہی کریں اور اپنی بی بی کو ایسی باتوں سے روکیں۔

پس واضح طور سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ مجلس وعظ کا پردہ کچھ مفید نہیں، اور اس برائے نام رسمی پردے سے فتنہ کے احتمال مرتفع نہیں ہوتے بالخصوص احتمال نمبر ۱ر ایک کے رفع کرنے میں تو اس کو کچھ دخل نہیں حالاں کہ اصل الاصول وہی ہے، اور احتمال نمبر ۲ر بھی بنظر بے احتیاطی اس پردے سے مرتفع نہیں ہوتا، اور احتمال سوم عورتوں کے حالات اور عادات کو دیکھتے ہوئے قطعاً اس پردے سے مرتفع نہیں ہوتا، پس اب ناظرین خود ہی انصاف کرلیں کہ اس پردے کا جواز پر کیا اثر ہوسکتا ہے؟

(کفایت المفتی ۵/ ۳۹۱ تا ۴۰۱)

حضرت مفتی اعظم نور اللہ مرقدہ کے مندرجۂ بالا مضمون میں آپ کے سوال میں اٹھائے گئے تمام نکات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا، اس کے بعد بھی اگر یہ لوگ تراویح میں ختم قرآن کے موقع پر یا مکتب کے سالانہ انعامی اجلاس کے موقع پر یا کسی عالم کے وعظ و بیان کے موقع پر عورتوں کو مساجد میں بلانے پر اصرار کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان حضرات کو قرآن و حدیث میں موجود حکم شرعی پر عمل کرنے کے بجائے فتنہ انگیزی میں زیادہ دل چسپی ہے، ویسے بھی اس پُرفتن زمانے میں عورتوں کی

بے پردگی، بے حیائی اور عریانی کے نتیجہ میں جو خرابیاں معاشرہ میں پھیل چکی ہیں وہ کیا کم ہیں؟ جو دین وایمان کے نام پر ان کو اور زیادہ ان خرابیوں کو پھیلانے کا موقع فراہم کیا جائے۔ فالی اللہ المشتکی. قوم کے ذمہ داروں کو چاہیے کہ سر جوڑ کر بیٹھیں اور فتنوں کے ان دروازوں کو مزید کھولنے کے بجائے جو کھل چکے ہیں ان کو بند کرنے کی تدابیر اختیار کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ جمادی الاخریٰ ۲۳ھ۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

نماز پنج گانہ اور مجلسِ وعظ وغیرہ میں عورتوں کی شرکت کا حکم

سوال: عورت بغیر محرم کے کہاں تک جاسکتی ہے؟ کتنی کیلومیٹر دور تک جاسکتی ہے؟ ابھی جو اجتماعات محلات میں ہوتے ہیں، تو کیا اپنے ہی محلے میں عورتیں بغیر محرم کے پردہ کی پابندی کے ساتھ جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور جن عورتوں کے نمبرات اجتماعات میں لگتے ہیں، اور بعض دفعہ دور کے محلات میں نمبرات لگتے ہیں، اور دو تین عورتیں ساتھ رہتی ہیں تو کیا یہ عورتیں بغیر محرم کے جاسکتی ہیں یا نہیں؟ ہمارے گھر کے بالکل ہی سامنے روزانہ کی تعلیم ہوتی ہے جس میں حدیث، مسنون دعا، مخرج کی ادائیگی کی مشق کرائی جاتی ہے، تو کیا ہم اپنے کام کاج کو آگے پیچھے کر کے وہاں جاسکتے ہیں یا نہیں؟

میرا سوال یہ ہے کہ میرے گھر میں میرے سسر محلے کے اجتماعات اور روزانہ کی تعلیم کے لیے منع کرتے ہیں، اور میرے شوہر کی اجازت ہے۔ مجھے کس کی اطاعت کرنی چاہیے؟ سسر کے منع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ، وہ یہ کہتے ہیں کہ: عورت بغیر محرم

کے ایک محلے سے دوسرے محلے میں بھی نہیں جاسکتی۔اب آپ اس کا تفصیلی جواب دیجئے کہ جو عورتیں دین کا کام کررہی ہیں، اور جو اس میں جاتی ہیں، اور جو محلات میں اجتماعات ہوتے ہیں، تو وہ ہونا چاہیے یا نہیں؟ اور ہم جو حج کے لیے مکہ شریف جاتے ہیں، تو کیا طواف بغیر محرم کے کرسکتے ہیں؟ اور کیا مسجد حرام میں بغیر محرم کے ہر نماز کے وقت جاسکتے ہیں، اور اسی طرح مدینہ منورہ میں بھی کرسکتے ہیں؟ اور مسجد نبوی میں تو عورتوں کا الگ مقام ہے، تو کیا اگر مسجد نبوی کے دروازے پر ہمیں محرم چھوڑ دے اور پھر وقت مقررہ پر لینے بھی آئے، تو کیا ہم مسجد نبوی میں جاسکتے ہیں، یا پھر گھر میں ہی صلوٰۃ وسلام پڑھے؟ اور جیٹھ کا لڑکا محرم ہے یا نہیں؟ اور عورت پردہ کی پابندی کے ساتھ اور محرم کے ساتھ اپنے ہی شہر میں یا دوسرے شہر میں گھومنے کی غرض سے جاسکتی ہے یا نہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عورتوں کو فقہائے حنفیہ نے نماز کی جماعتوں اور عیدین اور مجالس وعظ میں جانے سے منع کیا ہے، اور کتبِ فقہ میں اس کی تصریح ہے کہ عورتوں کے لیے مجالس وعظ اور جماعت نماز اور عیدین میں جانا مکروہ تحریمی ہے، جو حرام کے قریب ہے، اور اس حکم فقہی کی دلیل یہ حدیث ہے جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے۔

عن عائشة رضى الله عنها قالت لو ادرك رسول الله ﷺ ماحدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نسآء بنى اسرائيل فقلت لعمر او منعن قالت نعم. (بخاری شریف)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ: اگر عورتوں کی یہ

حرکات جوانہوں نے اب اختیار کی ہیں رسول اللہ ﷺ ملاحظہ فرماتے، تو انہیں مسجدوں میں آنے سے روک دیتے جیسے کہ بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئی تھیں۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے عمرہ سے پوچھا کہ کیا بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئی تھیں؟ انھوں نے فرمایا: ہاں۔ انتہیٰ

اس حدیث سے نہایت صاف طور پر یہ بات معلوم ہوگئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بھی عورتوں کی حالت ایسی ہوگئی تھی کہ ان کا گھروں سے نکلنا اور جماعتوں میں جانا سب فتنہ تھا، اور اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا و دیگر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم عورتوں کو جماعت میں آنے سے منع کرتے تھے۔

''بدائع'' میں ہے: لا یباح للشواب منهن الخروج الی الجماعات بدلیل ماروی عن عمر انه نهی الشواب عن الخروج ولان خروجهن إلی الجماعة سبب للفتنة والفتنة حرام وما ادی الی الحرام فهو حرام (بدائع الصنائع ۱/ ۵۷)

یعنی جوان عورتوں کا جماعتوں میں جانا مباح نہیں اس روایت کی دلیل سے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے جوان عورتوں کو نکلنے سے منع فرمادیا تھا، اور اس لیے کہ عورتوں کا گھروں سے نکلنا فتنہ کا سبب ہے، اور فتنہ حرام ہے، اور جو چیز فتنہ کی طرف پہنچائے وہ بھی حرام ہوتی ہے۔ انتہیٰ

اور ''فتاوی ہندیہ'' معروف ''فتاوی عالمگیری'' میں ہے: والفتوی الیوم علی الکراهة فی کل الصلوات لظهور الفساد کذا فی الکافی. (فتاوی عالمگیری: ۱/ ۹۳) یعنی اس زمانہ میں فتوی اس پر ہے کہ عورتوں کا تمام نمازوں میں جانا مکروہ ہے؛ کیوں کہ ظہور فساد کا زمانہ ہے۔

ان تمام عبارتوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عورتوں کو نماز پنجگانہ، عیدین اور جمعہ کی جماعتوں میں جانا مکروہ تحریمی ہے، اور گھروں سے ان کے نکلنے میں ہی فتنہ ہے، اور یہ ممانعت حضرت عمر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم وغیرھم سے منقول ہے، اور ائمہ حنفیہ رحمۃ اللہ علیہم کا بالاتفاق یہی مذہب ہے، باوجود یہ کہ نماز پنجگانہ اور عیدین اور جمعہ کی جماعتوں میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں عورتیں جاتی اور شریک ہوتی تھیں، اور یہ جماعتیں فرائض کی جماعتیں ہیں، اور شعائر اسلام میں سے ہے؛ مگر اختلافِ زمانہ اور تغیرِ حالات کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ عظام رحمۃ اللہ علیہم نے عورتوں کو ان جماعتوں سے روک دیا، اور ائمہ حنفیہ رحمۃ اللہ علیہم نے بالاتفاق عورتوں کے جماعت میں جانے کو مکروہ فرما دیا، تو اس سے ہر سمجھ دار شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ جب فرائض کی جماعتوں کا یہ حکم ہے تو وعظ کی مجلسوں میں جانا عورتوں کو کسی طرح جائز نہیں ہوسکتا؛ چناں چہ فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم نے اس کی تصریح فرما دی ہے۔ البحر الرائق میں ہے: والفتوی الیوم علی الکراھة فی الصلاة کلھا لظھور الفساد ومتی کرہ حضور المسجد للصلوة فلأن یکرہ حضور مجالس الوعظ اولیٰ ذکرہ فخر الاسلام (البحر الرائق:۱/۳۸۰) یعنی آج کل فتوی اس پر ہے کہ عورتوں کا تمام نمازوں میں جانا مکروہ بوجہ ظہور فساد کے اور جب کہ مسجد میں نماز کے لیے جانا مکروہ ہے تو وعظ کی مجلسوں میں جانا بدرجۂ اولیٰ مکروہ ہے، یہ فخر الاسلام نے ذکر کیا۔ اور علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ شرح کنز میں تحریر فرماتے ہیں: فالفتوی الیوم علی المنع فی الکل و یدخل فی قوله الجماعات الجمع والاعیاد والاستسقاء و مجالس الوعظ. (عینی شرح کنز ۳۹) یعنی آج کل فتویٰ اس پر ہے کہ تمام نمازوں (کی جماعتوں) میں جانا جوان عورتوں اور بوڑھیوں

دونوں کو منع ہے، اور مصنف کے قول الجماعات میں جمعہ اور عیدین اور استسقاء اور وعظ کی مجلسیں بھی داخل ہیں۔ اور درمختار میں ہے: ویکرہ حضور هن الجماعة ولو لجمعة وعيد ووعظ مطلقاً ولو عجوزاً ليلاً على المذهب المفتى به لفساد الزمان. (درمختار) یعنی عورتوں کا جماعت میں جانا خواہ جماعت جمعہ کی ہو یا عید کی یا وعظ کی مکروہ ہے، اور خواہ جانے والی بوڑھی عورت ہو اور رات کو جائے مذہبِ مفتی بہ کی بنا پر، اور یہ حکم بوجہِ ظہورِ فسادِ زمانہ کے ہے۔

''البحر الرائق''، ''عینی شرح کنز الدقائق'' اور ''درمختار'' کی عبارتوں سے صراحۃً یہ بات ثابت ہوگئی کہ عورتوں کو مجالس وعظ میں جانا مکروہ اور ناجائز ہے۔ اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ جب عورتوں کو مجالس وعظ میں جانا ناجائز ہے تو ان کے لیے وعظ و پند کا دروازہ بھی بند ہو گیا، تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ: نہیں، وعظ و پند کا دروازہ اب بھی مفتوح ہے، بند نہیں ہوا؛ لیکن شرط یہ ہے کہ شرعی طریقہ سے وہ اس پر کاربند ہو، اور وہ طریقہ یہ ہے کہ گھروں میں واعظ عالم مفتی کو بلا کر وعظ سن لیا کریں؛ مگر اس میں یہ شرط لازمی ہے کہ عورتیں صرف اسی گھر کی ہوں یا اس کے آس پاس اتنے قریب مکانوں کی ہو کہ ان کا مکان وعظ میں آنا گویا خروج عن المکان ہی نہ ہو۔ (کفایت المفتی ۵/۳۹۱ تا ۴۰۶ ملخصاً)

تفصیل بالا سے یہ بات سمجھ میں آچکی ہوگی کہ اگر اجتماع اپنے ہی گھر یا اپنی بلڈنگ یا اپنے ہی محلہ میں ہے تو پردہ کے مکمل اہتمام کے ساتھ جا سکتی ہے؛ ورنہ نہیں، محلہ میں ہونے والے اجتماعات میں اسی محلہ کی عورتیں آتی ہیں تو حرج نہیں ہے۔

''عورتوں کے لیے ایسے ہجوم کے وقت طواف کرنا جائز نہیں جس میں مردوں کے ساتھ جسم لگنے کا اندیشہ ہو، دوسرے اوقات میں بھی مردوں سے باہر کی طرف

مطاف کے کنارے کے قریب طواف کریں، عورتوں کے لیے مسجد نبوی اور مسجد حرام میں نماز پڑھنے سے اپنے مکان میں پڑھنا زیادہ ثواب ہے۔ (احسن الفتاوی ۴/ ۵۶۷)

جیٹھ، دیور اوران کے لڑکے محرم نہیں ہیں، اپنے خاوند کے یا کسی محرم کے ساتھ عورت بہ غرض سیر برقع کے ساتھ باہر جاسکتی ہے۔ (کفایت المفتی ۵/ ۴۳۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ جمادی الاخری ۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

عورتوں کے لیے اصلاحی وانعامی اجلاس منعقد کرنا

سوال: خدمتِ عالیہ میں یہ ہے کہ دینی اصلاحی اور تبلیغی لائن سے دنیا بھر میں کام ہورہا ہے، مردوں کے ساتھ مستورات بھی اپنے محرموں کے ساتھ ساتھ آتی ہیں مردوں کا قیام مسجد میں اور مستورات کا کسی کے مکان میں رہتا ہے جہاں فضائل اعمال کی تعلیم اور اصلاحی بیان ہوتا ہے، جماعت میں جڑنے اور اپنی اصلاح کے لیے باہر نکلنے کی ترغیب دی جاتی ہے اسی طرح مستورات میں بھی پروگرام مکان میں ہوتا ہے، مقامی عورتیں شریک ہوتی ہیں بعض خواتین حجاب اور برقعہ میں ہوتی ہیں اور بعض اپنے عام لباس میں سر پر دوپٹہ ڈالے ہوئے، عورتوں کی نظریں راہ گزروں پر قصداً یا غیر ارادی طور پر پڑتی ہوں گی، اسی طرح مردوں کی بھی جسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے خیر علماء سے سنا ہے کہ عورتوں کو نماز کے لیے مسجد میں جانے کی اجازت نہیں ہے، سوال دریافت طلب یہ ہے کہ اس قسم کا اصلاحی پروگرام جس میں فضائل اعمال کی تعلیم ہوتی ہو اصلاحی بیان ہوتے ہوں جس میں صرف مستورات ہی بیان کرنے والی ہوں اور

مستورات ہی سننے والی ہوں یہ پروگرام مسجد کے احاطہ میں کسی وسیع کمرے میں یا صحن مسجد میں رکھا جائے تو شرعاً اس کی اجازت ہے؟ اسی طرح مدرسہ کے سالانہ انعامی اجلاس کے موقع پر مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے والی طالبات کو اردو عربی اور انگریزی میں نظمیں، تقریر اور مکالمے یاد کرائے جاتے ہیں ان طالبات کی ہمت افزائی کے لیے اس قسم کا پروگرام احاطۂ مسجد میں کسی وسیع کمرے یا صحن مسجد میں رکھا جائے اور صرف مستورات کو ہی مدعو کیا جائے تو کیا شرعاً اس کی اجازت ہے؟ امید ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں: دین سیکھنا مردوں اور عورتوں سب کے ذمہ ضروری ہے، عورت کے لیے اگر ہر مکان میں ان کے شوہر، باپ، بھائی وغیرہ دین سیکھنے کا انتظام کردیں تو پھر کہیں جانے کی ضرورت نہیں؛ لیکن جب اس کا انتظام نہ ہو تو ان کے اجتماع کو منع نہ کیا جائے؛ البتہ اس کا اہتمام کیا جائے کہ پردہ کا پورا انتظام ہو، بلا محرم کے عورتیں سفر نہ کریں، تقریر میں ان کی آواز نامحرموں تک نہ پہنچے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی عورتوں کا اجتماع فرمایا اور اس میں خود تشریف لے جا کر دین سکھایا ہے۔ (فتاوی محمودیہ ۱۴/ ۱۱۶)

البتہ آنے والی عورتوں کو پردہ اور حجاب کی پابندیوں کا لحاظ کرتے ہوئے آنے کی تاکید کی جائے، چناں چہ حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ ایک اور جگہ پر تحریر فرماتے ہیں: شریعت نے عورتوں کو پردہ کی بہت تاکید فرمائی ہے ایک حدیث میں

ارشاد ہے کہ عورت چھپانے کی چیز ہے، جب وہ مکان سے باہر نکلتی ہے تو شیطان جھانکتا ہے، ایک حدیث میں ہے میں نے اپنے بعض مردوں کے حق میں عورتوں سے زیادہ مضر کوئی فتنہ نہیں چھوڑا، ایک حدیث میں ہے کہ جو عورت خوشبو لگا کر مردوں کے قریب سے گزرتی ہے وہ ایسی ہے یعنی بدکاری کی دعوت دینے والی ہے، ایک حدیث میں ہے کہ نظر شیطان کے زہریلے تیروں میں سے ایک تیر ہے جو سیدھا دل پر جا کر لگتا ہے؛ اس لیے بلا ضرورت عورت کا مکان سے نکلنا منع ہے اگرچہ وہ پردہ کے ساتھ نکلے، ضرورت پر جب کہ بغیر مکان سے نکلے کام نہ چلے تو میلے کچیلے کپڑے پہن کر پردہ کے ساتھ نکلنے کی گنجائش ہے، اس طرح کہ مہکتی خوشبو نہ ہو کوئی چیز جاذب نظر نہ ہو، پھر ضرورت پوری ہونے پر فوراً واپس آجائے، دین سیکھنے اور مسائل معلوم ہونے کا مکان پر اگر انتظام نہ ہو سکے تو دینی ضرورت کے خاطر بھی پردہ کے ساتھ نکل سکتی ہے، ضرورت کی چیز کوئی لانے والا نہ ہو مثلاً پانی وغیرہ تب بھی اس طرح نکل سکتی ہے۔ الحاصل تفریح وسیر کے لیے شہریوں کی ملاقات کے لیے، خوش طبعی کی محفلوں کے لیے، رسمی جلسوں کے لیے نکلنے کی اجازت نہیں، بے پردہ نکلنا تو ہر صورت میں ناجائز ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ۱۷/ ۳۲۷، ۳۲۸)

حضرت مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں: نو عمر لڑکیوں کا اسی طرح جلسہ کرنا بظاہر ان کی تعلیمی ترقی اور غیر تعلیم یافتہ مستورات میں تعلیمی ترغیب کا ذریعہ بھی ہے، ان کو معلومات بھی حاصل ہوتی ہیں مافی الضمیر کے ادا کرنے کا سلیقہ بھی پیدا ہوتا ہے، تقریر کی مشق بھی ہوتی ہے مگر ساتھ ہی اس میں فتنے بھی ہوتے ہیں خاص کر جب مرد بھی لاؤڈ اسپیکر پر ان کی تقریر، مکالمے سنتے ہوں اور دل چسپی لیتے ہوں اور نظمیں

بھی ترنم کے ساتھ پڑھی جاتی ہوں، اگر چھوٹی بچیاں ہوں تو ان میں فتنہ نہیں، بڑی لڑکیوں کا حال دوسرا ہے ان کو اس طرح نہ تعلیم دی جائے، نہ تقریر کرائی جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۴/ ۱۲۲ ملخصا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

نوکر سے پردہ

سوال: اگر کسی کے وہاں کوئی نوکر رکھا ہو صرف اس لیے کہ جب بھی چاہے اس سے کام لے سکتے ہیں، تو اس گھر کی عورتیں پردہ رکھیں گی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ہر غیر محرم سے پردہ ضروری ہے، چاہے وہ گھر کے کام کاج کے لیے رکھا ہوا نوکر ہی کیوں نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایک گھر میں رہنے والے نامحرم رشتے داروں سے پردہ

سوال: چچا، ماموں، پھوپھی یا خالہ کے لڑکے لڑکیوں میں اگر باہم عمروں کا کافی فرق ہو، ایک کی دوسرے کے ہاتھوں میں پرورش ہوئی ہو، خاندان کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہنا پڑتا ہو، اور ایک دوسرے کو دیکھ کر شہوت ابھرنے کا ڈر بھی نہ ہو، یا چچی، ممانی، خالو، پھوپھا یا ایسے سسرالی رشتہ دار ہوں جہاں اندیشۂ شہوت نہ پایا جاتا ہو تو کس طرح کی احتیاط سے شرعی پردے کا مقصد حاصل ہو سکتا ہے؟

دوسرے دیور، بھابھی یا سالی، بہنوئی، نندوئی وغیرہ کے معاملے میں یا دوسرے ایسے رشتوں میں جہاں شر کا بھی خطرہ ہو پردے کا حکمِ شرعی کیا ہوگا؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

ایسی حالت میں عورتوں کو گھر میں احتیاط سے رہنا اور حتی الامکان کھلے منہ سامنے ہونے سے بچنا لازم ہے، امکانی کوشش کرلیں اور مجبوری سے احیاناً سامنا ہوجائے تو صفائی قلب کی حالت میں اس کی معافی کی امید ہوسکتی ہے۔ (کفایت المفتی ۵/۳۹۱)

لیکن صفائی قلب کے نہ ہونے اور شر کا خطرہ ہونے کی صورت میں علیحدہ رہائش کا انتظام ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد خانپوری، ۷/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح عباس داؤد بسم اللہ

گھر کے ملازم سے بھی پردہ ہے!

سوال: (۱) ایک آدمی نے اپنی بیٹی کو ایک عالم کے نکاح میں دی ہے، نکاح سے قبل اس عالم نے پردہ کی شرط رکھی تھی، ہم نے منظور کیا، عورت نے یہ سمجھا کہ باہر نکلتے وقت پردہ کرنا ہوگا جیسا کہ یہاں کا عرف ہے، نکاح ہوگیا، رخصتی ہوگئی، اب ان کا یہ اصرار ہے کہ گھر میں ملازم مرد سے بھی پردہ کیا جائے، عالم کی والدہ اور بہن کے گھر میں مرد ملازم ہے، اس کو نکالنے کے لیے یہ لوگ تیار نہیں ہیں، عورت کو مجبور کیا جارہا ہے کہ کھانا پکاتے وقت بھی خادم سے پردہ کیا جائے تو کیا مرد عورت کو گھر میں پردہ کے لیے اور کھانا پکاتے وقت مجبور کرسکتا ہے؟ عورت انکار کرتی ہے، شریعت کا اس

میں کیا حکم ہے؟ عورت کو پکاتے وقت پردہ برقع پہننے سے پھوڑے پھنسیاں بھی نکل آتی ہیں، اس لیے مجبوری کا اظہار کرتی ہے۔

② مرد نے اپنا قیام علیحدہ گھر میں کرلیا وہاں عورت خادمہ ہے، کافرہ، کیا ان سے بھی پردہ کرنا ہوگا؟

عورت اپنے میکہ جاتی ہے، وہاں مرد ملازم ہے، شوہر مجبور کرتا ہے کہ وہاں گھر میں بھی پردہ کیا جاوے، میکہ میں خادمہ عورت کا ملنا دشوار ہے، عورت نے مجبوری کا اظہار کیا، اب مرد نے کہا یا تو پردہ کرو ورنہ میرا ساتھ چھوڑ دو، عورت نے کہا کہ میکہ میں احتیاط کروں گی؛ مگر وعدہ نہیں؛ کیوں کہ گھر میں ملازم مرد ہے اور بارہا آمنا سامنا ہوجاتا ہے؛ مگر مرد اس کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں اور طلاق کی تلوار لٹکائے رہتا ہے؛ کیوں کہ کبھی کبھی میکہ میں قیام لمبا کرنا پڑتا ہے بچہ کی ولادت وغیرہ کے وقت، تب یہ مجبوری پیش آجاتی ہے، اب یہ مرد عورت سے کہتا ہے کہ: اپنے والد سے مشورہ کرلو اور دو باتوں میں سے ایک اختیار کرلو، میکہ میں بھی گھر میں بھی: پردہ یا طلاق۔ ایسی مجبوری میں شریعتِ مطہرہ میں کوئی گنجائش ہے یا اس کی کوئی متبادل صورت ہے؟ احناف کے علاوہ شوافع اور حنابلہ اور مالکیہ کیا کہتے ہیں؟

③ عورت کی مجبوری کی وجہ سے عذر، دوسری طرف طلاق، ان دونوں میں اشد جرم وگناہ کونسا؟ عورت صوم وصلوۃ کی پابند ہے؛ مگر یہ ایک مسئلہ ہے اس کی وجہ سے طلاق تک نوبت پہنچتی ہے، کیا فقہاء نے کوئی گنجائش نکالی ہے جس کی رو سے یہ نکاح ٹک جائے اور زوجین میں تفریق نہ ہو؟ امید ہے کہ حوالوں کے ساتھ جواب دیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① تا ③ سوائے محارم کے اور رشتہ داروں سے پردہ کرنا ضروری ہے، پردہ سے مراد یہ ہے کہ عورت کا بدن غیر محرم نہ دیکھے۔ دیکھئے: کفایت المفتی ۵ / ۳۸۹۔

پردہ کا یہ حکم شوہر کی شرط پر موقوف نہیں، شوہر نے بوقتِ نکاح پردہ سے رہنے کی شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو، شریعت کا ایک حکم ہونے کی حیثیت سے عورت کے لیے اس کی پابندی ضروری ہے، اور پردہ والے اس شرعی حکم کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے معروف برقعہ پہننا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ مقصود جیسا کہ اوپر بتلا دیا گیا یہ ہے کہ عورت کا بدن غیر محرم نہ دیکھے، اگر یہ مقصد معروف برقعہ اوڑھے بغیر چادر یا اور کسی کپڑے کے استعمال سے حاصل ہو جاتا ہے تو درست ہے، اس لیے عورت کے لیے ضروری ہے کہ شوہر کے گھر میں رہے یا میکہ میں رہے، ہر حال میں اس حکم شرعی کو پورا کرنے کا اہتمام کرے۔

شوہر کی والدہ اور بہن کے گھر میں مرد ملازم ہے اور اس کو نکالنے کے لیے یہ لوگ تیار نہیں ہیں، اور شوہر بیوی کو مجبور کر رہا ہے کہ کھانا پکاتے وقت بھی خادم سے پردہ کیا جائے تو سوال یہ ہے کہ کیا وہ مرد ملازم کھانا پکاتے وقت بھی باورچی خانہ میں موجود رہتا ہے؟ اگر ایسا ہے، تو اس صورت میں بھی عورت کے لیے ضروری ہے کہ اپنے آپ کو اس کے سامنے بے پردہ نہ کرے؛ البتہ شریعتِ مطہرہ نے عورت کو یہ حق دیا ہے کہ اس کو ایسے مکان میں رکھا جائے جس میں شوہر کے اقارب نہ ہوں، اس لیے اس صورت میں عورت شوہر سے یہ مطالبہ کر سکتی ہے کہ آپ کی والدہ اور بہن کے گھر میں مرد ملازم ہونے کی وجہ سے میں شریعتِ مطہرہ کے پردہ والے حکم کو کما حقہ بجا

نہیں لا پاتی، اس لیے آپ میری رہائش کے لیے الگ مکان کا انتظام کریں، جہاں نہ تو آپ کی والدہ اور بہن ہو اور نہ مرد ملازم، اور ایسا مطالبہ کرنے میں عورت حق بجانب ہوگی۔ (ماخوذ از کفایت المفتی ۵/ ۳۸۹)

پردہ کے سلسلہ میں جو حکم شرعی ہے وہ قرآن وحدیث کے نصوصِ صریحہ سے ثابت ہے، اس کی خلاف ورزی کی شرعاً کوئی گنجائش نہیں، دیگر فقہی مذاہب میں بھی یہی حکم ہے، ہمارا معاشرہ چوں کہ بے پردگی کا عادی ہو چکا ہے اور اسی بے پردگی کے ماحول میں بچیاں پرورش پا کر بڑی ہوتی ہیں، اس لیے ان کو شریعت کے پردہ والے حکموں کے تقاضوں کو پورا کرنا ناممکن یا مشکل معلوم ہوتا ہے، حالاں کہ شریعت کسی ایسی چیز کا حکم نہیں دیتی جس پر عمل ممکن نہ ہو ﴿لا یکلف اللہ نفسا إلا ما وسعها﴾ اس لیے باپ کو چاہیے کہ اپنی بیٹی کو حکمِ شرعی پر عمل کرنے کے لیے آمادہ کرے، اور ساتھ ہی اس کے لیے اس حکمِ شرعی پر عمل کرنے میں آسانی ہو اس کے لیے ممکنہ تدبیر اختیار کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ ذی الحجہ ۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ
الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

عورتوں کی آواز ٹیپ میں سننا

(سوال): عورتوں کی آواز ٹیپ میں سننا، چاہے وہ تلاوت قرآن ہو، یا مدح رسول ہو، یا تقاریر ہو اور عورتوں کا آنا مجلس عامہ میں، کیا درست ہے؟

الجواب : حامداً و مصلیاً و مسلماً

ٹیپ میں عورت کی آواز سننا، چاہے تلاوت قرآن پاک ہو یا مدح رسول یا تقریر، ایسا ہی ہے جیسا کہ براہِ راست عورت کی زبان سے سننا، چاہے پردہ کے ساتھ ہو اور یہ جائز نہیں۔ لأنه اسماع صوت المرأة بلا ضرورة شرعية.

(ماخوذ از امداد الفتاویٰ ۴/۲۰۰)

عورتوں کو فقہائے حنفیہ نے نماز کی جماعتوں اور عیدین اور مجالس وعظ میں جانے سے منع کیا ہے، اور کتبِ فقہ میں اس کی تصریح ہے کہ عورتوں کے لیے مجالسِ وعظ اور جماعتِ نماز اور عیدین میں جانا مکروہ تحریمی ہے، جو حرام کے قریب ہے۔

(کفایت المفتی ۵/۳۹۱ والتفصیل فیہ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

منسوبہ لڑکی سے خط وکتابت

سوال : ایک لڑکے کی نسبت ایک لڑکی کے ساتھ طے ہو چکی ہے، لڑکا اس نسبت کے ہو جانے کے بعد تحصیلِ علم کے لیے بیرونِ ملک چلا گیا، فراغت کے بعد شادی کا ارادہ ہے، شادی سے پہلے تحصیل علم کے دوران اس لڑکی سے خط وکتابت جائز ہے یا نہیں؟ اس کے خطوط زیادہ تر پند ونصائح پر مشتمل ہوتے ہیں، خط نہ لکھنے کی صورت میں لڑکی کی طرف سے نسبت ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہے، کیا اس نسبت کو باقی رکھنے کے لیے خط وکتابت جائز ہے؟

الجواب : حامداً و مصلیاً و مسلماً

نسبت طے ہو چکنے کے بعد بھی جب تک نکاح نہیں ہوا ہے وہ لڑکی اس لڑکے

کے حق میں اجنبیہ ہے، اور جو حکم اجنبیہ کا ہے وہی اس لڑکی پر بھی جاری ہوگا، خط وکتابت چاہے پند ونصائح پر مشتمل ہو فتنہ اور استلذاذ سے خالی نہیں ہے، اور حضرات فقہاء رحمۃ اللہ علیہ نے مرد کے حق میں عورت (اجنبیہ) کے جھوٹے کو اور عورت کے حق میں مرد کے جھوٹے کو مکروہ لکھا ہے۔

درمختار میں ہے: يكره للمرأة سؤر الرجل وسؤرها له. (در علی هامش الرد ٥/٣٠٢) اَوَ امرأ؟ نعم، يكره سؤر ها للرجل كعكسه للاستلذاذ، واستعمال ريق الغير وهو لا يجوز، مجتبىٰ.(در علی هامش الرد ١/١٦٣)

(قوله نعم يكره سؤرها الخ) اى فى الشرب لا فى الطهارة، بحر. قال الرملي: ويجب تقييده بغير الزوجة والمحارم.(شامي١/١٦٣)

مخطوبہ کو دیکھنے کی شریعت نے جو اجازت دی ہے، وہ بھی ضرورت کی وجہ سے خلافِ قیاس ہے، جو اپنی حد تک محدود رہے گی، اسی لیے اگر ایک مرتبہ دیکھ چکا ہے تو دوسری مرتبہ حرام ہے۔

وتقييد الاستثناء بماكان لحاجة انه لو اكتفى بالنظر إليها بمرة حرم الزائد؛ لانه ابيح لضرورة فيتقيد بها.(شامي٥/٢٦٢)

سوال میں مذکور اندیشہ کی وجہ سے ممنوع شرعی کا ارتکاب جائز قرار نہیں دیا جاسکتا، اس کا آسان علاج یہ ہے کہ عقدِ نکاح کرلیا جائے چاہے رخصتی نہ ہو، اس صورت میں اختیار بھی لڑکے کے ہاتھ میں رہے گا، اور خط وکتابت بھی جائز؛ بلکہ مستحسن ہوجاوے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/محرم الحرام ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ